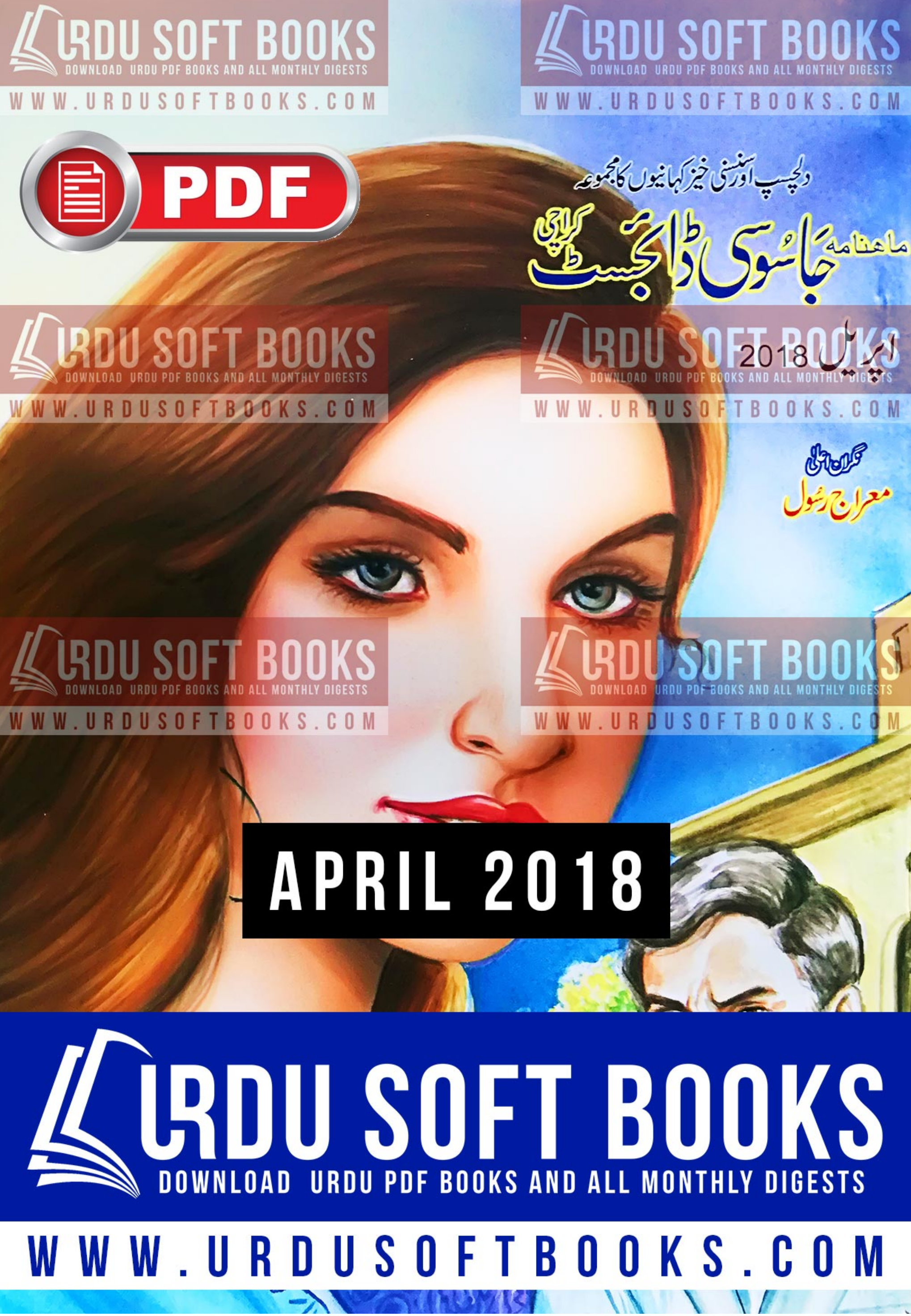


دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
جاسوسی ڈائجسٹ
کراچی
اپریل 2018
نگران اعلیٰ
معراج رسول
APRIL 2018

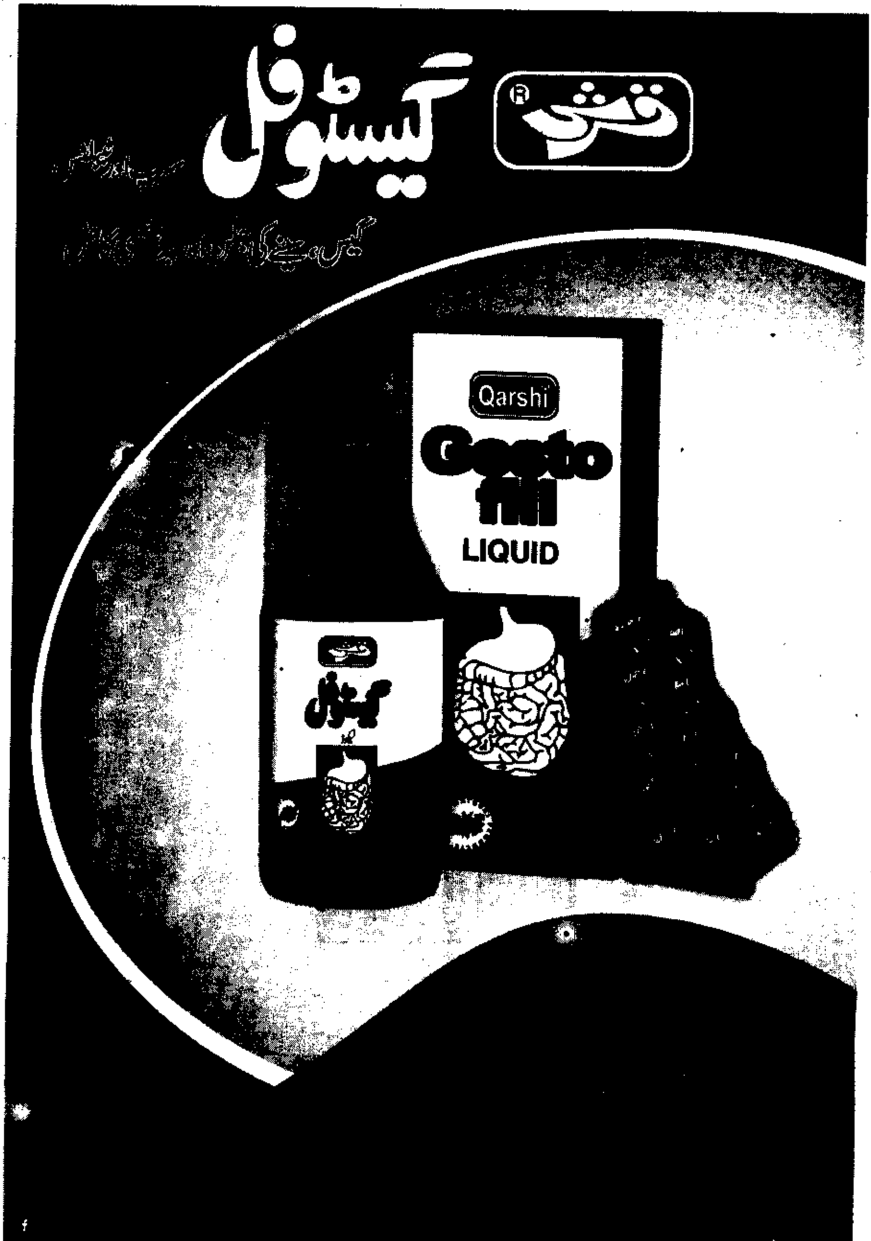
نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ



www.urdusoftbooks.com

جاسوسی ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ خیال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

جلد48 • شمارہ04 • اپریل 2018 • زرِسالانہ 900 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 70 روپے •
خط وکتابت کا پتا: [illegible] 74200 • فون: (021) 35895313 E-mail:jdpgroup@hotmail.com



پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقامِ اشاعت: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبع: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی


ISO 22000-2005
SUFI
SUFI
SUFI
FINEST
DRINKING
WATER
500 ML
Approved by
PCRWR
PCSIR
and

مدیرِ اعلیٰ

چینی نکتہ چینی

عزیزانِ من...... السلامُ علیکم!

23 مارچ کو ہم یوم پاکستان مناتے ہیں۔ مبارکباد...... مگر ہم نے اپنے ملک کا کیا حال کیا ہوا ہے۔ ہم اس لیے ذمّے دار ہیں کہ اپنے ووٹ سے ایسے لوگوں کو اقتدار کے ایوانوں میں پہنچاتے ہیں جن میں سے بہت سے موقع دیکھ کر اپنی بولی لگواتے اور بھاؤ بڑھواتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام رائج و نافذ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بدترین جمہوریت بھی آمریت سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ بالکل درست...... یہ سب تسلیم مگر اس جمہوریت کے سائے میں پچھلے دنوں جو کچھ ہوا، وہ پوری قوم نے دیکھا۔ سینیٹ کے انتخابات اور پھر چیئرمین و ڈپٹی چیئرمین کے انتخاب میں دل کھول کر سودے ہوئے۔ گدھوں کو نایاب نسلی گھوڑوں کے دام خریدا گیا۔ دونوں حریفوں نے اس نیلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جیتنے والے اپنی کامیابی کو آزادیٔ اظہار اور ضمیر کی آواز کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں، ہارنے والے کھلی بدعنوانیوں کے الزام لگا رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو سارا کھیل ہی خریداریوں اور بدعنوانیوں پر مشتمل تھا۔ جو آگے نکل گیا، وہ جیت گیا۔ ہارنے والے اپنی مالی اور اخلاقی سرمایہ کاری کی بربادی پر سر پیٹ رہے ہیں۔ ستر سال کی سیاسی جدوجہد کا یہ پھل بہت ہی کڑوا ہے۔ یہ طے ہے کہ آمریت کی کوکھ سے مجموعی بہتری جنم نہیں لے سکتی اور جمہوریت کا حال ہمارے سامنے ہے۔ پس چہ باید کرد......؟ سیاسی قیادت اور سول اشرافیہ کے لیے یہ بہت بڑا سوال ہے۔ سب کو سر جوڑ کر اس کا جواب تلاش کرنا ہوگا ورنہ قوم ماضی کی طرح سو پیاز اور سو جوتوں کی مار کھاتی رہے گی اور یہ گنتی کبھی پوری نہیں ہوگی۔ اس التجا کے ساتھ چلتے ہیں اس محفل میں جہاں بہت سے قارئین سر جوڑے ہمارے منتظر ہیں۔

داؤ خیل سے محمد سجاول خان کی دھمال ”اس بار جاسوسی کا سرورق دیکھا تو عمران سیریز کے ناولز کی یاد آگئی جس میں ایک لیڈی ہاتھوں میں اسلحہ لیے براجمان ہوتی تھی۔ ہاتھوں میں ہتھیار چہرے پر مسکان کیا کمال لگ رہی تھی۔ ٹائٹل گرل بھی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیر رہی تھی اور ویمپ گرل کا لُک دینے میں کامیاب نظر آرہی تھی۔ دونوں لڑکیوں کے ایسے نرالے انداز دیکھ بیچارہ مرد ایک جانب منہ چھپائے کھڑا تھا۔ بیچارے کی بے بسی پر افسردگی سے سرہلاتے ہوئے چینی نکتہ چینی کی محفل کی جانب قدم بڑھا دیے۔ جہاں واہ کینٹ کی بلقیس خان موجود تھیں۔ محترمہ بلقیس صاحبہ آپ کی والدہ کی وفات کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ پاک آپ کی والدہ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے گھر والوں کو صبر عطا فرمائے۔ سینٹرل جیل سے ایم اقبال کی آمد دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ کھاریاں سے بابر عباس بھی اپنے تند و تیز تبصرے کے ساتھ موجود تھے اور ہر کہانی کا ماہرانہ تجزیہ کررہے تھے۔ دیارِ غیر سے پرویز لانگاہ اپنے بھاری بھرکم تبصرے کے ساتھ سب کی ٹانگیں کھینچتے نظر آئے۔ کراچی سے ہی سعدیہ اور ماہ رخ نے بھی اپنی حاضری لگوائی۔ کوئٹہ سے سیف بھی ٹھنڈی چٹکیاں مار کر محفل کے گرم ماحول کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے نظر آئے۔ بھائی آپ کی چٹکیاں ہی ٹھنڈی تھیں، باقی تبصرہ بڑا جاندار تھا۔ باقی شہروں سے بھی معزز ساتھیوں نے اپنی اپنی حاضری لگوائی۔ محفلِ خلوط سے باہر نکلے ہی تھے کہ زویا اعجاز کی قفس شکن میں جا پھنسے جہاں سے پوری کہانی ختم کرکے ہی نکلے۔ پچھلی قسط کی نسبت اس بار کی قسط دھواں دھار تھی۔ بہت ہی اچھے انداز میں کہانی کو انجام تک پہنچایا گیا۔ اگلے موڑ پر بڑا کھلاڑی، اعتزاز وصلی موجود تھے۔ کرکٹ کے سیزن کی مناسبت سے ایک رنگا رنگ پیشکش۔ نفرت اور انتقام کے گرد گھومتی ایک ایسی کہانی جو اپنے اندر بہت سی تلخ حقیقتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قیافہ شناس تنویر واسطی چائنیز فلموں کی طرز کی کہانی لیے موجود تھے۔ مشکل ناموں اور الجھی اور پیچیدہ کہانی نے بوریت کی انتہا کردی۔ ایسے لگا جیسے کسی نے بورنگ چائنیز فلم کو اردو میں ترجمہ کرکے لکھ دیا ہو۔ منظر امام کامیڈی میں ہارر کا تڑکا لیے کچھ اور کے ساتھ موجود تھے۔ اگر کہانی سے پہلے یہ نہ لکھا ہوتا کہ تمام کردار و واقعات تخیلی ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو میں اسے پاکستان اور امریکا کی کہانی ہی سمجھتا۔ امریکا ڈمور کرتے نہیں تھکتا اور پاکستان ڈمور کے چکر میں نومور رہ گیا ہے۔ خیر اب اللہ ہی ہمارے حال پر رحم کرے۔ سرورق کے رنگوں میں پہلے نمبر پر اسما قادری کی چاہ کن راہ پڑھی۔ ان کی کہانیوں میں ڈائیلاگ کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ نفرت اور جھوٹ جیسی برائیوں کے بیچ جھولتی کہانی نے آخری لمحوں تک اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ شکیل کاظمی کا حصار ان ضمیر فروشوں کے گرد تھا جو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کوئی بھی حد پار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور ان خواہشات کے تعاقب میں وہ ایک ایسی راہ کے مسافر بنے جہاں انسانیت ختم ہوجاتی ہے۔ عذر شناس منظر سلیم ہاشمی کا ایک اور شاہکار ہماری راہ تک رہا تھا۔ رائٹرز کی ملاقات کا ایک دلچسپ احوال جو کہ ایک موت پر ختم ہوتا ہے۔ کہانی بہت مختصر تھی اور پیاس کو ادھورا چھوڑ گئی۔ آپ کی سرورق کے رنگوں میں دوبارہ آمد کا شدت سے انتظار ہے۔ باقی کترنیں بھی اچھی تھیں۔“

ٹنڈو الہ یار سے عجیب گل اداسی کی فرحت ”پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ کافی عرصے سے جاسوسی ڈائجسٹ پڑھ رہا ہوں اور اس کا بہت بڑا فین ہوں۔ ہر ماہ آتے ہی پہلی فرصت میں خرید لیتا ہوں۔ (یہ تو بہت اچھا کرتے ہیں) انگارے میری انتہائی پسندیدہ کہانی ہے اور جاسوسی ڈائجسٹ کے کاشف زبیر صاحب اور روبینہ رشید صاحبہ دونوں ہی میرے فیورٹ رائٹرز میں سے ہیں۔ مجھے بھی کہانی لکھنے کا شوق ہوا تو اس لیے پہلی بار اپنی لکھی کہانی کنڈیپرز ارسال کررہا ہوں اور قوی امید کرتا ہوں کہ جلد از جلد مجھے جاسوسی ڈائجسٹ میں جگہ ملے گی۔“ (انشاءاللہ)

فیصل آباد سے عائشہ مرزا کی پسند ”ٹائٹل حسینہ کی مسکراہٹ کافی خطرناک تھی جبکہ نیچے موجود آنٹی ہاتھ میں پستول تھامے بہت کیوٹ لگیں اور اوپر

وکٹری کا نشان بنائے ایک آنکھ سے کوئی صاحب بے جھجک سید حا مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے ورق پلٹا اور اداریہ پڑھنے لگی۔ بلقیس صاحبہ کی والدہ کے بارے میں جان کر دکھ ہوا۔ باقی تبصرہ ان کا بہترین رہا۔ ایم اقبال چھپے رستم نکلے۔ حسینہ کی تعریف کرنے پر آئے تو کمال ہی کر دیا۔ سرورق پر تبصرہ بہت پسند آیا۔ منشی صاحب کو حساب میں مصروف دیکھا تو کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ مابدولت کو حساب سے اچھی خاصی الرجی ہے۔ بابر صاحب کو یاد کیا وہ صاحب حاضر۔ سمجھ تو گئے ہوں گے...... ہاہاہا۔ اشفاق شاہین آپ کو گرما گرم وعلیکم السلام کیونکہ بہار تو بیت چکی اب گرما کی آمد ہے۔ سیف صاحب آپ کے پاس ہواؤں میں جاسوسی کیوں آتا ہے؟ کوئی کبوتر ہائر کر لیا کیا؟ ماہ رخ کا تبصرہ پسند آیا۔ مومنہ کی دھمکی بہت کیوٹ لگی۔ عاصم جٹ کا ادیبانہ یا شاید شاعرانہ تبصرہ اچھا تھا۔ کہانیاں چاہے ایک بار ہی پڑھوں لیکن تبصرے اور کترنیں تو کئی کئی بار پڑھتی ہوں۔ موڈ بحال ہو جاتا ہے۔ ہر ماہ اپنے موسٹ فیورٹ مغل صاحب کی انگارے حسرت سے دیکھتی تھی۔ اس دفعہ صبر جواب دے گیا اور میں نے اپنے پاس موجود تمام اقساط پڑھ ڈالیں۔ جیسا سوچا تھا ویسا ہی پایا۔ مغل صاحب کا نام ہی کافی ہے۔ زویا اعجاز نے قفس شکن کے ذریعے ہم سب کو اپنے وطن سے محبت کا درس دیا۔ خصوصاً نئی نسل جسے اپنے ملک میں کچھ نظر نہیں آتا اور ملک سے باہر جانے کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ اگر وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنے ملک کے لیے کریں جس نے آپ کو اِک پہچان دی، شناخت دی۔ کیونکہ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ پہلا رنگ، حصار میں سید شکیل صاحب کے انکشاف نے اپنے حصار میں جکڑے رکھا ویل ڈن جناب۔ دوسرا رنگ چاہ کن راہ مضبوط کہانی اور مضبوط کردار۔ زوہیب پولیس اسٹیشن سے بھاگنے کا رسک نہ لیتا تو بے گناہ ہو کر بھی سزا کاٹ رہا ہوتا۔ سو اس نے حرکت میں برکت جانی اور کامیاب رہا۔ کچھ اور میں امریکا اور پاکستان کے درمیان تعلقات کی منظر کشی بہت خوب رہی۔ لالچ اور تصویر کی تلاش الجھتی سلجھتی کامیاب رہیں۔ اعتزاز سلیم صاحب تو بڑے کھلاڑی بن گئے اور ایک اور وکٹ لے اڑے۔ بڑا کھلاڑی پی ایس ایل کی مناسبت سے اچھی تحریر تھی۔ منہ زور سیلاب سے متاثرہ بچوں کی خریداری سے لے کر جہاز میں ان کے ساتھ ہونے والا سلوک اور ریگستان کے حالات سب کچھ افسردہ کر دینے والا تھا اور پوپلے کے قاتل ہوتے ہوئے بھی اس پر ترس ہی آیا کیونکہ اتنا بڑا قاتل بننے میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ عذر شناس غیر محسوس انداز میں ہونے والی واردات دلچسپ لگی۔ ویل ڈن جی۔" (شکریہ جی)

الہ آباد قصور سے علی آتش کی گرماتی طبیعت کے اتار چڑھاؤ "ایک طویل عرصے کے بعد محفل جاسوساں میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ امید واثق ہے کہ ویلکم بیک کیا جائے گا۔ (یقیناً خوش آمدید) مارچ کے شمارے کے سرورق پر بس مسکراتی ہوئی لڑکی اچھی لگی۔ فہرست سے ہو کر انگارے ہاتھوں میں لیے تاجور کی بے وفائی اور انیق کا تیا کردار دیکھ کر ہاتھ جلنے لگے تو قفس شکن پر پہنچ کر واجد اور عدنان سے مصافحہ کر کے ہاتھوں کو کچھ راحت نصیب ہوئی۔ اسٹوری بہترین تھی لیکن اختتام اچانک سا لگا اس کے بعد سید شکیل کاظمی کے کھینچے گئے حصار پر پہنچے تو جیرے کے ہاتھوں سے تھوڑس کا شیریں شربت پی کر جسم کو سکون میسر ہوا لیکن تھوڑی دیر کے لیے...... اس کے بعد یامین اور سالومن کی وطنِ عزیز کے خلاف سازش دیکھ کر طبیعت پھر سے خراب ہو گئی وہاں سے گرتے پڑتے اسما قادری کی چاہ کن را پر پہنچے۔ اسٹوری اچھی تھی لیکن ہوس کو محبت کا نام دیا گیا تھا۔ بالکل بوجھل ہو گئی۔ اس بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے منظر امام کے کچھ اور پر پڑاؤ ڈالا لیکن کچھ اور نے کچھ اور طبیعت خراب کر دی۔ (اب تو ہم بھی مجبور ہو گئے طبیعت کا حال پوچھنے پر کیوں بھئی؟) باقی چھوٹی اسٹوریز سے بھی کوئی افاقہ نہ ہوا تو سوچا تبصرہ لکھ کے طبیعت کا بوجھل پن ختم کرتے ہیں جو کہ کسی حد تک ختم ہو چکا ہے۔" (شکر الحمدللہ)

ناظم آباد کراچی سے اور یس احمد خان کی شمولیت "مارچ کا جاسوسی ڈائجسٹ کافی تاخیر سے ملا ہے جس سے تبصرے میں شریک ہونا محال معلوم ہوا البتہ جتنا پڑھ لیا ہے اس پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ سرورق سراہے جانے کے قابل ہوتا ہے تو تعریف کرنے کو جی بھی چاہتا ہے۔ چینی نکتہ چینی میں اداریے سے مستفید ہوئے اور ناموں کی فہرست میں سرِ فہرست بلقیس خان تھیں۔ ان کی والدہ کے سانحۂ ارتحال پر دلی تعزیت۔ اللہ ان کی والدہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے (آمین) دیگر خطوط میں دوستوں کی آرا شامل تھیں۔ منشی عزیز کا شکریہ کہ وہ اتنے انہماک سے مطالعہ کرتے ہیں۔ قفس شکن بہت خوب زویا اعجاز صاحبہ جتنی بھی تعریف کی جائے، وہ کم ہے خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ قیافہ شناس کی قیافہ شناسی بھی خوب رہی۔ کچھ اور میں منظر امام تحریر میں کمال کی منظر نگاری کرتے ہیں دیر تک تحریر کا اثر طاری رہتا ہے۔ اللہ کرے وہ مردہ دل بے ضمیروں کو یونہی جھنجوڑتے رہیں۔ انگارے میں بھی دلچسپی برقرار ہے کہ منزل قریب آ کے پھر دور ہو گئی مگر مزہ ایسی ہی تحریر میں آتا ہے۔ جس میں اسرار، تجسس نہ ہو اس میں کامیابی کا عنصر کم ہی ہوتا ہے۔ لالچ میں واقعی لالچ کا انجام تو برا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایلی کے ساتھ ہوا۔ تصویر کی تلاش بھی اچھا تاثر دینے میں کامیاب رہی۔ بڑا کھلاڑی غرور و تکبر و رقابت میں انسان اپنی ہی منزل کے نشان کھو بیٹھتا ہے۔ عروج سے زوال پر آ جاتا ہے۔ اس کے بعد آوارہ گرد جاری و ساری ہے۔ منہ زور بھی اچھی کہانی تھی۔ بیچ بیچ میں کترنوں نے بھی مزہ دیا۔"

واہ کینٹ سے بلقیس خان کا تبصرہ "مارچ کے شمارے نے کافی اَپ سیٹ کیا۔ طبیعت ناساز ہے لیکن خط لکھنا ضروری جانا۔ سو قفس شکن سے ابتدا کرتی ہوں۔ دو اقساط پر مشتمل زویا جی کی یہ تحریر سانحہ آرمی پبلک اسکول اور غیر قانونی تارکین وطن کے تناظر میں لکھی گئی دلدوز داستان ہے۔ میں جن باتوں سے چھپنا چاہتی ہوں، فرار چاہتی ہوں، وہ روپ بدل بدل کر میرے سامنے آتی ہیں۔ کوئی راہِ فرار نہیں۔ کوئی جائے پناہ نہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر کم عمر جوانا نے بے لوث مدد کی ان لوگوں کی جو نہ اس کے ہم وطن تھے اور نہ ہم مذہب۔ اس طرح علمِ انسانیت بلند رکھا۔ دوسری طرف مسلم زائدہ سپائرس ساری حدیں کراس کر جاتا ہے حالانکہ وہ الہامی کتب کا علم بھی رکھتا ہے۔ زویا اعجاز کے قلم نے فائل بھرنے والا کام کیا ہے یا حقیقتاً ایسا ہے اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو قوموں کے مزاج میں اتنا تضاد ہے ہر چند کہ سپائرس ماں کے مذہب کو فالو کرتا ہے مگر رگوں میں خون تو باپ ہی کا تھا نا۔ اس دفعہ مغل شہزادے کی گاڑی بھی پٹڑی سے اتری ہوئی تھی۔ شیشے جیسی تاجور جو شاہی کی مجنوں، فرہادِ شکست محبت، کے طفیل ڈاکوؤں کے ڈیرے اور پردے

والی سرکار کے آستانے پر قیام فرما آئی۔ گھر سے بھاگتے ہوئے نہ اسے شرم آئی نہ اس کے باپ کو...... جس نے جوان بیٹی دراہیوں کے ساتھ جا ماجی روانہ کی۔ گڑیا چیتوں کی دھاڑ برداشت کر لیتی ہے لیکن ایک فون کال سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ یہ تو شاہی صاحب سے بھی بڑی فائٹر ہیں انیق جو شاہ زیب کی موت کا سن کر سارے میں آگ لگاتا پھرتا ہے۔ ایک دم ہی بے حس اور خود غرض ہوا جاتا ہے کس لیے؟ تاجور صاحبہ کے لیے۔ کیونکہ حسن ان ہی سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو جاتا ہے۔ مغل بھائی! واپس آجائیں۔ آوارہ گرد کا شہزی ہر بار مجبور میں اٹک جاتا ہے مگر لکھتے لکھتے بھی دو چار پھڑ کا دیتا ہے۔ سانچی کے ساتھ بڑا ظلم ہوا۔ کاسپا کو پر خدا کا عذاب آئے۔ ذوالقرنین صاحب کی منہ زور اس شمارے کی بہترین کہانی ہے۔ کہیں پڑھا تھا معصوم بچوں کو اغوا کر کے کچھ شیطان سے بھی بڑے شیطان نما انسان اونٹ دوڑ کرواتے ہیں۔ بچے خوف سے چیختے ہیں مگر تالیوں اور قہقہوں کی آوازیں یہ چیخیں سنائی نہیں دیتیں۔ تب نہ آسمان گرتا ہے اور نہ ہی زمین اپنے مدار سے سرکتی ہے۔ رُلا اور دہلا دینے والی اس تحریر میں جلال کا بیٹا اس سے بھی برے انجام کا مستحق تھا۔ پہلا رنگ حصار سید شکیل کاظمی کا خوفزدہ کر گیا۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں دشمنوں کی رسائی۔ قفس شکن میں زویا جی صوبائی اسمبلی میں ان کی موجودگی کا ہولناک انکشاف کرتی ہیں جبکہ اسما قادری گرداب میں پاک فوج میں جاسوس کا عہدے دار ہونے کا ذکر کر چکی ہیں یہ تو بے حد خطرناک ہے۔ حصار کے غیر روایتی ہیرو وقاص نے اپنا جملہ متعارف کروایا 'واپس آجا' احباب کو ایس ایم ایس کرتی ہوں وضاحت بھی دیتی ہوں۔ پھر بھی پوچھتے ہیں کیا مطلب؟ مختصر کہانیوں میں قیافہ شناس تصویر کی تلاش اور لالچ بیزار کن تھیں۔ منظر امام کی کچھ اور حبس اور گھٹن کے ماحول میں خوشگوار ہوا کا جھونکا تھی۔ بڑا کھلاڑی نے بھی دل خوش کیا۔ بلیک میلر بہتر رہی۔ کترنیں خوب ہوتی ہیں۔ ان کے بھیجنے والوں کو اللہ سلامت رکھے۔"

کھاریاں سے بابر عباس، حسنین عباس، کمیل عباس پرانے کھلاڑیوں کی نئی اننگز میں اپنی خود پسندی کا اظہار یوں کر رہے ہیں "سرجی جاسوسی کا نیا شمارہ 28 فروری کے آخری لمحات میں ملا۔ سرورق دیکھ کر دل دھک دھک کرنے لگا جیارہ مورا جلنے لگا۔ اس بار ابتدائی تبصرہ بلقیس خان کا تھا۔ بلقیس خان جی، خط کا کچھ مزہ نہیں آیا کیونکہ اس میں میرا ذکر نہیں تھا۔ ادریس احمد خان صاحب سینئر ساتھیوں کی مجبوری بلیک لسٹ ہے جہاں اکثر پرانے قارئین کو پھینک دیا جاتا ہے۔ (یہ درست نہیں!) منشی محمد عزیز صاحب آپ کے پاس کھلا ٹائم ہے جو مرضی لکھیں۔ پر سالوں کی آپ اوور ٹائم لگاتے ہیں۔ عائشہ مرزا صاحبہ اب آپ سیف خان اور ڈاکٹر سبا کو اتنے بھی میسجز نہ لگائیں۔ اشفاق شاہین صاحب جناب میری بھی تھوڑی سی تعریف کر دیا کریں جب میری باری آتی ہے آپ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔ (آپ کو اب بھی تعریف کی تمنا ہے) سعدیہ ہما شیخ صاحبہ آپ کے مختصر سے خط نے محفل کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔ ویسے بچوں نے کافی مت مار رکھی آپ کی، افسوس صد افسوس، آتی رہا کریں۔ مومنہ کشف صاحبہ سرورق کے بجائے غالباً غلطی سے آپ نے آئینے میں اپنی پیاری سے خوب صورت سی شکل دیکھ لی تھی اسی لیے ناک پکوڑے جیسی نظر آئی تھی۔ حسب معمول سب سے پہلے اپنے نام کی طرح خوب صورت رائٹر کی خوب صورت تحریر جو اپنے لکھاری کو حیاتِ جاوداں اور دوام بخشتے ہوئے تیزی سے منزل کی طرف گامزن ہے۔ طاہر جاوید مغل بھایا کی انگارے پڑھی۔ کسی بھی رائٹر کی تحریر کردہ کہانی کی تعریف سر جی یہی ہے کہ اس تحریر کی تعریف نہ کی جائے کیونکہ الفاظ کم پڑ جاتے ہیں۔ بندے کے پاس وہ الفاظ نہیں ہوتے جن کو احاطہ تحریر میں لا کر رائٹر کی تعریف کی جائے۔ سو طاہر جاوید انگارے اور ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کی آوارہ گرد آل ٹائم زبردست ونڈر فل۔ دوسرے نمبر پر اپنے منظر امام صاحب کی کچھ اور پڑھی اور پھر کچھ اور نے موجودہ تناظر میں اداس کر دیا۔ ہلکی پھلکی اور مزاح کے رنگ کو ... لیے آخر میں اداس کر گئی۔ منظر صاحب بہت اچھی تحریر تھی۔ سید شکیل کاظمی کا پہلا رنگ قدرے بہتر تھا۔ اس لیے اچھا لگا۔ اس کے لیے سید شکیل کاظمی صاحب یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں جبکہ دوسرا رنگ اسما قادری صاحبہ کا چاہ کن رابس ایویں ہی تھا۔ زویا اعجاز کی قفس شکن کے بارے میں بھلا کیا کہوں ایک سزا تھی جو شروع کے صفحات پر بھگتی۔ (پھر تو ہر مہینے یہ سزا آپ کو ملنی چاہیے) اتنا کہوں گا زویا اعجاز کی اپنی تحریر نہ تھی (اچھا، یقیناً آپ کی تحریر کردہ تھی؟) سرجی قاری تعریف بھی کرتا ہے اور تنقید بھی تو آپ رائے کا احترام کیا کریں کیونکہ تنقید سے رائٹر بہت کچھ سیکھتا ہے۔ (تنقید برائے اصلاح ہونی چاہیے نا بھائی صاحب) احتراز سلیم وصلی صاحب کی کرکٹ کے موضوع پر بڑا کھلاڑی ایک اچھی اور معیاری کہانی تھی جبکہ محمد ذوالقرنین خان صاحب کی منہ زور نے اتنا ہی متاثر کیا جتنا کہ سابق وزیر اعظم صاحب کو پاناما نے متاثر کیا تھا۔ بہت اچھے خان صاحب۔ بہت اچھا شر لگایا ہے آپ نے منہ زور کے ذریعے بڑی منہ زوری دکھائی۔"

یو اے ای سے طلعت مسعود کی سعادت "سال کے تیسرے مہینے کا جاسوسی اور ٹائٹل پر ایک پھولن دیوی یاد یوا، بہار کا انتظار کرتی خاتون اور پرویز لانگاہ بھائی ایک آنکھ کا پردہ کیے مثلث بنائے نظر آئے۔ لگ رہا ہے جیسے سرورق بھی مشینی دور میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ ایک دو مہینے سے ڈاکر انکل کا نام سرورق پر نظر نہیں آ رہا۔ کھٹی میٹھی محفل میں داخل ہوئے تو بلقیس صاحبہ بھرپور تبصرے کے ساتھ براجمان تھیں۔ بلقیس صاحبہ دعاؤں میں یاد رکھنے کا بہت شکریہ۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے آپ کی والدہ محترمہ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ایم اقبال، تبصرے کے شائع ہونے پر خوشی سے بے حال نظر آئے۔ اللہ پاک آپ کو رہائی کی خوشی بھی عطا فرمائے۔ عائشہ مرزا کا تبصرہ بھی عمدہ رہا۔ بابر عباس ٹیسٹ میچ کھیل رہے تھے تو اشفاق شاہین صاحب اپنے تبصرے میں پورا جاسوسی سموئے نظر آئے۔ پرویز لانگاہ بھائی الیکٹرک ٹرین کی طرح شوں شوں تبصرہ دلچسپ رہا۔ بس ٹائٹل پر غور کم کیا کریں۔ ماہ رخ ارباب پہلی دفعہ ہی چھا گئیں۔ سعدیہ قادری، اے آر جٹ، مومنہ کشف کے تبصرے اچھے رہے۔ انگاروں کی طرف رخ کیا تو مغل صاحب نے انگارے ایسے پلٹے کہ سب کچھ اِدھر اُدھر ہو گیا۔ تاجور میسنی سے تو خیر امید اسی طرح کی تھی لیکن انیق کے کردار کا مشکوک ہونا الجھن میں ڈال گیا۔ اب اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے کہ پٹاری میں سے کیا نکلتا ہے۔ زویا اعجاز جانے انجانے راستوں پر سفر کر کے دیارِ غیر میں مکروہ دھندے کرنے والوں کے قفس میں پھنسنے والوں کو احاطہ تحریر میں لا رہی تھیں۔ پچھلی قسط تو زیادہ تر کرداروں کے تعارف اور بیک گراؤنڈ میں گزر گئی تھی لیکن آخری حصے میں بہت عمدہ طریقے سے کہانی مربوط ہوئی اور خاص کر آخری پیراگراف کا پیغام بہت زبردست رہا۔ کاش کہ اربابِ اختیار اور عام لوگ بھی اسے سمجھیں۔ پہلے

رنگ میں شکیل کاظمی نے زبردست حصار کھینچا۔ یہود کی دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن وہ اتنے اندر تک گھس کر معصوم لوگوں کے ذہن سے اس طرح کھیل رہے ہیں، یہ یقیناً آج کے حالات میں ہمارے لیے سوچنے کا مقام ہے۔ کہانی کی بُنت کے ساتھ پیش کرنے کا انداز بھی ابھار رہا۔ دوسرا رنگ اسما قادری نے بہت فاسٹ ٹریک پر چلایا۔ وہی ازل سے جاری زن، زر اور زمین کی کہانی۔ کچھ اور میں منظر امام نے نہایت خوبصورتی سے ہمارے حالات بیان کردیے ہیں۔ ہم بھی جس اختاطوس سے ایک بار فائدہ لے چکے اب وہ کچھ اور کہتا ہی جا رہا۔ ایک فرق ہے اس اختاطوس کو بلایا تو کسی اور نے تھا لیکن اس کی خواہشات کی قیمت عام لوگوں کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ عذر شناس، بہت دلچسپ رہی۔ کافی ہاؤس کا ماحول اور نقشہ جس طرح بیان کیا گیا، ایک دفعہ تو ہم نے خود کو بھی ان رائٹرز کے ساتھ اسی ماحول میں محسوس کیا۔ لیکن پھر قتل کی وجہ سے جو گڑبڑ ہوئی، اس کی وجہ سے اُس ماحول سے واپس آنا پڑا۔ پی ایس ایل کے سیزن میں اعتزاز وصلی بڑا کھلاڑی دکھا رہے تھے۔ اچھی کاوش رہی۔“

کراچی سے ماہ رخ ارباب کی استدعا ”تین تاریخ کو رخِ روشن کا دیدار کروانے والا جاسوسی پہلی کو ہی آنکھوں کا نور اور دل کا سُرور بن کر چلا آیا۔ سرورق کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر خوب غور سے اس کا جائزہ لیا مگر بڑے دہانے والی منہ جبیں کہیں سے بھی متاثر کُن نہ لگی۔ دوستوں کی محفل میں چپکے سے جھانکا کہ اچانک کئی تبصرے سرپٹ بھاگتے اپنی جانب آتے دکھائی دیے۔ بلقیس صاحبہ کا خاص الخاص تبصرہ اطمینان سے بیٹھ کر پڑھا۔ اس کے بعد جو دوستوں کی میر محفل شروع ہوئی، خیالات کی اور الفاظ کی روانی واللہ...... پرویز احمد لانگاہ بھائی کے چٹکلوں سے بھرے، اشفاق شاہین اور منشی محمد عزیز میئے کے پُرخلوص سیف خان کے تبصرے ہوتے ہوئے تبصروں سے ہوتے ہوئے مومنہ کشف کے گل گلزار تبصرے تک پہنچی اور ایسا لگا جیسے تبصرہ میری سوچ کا ہی عکس ہو۔ تاجور پر ان کے تبصرے نے دلی خوشی دی۔ اولین صفحات پر قفس شکن اپنی سنجیدگی کے ساتھ موجود تھی۔ پہلی بار زویا اعجاز کو اتنی طویل تحریر کے ساتھ دیکھا۔ کہانی در کہانی جو اپنے اندر کئی اسباق لیے موجود تھی۔ بنیادی طور پر حبُ الوطنی اور گھر کی پھیکی دال باہر کی مرغن خوراکوں سے بدرجہا بہتر ہے کہ ضمیر کی قیمت پر نہیں ملتی۔ مصطفی کی قربانی نے ثابت کیا کہ برے سے برے انسان میں بھی کہیں نیکی کا بیج ضرور موجود ہوتا ہے جو مناسب ماحول ملتے ہی پنپنے لگتا ہے۔ کسبِ حلال کی اہمیت کو اجاگر کرتی بامقصد تحریر... اولین صفحات کا حق ادا کرگئی۔ تنویر واسطی صاحب کی قیافہ شناس کوئی خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام رہی۔ منظر امام صاحب شگفتہ پیرائے میں ہمارے نام نہاد دوستوں پر طنز کرتی ایک کٹیلی تحریر لے کر آئے۔ جن کی بے حساب بھوک دیکھتے ہوئے فوراً ذہن میں ایک ہی ریاست کا نام آیا جس سے بالکل صحیح تشبیہ دی منظر صاحب نے۔ تنویر ریاض ہمیشہ کی طرح ایک عمدہ ترجے کے ساتھ موجود تھے۔ اچھی بھلی ملازمت کے ہوتے ہوئے جلدی دولت مند ہونے کا لالچ ایلی اور لیز دونوں کو لے ڈوبا۔ تصویر کی تلاش میں نسرین منصور دور کی کوڑی لائیں۔ ایک چوری کے جرم میں چرچ کی دلچسپی تعجب خیز رہی۔ نئے دور کے نئے تقاضے۔ اعتزاز سلیم وصلی کا بڑا کھلاڑی ایک دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلے کے بعد اپنی زندگی کا میچ جیتنے میں کامیاب رہا جیسے کو تیسا کے مصداق عالیان کو اسی کے سکوں میں ادائیگی کرکے اپنا اندھیرا مستقبل روشن کرلیا۔ آوارہ گرد کو کتابی صورت میں پڑھنے کا ارادہ لیے منہ زور تک پہنچی اور وہیں رک گئی۔ منہ زور کے لفظوں نے آگے جنبش کرنے ہی نہ دی۔ دیارِ غیر میں اپنے گھر والوں کے پیٹ کی آگ بجھاتے معصوم بچے کون سے عذاب سہتے ہیں اور ملک میں کھلے عام قانونی اداروں کی ناک کے نیچے گھومتے تارکینِ وطن ملک کے لیے کیسا رسک ہیں جیسے اہم موضوعات کی نشاندہی کرتی ہوئی تحریر احساسات کو جھنجوڑ گئی۔ محمد ذوالقرنین خان جن کے نام سے یہ کان بلکہ آنکھیں نا آشنا ہیں۔ یقیناً نئے رائٹر ہیں۔ (جی ہاں) بلیک میلر میں انجم فاروق ساحلی ایک ہلکی پھلکی تحریر لے کر آئے جو کچھ خاص نہ لگی۔ نئے دور کی ایجادات نے رائٹرز کے لیے نت نئے موضوعات کا انتخاب آسان کردیا ہے، اس کا اندازہ مظہر سلیم ہاشمی صاحب کی عذر شناس میں ہوا۔ مختلف جگہوں پر رہنے والے ایک ہی پیشے سے منسلک لوگ، جو پہلے سے ایک دوجے کو جانتے ہوں، ایک دلچسپ مختصر تحریر۔ سرورق کی طرف آئے تو سید شکیل کاظمی صاحب کو براجمان پایا۔ خوبصورت منظر نگاری سے آراستہ اسرار کے پردے میں چھپی ایک دلچسپ تحریر جس میں غیر ملکی دشمنوں کا وجود کچھ ہضم نہ ہوا مگر کرداروں کے درمیان ہوتی چپقلش اور کہانی میں آتے دلچسپ موڑ اسے عمدہ تحریروں کی صف میں لے آئے۔ سرورق کا دوسرا رنگ اسما قادری کے قلم سے ابھار رہا کہ سازش در سازش انتہائی قابلِ بھروسا لوگوں کو دھوکا دینا اور ان کو سزا ملنا ہمیشہ افسوسناک مگر قابلِ توجہ صورتِ حال پیدا کرتا ہے۔ شمائلہ کا مشکوک کردار بالکل غیر متوقع رہا اس کے والدین کے انجام پر افسوس ہوا کہ ناخلف اولاد زندہ ہو یا مردہ والدین کے لیے روگ ہوتی ہے۔ اور ادارے سے ایک آخری استدعا کہ گوشۂ خاص شروع کرنے کے بارے میں سوچیں اس کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔“

راولپنڈی سے عائشہ خان کا سوال ”اس ماہ کی قسط وار کہانیاں ایک بار پھر مجھے اس محفل میں کھینچ کر لے آئی ہیں یا گھسیٹ کر کہہ لیں...... مجھے لگتا ہے مغل صاحب کو تاجور دل سے پسند ہے جتنا ہم اسے کوستے ہیں، وہ اتنا اسے سر پر چڑھاتے ہیں۔ اس بار مغل سرا اچھا نہیں کیا آپ نے۔ اس بار آوارہ گرد جیت گئی۔ اس کی ہیروئن بھی میسنی ہے مگر اتنی پھنکارن نہیں۔ مجھے تاجور سے تو امید تھی اس نے عین نکاح پر بھی یہی کرنا تھا، کچھ بعید نہیں وہ کوے میں بھی چلی جائے گی میری بلا سے مگر دوست نہ رہا۔ زندگی ہمیں تیرا اعتبار نہ رہا۔ خیر اب کہانی جائے گی دنیا یا ترا پر...... رنگین سنگین۔ ہمارے انٹرنیشنل آوارہ گرد نے اس بار کہانی کافی سنبھالی ہے مگر یہ روڈلف کی خوبصورتی پر اتنا اظہار رائے پتا نہیں کیوں ہونے لگا ہے۔ پہلے تو میرے تصور میں ایک خشونت بھرا موٹا ایجنٹ آتا تھا اب اپنا تصور دوبارہ سیٹ کرنا پڑا اس والی قسط میں یعنی ہیرو کے ساتھ ہوتے ہی پھنکار کا خاتمہ۔ آئی وش یہ فارمولا ہیر دنوں پر بھی اثر کرتا۔ زویا اعجاز کی قفس شکن بلاشبہ بہت عرق ریزی سے لکھی گئی ہے اور آخر تک قاری کو جکڑے رہتی ہے مگر ایک شکوہ ہے...... پہلے حصے میں جتنا واجد کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی تھی، اس حساب سے ہیرو اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس قسط میں اچانک اسے کہا گیا چل بچے پیچھے ہٹ اصل ہیرو اب آیا ہے۔ یہ میرا خیال ہے لازمی نہیں صحیح بھی ہو۔ مظہر سلیم ہاشمی کی کہانی بہت ہلکی پھلکی اور معصوم سی لگی...... میں زندگی کے اصل کردار اس میں تلاش کرتی رہی...... بس ایک کنفیوژن نما تشنگی رہی کہ ہوٹل کی انتظامیہ کدھر تھی جب قتل جیسی واردات کے بعد پولیس بھی آگئی تھی۔ آخر میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی جو سب سے پہلے پوچھنا

چاہیے تھی۔ کیا ڈاکرانکل نے اب سرورق اپنے اسسٹنٹ سے بنوانا شروع کردیے ہیں؟ کچھ تو بدلا ہے۔"

کراچی سے سعدیہ قادری کا امتحان "اس ماہ مجھے جاسوسی بہت لیٹ ملا، جی نہیں، اس میں سرکولیشن منیجر کا کوئی قصور نہیں بلکہ ہمارے سرتاج کی بھلکڑطبیعت کا قصور ہے۔ روز کی یاددہانی کے بعد آخر کار جاسوسی مل ہی گیا۔ بلقیس خان کی والدہ کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا، یوں تو ہر ایک کو ہی جانا ہے لیکن والدین کے جانے سے ان کے بچوں کی زندگی میں جو خلا آجاتا ہے، اس کا پُر ہونا ناممکن ہے، اللہ ربُّ العزت آپ کو اس مشکل گھڑی میں صبر کی دولت سے نوازے، آمین۔ عاصم جٹ کی تجویز سے بالکل بھی اتفاق نہیں کروں گی، میرے خیال سے نہ صرف ہاشمی صاحب بلکہ وہ تمام تبصرہ نگار جو اَب لکھاریوں کی صف میں کھڑے ہیں، انہیں ہر ماہ نہ سہی پر کبھی کبھی ضرور اس محفل میں شرکت کرنی چاہیے۔ اب چلتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ انگارے میں مجھے کچھ ایسی ہی امید تھی کیونکہ اگر وصالِ صنم ہوجاتا تو کہانی آگے کیسے بڑھتی! مجھے تاجور کا واپس چلے جانا برا نہیں لگا کیونکہ جو لڑکیاں والدین کی عزت اور مان کو قائم رکھتی ہیں، ان کے لیے بری چیز بھی اچھے میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اعتزاز کی بیچ فکسنگ کے موضوع پر اچھی تحریر تھی لیکن مجھے یہ گلہ ہے کہ اکثر مرد مصنف عورتوں کو اتنالوز کیریکٹر کیوں دکھاتے ہیں؟ یقین کریں ابھی اتنا بھی حال خراب نہیں ہوا ہے، بہت سی مضبوط کردار والی خواتین اس معاشرے میں ابھی بھی ہیں جو کسی بھی حال میں اپنی عزت کا سودا نہیں کرتیں۔ (کہانیوں میں ہر طرح کے کردار آتے جاتے ہیں) منہ زور جاسوسی کے تمام لوازمات کو پورا کرتی ایک بہترین کہانی تھی۔ مصنف نے احسن طریقے سے ملک میں جاری دہشت گردی کی بنیادی وجوہات کو بیان کیا۔ اگر وقت پر ہی ان باتوں پر دھیان دیا جائے تو آگے چل کر اتنا بڑا مسئلہ نہ بنے۔ ہاشمی صاحب نے سوشل میڈیا کی دھوکے بازیوں کے ساتھ ساتھ قتل کرنے کا ایک آسان طریقہ بھی بتادیا۔ (آپ سیریس نہ ہوجانا) آپ کی طرف سے ایک زبردست سی طویل کہانی کا انتظار ہے۔ کاظمی صاحب کافی ماہ بعد آئے (آئے تو کافی پہلے تھے مگر انتظار کی قطار میں تھے) اور کیا زبردست انٹری دی، یہودیوں کے عزائم کو کسی حد تک واضح کرتی ایک بہترین کہانی۔ کاش کہ ہم ہوش کے ناخن لیں۔ اسما قادری کی کاوش بھی اچھی رہی۔ زن نے زر اور زمین کے لیے ایک گھر کو برباد کردیا پھر بھی آخر میں اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ بہت کوشش کے بعد بھی اتنا ہی پڑھ پائی ہوں کیونکہ بچوں کے امتحان ہورہے ہیں۔"

عبدالوودود عامر بلظر سیداں، راولپنڈی سے "جاسوسی مارچ کا شمارہ اس بار وقت پر ہی مل گیا۔ سرورق پر نظر دوڑائی تو دو دو خواتین جلوے دکھا رہی تھیں بلکہ ان میں سے ایک مسکراہٹ دکھا رہی تھی اور دوسری پستول ویسے دونوں چیزیں کافی خطرناک ہیں اور اوپر ایک سائڈ پر ایک مرد کا آدھا ادھورا چہرہ نظر آرہا تھا جس میں موصوف دو انگلیوں سے زبردستی آنکھ کھول کر غالباً خواتین کو تاڑنے میں مصروف تھے۔ سرورق کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد چینی نکتہ چینی کا رخ کیا جہاں اداریے میں ایک تلخ حقیقت بیان کی گئی تھی بلاشبہ بالکل ایسا ہی ہے کاش کے ہم لوگ اپنی طاقت کا ادراک کرسکیں اور اپنی رائے اور قوت صحیح پلڑے میں ڈال سکیں۔ ابتدائی صفحے پر بلقیس خان تھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ اور بھائیوں کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آپ نے کم عمر لڑکے کے ہاتھ میں گن پر اعتراض کیا تو اس بار سرورق میں ایک خاتون کے ہاتھ میں گن تھمادی گئی۔ مزے کریں۔ عبدالجبار رومی صاحب کا تبصرہ بھی زبردست تھا۔ سینٹرل جیل سے ایم اقبال صاحب کے تبصرے نے حیرت میں خوشی کا شکار کیا۔ جیل میں رہ کر قید میں بھی مطالعے سے جڑے رہنا یقیناً داد کے مستحق ہیں۔ منشی محمد عزیز ملِک ہمیشہ کی طرح لاجواب تبصرے کر گئے۔ بابر عباس صاحب، اشفاق شاہین، عائشہ مرزا، ادریس احمد خان سجاول خان اے آر بی جٹ، مومنہ کشف اور عاصم جٹ کے تبصرے بھی بہترین تھے۔ پرویز احمد لاشاہ ہمیشہ کی طرح مزے دار تبصرے کے ساتھ موجود تھے۔ لگتا ہے زکام شدہ بھی اس لیے زوں اور شوں کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ سیف خان کوئٹہ سے بستر میں گھس کر نسوار کی تین چٹکیاں بیک وقت منہ میں رکھ کر تبصرہ فرما رہے تھے۔ چینی نکتہ چینی کے بعد کہانیوں کی طرف رخ کیا جہاں پر زویا اعجاز قفس شکن کے دوسرے اور آخری حصے ساتھ ابتدائی صفحات پر چھائی ہوئی تھیں۔ زویا اعجاز کی جو بھی تحریر آج تک پڑھی لاجواب رہی اور قفس شکن انتہائی مضبوط اور جاندار رہی سونیا، مصطفی اور قمر جیسے نہ جانے کتنے ناسور ہمارے معاشرے میں پل رہے ہیں اور بے روزگاری اور محرومیوں کے سبب نہ جانے کتنے واحد اندھیری راہوں کے مسافر بن جاتے ہیں۔ اس کہانی کا ایک ایک کردار ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے البتہ آخر میں مصطفی کے کردار نے چونکا دیا۔ قفس شکن کے بعد انگارے کی طرف دوڑ لگائی لیکن یہ کیا؟ ہم تو شادی کے لڈو کھانے گئے تھے اور الٹا وہاں دلہن ہی بھاگ گئی۔ بے چارہ شاہ زیب او ویسے مغل صاحب سے دست بستہ گزارش ہے کہ خدارا ہم پر رحم کھائیں اور تھوڑا سا کہانی کا فارمیٹ تبدیل کرلیں۔ آپ کی ہر کہانی میں ہیروئن کا یہی کردار ہوتا ہے۔ کسی کہانی میں تو ہیرو اور ہیروئن کی پہلی شادی آپس میں کروادیں آپ کی مہربانی ہوگی۔ آوارہ گرد اَب تیزی اور مضبوطی سے آگے بڑھ رہی ہے، کہانی دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ سرورق کے رنگوں میں پہلے رنگ میں سید شکیل حسین کاظمی المعروف وڈے شاہ جی حصار کے ساتھ موجود تھے۔ شاہ جی جب بھی آتے ہیں، کمال کرتے ہیں۔ عالمی سازشوں کا احاطہ کرتی ہوئی بہترین کہانی۔ دوسرے رنگ میں میرے پسندیدہ لکھاریوں میں سے ایک اسما قادری جاہ کن را کے ساتھ موجود تھیں۔ نفسیات نفرت، محبت، حسد اور انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی کہانی تھی۔ شمائلہ کے کردار نے انتہائی دکھی بھی کردیا کہ بھلا انسانی رشتوں سے بڑھ کر بھی دولت کی کوئی اہمیت ہوتی ہے اور رشتہ بھی میاں بیوی جیسا۔ مختصر کہانیوں میں منظر امام کچھ اور کے ساتھ موجود تھے۔ ہمیشہ اپنے منفرد انداز میں متاثر کرتے ہیں اور پھر اعتزاز سلیم وصلی بڑا کھلاڑی کے ساتھ۔ ویلڈن بوائے۔ اعتزاز! کہانی کو مزید لمبا بھی کیا جاسکتا تھا لیکن بہرحال جتنی لکھی گئی، وہ بھی کمال تھی۔ اتنی کم عمری میں اتنا پختہ انداز واقعی قابلِ تعریف ہے، یہ بچہ آگے چل کر ایک بڑا لکھاری بننے کے تمام گُر اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ بڑا کھلاڑی اس کرکٹ کے موقع اور موسم کی مناسبت سے برمحل کہانی رہی۔ مظہر سلیم ہاشمی عذر شناس لے کر آئے اور چھاگئے۔ بہت اعلیٰ ہاشمی صاحب۔ باقی مختصر کہانیاں لالچ، تصویر کی تلاش اور منہ زور سمیت ساری بہترین تھیں یعنی بحیثیت مجموعی اس بار کا شمارہ بہترین رہا۔"

لاہور سے تانیہ مہر کی رائے "مارچ کا شمارہ خلافِ توقع اٹھائیس فروری کو ہی مل گیا جس کی وجہ سے ہم میں بھی نکتہ چینی کی محفل میں شامل ہونے کی امید پیدا ہوگئی۔ سرورق پر تیکھی نظروں والی مسکراتی حسینہ اچھی لگی مگر آنٹی کے ہاتھ میں گن دیکھ کر ہنسی آگئی۔ محفلِ شکر کی طرف بڑھے تو فضا کچھ کچھ جاڑے سے میل کھاتی لگی۔ لو بھئی ہم آگئے ہیں ناں گویا بہار آگئی۔ بلقیس خان کا تبصرہ پڑھا، ان کی والدہ کا سن کے بہت افسوس ہوا۔ اللہ پاک ان کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ محفل میں منشی عزیز، عائشہ مرزا، بابر عباس، اشفاق شاہین اور سعدیہ قادری کے تبصرے دلچسپ لگے۔ پرویز لانگاہ بھائی اور ماہ رخ ارباب محفل کو چار چاند لگا رہے تھے۔ سیف خان کی سرد شوخیوں میں سردی کا ذکر تھا۔ لگتا ہے کچھ زیادہ ہی سردی سے ڈرتے ہیں۔ کہانیوں میں سب سے پہلے زویا اعجاز کی کہانی شروع کی کیونکہ پچھلی قسط سے اس کا بے چینی سے انتظار تھا۔ زویا اعجاز کے قلم نے کیا جادو چلایا، بہت ہی عمدہ موضوع چنا۔ کچھ مخصوص ذہنیت کے لوگ نوجوانوں کے ذہنوں میں ملک سے بددلی پیدا کرتے ہیں اور وہ دور کے ڈھول سہانے دیکھ کر دیارِ غیر میں جاتے اور بعض اوقات گھناؤنے عزائم رکھنے والے ان کی کم علمی سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کی مشکلات کا احاطہ بہت خوبصورت انداز میں کیا اور اولین صفحات کا حق ادا کر دیا۔ انگارے میں آج کل بوریت سی آگئی تھی مگر مغل سر کی یہی خوبی کہ وہ اپنے قارئین کو بور نہیں ہونے دیتے، انہوں نے نہایت خوبصورتی سے کہانی کا رخ ہی پلٹ کر اسے دلچسپ بنا دیا مگر تاجور جو پہلے صرف بری لگتی تھی، اب مزید بری لگنے لگی۔ انیق کے بدلے ہوئے روپ نے حیران کر دیا مگر ایک شک سا ہے ذہن میں کہ جو وہ کر رہا ہے، وہ اس کی کوئی چال ہے اور اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ ہم جب کوئی کہانی پڑھتے ہیں تو اس کے اچھے کردار سے لگاؤ سا ہو جاتا تو جو کہانیاں لکھتے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا کہ انہیں اپنے کرداروں سے پیار نہ ہو تو، انیق کے بارے میں ایسی ہی کچھ صورتِ حال ہے۔ مظہر سلیم ہاشمی کی مختصر کہانی عذر شناس اچھی لگی۔ کہانی کے پلاٹ سے زیادہ اس کی منظر نگاری پسند آئی۔ رنگوں میں شکیل کاظمی کی حصار اور اسما قادری کی چاہ کن رادونوں رنگوں نے جاسوسی کو رنگین کر دیا۔ سید شکیل کی اسٹوری حصار نے اینڈ تک اپنے حصار میں جکڑے رکھا۔ اسما قادری کی رنگ بدلتے رشتوں پر تحریر اچھی لگی۔"

لاہور سے اشفاق شاہین کا حتمی انداز "ڈائجسٹ بروقت مل گیا تھا۔ ٹائٹل بھی بہت عمدہ رہا۔ چینی نکتہ چینی میں بلقیس خان خوب صورت تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں، مبارکباد۔ عبدالجبار رومی اللہ تعالیٰ آپ کے مرحوم والد کو غریقِ رحمت کرے۔ آپ اور لواحقین کو صبر اور حوصلے سے نوازے۔ باقی تمام احباب کے تبصرے لاجواب اور خوب تھے۔ خصوصاً لانگاہ صاحب کی چھلانگ بہت اچھی لگی۔ سب سے پہلے حسبِ معمول انگارے کی طرف لپکے۔ خوشی خوشی کہ خوشی کی خبر متوقع تھی لیکن ایک بار پھر قسمت کے ساتھ ساتھ تاجور بھی شاہ زیب کے ساتھ دغا کر گئی۔ انیق کی یاری ماری بھی ہضم نہیں ہو رہی۔ خورسنہ اور ذیشان کا پتا نہیں کیا بنے گا۔ ہو سکتا ہے انیق، شاہ زیب کو منظرِ عام پر لانے کے لیے ایسا کر رہا ہو بہر حال بڑا دلچسپ اور خوفناک ٹرن لیا ہے کہانی نے۔ آوارہ گرد بہت اچھی جا رہی۔ اسپیکٹرم سے نمٹنے کے بعد پھر کاسپا کو کی ٹیم کے ہاتھوں دھر لیے گئے دیکھتے ہیں کہ یہاں سے گلوخلاصی کیسے کر پاتے ہیں۔ سرورق کی پہلی کہانی سید شکیل کاظمی کی حصار بہت عمدہ و لاجواب رہی۔ تمام کردار خوب اور سب سے بہترین اینڈ پر جیرے کی دھواں دھار انٹری۔ انجام بھی بہت عمدہ رہا۔ سرورق کی دوسری کہانی چاہ کن را اسما قادری نے خوب لکھی۔ تمام کرداروں سے خوب انصاف کیا گیا۔ سچ کہتے کہ عورت کو سمجھنا مشکل جیسے شائلہ کو سمجھنے میں زوہیب ناکام رہا۔ مختصر تحریروں میں مظہر سلیم ہاشمی کی عذر شناس سب سے بہترین رہی۔ زبردست اور قفس شکن کوئی الحال فارغ وقت کے لیے بچا کے رکھ لیا۔"

جتوئی سے اکرم میاں کا کمال "جہاں بہت سے لوگ وعدوں سے مُکر جاتے ہیں، قسمیں توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے بھی آخر کار کبھی نہ تبصرہ کرنے کی قسم توڑ ڈالی۔ آٹھ مارچ کو جاسوسی ملا۔ نو مارچ سے کالج میں ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے جاسوسی کے خالص دیدار اور پڑھنے کا موقع مل گیا۔ سرورق پر جہاں ایک طرف عائشہ مرزا اپنے چلبلے پن سے مسکرا رہی تھیں وہیں دوسری طرف لانگاہ انکل باریک بینی سے یک چشم کھولے مومنہ کشف کی خطرناک دھمکی اور ان کے بتیس بور اٹھائے غصیلے انداز کو یاد کر رہے تھے۔ اداریے میں جمہوریت زندہ باد اور سیاست کے گھاگ شکاری گھات لگائے نظر آئے۔ بلقیس خان کی افسردہ و شگفتہ باتوں نے افسردہ کیا۔ عبدالجبار رومی کی انکساری اور ایم اقبال کے اعتراضات پسند آئے۔ ادریس احمد کے پُرخلوص انداز، منشی محمد عزیز کے سالانہ تجزیے اور عائشہ مرزا کی چوہا کہانی نے محظوظ کیا۔ سعدیہ ہما شیخ کی طویل مدت بعد واپسی نے پرانے ساتھیوں کو احساس دلایا کہ ان کو بھی مصروفیت چھوڑ کر واپس آنا چاہیے۔ کہانیوں میں ابتدا مظہر سلیم ہاشمی بھائی کی عذر شناس سے کی۔ تحریر پڑھ کر ایسے لگا، ہاشمی بھائی نے اگست دو ہزار سترہ فیصل آباد میں ہونے والی جے ڈی پی کے نئے رائٹرز کی ملاقات سے ہی پلاٹ اخذ کیا ہے اور ہم نہیں کہتے کہ اس ملاقات میں موصوف بقلم خود بھی شامل تھے۔ اعتزاز سلیم کی بڑا کھلاڑی میں تکنیکی خامیاں نظر آئیں۔ گرفت کافی کمزور ہونے کے علاوہ پہلی ملاقات میں رومانس پسند نہیں آیا، بہر حال اپنا بچہ ہے، (جی، ہم نے بھی اس لیے حوصلہ افزائی فرمائی) آہستہ آہستہ سیکھ جائے گا۔ حصار نے روایتی پلاٹ ہونے کے باوجود متاثر کیا۔ اگرچہ شروع میں یہ تاثر کم رہا۔ انگارے کے ٹوئسٹ پر جہاں باقی قاری تاجور کو کوس رہے ہوں گے وہیں ہمیں یہ ٹوئسٹ مزہ دے گیا۔ باقی موسٹ فیورٹ آوارہ گرد آدھی قسط اور دیگر تحاریر ویک اینڈ ختم ہونے سے رہ گئیں۔ جو اگلے ویک اینڈ تک مطالعہ کے لیے محوِ انتظار ہوں گی۔ مجموعی طور پر پرچے میں کافی بہتری نظر آ رہی۔ خیر بڑے نام تو بڑے نام ہوتے۔ ویسے اگر ہو سکے تو احمد اقبال انکل سے واپس جاسوسی میں لکھنے پر اصرار کیا جائے اور فاروق انجم بھائی سے بھی کوئی مزاحیہ تحریر لکھوائی جائے۔ کوئی جانتا ہو یا نہ فاروق بھائی زبردست مزاح نگار بھی ہیں۔"

کراچی سے محمد اقبال کی آمدِ بہار "اس ماہ کا جاسوسی بڑی تگ و دو کے بعد یکم مارچ کو ہاتھ لگا مصروفیت کے باعث۔ مگر ہم نے بھی ٹھان لیا کہ اس بار تبصرہ بے شک مختصر لکھیں مگر جلدی بھیجیں گے تاکہ بلیک لسٹ سے لسٹ میں آسکیں سو جلدی جلدی مطالعہ کیا۔ (شاباش بیٹا۔ آئندہ بھی ایسا ہی کرنا) ٹائٹل کو ایک نظر ہی دیکھ سکے۔ (کیوں دوسری نظر کہاں چلی گئی تھی) حسینہ کی مسکراہٹ ہی ایسی تھی کہ فوراً فہرست پر نظر ڈالی جو مناسب بنی ہوئی تھی۔ اداریہ لازمی پڑھتا ہوں، کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ محفل میں پہنچے تو بلقیس صاحبہ اپنے تبصرے کے ساتھ پہلے نمبر پر موجود تھیں۔ ان کی والدہ کے بارے میں جان کر دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی والدہ کو جنت

الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ ان کی پوری فیملی کو صبر دے۔ تبصرہ ان کا بہترین رہا۔ زویا اعجاز نے قفس شکن کے ذریعے نئی نسل کو اپنے ملک سے محبت کا درس دینے کی اچھی کوشش کی ہے۔ اچھی کہانی تھی۔ پہلا رنگ حصار میں سید شکیل نے اپنے حصار میں جکڑے رکھا، مناسب تحریر تھی۔ دوسرا رنگ اسما قادری کا چاہ کن را نے بہت زیادہ متاثر نہیں کیا۔ ان سے عمدہ سے عمدہ تحریر کی امید رکھتا ہوں شاید اس لیے اس کہانی نے زیادہ متاثر نہیں کیا۔ بھٹی صاحب کی آوارہ گرد بھی مناسب چل رہی ہے، ہیرو کو آوارگی کے پورے مواقع ملتے ہیں مگر وہ بچ بچا کر چلنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ اور ہمارے مغل صاحب کے کیا کہنے جناب۔ ہمیں ان سے بھی امید تھی کہ وہ ظالم سماج کا کردار ضرور ادا کریں گے۔ کہانی جو آگے چلانی ہے تاجور کو کتنی بار باپ کی عزت کا خیال آئے گا بہرحال جو ہوا اچھا ہوا اب شاہ زیب اپنا سارا غصہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر اپنے دشمنوں پر نکالے گا اور رومانس چھوڑ کر ایکشن میں نظر آئے گا۔ انیق کے نئے روپ کے بارے میں مجھے شک ہے کہ وہ اپنے آپ میں نہیں ہے اور لگتا ہے اسے ٹرانس میں لیا گیا ہے۔ شاہ زیب کے خلاف استعمال کرنے کے لیے۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھیں اس لیے تبصرے سے قاصر ہوں۔ دوستوں کی محفل سب ہی کے تبصرے اپنی اپنی جگہ مناسب تھے۔"

میلان اٹلی سے اسا ور شاہ کی بیتے دنوں کی یادگار باتیں "جاسوسی کا نیا شمارہ میرے سامنے تو نہیں ہے مگر میرے دل میں ضرور ہے۔ کیونکہ ابھی مجھے ملا نہیں اور اب لکھنے بیٹھی ہوں تو وقت نے بہت سال پیچھے گھسیٹ لیا جہاں میں کہانیوں کے ناموں کی ڈیزائننگ دیکھتی تھی اور بہت اچھا لگتا تھا۔ نجانے کتنے سال ہو گئے اس دشت کو چھوڑے۔ اگر کچھ غلط کہہ دوں تو برا مت محسوس کیجیے گا۔ سب سے پہلے نکتہ چینی کو دیکھتی تھی جہاں پانی پت کی لڑائی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے نام تھے جو آج بھی یاد ہیں جو ایسے لڑتے اور فقرے جملے لکھا کرتے تھے کہ ایسا لگتا جیسے گھر خاندان والوں کا سارا غصہ اسی محفل میں ایک دوسرے پر نکال دیا جاتا ہے۔ چونکہ بہت باریک لکھا ہوتا تھا تو میں چیدہ چیدہ ہی خطوط پڑھا کرتی مگر نام سب کے پڑھتی تھی۔ اب بھی دو تین بار اتفاق ہوا پڑھنے کا تو بہت سے جانے پہچانے نام بھی دیکھے مگر وہ جوش کا ہوتا تھا جو ہم پڑھ کے محسوس کرتے تھے، وہ نہیں تھا اور خوشی بھی ہوئی کہ شاید ہم بڑے ہو گئے ہیں ہاہاہاہا... وقت آخر گزر ہی جاتا ہے بس یادیں چھوڑ جاتا ہے۔ پہلی کہانی اور آخری کہانیاں میں بہت شوق سے پڑھتی تھی۔ بہت سے نام جو پردہ کر چکے، دنیا چھوڑ چکے، پر آج بھی زندہ ہیں۔ بہت سے نئے لکھاری سامنے آئے جو بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ آپ لوگوں کی محنت سے ہی یہ مقام حاصل کیا ہے۔ امید ہے ہمارا یہ ساتھ جو پھر سے جڑا ہے اب جڑا ہی رہے گا۔ نیٹ پر ہی پڑھ پاتی تھی۔ مگر جب بھی وطن آنا ہوتا ہے تو پرانے شمارے ضرور لیتی ہوں۔ آپ جب یہ خط پڑھ رہے ہوں گے تب میں شاید وطن واپس آ چکی ہوں گی کچھ عرصہ کے لیے اور اس بار رسالہ خرید کر خود پڑھ کے وہ خوشی حاصل کروں گی جو بس یاد ہی آتی ہے۔ آج کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں چند پل کاغذ کی خوشبو محسوس کرنے کے لیے مل جائیں تو یقین جانیں اس سے بڑھ کر خوشی کوئی نہیں ہے۔ جب کتابیں، رسالے بھی لینے کے لیے ایک ایک پیسہ جمع کرتے تھے اور پھر بھی پاکٹ منی کم پڑ جاتی تھی اور حسرت رہ جاتی تھی اور آج سب کچھ ہے پر وقت یا وہ خوشی کھو گئی ہے۔ جاسوسی، قتل، ڈکیتی، اغوا بہت سی کہانیاں پڑھیں اور خود بھی جاسوس بن گئے۔ ہاہاہاہاہا اصلی والے نہیں اپنی اصل زندگی میں، بہت شوق ہے مجھے جاسوسی کرنے کا مگر عورتوں والی نہیں کہ کون کیا کر رہا کہاں جا رہا۔ بس لوگوں کو چیک کرنے اور پڑھنے کا شوق ہے اور وہ سچ بھی ہوا یہ کہانی پھر سہی۔ اپنا خیال رکھیے گا کیونکہ آپ سب ٹھیک ہوں گے تو رسالہ اچھا نکلے گا۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی اور رسالہ پڑھ کے ہی واپسی ہوگی کہ بغیر پڑھے تبصرہ کرنے کی ضمیر نے اجازت نہیں دی کیونکہ میرا ضمیر ابھی زندہ ہے۔"

اسلام آباد سے ایمان نے زارا شاہ کی بے ایمانیاں "کبھی کبھی میں سوچتی ہوں ہر مرتبہ شمارے کے ملنے کی داستان سنانا کہیں فرض تو نہیں؟ ویسے بھی لگی بندھی روٹین سے کچھ ہٹ کر کرنا چاہیے نا...... یو نو ٹرینڈ سیٹرز لوگ...... کیونکہ کچھ بھی ہو ہم سب کو شمارہ دستیاب ہو ہی جاتا ہے چاہے جتنی بھی تگ و دو کرنی پڑے۔ (ہاں نا......) ٹائٹل والی عورت کی بالکل بھی تعریف نہیں کر رہی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے ہم بھی اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں دراصل بات یہ ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی سوائے لپ اسٹک کے اس میں کچھ بھی قابل ذکر چیز نہیں ملی۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے متعلق تمام باتوں سے اتفاق ہے۔ امریکا کی بے وفائیوں کی کہانی تو پرانی ہے ویسے ڈونلڈ ٹرمپ ہو یا کوئی دوسرا ایک نہ ایک دن کھل کر سامنے آنا ہی تھا۔ ہماری اپنی پکائی ہوئی کھچڑی ہے۔ رہی بات امداد کی تو وہ بھی ارباب اختیار کے پاس جاتی تھی کونسا عام عوام کا تنکے کا بھی بھلا ہوا؟ مظہر سلیم ہاشمی صاحب آپ کے سالانہ جائزے کے لیے الفاظ نہیں۔ امیزنگ اینڈ کانگریٹس! عائشہ مرزا آپ نہ نہ کرتے بھی کافی لکھ لیتی ہیں تو ایسے ہی نہ نہ کرتی رہیں اور تبصرہ بھیجتی رہیں! مجھے عینک کے مشورے سے نوازنے والے عبدالودود عامر خود کانٹیکٹ لینس سے استفادہ کرتے ہیں۔ عائشہ خان کی الجھنیں بھی مزے کی لگیں ویسے یہ سلجھنے والی کم ہی ہیں۔ شاہد ذوالفقار دیکھیں میں ہمیشہ آپ کا نام لکھتی ہوں چاہے وہ کارستانیاں ہوں یا تبصرہ لیکن آپ کا نام نہ جانے کون سے برمودا ٹرائی اینگل میں جا گرتا ہے۔ سیف آپ کو اپنے کوئٹہ سے محبت نہیں تو کیا ہم اپنے اسلام آباد سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔ ٹنڈو الہ یار سے آپ کا گھرانا تاجو ہے اس کا سراغ بھی جلد ہم لگالیں گے! ڈاکٹر سبا آپ اتنی کم کم آ کر اتنا بارود چھینک جاتی ہیں، روز آنے لگیں تو کیا حال ہوگا؟ باقی کچھ لوگوں کو میرا تبصرہ پُرغرور لگا، پتا نہیں کیوں۔ سب سے پہلے کہانیوں میں انگارے کو ہاتھوں ہاتھ لیا یہ قسط شاندار رہی۔ شاہ زیب کا تاجور کو مکھن سے بال کی طرح نکال لینے نے ابھی تک حیرت میں گم کر رکھا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات تاجور کا اقرار! ٹیکساری گینگ کے انتہائی مہلک وار نے یک دم سنسنی پھیلا دی۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے ابھی شاہ زیب نے پھر ان کے ہاتھ لگنا ہے اور کہیں اس کا قصہ تمام ہی نہ ہو جائے۔ انیق کے زخمی ہونے پر دو چار آنسو بھی بہا لیے ہم نے...... اور اس کے زندہ بچنے پر باقاعدہ منہ سے شکر اللہ نکلا! اس شمارے کی سب سے بہترین کہانی صید وصیاد رہی۔ ایک کہانی میں جو کچھ ہونا چاہیے وہ سب اس میں تھا، جسٹ ونڈرفل۔ نفسیاتی مریض کے فول پروف کرائمز نے تاش کے پتے کی یاد دلا دی۔"

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

عامر علی، کراچی۔ کاشف رفیق، کوٹری۔ ہما انصار، کراچی۔ عمران ملک ٹنڈو آدم۔ مہک فرحان، حیدر آباد۔ شہناز اقبال، کراچی۔ حرا افتخار، کراچی۔

سفینۂ مرگ

امجد رئیس

بالی عمریا کا دور زندگی کا نازک ترین دور ہوتا ہے... وہ ان بے مثال دنوں سے آگے بڑھ چکی تھی... کسی دلربا کی منتظر تھی... قسمت نے انتظار کی گھڑیاں ختم کیں مگر ان کی چاہت بھری پُرسکون زندگی کو فوراً ہی نظر لگ گئی اور مختصر سی رفاقت میں وہ مرد بے مثال مار ڈالا گیا... وہ اس اندوہناک واقعے کو ذہنی طور پر قبول نہ کر سکی... تفتیشی اہل کار اپنا کام کرتے کرتے اس غمزدہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو گیا... اس کے سامنے سوال کئی تھے... مقتول لندن گیا اور برلن میں مارا گیا۔ ریاستی رموز اور محبت کے رچاؤ میں الجھی ایک خون آشام داستاں جس کی ہر سطر سنسنی اور تجسس سے لبریز ہے...

قاتل کی تلاش اور اس کی ذات کی شناخت کے
اسرار میں ڈوبے مغربی ناول کی دلچسپ تلخیص......

برلن

شہ رگ اور اطراف کی شریانوں پر غیر معمولی دباؤ، آدمی کو بے ہوش کرنے کے لیے بیس سیکنڈ لیتا ہے۔ بیس سیکنڈ میں دو منٹ کا اضافہ کر دیا جائے تو موت ناگزیر ہوتی ہے۔ سائمن ڈانس کی یہ معلومات کسی میڈیکل ٹیکسٹ بک کی محتاج نہیں تھیں۔ یہ حقائق اُسے تجربے سے حاصل ہوئے تھے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گلا گھونٹنے کے لیے مخصوص دباؤ میں معمولی تساہل یا رخنہ نتائج بدل سکتا ہے۔ ایسا کوئی رخنہ خون کے چند بلبلے دماغ تک پہنچا سکتا ہے جس کے باعث یہ عمل ناقص اور طویل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خطرناک بھی۔ اس طرح کسی کو ہلاک کرنا ایک بھیانک عمل ہے۔

وہ تاریکی میں دبکا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں گلا گھونٹنے کا مخصوص تار تھا۔ وہ خود شکار تھا......

لیکن اس وقت شکاری کو شکار کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ دو گھنٹے قبل اس نے کمرے کی بتیاں بند کر دی تھیں۔ اس کا اُجرتی قاتل کوئی ہوشیار آدمی تھا۔ جس نے عجلت سے گریز کیا تھا اور چاہتا تھا کہ سائمن گہری نیند میں چلا جائے۔ پیشہ ور قاتل باخبر ہوتا ہے کہ نیند کے ابتدائی دو گھنٹے کتنے اہم ہوتے ہیں۔ حملہ آور ہونے کے لیے موزوں وقت آ گیا تھا۔

پرانے ہوٹل کے ہال وے میں دروازے کی دوسری جانب خفیف چرچراہٹ سنائی دی۔ سائمن تار دونوں ہاتھوں میں لیے دروازے کے قریب دیوار سے چپک گیا۔ دل کی



www.urdusoftbooks.com

دھڑکن ازخود بڑھ گئی۔ جسے اس نے نظر انداز کردیا۔ ایڈرینلین نامی مخصوص غدود نے اضافی توانائی کے لیے خودبخود جسمانی نظام میں زیرِگردش لہو میں ہارمونز کا اضافہ کردیا۔

دروازے کے لاک میں باہر سے کسی نے چابی داخل کی۔ سائمن نے دونوں ہاتھوں میں موجود تار کو کھینچ کر سیدھا کر لیا۔ لاک کے اندر دھات کی نرم آواز نے لاک کھلنے کی نشاندہی کی۔ آہستگی سے دروازہ کھلنا شروع ہوا۔ باہر سے کچھ روشنی اندر داخل ہوئی۔ ساتھ ہی ایک سایہ...... بستر پر کوئی آدمی سویا ہوا تھا۔ سائے نے بستر کا رخ کیا۔ تھڈ...... تھڈ...... تھڈ...... سائلنسر لگی گن سے تین فائر ہوئے۔ اسی پل سائمن نے حرکت کی۔ کوندا سا لپکا اور تار گن بدست آدمی کے حلقوم کو قاتلانہ گرفت میں لے چکا تھا۔ تار، بجلی کے مانند صحیح مقام پر کستا گیا...... دباؤ بڑھتا گیا۔ گن فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ وہ آدمی ہک میں پھنسی مچھلی کے مانند تڑپا۔ جسمانی جھٹکے اور تڑپ خوفناک تھی۔ اپنے عقب میں اس نے ہر جانب ہاتھ چلائے۔ بہت جلد اس کی حرکات سست ہوتی چلی گئیں۔ بازوؤں نے نیچے لٹکنے سے پیشتر آخری مرتبہ عقبی جانب حرکت کی۔ سائمن کے ذہن میں گھڑی وقت کا حساب لگا رہی تھی۔ اندر گھسنے والے کا جسم جھرجھریاں لے کر کانپنے لگا۔ دماغ کے خلیے آکسیجن کے لیے پھڑک رہے تھے۔

تین منٹ بعد سائمن نے دباؤ ختم کرتے ہوئے جسم چھوڑ دیا۔ بے جان لاشہ دھپ سے زمین بوس ہوا۔ سائمن نے ہٹ کر دروازے کی جھری بند کی اور کم روشنی والا بلب آن کردیا۔ اس نے مردہ آدمی کی شکل دیکھی، وہ کوئی اجنبی تھا۔ تاہم سائمن نے معمولی سی شناسائی محسوس کی۔ سائمن نے تیزی سے تلاشی لی۔ کچھ رقم، کار کی چابیاں، ایمونیشن کلپ، سوئچ بلیڈ...... کوئی شناخت نہیں۔ سائمن سوچ رہا تھا کہ مردہ آدمی نے اسے ختم کرنے کے لیے معاوضہ وصول کیا ہوگا۔

اس نے جسم گھسیٹ کر بستر کے قریب کردیا۔ چادر ہٹائی، نیچے تین تکیے رکھے تھے۔ سائمن نے مردہ آدمی کی طرف دیکھا۔ نگاہوں میں قد ناپا۔ قریباً چھ فٹ...... کم یا زیادہ۔ گڈ، قد تقریباً برابر ہے۔ اس نے مردے کا لباس خود پہنا، اپنا اسے پہنایا۔ بظاہر یہ غیر ضروری عمل تھا لیکن سائمن ڈانس بے عیب کام کا عادی تھا۔ اب اس نے شادی کا رنگ اتارا اور لاش کی انگلی میں پہنانے کی ناکام کوشش کی۔ باتھ روم میں جا کر اس نے صابن سے مدد لی اور رنگ پھنس پھنسا کر انگلی میں چڑھا دیا۔ اب اس نے بیٹھ کر اوپر تلے دو سگریٹ پیے۔ اس دوران میں وہ سوچتا رہا کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ سگریٹ ختم کرنے کے بعد معمولی تگ و دو کے دوران تکیوں کے آرپار میٹرس سے دو گولیاں برآمد کیں۔ تاہم تیسری گولی میٹرس میں کہیں گم ہوگئی تھی۔ معاً بیرونی جانب سے قدموں کی آہٹ نے اسے تلاشی روکنے پر مجبور کردیا۔ کیا وہ ساتھی بھی لایا تھا؟ سائمن نے پھرتی سے نیچے گری ہوئی گن اٹھا کر دروازے کا نشانہ لیا۔ آہٹ کوریڈور کی سمت مدھم ہوتی چلی گئی۔ غلط الارم تھا۔ تاہم اسے نکلنا تھا۔ مزید تاخیر حماقت کے مترادف ہوتی۔ ڈریسر کی ڈرائر سے اس نے میتھانول کی بوتل نکالی۔ یہ سیال تیزی سے آگ پکڑتا تھا۔ سائمن نے میتھانول مردہ جسم، بستر اور اطراف میں چھڑک دیا۔

اس نے فرسودہ ہوٹل کا انتخاب اسی لیے کیا تھا کہ آتشزدگی کی صورت میں کسی قسم کا الارم یا اشارہ مداخلت نہ کرے۔ ایش ٹرے کو بستر کی سائڈ میں رکھا۔ مرنے والے کی جیبوں سے نکلی اشیا اور میتھانول کی بوتل ٹریش بیگ میں رکھ کر بستر کو آگ لگادی۔ شعلے بھڑکے، سائمن ٹریش بیگ لے کر باہر نکل گیا۔ ڈور لاک کرکے ہال کے کونے تک گیا اور فائر الارم کے پاس رک گیا۔ بے گناہ افراد کی جانوں سے کھیلنا اس کا مقصد نہیں تھا...... شیشہ توڑ کر اس نے الارم لیور کھینچ دیا۔ سیڑھیاں طے کرکے گراؤنڈ فلور پر آیا۔ اور سڑک پار کرکے ایک گلی میں گھس گیا۔ وہاں رک کر اس نے ہجوم کو گرتے پڑتے باہر آتے دیکھا۔ اس کا کمرا جہنم کا دریچہ بن چکا تھا۔ وہ بھیڑ میں ہر چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ آئندہ ان میں سے کسی سے سامنا ہو تو وہ ہوشیار رہے۔ وہ اپنی جگہ چھوڑنے والا تھا۔ جب اس نے سیاہ رنگ کی لیموزین کو سڑک پر رینگتے دیکھا۔ عقبی نشست پر بیٹھے شخص کو وہ پہچان چکا تھا۔ ”دلچسپ...... CIA یہاں موجود ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

سائمن کو ایمسٹرڈیم واپس پہنچنا تھا۔ اس نے جگہ چھوڑ دی۔ تین بلاک کے فاصلے پر اس نے ٹریش بیگ کوڑے دان کے حوالے کردیا۔ وہ جس مقصد سے برلن آیا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا۔ جیفری فونٹان اس کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا۔ اب غائب ہونے کا وقت تھا۔ وہ تاریکی میں، مدھم آواز سے سیٹی بجاتا ہوا چل رہا تھا۔

☆☆☆

بوڑھے آدمی کو صبح تین بجے اٹھا کر خبر سنائی گئی۔ ”جیفری فونٹان مارا جاچکا ہے۔“

”کیسے؟“

”ہوٹل فائر۔ وہ بستر میں سگریٹ پی رہا تھا۔“

”حادثہ؟ ناممکن...... باڈی کہاں ہے؟“

”برلن کے مردہ خانے میں...... خاکستر حالت۔ تباہ کن

آگ تھی۔"

یعنی ناقابلِ شناخت۔ بوڑھے آدمی نے سوچا۔ حسبِ معمول سائنس نے کاریگری کا مظاہرہ کیا ہے۔ کوئی نشانی نہیں چھوڑی...... وہ ایک بار پھر اسے کھو چکے تھے۔ تاہم بوڑھے آدمی کے پاس ایک کارڈ باقی تھا۔ یہ کارڈ کھیلنا پڑے گا۔

"تم نے اس کی امریکی بیوی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ کہاں ہے؟"

"واشنگٹن۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اُس کا پیچھا کیا جائے۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے بتایا کہ جیفری مر چکا ہے۔"

"وہ زندہ ہے۔ مجھے یقین ہے اور اس عورت کو علم ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنا آدمی روانہ کرتا ہوں۔"

"نہیں، میں اپنے بھروسے کا آدمی بھیجوں گا۔" بوڑھے نے کہا۔

دوسری جانب وقفہ آیا۔ "میں اس عورت کا پتا معلوم کر کے دیتا ہوں۔" رابطہ منقطع ہوگیا۔

بوڑھے آدمی کی نیند اُچٹ گئی تھی۔ پانچ...... پانچ سال سے وہ انتظار کر رہا تھا...... تلاش کر رہا تھا۔ ہر مرتبہ قریب پہنچ کر ناکامی اس کی جھولی میں گرتی تھی۔ اب سب کچھ واشنگٹن میں موجود عورت پر منحصر تھا۔ اسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا۔ وہ برونی کو واشنگٹن بھیجے گا۔ اطلاعات حاصل کرنے کے برونی کے اپنے فارمولے تھے۔ اس کے طریقہ کار کے سامنے ٹکنا بہت مشکل تھا۔ برونی کے خاص ٹیلنٹ کی ایک خوبی "انتھک تعاقب" تھا۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی آدھی رات گزرنے کے بعد بولی تھی۔ سارا نیند کی سیاہ دبیز چادر تلے دبی ہوئی تھی۔ نیند اور بیداری کے درمیان وہ فون تک پہنچنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اسے اٹھنا ہی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ فون اس کے شوہر جیفری فونٹان کا ہے۔

وہ شام سے جیفری کی آواز کا انتظار کرتی رہی تھی۔ یہ بدھ کی رات تھی۔ جیفری جب بھی ماہانہ ٹرپ پر لندن جاتا تھا بدھ کی رات ضرور فون کرتا۔ اس مرتبہ سارا قبل از وقت بستر میں چلی گئی تھی۔ وجہ فلو وائرس تھا، جس نے واشنگٹن کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، سارا بھی زد میں آئی تھی۔

بدقت تمام اس نے بیڈ سائڈ لیمپ روشن کیا۔ عینک لگا کر گھڑی دیکھی۔ بارہ تیس۔ ٹیلی فون خاموش تھا۔ کیا وہ خواب دیکھ رہی تھی؟ اچانک فون نے دوبارہ شور مچایا۔ سارا نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

"مسز سارا فونٹان؟" کسی مرد کی سوالیہ آواز آئی۔ سارا کے دماغ میں الارم بجنے لگا۔ کوئی خراب خبر تھی۔ وہ مکمل بیداری کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یس۔" وہ بولی۔

"مسز فونٹان، میں نکولس اوہارا بات کر رہا ہوں۔ میرا تعلق یو ایس اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے ہے۔ غلط وقت پر کال کرنے کی معذرت چاہتا ہوں۔ لیکن......" وہ رکا۔ یہ درمیان کی خاموشی اسے بہت ڈراتی تھی۔ یہ وقفہ تجربہ اور ارادے کا مظہر تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ عمداً وقفے کے بعد جو بات ہوگی، وہ اسے ہلا کر رکھ دے گی۔

"مجھے خدشہ ہے کہ اچھی خبر نہیں ہے اور آپ تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔" وہ خاموش ہوگیا۔

سارا کے حلق میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ وہ من ہی من میں چیخ رہی تھی۔ "بتا دو...... کیا ہوا ہے...... بتاؤ۔" لیکن اس کے حلق سے محض ایک سرگوشی برآمد ہوئی۔ "ہاں، میں سن رہی ہوں۔"

"یہ آپ کے شوہر کے بارے میں ہے...... ایک حادثہ ہوگیا ہے۔"

"نہیں یہ جھوٹ ہے۔" اس نے سوچا۔ جیفری کو کچھ ہوتا تو مجھے ضرور کچھ محسوس ہوتا۔ کسی بھی طرح میں جان جاتی۔

"یہ حادثہ چھ گھنٹے قبل ہوا۔" وہ دوبارہ گویا ہوا۔ "آپ کے شوہر کے ہوٹل میں آتشزدگی کا واقعہ ہوا تھا۔" پھر وقفہ......

"مسز فونٹان، کیا آپ موجود ہیں؟"

"ہاں، پلیز بات پوری کرو۔"

نکولس اوہارا کھنکھارا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے شوہر جانبر نہ ہوسکے۔"

بم پھٹا۔ وہ گنگ رہ گئی۔ سسکی دبانے کے لیے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ حلق کی سوئیاں، کانٹوں میں بدل گئیں۔

"مسز فونٹان؟" اس نے نرمی سے کہا۔ "آپ ٹھیک ہیں؟"

بمشکل اکھڑی سانس کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"ہاں۔"

"آپ قطعی پریشان نہ ہوں۔ تمام معاملات اور تفصیل کے لیے برلن میں سفارت خانے کے ساتھ میں رابطے میں رہوں گا...... کچھ وقت لگے گا۔ تاہم جیسے ہی جرمن حکام باڈی ریلیز کریں گے۔ اس کے بعد......"

"برلن؟" سارا نے قطع کلامی کی۔

"وہاں ہمارا سفارت خانہ اپنا کام کر رہا ہے۔ برلن پولیس پوری رپورٹ فراہم......"

''یہ ناممکن ہے۔'' سارا نے پھر قطع کلامی کی۔
نکولس خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''مجھے بے حد رنج ہے لیکن آپ کے شوہر کی شناخت ہو گئی ہے۔ سفارت خانے نے تصدیق......''

''جیفری لندن میں تھا۔'' وہ رو پڑی۔

دوسری جانب سے ایک طویل وقفہ در آیا۔ ''مسز فونٹان۔'' اس نے ہموار و نرم آواز میں کہا۔ ''حادثہ برلن میں ہوا تھا۔''

''پھر کچھ غلط ہو گیا ہے۔ جیفری لندن میں تھا۔ جرمنی میں کیونکر......''

دوسری جانب پھر طویل وقفہ۔ اس بار سارا سمجھ گئی کہ نکولس مخمصے کا شکار ہے۔ ''مسٹر نکولس، کوئی غلط فہمی ہے؟ اسے زندہ ہونا چاہیے۔'' تصور میں سارا نے جیفری کو اپنی ہی ڈیتھ رپورٹ پڑھتے دیکھا۔

''مسز فونٹان، جیفری...... لندن کے کس ہوٹل میں ٹھہرا تھا؟''

''سیوائے، ہوٹل سیوائے...... میرے پاس نمبر بھی ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔''

''اوکے، میں تلاش کر لوں گا۔ مجھے چند کالز کرنی ہیں۔ میرے خیال میں صبح مجھے آپ سے ملنا چاہیے۔'' اس نے ناپ تول کر محتاط انداز میں بیوروکریٹ کا خاص لہجہ اختیار کیا۔ ''کیا آپ میرے دفتر آ سکتی ہیں؟''

''کیسے پہنچوں گی؟''

''ڈرائیونگ......''

''میرے پاس کار نہیں ہے۔''

''اوکے میں بھجوا دوں گا۔''

''تمہارا آفس کہاں ہے؟''

''پریشان مت ہو۔ ڈرائیور لے آئے گا، گڈ نائٹ۔''

سارا امید کے کچے دھاگے سے لٹکی رہ گئی۔ نمبر نکال کر اس نے لندن میں سیوائے ہوٹل فون کیا۔ وہ دل ہی دل میں دعا گو تھی۔

''سیوائے ہوٹل۔'' زنانہ آواز آئی۔ سارا کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ جیفری کی آواز آئے گی۔ ''ہیلو، جیفری فونٹان کا کمرا ہے؟'' اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''سوری، میم...... وہ دو دن پہلے چیک آؤٹ کر چکے ہیں۔''

''چیک آؤٹ۔'' وہ گویا چیخ اٹھی۔ ''لیکن کہاں؟''

''انہوں نے ہمارے لیے کوئی اطلاع نہیں چھوڑی۔ کوئی پیغام، اگر وہ......''

سارا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ فون بند کر کے اسے اس طرح گھور رہی تھی۔ جیسے وہ کسی اور دنیا کی چیز ہو۔ کنگ سائز بیڈ پر اس کی نگاہ جیفری کے تکیے پر گئی۔ وہ اس کے ساتھ سوتے وقت وہاں چھوٹی سی جگہ گھیرتی تھی۔ جیفری کی غیر موجودگی میں بھی وہ اسی مخصوص جگہ پر سوئی تھی۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اب جیفری کبھی نہیں آئے گا۔ وہ بستر پر بیٹھ گئی جو اس کے لیے بہت بڑا تھا۔ اذیت آری کے مانند اس کے جسم و جان کو کاٹ رہی تھی۔ وہ بری طرح رونا چاہتی تھی لیکن آنسوؤں نے گرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ بستر پر ڈھے گئی۔ منہ جیفری کے تکیے پر تھا۔ وہاں اس کی خوشبو تھی۔ سارا نے اس کے تکیے کو مٹھیوں میں جکڑ لیا۔ وہ کبھی نہیں آئے گا۔ ان کی شادی کو صرف دو ماہ گزرے تھے۔

☆☆☆

ہنک (نکولس) اوہارا چھٹی پر بہاماس گیا تھا۔ دو ہفتے اس نے زیادہ تر ساحل پر نیم برہنہ حالت میں گزارے تھے اور کچھ نہیں کیا۔ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے اسے تنہائی درکار تھی۔ وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچ سکا کہ وہ ناخوش ہے۔

اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ساتھ آٹھ سال گزار کر وہ اکتا گیا تھا۔ اس کا مستقبل بند گلی میں تھا۔ وہ ایک اچھا ڈپلومیٹ نہیں تھا اور سیاسی کھیل سے بیزار ہو گیا تھا۔ وہ خود کو کوشش کے باوجود اس رنگ بدلتے کھیل سے ہم آہنگ نہیں کر سکا تھا۔ اتھارٹی بھی جان گئی تھی۔ لہٰذا ڈی سی میں وہ کاؤنسلر کی پوسٹ پر تھا۔ ہنک کا زیادہ کام یہی تھا کہ تازہ بیواؤں کو ان کے خاوندوں کی موت کی اطلاع فراہم کرے۔ وہ انکار کر سکتا تھا اور واپس ٹیچنگ کی جاب اختیار کرنے کے لیے تیار تھا۔ بہاماس میں دو ہفتے اس نے یہی سوچتے ہوئے گزار دیے۔

واشنگٹن واپس آئے ہوئے اسے تین دن ہی ہوئے تھے اور وہ ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ جیفری فونٹان کی فائل کھول رہا تھا۔

ایک چھوٹا سا آئٹم اسے متواتر پریشان کر رہا تھا۔ رات ایک بجے سے وہ کمپیوٹر میں الجھا ہوا تھا۔ سرکاری دبیز فائلوں کو کھود رہا تھا۔ برلن کونسلیٹ میں اس نے اپنے ساتھی کوری گان سے بھی بات کی۔ الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ تنگ آ کر اس نے چند غیر معمولی کالز کا سہارا لیا۔ سب کچھ بیوہ سے بات کرنے کے بعد شروع ہوا تھا۔ صورت حال پیچیدہ معلوم ہو رہی تھی۔ ایک معما، نامکمل...... ناقابلِ حل معما۔ نامکمل پزل اسے چکرا

دیتے تھے۔ پاگل کر دیتے تھے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ جیفری کی موت مصدقہ تھی لیکن لندن میں نہیں برلن میں۔ نک اوہارا۔ اپنی بے کلی کو دبانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ جیفری کی موت بھی اس کے ذہن سے نہیں اتر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر جماہی لی۔ صبح کے ساڑھے چھ بج گئے۔ اس اثنا میں وہ کافی اور تین عدد ڈف نٹس نگل چکا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ معمے وہ پسند کرتا ہے یا ناپسند......

اچانک دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ دستک دے کر اندر آ گیا۔ "ہنگو، ابھی تک جاگ رہے ہو یا ابھی اٹھے ہو؟" وہ ٹم گرین تھا۔ "یہ لو، کچھ مل ہی گیا ہے؟" اس نے ایک فائل ڈیسک پر ڈالی اور کمپیوٹر اسکرین پر نگاہ ماری۔ ٹم کا دماغ مشکلات، اُلجھن، معمے حل کرنے میں خوب چلتا تھا۔ اس کی ناک پر موٹے شیشوں کا چشمہ تھا۔ چہرے کے بیشتر حصے کو جھاڑی نما سیاہ داڑھی نے ڈھانپا ہوا تھا۔ "ایف بی آئی میں میرا دوست نہ ہوتا تو بہت مشکل ہو جاتا۔ یہ سب خفیہ ہے۔ مدد کے باوجود مجھے خود سے بھی محنت کرنی پڑی۔"

نک کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "تم یہ سب ہائی سیکیورٹی سے نکال کر لائے ہو؟"

"ہاں، اور 'مال' بھی تھا لیکن میں اس تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ تمہارے آدمی کی پوری فائل سی آئی اے کے پاس ہے......" نک نے عالم تحیر میں فولڈر کھولا۔ جو کچھ اس نے دیکھا، اس کے بعد مزید سوالات پیدا ہو گئے جن کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"اوہ گاڈ، اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"ہاں، اسی وجہ سے تم جیفری کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں قطعی ناکام ہو گئے۔" ٹم نے کہا۔ "ایک سال پیشتر اس آدمی کا کوئی وجود نہیں تھا۔"

نک کا جبڑا لٹک گیا۔ "کچھ اور معلوم ہو سکتا ہے؟"

"نک ہم کسی اور کی پچ پر چوری چھپے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں...... کرم کھوپڑی ہے ان لوگوں کی۔"

"مجھ پر مقدمہ کریں گے؟" نک کو پروا نہیں تھی۔ وہ ایجنسی کے جن افراد سے مل چکا تھا، وہ اسے نااہل ہی لگے تھے۔ "کوئی بات نہیں۔ میں اپنا روٹین ورک کر رہا ہوں۔"

"لیکن یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں لگتا۔" ٹم نے کہا۔

"یعنی تم بھی سمجھ رہے ہو۔"

ٹم نے دانت نکالے۔ "لیکن تم سراغ رساں کب سے بن گئے؟"

"تجسس۔" نک نے کہا اور ڈیسک پر بکھرے ہوئے کام کی طرف دیکھا۔ جسے بہرحال اسے مکمل کرنا تھا۔ بیوہ کی کہانی اس کی یکسوئی میں خلل ڈال رہی تھی۔ اسے چاہیے تھا کہ تعزیت کرے اور بھول جائے۔ لیکن ٹم نے اس کے تجسس کی چنگاریوں پر تیل چھڑک دیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر اپنے دوست کو دیکھا۔ "کیا کہتے ہو...... اگر بیوہ کی چھان بین کی جائے تو شاید کوئی نئی بات سامنے آئے۔" نک نے کہا۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

"کمپیوٹرز کے معاملے میں تم مجھ سے بہت آگے ہو۔"

نک نے جواب دیا۔

"ہاں، لیکن تم بیوہ کے قریب ہو۔ اس وقت وہ تمہاری انتظار گاہ میں موجود ہے۔"

☆☆☆

سیکریٹری نے سارا کو اشارے سے ایک کاؤچ پر بیٹھنے کے لیے کہا جس کے سامنے کافی ٹیبل اور ٹیبل پر چند میگزین پڑے تھے۔ فارن افیئرز اور ورلڈ پریس ریویو پر ڈاکٹر نکولس اوہارا کا لیبل لگا تھا۔ سیکریٹری واپس کی بورڈ کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئی۔

فلو پوری طرح پسپا نہیں ہوا تھا لیکن گزشتہ دس گھنٹوں میں غم واندوہ اور امید وبیم کی کیفیت نے حفاظتی جال کا کام کیا تھا۔ فلو پس منظر میں چلا گیا تھا یا اس کی علامتیں سُن ہو گئی تھیں۔ نئی خوفناک اذیت کے سامنے فلو کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ معاً اسے احساس ہوا کہ ہراس اور افراتفری میں وہ بے ڈھنگے لباس میں ہی چلی آئی تھی۔

"مسز فونٹان!" سیکریٹری کی آواز آئی۔ "آپ اندر جا سکتی ہیں۔"

عینک درست کر کے وہ اٹھی۔ دروازے کے اندر اس نے دبیز قالین پر قدم رکھتے ہوئے ڈیسک کی دوسری جانب موجود آدمی کو دیکھا۔ وہ دراز قد اور چھریرے بدن کا مالک تھا۔ عمر چالیس سے کم ہو گی۔ بشرے سے تھکاوٹ عیاں تھی۔ قمیص میں شکنیں اور ٹائی کا حلقہ ڈھیلا تھا۔

"مسز فونٹان۔" وہ بولا۔ "میرا نام نک اوہارا ہے۔" یہی آواز دس گھنٹے قبل اس نے فون پر سنی تھی۔ وہی آواز جس نے دس گھنٹے قبل اس کی دنیا اجاڑ دی تھی۔ نک نے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحے کے وقت سارا نے محسوس کیا کہ گرفت سخت لیکن تکلیف دہ نہیں تھی۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے سارا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دفعتاً سارا کو وہاں تیسرے آدمی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ موٹے گلاس والا چشمہ اور جھاڑی نما گھنی داڑھی۔ وہ

خاموشی سے ایک کرسی پر کونے میں بیٹھا تھا۔ نک ڈیسک کے کونے پر ٹک گیا۔ ایک اور بار معذرت کی۔ ''یہ ایک غیر معمولی صدمہ ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ اکثر افراد ہماری اطلاعات پر یقین نہیں کرتے۔ میں نے سوچا کہ آپ سے براہِ راست بات کی جائے۔ چند سوالات ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ کے پاس بھی سوالات ہوں گے۔''

سارا نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ تیسرے آدمی کی موجودگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ نک نے محسوس کر لیا۔

''ہم دونوں اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے منسلک ہیں۔ میرا تعلق کونسلر افیئرز سے ہے اور ٹم ٹیکنیکل سپورٹ ڈویژن میں ہے۔ کیا آپ کافی لیں گی؟''

''نہیں شکریہ۔ پلیز مجھے جیفری کے بارے میں بتائیے۔ میں اب تک یقین نہیں کر سکی ہوں۔ میرے خیال میں کوئی اور ہی بات ہے..... کوئی غلطی ہوئی ہے۔''

''مسز فونٹان، ہمیں اس قسم کے ردِعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''لیکن یہ مختلف بات ہے۔ وہ لندن میں تھا۔''

''ٹھیک ہے اسی لیے میں نے معاملات کو مزید کھنگالنے کی کوشش کی۔'' اس نے فائل فولڈر کا رخ سارا کی طرف کر دیا۔ اور ایک شیٹ نکال کر سارا کو دکھائی۔ اس پر جو تحریر تھی، وہ ناقابلِ شناخت تھی۔ لکھنے والا ہی اسے ڈی کوڈ کر سکتا تھا۔

''آپ کو کال کرنے کے بعد، میں نے برلن میں اپنے کونسلر سے رابطہ کیا۔ کیونکہ رات آپ نے جو کہا تھا۔ وہ مجھے پریشان کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے حقائق کی دوبارہ جانچ پڑتال کا فیصلہ کیا۔'' اس نے رک کر سارا کی آنکھوں میں دیکھا۔ ساکت، مرکوز آنکھیں لیکن درماندہ و پریشان۔ ''ہمارے برلن میں کونسلر کے مطابق کل تقریباً آٹھ بجے (برلن ٹائم) جیفری، ہوٹل ریجینا میں چیک اِن ہوا۔ اس نے ادائیگی ٹریولرز چیک کے ذریعے کی۔ دستخط بھی ٹھیک ہیں۔ مزید شناخت کے لیے اس نے پاسپورٹ استعمال کیا۔ چار گھنٹے بعد فائر ڈپارٹمنٹ نے آتشزدگی کی اطلاع دی۔ جیفری کا کمرا شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ جب تک آگ پر قابو پایا جاتا، تقریباً ہر شے بھڑکتے شعلوں کی نذر ہو چکی تھی۔ انسپکٹر کا کہنا ہے کہ وہ بستر میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے سو گیا تھا۔ آگ اتنی خوفناک تھی کہ..... جیفری کو پہچاننا مشکل تھا۔''

''پھر کیسے پہچانا؟'' سارا تڑخی۔

''کسی نے اس کا پاسپورٹ چرا لیا تھا..... پلیز مجھے بات ختم کرنے دیں۔''

''میرا تعلق بائیولوجی سے ہے۔ کوئی منطقی وجہ ہونی چاہیے۔'' سارا نے کہا۔ نک نے مایوسی سے ہاتھ مسلے۔

''او کے او کے۔ میں شواہد کی بات کرتا ہوں۔ انہوں نے کمرے میں ایلومینیم کا مخصوص بریف کیس پایا تھا جس پر آگ اثر نہیں کرتی۔''

''جیفری کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔'' سارا نے کہا۔

''بعد میں جیفری کا پاسپورٹ اسی بریف کیس سے ملا تھا۔ برلن پیتھالوجسٹ کی رپورٹ میں دانتوں کا ریکارڈ نہیں تھا۔ قد جیفری کے قد کے مطابق تھا۔''

''یہ غیر اہم بات ہے۔'' سارا نے اعتراض کیا۔

''فائنلی ..... سب سے اہم شہادت ملی۔ آئی ایم سوری۔''

سارا کے دل نے کہا کہ ہاتھ کانوں پر رکھ لے۔ نک کی آواز میں کوئی ایسی ہی بات تھی۔ وہ اپنی موہوم سی امید کا جنازہ نکلتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''اس کی انگلی میں ویڈنگ رنگ تھا۔ کندہ تاریخ بھی پڑھی جا سکتی تھی۔ فروری چودہ۔ کیا یہ غلط تاریخ ہے؟''

منظر دھندلا گیا۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ اس کا سر ڈھلک گیا۔ عینک ناک پر پھسل چلی۔ اندھوں کی طرح اس نے پرس میں ٹشو پیپر کے لیے ہاتھ چلائے..... نک نے ٹشو کا ڈبا اس کے آگے کر دیا۔ ایسی کارروائیاں نک کا معمول تھا۔ تاہم پتا نہیں کیوں وہ تاسف سے سارا کی حرکتوں کو تک رہا تھا۔ وہ آنسو صاف کر رہی تھی۔ ناک کا پانی صاف کرنے کے لیے وہ شائستگی اپنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ انہی کوششوں کے دوران اس کی حرکات بے ڈھنگی اور حماقت کی نذر ہوتی گئیں۔ عینک ناک سے گود، پھر فرش پر گر گئی۔ اس کی انگلیاں ارادے کے مطابق کام نہیں کر رہی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح اس نے خود کو سنبھالا اور مایوسی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ وہ خشک لکڑی کے مانند ٹوٹ گئی تھی۔

''پلیز بیٹھ جائیے۔ مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔'' نک نے کہا۔ وہ سعادت مند بچوں کی طرح بیٹھ کر فرش کو گھورنے لگی۔

''کیا آپ بتائیں گی کہ وہ لندن کیوں جاتا تھا؟''

''بزنس۔''

''کیسا کاروبار؟''

''وہ بینک آف لندن کا نمائندہ تھا۔''

''مطلب وہ زیادہ تر سفر پر رہتا تھا؟''

''ہاں، ہر ماہ لندن تو جانا ہوتا تھا۔''

"صرف لندن؟"
"ہاں۔"
"جرمنی میں اس کا کیا کام تھا؟"
"میں نہیں جانتی۔"
"کوئی آئیڈیا؟"
"نہیں۔"
"کوئی وجہ تو ہوگی۔ شاید کوئی اور بزنس۔ شاید......"
سارا نے معاً تیز نظروں سے اُسے گھورا۔ "مطلب دوسری عورت۔ یہی کہنا چاہتے ہو؟"
نک خاموش رہا۔
"بولو!"
"یہ ایک معقول شبہ ہے۔" نک نے کہا۔
"جیفری کے لیے نہیں۔" سارا نے ترنت کہا۔
"تمہاری شادی کو صرف دو ماہ ہوئے تھے۔" وہ بولا۔ "تم اُسے کس حد تک جانتی تھیں؟"
"اچھی طرح۔ مسٹر، میں اس سے محبت کرتی تھی۔"
"محبت کی بات نہیں ہے۔ میں معلوم کرنا چاہ رہا ہوں کہ تم اُسے کتنا جانتی تھیں؟ وہ کون تھا؟ کیا کرتا تھا؟ تمہاری ملاقات کب ہوئی؟"
"تقریباً چھ ماہ قبل۔ میں اس سے ایک کافی شاپ پر ملی تھی۔ کافی شاپ کے قریب ہی میں کام کرتی تھی۔"
"کافی شاپ کے قریب...... کہاں؟"
"NIH۔ میں ریسرچ مائیکروبائیولوجسٹ ہوں۔"
نک کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "کس قسم کی ریسرچ؟"
"بیکٹیریل جینوم۔"
"کیا یہ خفیہ تحقیق ہے؟"
سارا نے رک کر جواب دیا۔ "ہاں، کچھ حصہ۔"
نک نے سر ہلایا۔ سارا نے محسوس کیا کہ اس کا انداز قدرے بدل گیا ہے۔
"وہ جرمنی کیا کرنے گیا تھا؟"
"میں نہیں جانتی۔" سارا نے جواب دیا۔
نک نے ایک اور شیٹ نکالی۔ "وہ لندن کے علاوہ شی پول (ایمسٹرڈم) بھی گیا تھا اور آخر میں جرمنی۔ یہ وزٹ گزشتہ ہفتے کے ہیں۔ تمہارے ذہن میں کوئی بات آئی ہے؟"
سارا حیرت زدہ تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"اس نے آخری بار کب تمہیں کال کی تھی؟"
"ایک ہفتے قبل، لندن سے۔"
"تمہیں یقین ہے کہ کال لندن سے آئی تھی؟"
"نہیں، وہ ڈائریکٹ کال تھی۔"
"کیا تمہارے شوہر کے پاس لائف انشورنس پالیسی تھی؟"
"نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس نے کبھی ذکر نہیں کیا۔"
وہ خاموش ہو گیا۔ سارا اُلجھ گئی تھی۔ عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ اس کے دماغ میں کیا خیال رینگا۔ کہیں نک اوہارا کے خدشات درست تو نہیں ہیں۔ وہ واقعی جیفری کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ دونوں نے بس گھر اور بستر شیئر کیا تھا۔ نہیں نہیں، یہ غلط ہے۔ نک قطعی اجنبی ہے۔ وہ کیوں اس پر یقین کرے۔ وہ کیوں اتنے سوال کر رہا ہے۔ دل میں اچانک نک کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات ابھرے۔
"تمہاری بات ختم ہو گئی ہے تو مجھے جانا چاہیے۔" وہ بولی۔
"جیفری کی تصویر ہے تمہارے پاس؟" نک نے سوال کیا۔
سارا نے پرس کھول کر ایک تصویر نکالی۔ وہ فلوریڈا کے ساحل کی تصویر تھی۔ جیفری ایک ہینڈسم مرد تھا۔ نیلی آنکھیں، سنہرے بال...... چہرے کے نقوش بھی جاذب نظر تھے۔ وہ کیمرے کے سامنے مسکرا رہا تھا۔ سارا پہلی نظر میں اس چہرے سے متاثر ہوئی تھی۔ جیفری کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ذہین اور مضبوط شخصیت کا مالک تھا۔ نک، تصویر دیکھ رہا تھا اور سارا نک کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جیفری کے مانند ہینڈسم نہیں تھا۔ ایک پریشان کن سایہ نک کے چہرے پر تھا۔ ناخوشگوار سایہ۔ وہ پتا نہیں تصویر کو دیکھتے ہوئے کیا سوچ رہا تھا۔ ذرا دیر کے لیے اس نے تصویر اپنے ساتھی کو دکھائی اور سارا کو واپس کر دی۔
"اتنے سوالات کی کیا ضرورت تھی؟" سارا نے کہا۔
"سوری، لیکن یہ ضروری تھا۔" اس نے کہا۔ "ضروری تھا، تمہارے لیے بھی اور جیفری کے لیے بھی۔"
"میں سمجھی نہیں۔"
"برلن پولیس کی رپورٹ کا انتظار کرو۔"
"کیا خاص بات ہے؟" سارا نے سوال کیا۔
"ہاں، حالات و واقعات......"
"لیکن تم نے کہا تھا کہ وہ ایک حادثہ تھا۔"
"بظاہر حادثہ ہی تھا لیکن کچھ نئے انکشافات سامنے آئے ہیں...... کمرے کے آتش زدہ سامان کی تلاشی کے بعد میٹریس میں سے ایک گولی برآمد ہوئی ہے۔"
سارا نے غیر یقینی نظروں سے اسے گھورا۔ "مطلب......

بلٹ؟"

"ہاں، برلن رپورٹ کے مطابق یہ ایک مرڈر ہے۔"

سارا نے کچھ کہنا چاہا تاہم اس کی آواز نے ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ وہ بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔

"میں نے سوچا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔" نک نے کہا۔ "کسی وقت مجھے بتانا ہی تھا۔ کیونکہ برلن پولیس جیفری کی سرگرمیوں اور اس کے دشمنوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔"

سارا نے نفی میں سر ہلایا۔ "گاڈ...... میں سوچنے کے قابل بھی نہیں رہی۔ میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے سرگوشی کی۔ "مجھے جانے دو۔"

مسز فونٹان!" نک کی آواز میں تیزی کا عنصر تھا۔

سارا نے دل ہی دل میں کہا۔ "مجھے جانے دو۔" وہ بیٹھی رہی اور نئے سرے سے نک کا جائزہ لیا۔ آفٹر شیو کی خوشبو، تھکن کے آثار، شکن آلود شرٹ......

"آئی ایم سوری۔" اس نے کہا۔ "میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

سارا نے اس کی سلیٹی آنکھوں میں دیکھا۔ آنکھوں میں مستقل مزاجی اور توانائی کے عناصر جھلک رہے تھے۔ دفعتاً قطع نظر تمام واقعات اور بری خبروں...... سوال جواب کے باوجود اس نے محسوس کیا کہ وہ اس آدمی پر اعتماد کرسکتی ہے۔

"میں بے ہوش نہیں ہورہی ہوں...... مجھے جانے دو۔"

"یقیناً، میں دیکھ رہا ہوں۔ صرف چند سوالات۔"

"میرے پاس جوابات نہیں ہیں۔ تمہیں یہ بات سمجھنی چاہیے۔"

نک نے خاموشی اختیار کی۔ "میں کسی اور وقت رابطہ کرلوں گا۔" بالآخر اس نے کہا۔ "باڈی کے بارے میں بات کرنی پڑے گی۔"

"اوہ، ہاں......" وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ آنسوؤں کی نئی جھڑی کے آگے بند باندھنے کی کوشش کررہی تھی۔ نک بھی کھڑا ہوگیا۔ ایک بار پھر دلی معذرت کا اظہار کیا۔ سارا ہاتھ ملا کر جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

☆☆☆

"کیا خیال ہے؟ وہ معصوم ہے؟" ٹم نے سارا کے بارے میں سوال کیا۔ "جیفری کے بارے میں کچھ نہیں جانتی؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔" نک نے جواب دیا۔

"کم آن، یہ کوئی پُراسرار سازش ہے۔ ایک سال قبل جیفری کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اچانک منظرِ عام پر آیا۔ شادی رچائی۔ تازہ ترین سوشل سیکیورٹی نمبر، پاسپورٹ...... اور کیا چاہیے۔ کوئی گہری سازش ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایف بی آئی بے خبر ہے لیکن اس کی خفیہ فائل...... کیا میں عقل سے عاری ہوں یا پھر تم؟"

"شاید میں ہی فاترالعقل ہوں۔" نک نے ہنکارا بھرا اور پھر فائل کھولی۔ ٹم ٹھیک کہہ رہا تھا۔ الجھن سی الجھن تھی۔ سازش...... بین الاقوامی جرم...... کوئی ایکس۔ وفاقی گواہ، جو روپوشی کی حالت میں ہے...... یا کوئی جاسوس کردار؟ جیفری کا نام تو نک کی کھوپڑی میں پیوست تھا ہی لیکن وہ سارا کو بھی نظرانداز نہیں کرسکا تھا۔

اُسے حیرت کا سامنا تھا۔ جب وہ دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ اسے توقع تھی کہ سارا فونٹان کسی شاندار اور حسین خاتون کا نام ہوگا۔ اس کا شوہر ورلڈ کلاس ٹریولر تھا۔ ایسے آدمی کی عورت بھی اسی کے مانند ہونی چاہیے تھی۔ خوش لباس، خوش ادا اور پُرکشش...... لیکن سارا میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اسے بدشکل کہنا مشکل تھا تو دوسری جانب خوش شکل کا لیبل لگانا بھی دشوار تھا۔ اس نے تانبے کے رنگ کی دراز زلفوں کو پونی ٹیل کی شکل میں باندھا تھا۔ لباس کا معاملہ غالباً بدحواسی کی نذر ہوگیا تھا۔ سارا کی تمام ترکشش اس کی آنکھوں میں تھی اور چوڑے چشمے نے آنکھوں کے حسن کو پوری طرح نمایاں ہونے سے روکا ہوا تھا۔ دوسری اہم چیز بغیر میک اپ والا سادہ چہرہ تھا۔ عمر تیس سال سے کم تھی۔

نہیں، مجموعی طور پر وہ حسین نہیں تھی لیکن تمام دورانیے میں نک ایک آدھ بار ہی اس کے چہرے سے نظر ہٹا پایا تھا۔ وہ حیران تھا کہ سارا کی شخصیت میں ایسی کیا بات تھی اور شادی مزید حیران کن......

"میں چلا۔" ٹم کی آواز نے اُسے خیالات کی دنیا سے باہر نکالا۔

"میں بھی نکل رہا ہوں۔" نک نے جیکٹ اٹھائی۔

باہر آکر وہ پیدل ہی چل پڑے۔ موسم بہار کی ہوا چہروں سے ٹکرا رہی تھی۔ چیری کے درختوں پر کلیاں کھلا چاہتی تھیں۔ اگلے ہفتے پورا شہر گلابی اور سفید پھولوں میں ڈوبنے والا تھا۔ آٹھ سال میں نک کے لیے یہ مناظر اولین حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر گہری سانس لی۔ معاً توجہ اطراف کے مناظر سے ہٹ کر پھر سارا کی طرف چلی گئی۔ کیا وہ اپنے اپارٹمنٹ تک پہنچ گئی ہوگی؟ ذہن میں سوال اٹھا۔ اگر پہنچ گئی ہوگی تو بستر پر چشمے کے بغیر اس کی

آنکھوں سے شفاف پانی برس رہا ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ انٹرویو کے دوران وہ قدرے درشت ہو چلا تھا۔ یہ حقیقت اسے بے چین کررہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی ایسے ہی پیش آتا بلکہ زیادہ سخت سوالات کرتا۔ انٹرویو اندوہناک صدمہ کم کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے لیکن ایسا ہر کسی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ بیشتر کیس سیدھے سادے ہوتے۔ بیوہ کو اطلاع، معمول کی کارروائی اور دی اینڈ لیکن جیفری کا معاملہ واقعی پُراسرار تھا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں، نک؟"

"میری، جو...... کیا خیال ہے، کچھ طعام ہوجائے۔"

☆☆☆

"جیفری کیس کے لیے تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ٹم نے سوال کیا۔

"میں اپنا کام کروں گا اور دیکھوں گا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟"

"تمہیں ایمبر وز کو بتانا چاہیے۔ وہ دلچسپی لے گا اور بات ایجنسی تک جائے گی۔"

"تم جانتے ہو کہ پہلے دن سے ایمبر وز اور میری نہیں بنتی۔" نک نے اپنے باس کے بارے میں بتایا۔

"جانتا ہوں۔ تم نے استعفیٰ کیوں نہیں دیا؟"

"ہاں سوچ رہا ہوں۔ میری اطلاع کے مطابق وہ شہر میں نہیں ہے۔"

"ہاں، ایک ہفتے کے لیے۔" ٹم نے جواب دیا۔ "تم بیوروکریسی کے لیے موزوں نہیں ہو۔"

نک نے قہقہہ لگایا۔ "ہاں، لیکن یہ کیس میرا ہے۔ میں خود ہی ہینڈل کروں گا۔"

"نک یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ تم کونسلر ہو۔"

نک سارا کو سی آئی اے آفیسر کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "یہ میرا کیس ہے۔" وہ بولا۔ "میں ہینڈل کروں گا۔"

ٹم نے دانت نکالے۔ "آہ، لگتا ہے سارا تمہارے ٹائپ کی ہے؟ اگرچہ اس میں کوئی کشش دکھائی نہیں دی۔ ہاں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اس نے جیفری کو کیونکر متوجہ کرلیا؟ میرا قیاس ہے کہ اس نے سارا سے شادی کسی اور مقصد کے لیے کی تھی۔ اب یہ بتادو کہ کوئی بات ہے سارا میں جو تمہیں کھینچ رہی ہے؟"

"نو کمنٹ۔" نک نے کہا۔

"طلاق کے بعد تم بہت عرصہ تنہا گزار چکے ہو۔"

نک نے کافی کپ نیچے رکھ دیا۔ "کیا سوالات کررہے ہو تم؟"

"کوشش کررہا ہوں کہ تمہاری سوچ کے زاویے کس جانب جھک رہے ہیں۔"

"تم خوامخواہ شک کررہے ہو۔"

نک سوچ رہا تھا کہ ٹم کی بات صحیح بھی ہوسکتی ہے۔ لورین کے ساتھ طلاق چار سال قبل ہوئی تھی۔ اس دوران وہ عورت اور سیکس سے دور رہا تھا۔ مرد کی فطری جبلت زیادہ عرصے حالتِ خواب میں نہیں رہ سکتی۔ اس کی جاب بھی اسے سوٹ نہیں کرتی تھی۔ کوئی ساتھی ہو جس کے ساتھ وہ ہنس بول سکے، نارمل انداز میں زندگی گزارے۔ ایک گھر ہو جہاں وہ تنہا نہ ہو۔ کوئی مرد زیادہ عرصے تک عورت کے بغیر نارمل نہیں رہ سکتا۔ وہ کوئی پادری نہیں تھا۔ اس نے بل کی رقم ٹیبل پر رکھی اور کھڑا ہوگیا۔ دونوں ایک بار پھر سڑک پر تھے۔ موسم بہار، چیری کی کلیاں، پھول بننے والی تھیں۔ نک کے تصور میں پھر سارا کا تصور جھلملانے لگا۔ سارا شہد رنگ آنکھوں والی۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے ہٹ کر ملوث ہوا تو کیا نتائج ہوں گے۔ وہ محض ایک کونسلر تھا۔ نہیں، نہیں۔ سارا فائل میں لکھا ہوا محض ایک نام تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

☆☆☆

بوڑھے آدمی کو گلاب پسند تھا۔ گارڈن میں ٹیولپ بھی تھے لیکن اسے گلاب پسند تھے۔ اس کی بیوی کو یہ باغیچہ کتنا مرغوب تھا، اس کے تصور میں بیوی کی شبیہ ابھری جو گارڈن میں کھڑی تھی۔ وہ گلابوں کی بہار دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ شبیہ آہستہ آہستہ تحلیل ہوگئی۔ "میری نکی...... میری پیاری نکی۔" بوڑھے آدمی نے سرگوشی کی۔ "میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔"

"آج کا دن سرد ہے۔" ایک آواز آئی۔ ڈچ زبان استعمال کی گئی تھی۔ بوڑھا آدم مڑا۔ چھوٹے بالوں والا جوان برونی جھاڑیوں میں سے برآمد ہورہا تھا۔

"آخر تم آگئے۔" بوڑھے آدمی نے کہا۔

"سوری، ایک دن کی تاخیر ہوگئی۔" برونی نے معذرت کی۔ برونی نے چشمہ اتارا۔ وہ بوڑھے آدمی کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھنے سے اجتناب برت رہا تھا۔ حادثے کے بعد سے کوئی بوڑھے سے آنکھ نہیں ملاتا تھا۔ حتیٰ کہ برونی بھی نہیں۔ بوڑھے کے نزدیک برونی اس کے بیٹے کی طرح تھا۔

"بصرہ کے معاملات ٹھیک ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"یس۔ بس کچھ تاخیر ہوئی اور آخری شپمنٹ کے ساتھ مسئلہ ہوا۔ ایک میزائل لاک اِن نہیں ہوا تھا۔ وجہ میکنزم کی کمپیوٹر چپ تھی۔"

"ٹھیک نہیں ہوا۔"

"ہاں، میں نے مینوفیکچرز سے بات کی تھی۔" دونوں نے چہل قدمی شروع کی۔

"تمہارے لیے ایک نیا کام ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ایک عورت ہے۔"

برونی ٹھٹکا۔ آنکھوں میں چمک لہرائی۔ اس کے زردی مائل بال سورج کی روشنی میں سفید نظر آرہے تھے۔

"اس کا نام سارا فانٹان ہے۔ جیفری فانٹان کی بیوی۔ تم دیکھو کہ اس کے ذریعے کیا معلوم ہوسکتا ہے۔"

"سر، میں سمجھا نہیں۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ جیفری مارا جا چکا ہے؟"

"جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو، ہمارے امریکن ذرائع تمہیں تفصیل بتا دیں گے۔ وہ مائیکرو بائیولوجسٹ ہے۔ عمر تقریباً تیس سال۔ شادی کے علاوہ اور کوئی بات مشکوک نہیں ہے لیکن ہم کوئی پہلو نظرانداز نہیں کرسکتے۔"

"کیا میں امریکی رابطے سے مل سکتا ہوں؟"

"نہیں، نازک معاملہ ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

برونی نے سر ہلایا۔ وہ بوڑھے کے طریقہ کار سے واقف تھا۔ اس کے کارندے اپنی اپنی حدود میں کام کرتے تھے۔ کوئی اس اصول کو نہیں توڑتا تھا۔ وہ چلتے ہوئے بطخوں کے تالاب کے پاس آگئے۔ کوٹ پاکٹ سے بوڑھے نے ایک بیگ نکالا جس میں بطخوں کی غذا موجود تھی۔ اس نے مٹھی بھر کے غذا بطخوں کی طرف اچھال دی۔ جب تک زندہ تھی۔ وہ پابندی سے روز صبح بطخوں کو فیڈ کرتی تھی۔

"میں اس عورت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ جلد از جلد نکل جاؤ...... واشنگٹن میں محتاط رہنا۔"

برونی نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

سارا جہاں کام کرتی تھی، وہ لیب صاف شفاف اور بے داغ تھی۔ روزانہ صفائی اور پالش کی جاتی تھی۔ عفونت کے امکان کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ اور سارا کی ذمے داری بھی۔ لیب میں خاموشی تھی۔ سارا نے چشمہ اتارا۔ باہر ہال وے میں ہیل (Heels) کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

"سارا تم یہاں کیا کررہی ہو؟"

سارا نے نظر اٹھائی۔ وہ ایمی تھی۔ بھاری بھرکم ایمی۔

"میں نے سوچا کچھ کام کرلوں۔ میری غیر موجودگی میں......"

"اوہ ہو...... سارا لیب تمہارے بغیر گزارا کرسکتی ہے۔ آٹھ بج رہے ہیں۔ تمہیں گھر جانا چاہیے۔ کئی ہفتے سے کام ہو ہی رہا تھا۔" ایمی نے ہمدردی سے کہا۔

"میں فیصلہ نہیں کر پارہی کہ گھر جاؤں یا نہیں۔ وہاں بہت سناٹا ہے۔" سارا نے کہا۔ دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئیں۔

"تم کیسا محسوس کررہی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، ایمی۔"

"ہم نے گزشتہ دنوں تمہاری کمی بُری طرح محسوس کی۔ ہر ایک کال کرنے سے کترا رہا تھا۔ شاید کوئی بھی غم و رنج سے نہیں گزرا۔ تاہم ہمیں تمہارا بہت خیال تھا۔"

سارا نے تشکر آمیز انداز میں سر کو جنبش دی۔ "اوہ، ایمی میں جانتی ہوں اور میں تم سب کی مشکور ہوں۔ میرے گھر میں کتنے کارڈ اور پھول جمع ہوگئے۔ میرے خیال میں مجھے کام پر واپس آجانا چاہیے۔"

"کچھ ایسا سمجھتے ہیں اور کچھ وقفہ چاہتے ہیں۔"

"ہاں، کچھ دنوں کے لیے مجھے واشنگٹن سے نکلنا چاہیے۔ ورنہ یادیں مجھے ستاتی رہیں گی۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میری بہن نے مجھے اوریگان آنے کے لیے کہا تھا۔"

"سارا تمہیں جانا چاہیے۔"

"چھ سال میں اس جگہ نے مجھے اپنا لیا ہے۔ میں تصور کررہی ہوں کہ باقی زندگی یہیں کام کرتے گزاروں...... جیفری اور میں نے صرف تین دن ہنی مون کے لیے گزارے تھے۔ ہم دونوں بہت مصروف تھے۔ کوئی چھٹی بھی نہیں۔ آئندہ کا چانس بھی ختم...... آہ وہ برلن میں تھا یہ کیسے ممکن ہے۔" سارا بینچ پر بیٹھ گئی۔

"اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کیا کہہ رہا ہے؟"

"نک نے کل پھر فون کیا تھا۔ برلن پولیس نے باڈی ریلیز کردی ہے...... وہ کل مل جائے گی۔" اس کی آنکھیں اچانک اشکبار ہوگئیں۔ اس نے نظریں نیچے کرلیں۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ "نکولس یا نک وہ...... سوالات کرتا ہے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ وہ اس کا کام ہے۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ کوئی اور امکان بھی ہے پھر میں جیفری کے لیے مزید پریشان ہوجاتی ہوں۔"

"سارا وہ مجھے کچھ عجیب لگا تھا۔" ایمی نے کہا۔

"نہیں، وہ شرمیلا تھا۔"

"نہیں، یہ شرم نہیں تھی۔ یہ ایسا...... ایسا تھا جیسے وہ اپنے

خول میں بند رہنا چاہتا ہے۔ کچھ بتانا نہیں چاہتا...... جیسے جیسے۔"

ابی نے سارا کو دیکھا۔ "اوہ، یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔"

لیکن سارا نے پہلے ہی ابی کے نکتے پر غور شروع کر دیا تھا۔ جیفری کم گو اور علیحدگی پسند شخص تھا۔ اپنے بارے میں تو وہ بہت ہی کم بات کرتا تھا۔

پھر کسی نامعلوم وجہ کے تحت نک کا چہرہ تصور میں ابھرا...... جب وہ سارا کو اسٹڈی کر رہا تھا، اس کا انداز انوکھا تھا۔ عام بیوروکریٹ سے ہٹ کر۔ اس کی سلیٹی آنکھیں، سارا کے ہر تاثر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پورے انہماک کے ساتھ۔ اب وہ اس سے دوبارہ بات نہیں کرے گی۔ سارا نے سوچا۔

"مجھے جانا چاہیے۔" دفعتاً اس نے کہا۔

"گڈ۔"

سارا نے اپنا سفید براق لیب کوٹ اٹھایا۔ "تدفین کے بعد شاید میں کچھ دن چھٹی لوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ طویل چھٹی پر مت جانا۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔"

سارا نے اطراف میں دیکھا۔ "واپس آؤں گی...... پتا نہیں کب۔"

☆☆☆

تدفین کی رسمی کارروائی تکمیل کے آخری مراحل میں تھی۔ نک نے کلپ بورڈ اور شپمنٹ پیپرز پر دستخط کیے اور تابوت نے اپنی منزل کی طرف حرکت کی۔ سارا ہمراہ تھی۔ نک حیران تھا کہ اس موقع پر کیا کہے۔ کال کرے؟ کس لیے؟ مزید تعزیتی کلمات...... مزید اظہارِ افسوس۔ وہ سب کچھ کر چکا تھا۔ اب کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچا تو ذہن صاف کر چکا تھا۔ بریف کیس کاؤچ پر اچھال کر وہ کچن میں گیا اور وہسکی کا گلاس تیار کیا۔ کتنا عرصہ ہو گیا جب وہ صحیح معنوں میں خوش ہوا تھا...... مہینے؟ سال؟

دفعتاً اپارٹمنٹ کا بزر سن کر وہ اچھل پڑا۔ اسے احساس ہوا کہ اسے رفاقت کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی، کسی کی بھی...... چاہے اخبار پھینکنے والا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے لاک ہٹا کر دروازہ کھولا اور متحیر رہ گیا۔

"تم......؟"

"ہاں، کیا ہوا...... ہٹو اندر آنے دو۔" ٹم نے کہا۔ "اور تیار ہو جاؤ۔ نئی خبر ہے۔ ایف بی آئی کی...... اندازہ لگاؤ؟"

نک نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "ڈرتا ہوں معلوم کرتے ہوئے۔"

"جیفری فونٹان، جانتے ہو وہ مر چکا ہے؟"

"کیا نئی بات ہوئی؟"

"میں اصلی جیفری کی بات کر رہا ہوں۔" ٹم نے انکشاف کیا۔

"دیکھو، میں فائل بند کر چکا ہوں اور فی الحال کھانے کے موڈ میں ہوں...... تم بھی شریک ہو جاؤ۔" نک نے کہا۔

"جیفری بیالیس برس پہلے مر چکا تھا۔" ٹم نے دھماکا کیا۔ نک دروازہ بند کر کے گھوما اور ٹم کو گھورنے لگا۔

"ہا...... ا......" ٹم نے ہنکارا بھرا۔ "کیا رائے ہے؟"

☆☆☆

سارا کو خبر ہی نہیں ہوئی۔ ایک ایک کر کے سب وہاں سے چلے گئے۔ مدفن پر اس کے ساتھ صرف ابی کھڑی تھی۔

"بارش ہونے والی ہے۔" ابی نے کہا۔

سارا نے آسمان کی طرف سر اٹھا کے دیکھا۔ ابی نے اس کے بازو میں ہاتھ ڈال کر پارکنگ لاٹ کی طرف حرکت کی۔

"اے کپ آف ٹی...... ہم دونوں کو ضرورت ہے۔" ابی نے کہا۔ ہر مسئلے کا ابی کے پاس یہی حل تھا۔ "اے کپ آف ٹی۔"

تیس سال کی شادی کے بعد بدمزہ طلاق سے سنبھلنے میں اس نے یہی نسخہ استعمال کیا تھا۔ "اے کپ آف ٹی۔" پھر کالج میں داخلے سے پہلے اس کے بیٹے نے ساتھ چھوڑ دیا...... "اے کپ آف ٹی"...... ٹی کپ...... ٹی......

سارا نے نفی میں یہ نسخہ مسترد کر دیا۔

"سارا اس سے فرق پڑے گا۔ ہم عورتیں مضبوط ہوتی ہیں۔ ہمیں مضبوط ہونا چاہیے۔"

"میں نہیں ہوں۔"

"شک مت کرو۔ تم مضبوط ہو۔"

معاً سارا رک گئی۔ تنفس کی رفتار بڑھ گئی۔ ابی نے سامنے دیکھا۔ دھندلی فضا سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس کا رخ ان دونوں کی جانب تھا۔ سارا نے بہ آسانی اندازہ لگا لیا کہ وہ شروع سے آخر تک وہاں موجود رہا تھا۔

"مسز فونٹان۔" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہیلو، مسٹر نک اوہارا۔"

"مجھے احساس ہے کہ میں غلط موقع پر مداخلت کر رہا ہوں لیکن میں دو دن سے فون پر کوشش کر رہا تھا۔ تم نے میری

ایک کال بھی اٹینڈ نہیں کی؟"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

"مجھے کچھ بات کرنا تھی۔" نک نے ایمی کی طرف مڑ کر اپنا تعارف کرایا۔ "اگر آپ بُرا نہ مانیں تو مجھے چند منٹ دے دیں۔ میں سارا سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"شاید وہ ایسا نہیں چاہتی۔" ایمی نے کہا۔

نک نے سارا کی جانب دیکھا۔ "یہ بہت اہم ہے۔"

نک کی آنکھوں اور تاثرات میں کوئی ایسی بات تھی کہ سارا اس کی درخواست کو اہمیت دینے پر مجبور ہوگئی...... جیفری چلا گیا تھا۔ یہ اذیت ہی بہت تھی۔ جس میں نک کے سوالات اضافہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ وہ اس کے پیغامات اور کالز کو نظر انداز کرتی رہی۔

"پلیز مسز فونٹان۔"

بالآخر اس نے ہامی بھر لی۔ ایمی کی جانب دیکھا۔

"بارش شروع ہونے والی ہے۔" ایمی نے کہا۔

"میں مسز فونٹان کو گھر پہنچا دوں گا۔ بے فکر ہو جائیں۔"

وہ مسکرایا۔ "میں اس کا خیال رکھ سکتا ہوں۔"

ایمی نے سارا کو گلے لگا کر بوسہ دیا۔ "میں رات میں کال کروں گی۔" اس نے ارادہ ظاہر کیا اور اپنی کار کی طرف چلی گئی۔

"وہ تمہاری اچھی دوست معلوم ہوتی ہے۔"

"ہم لیب میں ساتھ کام کرتے ہیں۔"

نک، سارا کو اپنی کار تک لے آیا۔ اس دوران اس نے نرمی سے اس کی آستین کو چھوا تھا۔ سارا اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئی۔ دولوں میں کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ سارا نے نم آلود چشمہ اتارا اور شہد رنگ آنکھوں سے نک کی جانب دیکھا۔ نک کے بال بھیگ گئے تھے۔

نک نے چابی گھمائی اور انجن بیدار ہو گیا۔ وائپرز نے حرکت شروع کی۔ گاڑی کا رخ سارا کے گھر کی طرف تھا۔ موسم اچانک خوشگوار ہو گیا تھا۔ نک ایک پُراعتماد ڈرائیور تھا۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت میں روانی اور مہارت نمایاں تھی...... اس نے کالز کے بارے میں سوال کیا۔

"آئی ایم سوری۔" سارا نے معذرت پیش کی۔ "میں مزید سوالات اور اندازوں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔"

"اگر میں حقائق بتاؤں؟"

"ابھی تک تم صرف قیاس آرائیوں پر انحصار کر رہے ہو۔"

"یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے حقائق مل گئے ہیں۔ بس نام درکار ہے۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"تمہارا شوہر...... چھ مہینے پہلے تم کافی شاپ پر اس سے ملیں اور اس نے بہ آسانی تمہیں متاثر کر لیا۔ چار ماہ بعد شادی ہوگئی۔ ایسا ہی تھا؟"

"ہاں۔"

"سمجھ نہیں آتا، کیا الفاظ استعمال کروں لیکن جیفری بیالیس سال قبل نوزائیدگی کی حالت میں مر گیا تھا۔"

سارا کا اپنی سماعت سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس کا بدن سنسناہٹ کا شکار ہو گیا۔ "میں...... مجھی...... نہیں......" وہ ہکلائی۔

نک کی نگاہ سڑک پر تھی۔ "جس شخص نے تم سے شادی کی۔ اس نے مردہ بچے کا نام اپنا لیا۔ آسان کام تھا۔ تم تلاش کرو تو ایسے بچے مل جائیں گے جو سال یا چھ مہینے کے اندر فوت ہوئے۔ برتھ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد تمہیں سوشل سیکیورٹی نمبر، بعد میں ڈرائیور اور میرج لائسنس بھی مہیا ہو جائے گا۔ نئی زندگی۔ نئی شناخت اور تمام ثبوت......"

"تم کیسے جانتے ہو؟"

"کمپیوٹرز...... جیفری، ڈرافٹ کے لیے کبھی رجسٹرڈ نہیں ہوا۔ وہ کبھی اسکول نہیں گیا۔ ایک سال پہلے تک اس کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں تھا۔ تب اچانک اس کا نام مختلف مقامات پر ظاہر ہوا۔"

سارا کی رکی ہوئی سانس خارج ہوئی۔ "پھر وہ کون تھا یا ہے؟" سارا نے سرگوشی کی۔ "میں نے کس کے ساتھ شادی کی تھی؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"کیوں؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ نئی زندگی کی کیا ضرورت تھی؟"

"کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ پہلا خیال میرے ذہن میں یہ ہے وہ کوئی جرم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے انگوٹھوں کے نشانات ڈرائیور لائسنس بیورو کے ریکارڈ پر ہیں۔ جن کو میں نے ایف بی آئی کے کمپیوٹر پر آن کیا۔ وہ وہاں کہیں بھی نہیں ہے۔"

"مطلب وہ مجرم نہیں۔"

"کہہ نہیں سکتے، دوسرا امکان یہ ہو سکتا ہے کہ فیڈرل وٹنس پروگرام کا حصہ رہا ہو اور حفاظتی نقطہ نظر سے اسے نئی شناخت دی گئی ہو۔ اس امکان کا ثبوت حاصل کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ تاہم مرڈر کے لیے یہ وجہ بنیاد بن سکتی ہے۔"

''تمہارا مطلب ہے کہ اس نے جن کے خلاف گواہی دی تھی، انہوں نے اسے نئی شناخت کے ساتھ پہچان لیا تھا؟'' سارا نے کہا۔

''ہاں ایسا ہی ہے۔''

''لیکن اُس نے مجھ سے ایسی کوئی بات شیئر نہیں کی۔''

''ہاں اس بات سے ایک اور امکان پیدا ہوتا ہے جس کی تصدیق تم کرسکتی ہو۔''

''کہو۔''

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جیفری کی نئی زندگی اس کے مشن کا حصہ ہو۔ اسے نامعلوم کام کے لیے بھیجا گیا ہو۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ جاسوس تھا؟''

نک نے سر ہلا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ باہر آسمان پر چھائے بادلوں کے مانند گہرا سرمئی ہوگیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔''

''یہ حقیقت ہے، میری بات کا یقین کرو۔''

''تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ تمہیں کیسے معلوم کہ میں اس کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہوں؟''

''تمہارا کردار صاف ہے۔ میں فائل دیکھ چکا ہوں۔''

''اوہ، میری بھی فائل ہے۔'' وہ تڑخی۔

''چند برس پہلے تمہیں سکیورٹی کلیئرنس دی گئی تھی۔ یاد کرو۔ جب تم نے لیب میں ریسرچ کا آغاز کیا تھا۔ ظاہر ہے، فائل تو بنی تھی۔''

''ہاں۔''

''لیکن میرے نزدیک تم فائل کی وجہ سے کلیئر نہیں ہو۔ یہ میرے اپنے احساسات ہیں...... مجھے قائل کرو کہ میرے احساسات ٹھیک ہیں۔''

''کیسے؟ پولی گراف؟''

''نہیں، جیفری اور تم۔ کیا یہ محبت تھی؟''

''بلاشبہ۔''

''مطلب یہ ایک حقیقی شادی تھی۔'' نک نے کہا۔

''ہاں ایسا ہی تھا۔''

''میں گیم نہیں کھیل رہا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں اس افیئر سے الگ ہوجاتا ہوں شاید تم کمپنی کے انداز کو ترجیح دو۔''

''یعنی تم نے سی آئی اے کو نہیں بتایا؟''

''نہیں۔'' اس نے سرکشی کے ساتھ سر اٹھایا۔ ''مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔ ممکن ہے مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔''

''خود کو خطرے میں ڈالنے کی وجہ؟'' سارا نے سوال کیا۔

نک نے شانے اچکائے۔ ''تجسس...... یا پھر میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے بل بوتے پر کیا کرسکتا ہوں۔''

''خواب؟''

''خواب کے ساتھ......'' اس نے سارا کی شہد آگیں آنکھوں میں دیکھا۔

''اور کیا......؟''

''نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ خود فراموش ہوتے ہوتے سنبھل گیا۔ یہ موقع محل نہیں تھا۔ اظہار بے تابیٔ قلب مناسب نہ تھا۔ وہ واشنگٹن ڈی سی کی سڑکوں پر مناسب رفتار سے رواں تھا۔ بارش تیز تھی۔ سارا ٹریفک کی بھیڑ میں نروس ہوجایا کرتی تھی۔ حیرت انگیز طور پر آج وہ پُرسکون تھی۔ نک کی موجودگی میں وہ خود کو محفوظ خیال کررہی تھی۔ ایک عورت نک کے بازوؤں میں خود کو کتنا محفوظ کرسکتی ہے؟ پرتوِ خیال بھٹکا۔ وہ کیا سوچ رہی ہے، کیا تماشا ہے؟ حسنِ خیال ہے...... یا خیالات کی بے راہ روی۔

''شاید تم بے خبر ہو اور کوئی جواب تمہارے ذہن کے گوشے میں اٹکا ہو؟'' نک نے سوالات کا آغاز کیا۔

سارا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جو میں جانتی تھی، پہلے ہی بتا چکی ہوں۔''

''سارا!'' شاید اس نے پہلی مرتبہ اسے نام سے پکارا۔ ''ہر جاسوس، کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، کہیں نہ کہیں غلطی کرتا ہے۔ شاید اس نے بھی تم سے کوئی ایسی کوئی بات کی ہو جو تمہارے نزدیک غیراہم ہو...... شاید وہ سوتے میں کچھ بول گیا ہو؟''

اُدھر وہ سوچ رہی تھی کہ نک نے اسے سارا کے نام سے کیوں پکارا؟ یہ شاہراہِ الفت پر پہلا قدم ہے۔ نیرنگیٔ حیرت تماشا ہے یا بے خیالی میں زبان پھسلی ہے۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔ وہ جیفری نہیں بلکہ نک کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی ہو تو میں نے یقیناً اہمیت نہیں دی ہوگی۔''

''مثلاً کیسی بات؟''

''شاید اس نے ایک دو بار مجھے ''ایوی'' کہہ کر بلایا تھا۔ تاہم فوراً ہی معذرت بھی کرلی تھی اور بتایا تھا کہ ایوی اس کی کوئی پرانی گرل فرینڈ تھی۔''

''فیملی فرینڈز......؟''

''وہ ورمونٹ میں پیدا ہوا تھا اور لندن میں پلا بڑھا تھا۔ اس کے والدین کا تعلق تھیٹر سے تھا۔ ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

کسی اور رشتے دار کے بارے میں اس نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ نہ اس کا کوئی قریبی دوست تھا۔"

"اس کا کام۔ وہ بینک آف لندن کے پے رول پر تھا۔ اس کی ڈیسک بیک آفس میں تھی لیکن کسی کو یاد نہیں کہ وہ کیا کرتا تھا۔" نک نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

"اس کا مطلب، اس کی زندگی کا وہ حصہ بھی مصنوعی تھا؟"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" نک نے تصدیق کی۔

سارا اپنی نشست میں ڈھیر ہوگئی۔ اس کی شادی ہوا میں تحلیل ہوگئی تھی۔ وہ سب فریب تھا۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ حقیقت یہ تھی۔ بارش میں، کار کے اندر، نک کے ہمراہ...... چند روز ہوئے تھے دونوں کو ملے ہوئے لیکن یہ واحد حقیقت تھی جس کا وہ سہارا لے سکتی تھی۔ اس کے خیالات گھوم پھر کر نک کی طرف لوٹ جاتے۔ کیا وہ شادی شدہ ہے؟ نئے سوال نے بیچ سے پھوٹنے والی کونپل کی طرح سر اٹھایا۔ وہ بھی سارا کو تنہائی پسند لگا تھا۔ تاہم سارا نے کم از کم اپنے لیے نک کی ذات میں کشش محسوس کی۔ یہ کشش تھی یا سارا کی ضرورت؟ وہ سارا کو تنہا اور پریشان لگا تھا، بے چین اور بے کل۔

گاڑی روکتے ہی نک اتر کر لپکا اور سارا کی جانب کا ڈور کھول دیا۔ بظاہر رسمی شائستگی کے اندر کچھ اور بھی تھا۔ کوئی جذبہ، کوئی آرزو...... عمارت کی لابی تک آتے آتے دونوں بھیگ چکے تھے۔

"شاید تمہارے پاس کچھ سوالات ہیں؟" سارا نے سرد آہ بھری۔

"اگر اس کا مطلب ہے کہ میں تمہارے اپارٹمنٹ تک آؤں، تو پھر میرا جواب ہاں، میں ہے۔"

"چائے یا تفتیش کے لیے؟"

وہ مسکرایا۔ "شاید دونوں، تم مشکل سے ہاتھ آئی ہو، لہٰذا اس موقع پر مجھے تمام سوالات نمٹا دینے چاہئیں۔"

وہ دوسری منزل پر اپارٹمنٹ کے قریب تھے۔ سارا کچھ کہنے والی تھی کہ دفعتاً ساکت و جامد کھڑی رہ گئی۔ اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اضطراری طور پر وہ پیچھے کی طرف ہٹی۔ چہرے پر ہراس نمایاں تھا۔ لاشعوری طور پر اس نے نک کا بازو پکڑ لیا۔ اپنے دل کی دھڑکن کے سوا اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

بظاہر اپارٹمنٹ میں سناٹے کا راج تھا۔ کھلے دروازے سے روشنی ہال میں گر رہی تھی۔ نک نے اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود محتاط انداز میں دروازے کی جانب حرکت پذیر ہوا۔ سارا نے بھی تقلید کرنی چاہی۔ نک نے اسے گھور کر دیکھا۔ سلیٹی آنکھیں، سیاہ ہوگئی تھیں۔ سارا اپنی جگہ سمٹ کے رہ گئی۔

نک نے دروازے کو دھکیلا۔ مزید کھلنے سے اضافی روشنی ہال میں در آئی۔ وہ دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر اپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا۔ سارا واضح طور پر خوف زدہ تھی، تنہا تھی۔ نک ابھی اپارٹمنٹ کے اندر تھا۔ کچھ دیر بعد نک کا سر دروازے میں نظر آیا۔ سارا نے سکون کی سانس لی۔

"ٹھیک ہے، سارا۔" اس نے کہا۔ "یہاں کوئی نہیں ہے۔"

وہ تیزی سے گزر کر اندر چلی گئی۔ توقع کے برخلاف اپارٹمنٹ کی اشیا اپنی جگہ پر تھیں۔ کسی چیز کو گویا چھیڑا ہی نہیں گیا تھا۔ لیونگ روم سے وہ بیڈ روم میں آگئی۔ نک عقب میں تھا۔ وہ سیدھی ڈریسر میں رکھے جیولری باکس کی طرف گئی۔ باکس اور اس میں موجود زیورات بھی جگہ پر تھے۔ سارا نے باکس بند کیا اور گھوم کر تیزی سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ اُلجھن میں پڑ گئی اور نک کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا غائب ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" سارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ بولا۔

"شاید آنے والے کے پاس کم وقت تھا۔ شاید کوئی مداخلت ہوئی ہو......"

"تم ہراساں ہو؟" نک نے تشویش سے سارا کو دیکھا۔

"بوکھلاہٹ، خوف یا حیرت......"

نک نے اس کا ہاتھ چھوا۔ اس کی انگلیوں کے مقابلے میں گرم تھیں۔ "تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ پہلے گیلے کپڑوں سے نجات حاصل کرو۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"کم آن، کوٹ تو اتارو...... میں چند فون کالز کرتا ہوں۔" اس کی آواز اور لہجے نے سارا کے لیے کوئی چوائس باقی نہیں رہنے دی۔ نک نے کوٹ اتارنے میں سارا کی مدد کی۔ سارا نڈھال سی بیٹھ کر اسے فون کرتے دیکھتی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ خود پر سے اس کا کنٹرول ختم ہوگیا ہے۔ نک نے اس کے اپارٹمنٹ میں قدم رکھ کر کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بظاہر وہ احتجاجی انداز میں اٹھی اور کچن کی طرف چل پڑی۔

"سارا؟"

"میں چائے بنا رہی ہوں۔"

"تکلیف میں نہ جاؤ۔"

"تکلیف کی بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہمیں چائے پینی چاہیے۔" اسے اپنی کا فارمولا یاد آیا۔

نک، ٹم سے بات کررہا تھا۔ آواز کچن تک آرہی تھی۔ ٹم نے وقفہ مانگا ہوگا۔ لہٰذا نک نے اوورکوٹ اتار کر ٹائی ڈھیلی کی اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"پولیس کو فون نہیں کریں؟" سارا کی آواز آئی۔

"پولیس دوسرا آپشن ہے۔ پہلے بیورو سے بات کر لوں۔"

"مطلب ایف بی آئی؟ لیکن کیوں؟"

"نہیں، وہ ٹم کا دوست بیورو میں ہے۔" نک نے جواب دیا۔ وہ بے قراری سے ٹم کی کال کا انتظار کررہا تھا۔ گھنٹی بجتے ہی اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ ایک آدھ لفظ کہہ کر خاموش ہوگیا اور ٹم کی بات سنتا رہا اور کھڑا ہوگیا۔ معاً اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔

"ایمبروز کو کیسے پتا چلا؟" اس نے ایمبروز کے لیے غیر مہذب لفظ استعمال کیا۔ سارا پریشان تھی کہ نک کیوں اچانک برہم ہوگیا۔

"اوکے۔" نک کی آواز آئی۔ "میں آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچتا ہوں۔" نک نے سارا کے اپارٹمنٹ کی صورتِ حال بھی بتائی اور ٹم کے دوست کا نمبر مانگا۔ پھر پریشانی سے سارا کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے ایمبروز کے آفس میں تم سے ملتا ہوں۔"

"کیا ہوگیا؟" سارا نے پریشانی سے سوال کیا۔

"مجھے جانا پڑے گا۔ چین لاک لگا کر رکھنا بلکہ بہتر ہے کہ آج رات اپنی دوست کے گھر پر گزارو۔ پولیس کو کال کر دو۔ میں پہلی فرصت میں واپس آجاؤں گا۔"

سارا دروازہ بند کرکے کمرے میں آگئی۔ سوچوں میں غلطاں، بے خیالی میں اس کی نظر بک شیلف پر رکھے گلدان پر پڑی۔ کچھ غلط تھا، لیکن کیا؟ اچانک اس پر انکشاف ہوا کہ گلدان کے برابر والی جگہ خالی پڑی تھی۔ وہ پلک جھپکائے بغیر خالی جگہ کو گھور رہی تھی۔ جہاں شادی کی تصویر کا فریم ہونا چاہیے تھا، وہ تصویر اسے بہت عزیز تھی۔

غم و غصے نے اس کے گلے میں پھندا لگا دیا۔ شادی کی تصویر غائب تھی۔ اگرچہ تصویر میں صرف دو مسکراتے چہرے تھے لیکن سارا کو لگ رہا تھا جیسے پورا اپارٹمنٹ مسمار ہوگیا ہے۔ واحد شے...... اس کی سب سے قیمتی چیز غائب تھی۔ اپارٹمنٹ میں موجود ہر شے سے زیادہ وہ تصویر پیاری تھی۔ کسی کو کیا ضرورت تھی وہ تصویر لے جانے کی؟

معاً فون کی گھنٹی پر اس کا دل زور سے دھڑکا۔ شاید اپنی کا فون تھا۔ سارا نے ریسیور اٹھایا۔ پہلے لانگ ڈسٹنس کال کی مخصوص سرگوشی سنائی دی۔ سارا جم کے رہ گئی۔

"ہیلو؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"سارا میرے پاس آجاؤ۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔"

پھیپھڑوں سے اٹھنے والی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ کمرا چکر کاٹنے والے جھولے کے مانند گھومنے لگا۔ اس نے سنبھلنے کے لیے شیلف کا سہارا لیا۔ ریسیور انگلیوں سے پھسل کر قالین پر گر گیا۔ یہ ناممکن ہے..... جیفری زندہ نہیں ہے۔ اس نے تڑپ کر فون اٹھایا۔ "ہیلو؟ ہیلو؟ جیفری!" وہ چلّانے لگی۔ طویل فاصلے کا رابطہ ختم ہوچکا تھا۔ پھر وہی ڈائل ٹون۔

جو کچھ اس نے سنا، وہ کافی تھا۔ گزشتہ دو ہفتے بھیانک خواب کے مانند تھے۔ خواب... لیکن یہ آواز خواب نہیں تھی۔ حقیقت تھی۔ جیفری زندہ تھا۔

☆☆☆

"اوہارا، تم بیس منٹ تاخیر سے پہنچے ہو۔" ایمبروز کی آواز گونجی۔

نک پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ "بارش تھی، کیا کرتا.....؟"

"جانتے ہو کون یہاں اس وقت تم سے ملنے کا مشتاق ہے؟ کوئی آئیڈیا؟" ایمبروز نے کہا۔

"نہیں، کون ہے؟"

"کوئی گھٹیا کا....." ایمبروز فقرہ مکمل کرتے کرتے رک گیا۔ "سی آئی اے..... وان ڈیم نام ہے اس کا۔ مجھے بتاؤ، فونٹان کیس میں کیا چل رہا ہے؟ میرے ہی ڈپارٹمنٹ میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ وان ڈیم نے مجھے بتایا..... اوہارا تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

نک نے سکون سے جواب دیا۔ "اپنی ڈیوٹی کررہا ہوں۔"

"ڈیوٹی؟ تمہاری ڈیوٹی تھی کہ بیوہ کو اطلاع دیتے، معذرت کرتے اور باڈی واپس منگوانے کا بندوبست کرتے جبکہ وان ڈیم کے مطابق تم جیمز بانڈ بننے کی کوشش کررہے ہو۔"

"یہ اس کی رائے ہے۔" نک نے کہا۔ "ہاں میں نے تدفین میں شرکت کی تھی اور اسے گھر تک چھوڑنے گیا تھا۔"

جواب میں ایمبروز نے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھولا۔

"خود مل لو۔" نک، ایمبروز کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ ڈیسک کے دوسری جانب جو آدمی بیٹھا تھا، اس کی عمر چالیس، پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس نے ہاتھ اس طرح باندھے ہوئے تھے جیسے عبادت کررہا ہو۔ دراز قامت اور خاموش۔ ٹم کا

کہیں پتا نہیں تھا۔ درحقیقت وان ڈیم، ایمبر وز کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ یہ امر بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھا۔ یقیناً وہ سی آئی اے کی کوئی بااثر شخصیت تھی۔

"پلیز، بیٹھ جاؤ۔ مسٹر اوہارا۔" اس نے کہا۔ "میرا نام وان ڈیم ہے۔" اس نے صرف نام بتانے پر اکتفا کیا۔" نک کے بیٹھنے کے بعد وان ڈیم نے ایک نیلا فولڈر نکالا۔ یہ نک کی ملازمت کا ریکارڈ تھا۔ "تم اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ساتھ آٹھ سال سے منسلک ہو۔"

"آٹھ برس، دو ماہ۔" نک نے تصحیح کی۔

"دو سال سے ہونڈوراس، دو سال قاہرہ اور چار سال لندن میں...... تمام عرصے میں تمہاری حیثیت کونسلر کی تھی۔ اچھا ریکارڈ ہے، سوائے دو میموز کے...... تم ہونڈوراس میں مقامی افراد کے لیے ہمدردی رکھتے تھے۔"

"کیونکہ وہاں ہماری پالیسی بدبودار تھی۔"

وان ڈیم مسکرایا۔ "یقین کرو، یہ بات کہنے والے تم پہلے آدمی نہیں ہو۔" اس کی مسکراہٹ نے نک کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجائی۔

"مسٹر اوہارا، اس ملک میں لوگ اپنی اپنی رائے رکھتے ہیں۔ جیسے کہ تم...... اور میں اختلاف رائے کو پسند کرتا ہوں۔ بدقسمتی سے سرکاری ملازمت میں ذاتی رائے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ تمہیں دوسرا میمو ایشو کیا گیا۔"

"دوسرا میمو لندن کے واقعے سے متعلق ہے۔"

"ہاں۔" نک نے مختصر جواب دیا۔

"کیا تم وضاحت کرو گے؟"

"رائے پوٹر نے سی آئی اے کو رپورٹ کی تھی۔ جو کچھ ہوا...... وہ اس کی اپنی رائے تھی۔"

"تم اپنی رائے بتاؤ۔" وان ڈیم نے کہا۔

لہو کی گردش میں غصہ شامل ہو گیا۔ تاہم نک نے کہا۔

"ہمارا چیف کونسلر ڈان لبرمین ایک ہفتے سے لندن میں نہیں تھا۔ مجھے اس کی جگہ سنبھالنی پڑی...... ایک رات سوکولوو نامی آدمی مجھ تک پہنچا۔ روس کی لندن ایمبیسی میں وہ اتاشی تھا۔ میں پہلے بھی اس سے مل چکا تھا، وہ ایک رکی استقبالیہ تھا۔ میں نے اسے کئی بار نروس اور پریشان محسوس کیا۔ وہ سیاسی پناہ کا متلاشی تھا۔ جس کے بدلے وہ کچھ اطلاعات فراہم کرنے کے لیے تیار تھا۔ میرے ذہن کے مطابق "اطلاعات" اہم تھیں۔

"میں نے فوراً رائے پوٹر کو بتایا۔ پوٹر لندن میں خفیہ کا ہیڈ بھی تھا۔ پوٹر مشکوک تھا، وہ چاہتا تھا کہ سوکولوو کو ڈبل ایجنٹ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ شاید وہ روسی خفیہ کی قیمتی معلومات تک رسائی چاہتا تھا۔ میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ سوکولوو کی زندگی پہلے ہی خطرے میں ہے اور اس کی فیملی بھی لندن میں ہے لیکن پوٹر اسے پناہ دینے میں جلد بازی سے گریز کر رہا تھا۔ میں اس کی بات سمجھ رہا تھا کہ سوکولوو کے کے۔ جی۔ بی میں بالائی سطح پر تعلقات تھے۔ لہٰذا میں نے پوٹر سے بحث نہیں کی۔ لیکن اگر اسے کے۔ جی۔ بی نے پلانٹ کیا ہوتا تو چند روز بعد اس کے بیوی بچوں کو سوکولوو کی لاش نہ ملتی۔ روسی اپنے ایجنٹ کو اس وقت تک ٹھکانے نہیں لگاتے جب تک وہ حتمی نتیجے پر نہ پہنچ جائیں...... تمہارے آدمیوں نے سوکولوو کو بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تھا۔"

"یہ ایک خطرناک کھیل ہے، مسٹر اوہارا۔ اس کھیل میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ لیکن سوکولوو کی ہلاکت کا ذمے دار میں خود کو سمجھتا ہوں۔ پوٹر نے میری رائے کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔"

وان ڈیم نے نفی میں سر ہلایا اور مسکرانے کے بجائے ہنسنے لگا۔

"پوٹر نے تمہارے رویے پر اعتراض کیا تھا حتیٰ کہ تم تشدد سے قریب تر ہو چلے تھے۔"

"تشدد والی بات جھوٹ ہے۔" نک نے تردید کی۔

وان ڈیم نے فائل بند کر دی اور ہمدردانہ انداز میں مسکرایا۔ نک سمجھ گیا کہ جو کچھ ہونے جا رہا ہے، وہ اس کے حق میں نہیں ہو گا۔ تمام گفتگو کے دوران میں ایمبر وز نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ یہ اچھی علامت نہیں تھی۔ باتوں اور اشاروں میں وان ڈیم نے امریکن یونیورسٹی میں نک کے پروفیشن کا ذکر کیا، اور ایک آدھ معمولی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ بعدازاں کنایتاً اس نے نک کی تنہائی کی بات کی۔ سارا بھی تنہا تھی۔ لب لباب یہ نکل رہا تھا کہ وہ اپنے طور پر سارا کے ساتھ کس اپ ہو رہا ہے لیکن کیوں؟

نک نے اپنے اشتعال کو دبایا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں غدار ہوں؟"

"نہیں، نہیں...... ایسی بات نہیں ہے...... لیکن تم سارا کے ساتھ کیوں ملوث ہو رہے ہو؟"

بالآخر بلی نے تھیلے سے باہر سر نکالا۔ نک نے اختصار سے بتایا کہ جب اسے معلوم ہوا کہ جیفری برلن میں نہیں لندن میں تھا۔ اس وقت اس نے تجسس کے باعث حقیقت معلوم کرنا چاہی۔ اسے تم کا نام بھی بتانا پڑا۔ چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

"تم نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"لندن اور برلن کے تضاد کی وجہ سے کچھ تاخیر ہو گئی۔"

نک نے مبہم لیکن نحیف جواب دیا۔

''تمہیں احساس ہے کہ تم سے بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے؟''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کیا تم نے اسے سی آئی اے کے بارے میں وارن کر دیا ہے؟''

''وارننگ؟ وہ بھی اتنے ہی اندھیرے میں ہے...... جتنا میں۔''

''ممکن ہے ایسا نہ ہو، وہ اتنی معصوم نہ ہو۔''

''میرے احساسات ہیں۔'' نک نے کہا۔

''یہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔ مسز فونٹان نے جو بتایا ہے، وہ اس سے زیادہ جانتی ہے۔ تم لاعلم ہو۔ مختلف لوگ ملوث ہیں۔ مختلف داؤ کھیلے جا رہے ہیں۔''

نک حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ کیا سارا اتنی بڑی اداکارہ ہے کہ نک دھوکا کھا گیا۔ ''تم نے نتائج کی بات کی؟''

''اس کیس کے نتائج بین الاقوامی سطح پر ظاہر ہوں گے۔''

''جیفری جاسوس ہے؟'' نک نے سوال کیا۔

وان ڈیم نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایمبروز کو دیکھا۔ ایمبروز نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

''تمہارا ریکارڈ دیکھنے اور تجزیے کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے کہ ڈپارٹمنٹ سے تمہاری غیر حاضری میں اضافہ کر دیا جائے۔ بیسٹ فار یو۔ اس دوران میں تمہاری سیکیورٹی کلیئرنس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر کوئی بات حماقت سے بڑھ کر برآمد نہ ہوئی تو جسٹس ڈپارٹمنٹ تک جانے کی نوبت نہیں آئے گی اور تمہارا رابطہ وان ڈیم سے ہوگا۔''

تشریح کی ضرورت نہیں تھی۔ نک پر غداری کا لیبل لگایا جا رہا تھا۔ منطقی ردعمل یہی تھا کہ وہ احتجاج کرے اور اسی وقت استعفیٰ دے دے لیکن وان ڈیم کے سامنے؟ نہیں وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بجائے وہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں سمجھ گیا، اور کچھ؟''

''نہیں، مسٹر اوہارا۔''

اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ میں آٹھ سال، محض ایک تجسس کی نذر ہو گئے تھے۔ مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ غداری کے سوال سے ہٹ کر اسے ملازمت کھونے کا کوئی غم نہیں تھا۔ اپنے دفتر کا دروازہ کھولتے وقت وہ محسوس کر رہا تھا کہ ایک وزنی بوجھ اس کے شانوں سے اتر گیا ہے۔ وہ اب آزاد تھا۔ جو فیصلہ وہ کر نہیں پا رہا تھا، وہ از خود ہو گیا تھا۔ اس کی بچت چھ ماہ کے لیے کافی تھی۔ وہ نئی زندگی شروع کرنے کے قابل تھا۔ شاید دوبارہ یونیورسٹی...... دفتر سے سامان سمیٹتے وقت وہ لاشعوری طور پر سیٹی بجا رہا تھا۔ آٹھ برس بعد ایک نئی طرز کی رات اس کی زندگی میں داخل ہونے والی تھی۔ البتہ غداری کے مبہم سوال کو وہ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک محب وطن شہری تھا۔ پزل حل کرنے کے لیے اسے سارا کے پاس جانا پڑے گا۔

سارا سے ملنے کی خواہش شدت اختیار کر گئی۔ اس نے فون لیا اور اس کا نمبر ملانے لگا۔ جواب ریکارڈڈ تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ اس کے مشورے کے پیش نظر اپنی دوست کے پاس نہ چلی گئی ہو، لیکن اس کی دوست کا نمبر......

وہ کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ بلاارادہ تصورات کی دنیا میں چلا گیا۔ وہ آنکھیں تھیں۔ شہد رنگ، ذرہ ہے، پھول نہ مہ پارہ۔ پھر کیا ہے۔ شاید دل حسرت آشنا واقف ہو۔ یہی سب اس نظر کی کرشمہ سازی۔ نک غلط تھا۔ وہ دنیا کی حسین عورت تھی۔ چشم تھی۔ نگاہ تھی، نظر تھی...... جو اس کے پورے وجود پر حاوی تھی۔ نک کا تصور اس کے جلوؤں میں اسیر ہوتا گیا۔ کھوتا گیا، ڈوبتا گیا، بہتا گیا۔ وہ تصور میں ہر جگہ اس کے ساتھ تھی۔

''نک!'' تصورات کی دھند بکھر گئی۔ خیال، حقیقت میں ڈھل گیا۔ ٹم نے کمرے میں قدم رکھا۔ ''کیا کر رہے ہو ابھی تک؟''

''کیا کروں گا؟ اپنی ڈیسک صاف کر رہا ہوں۔'' اس نے چونک کر کہا۔ میں سارا کے تصور میں تھا اور اس پکار کو سارا کی پکار سمجھا تھا۔

''مطلب تمہیں......''

''یہی سمجھو، مجھے فارغ کر دیا گیا ہے۔''

ٹم کرسی پر گر گیا۔ اس کا چہرہ لٹک گیا۔

''تم کہاں تھے؟ میں سمجھا کہ تم سے ایمبروز کے دفتر میں ملاقات ہوگی۔''

''میرے سپروائزر نے مجھے ایک طرف کر دیا تھا۔ ایف بی آئی اور سی آئی اے بھی ملوث تھی۔ ویری بیڈ۔ میرا کمپیوٹر پاس بھی بمشکل بچا ہے۔''

''میری غلطی تھی۔'' نک نے تاسف کا اظہار کیا۔ ''آخر ہو کیا رہا ہے، ٹم؟''

''جو کچھ ہے، بُرا ہے۔ ہم نے عقاب کے گھونسلے کو چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔''

''تو یہ جاسوسی کا معاملہ ہے لیکن ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ جیفری میں کیا خاص بات ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔''

''تمہاری دلچسپی ختم ہو گئی؟''

"مکمل طور پر......اور تمہاری؟"

"اس کیس میں میری ذاتی دلچسپی ہے۔"

"نک، پیچھے ہٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے......تمہارا کیریئر بھی تباہی سے دوچار ہے۔"

"وہ پہلے ہی تباہ ہو گیا ہے۔ میں اب ایک عام شہری ہوں......اور سارا کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"

"میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ اُسے بھول جاؤ۔ اس کے بارے میں تمہاری رائے غلط ہے۔ وہ "ٹوٹل مِس انوسینٹ" نہیں ہے۔"

"سب یہی کہہ رہے ہیں لیکن میں کسی بھی وقت اس سے مل سکتا ہوں۔"

"دیکھو تم حماقت کے مرتکب ہو رہے ہو، اوکے؟" ٹم نے تیز آواز میں کہا۔ نک چونک اٹھا۔

کیا ہو رہا ہے؟ آخر کیا بات ہے؟ اس نے سوچا۔ آگے جھک کر اس نے براہِ راست دوست کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم کیا بتانا چاہ رہے ہو؟"

ٹم کے تاثرات توازن سے عاری تھے۔ "میرے ایف بی آئی کے آدمی نے سارا کے رابطوں کے بارے میں بتایا ہے۔ کچھ دیر پہلے کال کر کے اس نے کہا......"

"کیا کہا؟"

"وہ کچھ جانتی ہے۔"

"کیا مذاق ہے۔ صاف صاف بتاؤ۔"

"جب تم نے اس کا اپارٹمنٹ چھوڑا، وہ ٹیکسی پکڑ کر ائرپورٹ گئی اور جہاز پر سوار ہو گئی۔"

"کہاں گئی؟" نک بھڑک اٹھا۔

"لندن!" ٹم نے آہستہ سے کہا۔

☆☆☆

نقطۂ آغاز کے لیے لندن ہی منطقی مقام تھا۔ یا سارا کے نزدیک آغاز وہیں سے کرنا چاہیے تھا۔ لندن جیفری کا پسندیدہ شہر تھا۔ اگر وہ مشکل میں ہے تو اسے یہیں روپوش ہونا چاہیے تھا۔ کیب نے اسے سیوائے ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔ فرنٹ ڈیسک پر خوب صورت خاتون بلیزر میں ملبوس، سارا کی جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ سیاحوں کا رش بڑھا نہیں ہے۔ کمرا مل سکتا ہے۔

سارا نے فارم بھرتے وقت سرسری انداز میں استفسار کیا۔ "میرے شوہر دو ہفتے قبل یہاں قیام پذیر تھے۔ نام جیفری ہے؟" لیڈی کلرک نے لیجر پر نظر دوڑائی۔

"تمہیں یاد ہے؟"

"اوہ یس، میم، آپ کے شوہر یہاں اکثر آتے تھے۔ وہ ایک نفیس آدمی ہیں۔ وہ یہاں آپ کو جوائن کریں گے؟"

"نہیں، ابھی نہیں۔ دراصل مجھے ایک پیغام کی توقع تھی۔ کیا تم چیک کرو گی؟"

کلرک نے میل سلاٹ کو دیکھا۔ اس کا جواب نفی میں تھا۔

"کوئی کال؟" سارا نے سوال کیا۔

"نو، سوری میم۔"

سارا سوچ میں پڑ گئی۔ کیا کرنا چاہیے۔ جیفری کے کمرے کی تلاشی لینا بے معنی تھا۔ دو ہفتے گزر گئے تھے۔

"اینی وے۔" کلرک نے سر اٹھایا۔ "کوئی پیغام ملا تو ہم مارگیٹ فارورڈ کر دیں گے۔"

"مارگیٹ؟" سارا نے پلکیں جھپکائیں۔ کلرک لکھنے میں مصروف تھی۔

"یس۔"

کیا جیفری کی لندن میں کوئی رہائش ہے۔ اس نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔ سارا نے خود کو سنبھالتے ہوئے دعا کی کہ وہ کامیابی سے کلرک کو قائل کر لے۔

"امید ہے...... مجھے امید ہے کہ تمہارے پاس غلط پتا نہیں ہو گا۔ ہم مارگیٹ میں ہی تھے۔ لیکن ایک ماہ قبل وہ جگہ چھوڑ دی تھی۔"

"اوہ ڈیئر۔" کلرک نے گہری سانس لی اور عقبی سمت کے دفتر کی طرف چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ پھر نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں رجسٹریشن کارڈ تھا۔ "پچیس وزیٹیبل لین۔ کیا یہ پرانا پتا ہے یا نیا؟"

سارا نے جواب نہیں دیا۔ اس کا ذہن پتا یاد کرنے میں مصروف تھا۔

"مسز فونٹان؟" کلرک نے آواز دی۔

"ہاں، مجھے یقین ہے...... یہ ٹھیک ہے۔" وہ سوٹ کیس اٹھا کر ایلیویٹر کی طرف بڑھ گئی۔ پچیس وزیٹیبل لین...... وہ بار بار ذہن میں پتا دہرا رہی تھی۔ کیا جیفری وہاں ملے گا؟

☆☆☆

سمندر کی موجیں آڑی ترچھی چٹانوں پر سر پٹخ رہی تھیں۔ موجوں کی تندی سارا کو خوف زدہ کر رہی تھی۔ وہ کچے راستے پر چل رہی تھی۔ سورج کی روشنی نے دھند کا سینہ چیر دیا تھا۔ مٹی میں چونے کی آمیزش تھی اور فضا نمکین۔ وہاں دس پندرہ کاٹیج اور گارڈن تھے۔ وزیٹیبل لین کے آخر میں سارا نے مطلوبہ کاٹیج دیکھا۔ کاٹیج کے سامنے چھوٹا سا گارڈن تھا۔


ONLY
Baking Soda
SodaWhite
With Fluoride
دانت سفید چکا چک
facebook.com/snscare

گارڈن چوبی گرل نما احاطے کے اندر تھا۔ گارڈن میں کئی کے پھول، گلاب کے پودے اور قینچی کی کھٹ کھٹ نے اسے گارڈن کی سائڈ دیکھنے پر مجبور کیا۔ جہاں ایک عمر رسیدہ شخص باڑھ تراش رہا تھا۔

"ہیلو؟" سارا نے آواز دی۔ اس آدمی نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"میں جیفری فونٹان سے ملنے آئی ہوں۔"

"وہ نہیں ہے۔" جواب ملا۔

سارا حیران تھی کہ لندن میں کام کی جگہ سے دور جیفری کو یہاں کاٹیج رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ "وہ کہاں ملے گا؟"

عمر رسیدہ شخص نے شانے اچکائے۔ "پتا نہیں وہ دونوں آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"وہ دونوں کون؟" سارا نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ اور مسز فونٹان۔"

سارا نے دونوں ہاتھوں سے چوبی گرل کو اتنی سختی سے پکڑا کہ اس کی ہتھیلیوں میں چبھن ہونے لگی۔ اس کے سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔ لرزتے ہاتھوں سے سارا نے جیفری کی تصویر نکالی۔

"یہ جیفری کی تصویر ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ہاں۔" بوڑھے آدمی نے بہ آسانی شناخت کر لیا۔

سارا نے کانپتی انگلیوں سے بمشکل تصویر پرس میں ڈالی۔ وہ شاک کی حالت میں تھی۔ کیا بوڑھا سٹھیا گیا ہے یا...... اس کا ذہن چکرا رہا تھا۔ دوسری عورت؟ پہلی مرتبہ نک اوہارا نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا، جس پر وہ برافروختہ ہو گئی تھی۔ نک کے خیال میں یہ ایک منطقی امکان تھا۔ وہ خود احمق تھی، احمق تھی۔ نک نے ٹھیک کہا تھا۔

سارا لاعلم تھی کہ وہ وہاں کب تک کھڑی رہی۔ زمان و مکاں کا احساس ناپید ہو گیا تھا۔ وہ منجمد تھی۔ اس سے زیادہ اذیت اس کی برداشت سے باہر تھی۔

غالباً تیسری مرتبہ بوڑھے آدمی نے اسے پکارا تھا۔

"مس؟ مس؟ تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، مجھے ان دونوں سے ملنا ہے۔"

"مجھے ٹھیک نہیں معلوم۔ لیکن لیڈی دو ہفتے قبل پیکنگ کے بعد روانہ ہو گئی تھی۔"

سارا نے پرس سے کاغذ قلم نکال کر اپنا اور ہوٹل کا نام لکھا۔ پرچہ اس نے اس شخص کو پکڑا دیا۔ "ان میں سے کوئی آئے تو پلیز مجھے یہاں کال کروا دینا۔ پھر وہ بن پیے لڑکھڑاتی ہوئی مڑی۔ اس کی نگاہ میل باکس نمبر 25 پر گئی۔ جہاں سے ایک میل آرڈر کیٹیلاگ جھانک رہی تھی۔ کیٹیلاگ لندن کے ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور کی تھی۔ ایڈریس کی جگہ مسز ایوی فونٹان لکھا تھا۔

ایوی۔

ایک سے زیادہ مرتبہ جیفری نے سارا کے لیے ایوی کا نام استعمال کیا تھا۔ سارا نے کیٹیلاگ واپس باکس میں ٹھونس دی۔ وہ چٹانی راستے پر واپس مارگیٹ ٹرین اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ شہد رنگ آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

سرمایۂ زیست، دشمنِ جاں نکلا۔ کائنات دل بے رنگ ہو گئی۔ حیاتِ رنگیں سراب کی نذر ہو گئی۔ اچانک ملنے والی انکشاف آمیز خبر نے اسے پل بھر میں توڑ پھوڑ دیا تھا...... وہ نڈھال قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

چھ گھنٹے بعد تھکی ہاری، اندر سے خالی...... بھوک سے بے حال وہ ہوٹل میں اپنے کمرے تک آئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو؟" سارا نے کہا۔

"سارا فونٹان؟" کسی عورت کی بیٹھی ہوئی آواز تھی۔

"یس۔"

"جیفری کے بائیں کندھے پر پیچھے کے جانب پیدائشی نشان ہے۔"

"ہاں۔"

"کیسا نشان ہے؟"

"لیکن......"

"کیسا نشان ہے؟"

"چاند، آدھا چاند، کیا تم ایوی ہو؟"

"لیمب اینڈ روز۔ ڈوریسٹ اسٹریٹ، نو بجے۔"

"رکو...... ایوی؟"

کلک۔

سارا نے گھڑی دیکھی۔ آدھے گھنٹے میں وہ ڈوریسٹ اسٹریٹ پہنچ سکتی تھی۔

☆☆☆

سارا، لیمب اینڈ روز نامی پب کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ کھنکتی ہنسی اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کی متلاشی نگاہوں میں سرونگ گرل کے علاوہ کوئی نسوانی پیکر نہیں آیا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو سرونگ گرل نے گردن کے

خفیف خم سے عقبی کمرے کی جانب اشارہ کیا۔ سارا نے بھی جواباً سر کو معمولی جنبش دی اور اس کے اشارے کی سمت چل پڑی۔

وہاں دیوار کے ساتھ متعدد چوبی بوتھ ایک قطار میں تھے۔ پہلے بوتھ میں ایک جوڑا براجمان تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ دوسرے بوتھ میں ایک پکی عمر کا آدمی وہسکی کے ساتھ شغل میں مگن تھا۔ تیسرے میں ایک اور جوڑا بیٹھا تھا۔ اب ایک بوتھ رہ گیا تھا۔ سارا کو یقین تھا کہ وہاں ایوی اس کی منتظر ہوگی۔

سارا نے اندر قدم رکھا۔ دونوں عورتوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ایک نظر میں دونوں نے ایک دوسرے کی اذیت محسوس کر لی۔ سارا اس کے بالمقابل بیٹھ گئی۔ ایوی نے سگریٹ کا کش لیا اور راکھ گراتے ہوئے سارا کا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ خود نمایاں طور پر دبلی پتلی تھی۔ آنکھوں کی رنگت سبز تھی۔ آنکھوں میں تھکن تھی۔ وہ نروس دکھائی دے رہی تھی اور گاہے گاہے پب کے دروازے کی طرف نظر ڈالتی تھی۔ سگریٹ کا دھواں بل کھاتے سانپ کے مانند دونوں کے درمیان بلند ہو رہا تھا۔

"تم میرے اندازے سے ہٹ کر ہو۔" اس نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ تم اتنی سادہ نہیں ہو۔ کم عمر بھی ہو۔ ستائیس یا اٹھائیس؟"

"بتیس۔" سارا نے جواب دیا۔

"مطلب اس نے مجھے سچ بتایا تھا۔"

"جیفری نے میرے بارے میں بتایا تھا؟"

ایوی نے کش لیا۔ "ہاں اور یہ میرا آئیڈیا تھا۔"

سارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تمہارا آئیڈیا؟ لیکن کیوں؟"

"تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ ظاہر ہے کیسے جان سکتی ہو لیکن میں بتاؤں گی...... پہلے یہ بتاؤ کہ تم اس کے ساتھ خوش ہو؟"

"ہاں...... کم از کم میں خوش ہوں۔ جہاں تک جیفری کا تعلق ہے۔ نہیں معلوم نہیں جانتی۔"

"تم اُس سے محبت کرتی ہو۔ میری طرح...... اور ہم دونوں ہار گئے ہیں۔ معاملات کی نوعیت ہی ایسی ہے۔"

"کیسے معاملات؟"

ایوی نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔ "بہتر ہے کہ نہ جانو لیکن تم جاننا چاہتی ہو۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو بھول جاتی اور گھر کا رخ کرتی جبکہ تم اب بھی ایسا کر سکتی ہو۔"

"جیفری کون ہے؟"

ایوی نے دھواں اُگلتے ہوئے اوپر کی جانب دیکھا۔ جیسے خیالات کو مجتمع کر رہی ہو۔ "میں دس برس پہلے ایمسٹرڈیم میں اس سے ملی تھی۔ اس وقت وہ ایک مختلف آدمی تھا۔ مختلف سے مراد ہے صلاحیت اور تجربہ۔ اس کا نام سائمن ڈانس ہے۔ اس وقت ہم دونوں موساد کے لیے کام کرتے تھے۔ ہماری ٹیم میں ایک عورت تھی۔ وہی چیف تھی۔ موساد کی بہترین ایجنٹ...... میں اور سائمن ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ ایک سال گزرا تھا کہ مشن بُری طرح فیل ہو گیا۔ اس بزنس میں کام ہی سب سے اہم ہوتا ہے۔ میں اور سائمن ایک دوسرے کے لیے شدید پریشان رہنے لگے۔ کیونکہ بوڑھا آدمی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔"

"کیا اُسے گرفتار کرنا مشن تھا؟" سارا نے سوال کیا۔

ایوی ہنس پڑی۔ "ہمارے بزنس میں گرفتاری نہیں ہوتی۔ ختم کرنا ہوتا ہے۔" سارا کے ہاتھ سرد پڑنے لگے۔ "جیفری ایک جاسوس تھا اور قاتل بھی...... جیفری نہیں سائمن۔" سارا نے سوچا۔

"وہ بوڑھا زندہ ہے۔ اس کا نام ماگس ہے۔ ناپاک آدمی کا پاک نام۔ ماگس دی مجیشن۔ ہمارے لیے یہ شخص ایک کوڈ نیم نہیں ہے' اس سے بڑھ کر ہے۔ اس ناکام کیس نے ہماری کہانی ختم کر دی۔" ایوی نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور دوسری سلگا لی۔ اس عمل کے دوران اس نے تین دیا سلائیاں ضائع کیں۔ اس کے ہاتھ قابو میں نہیں تھے۔ اس نے آہ بھرتے ہوئے سلسلہ کلام جوڑا۔ "پھر ہم نے شادی کر لی اور موساد سے علیحدہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ جرمنی، پھر فرانس میں گزارا۔ ہم نے دو مرتبہ اپنا نام تبدیل کیا۔ ماگس کے کتنے پیشہ ور قاتل ہمارے تعاقب میں تھے۔ بعدازاں ہم نے یورپ سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔"

"اور امریکا آ گئے؟" سارا نے کہا۔

"ہاں، یہ بہت بہتر رہا۔ اسے نیا نام اور ایک پلاسٹک سرجن مل گیا۔ اس کے چہرے میں ڈرامائی تبدیلی آ گئی۔ میرا چہرہ بھی بدل گیا۔ وہ پہلے امریکا آیا، پھر مجھے بلایا۔"

"اس نے مجھ سے شادی کیوں کی؟" سارا نے سوال کیا۔

"اسے امریکی بیوی کی ضرورت تھی۔ گھر اور اکاؤنٹ کی ضرورت تھی۔ میں اپنی آواز اور لہجے کے باعث امریکا میں فٹ ہونے میں ناکام رہی۔ سائمن کی بات اور تھی۔ وہ مختلف آوازوں اور بدلے ہوئے لہجوں کی ادائیگی پر قادر تھا۔"

"اس نے مجھے کیوں منتخب کیا؟"

"سہولت...... تم تنہا تھیں، شخصیت بھی عام سی تھی۔ تمہارا

کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ تمہیں جذباتی طور پر بہ آسانی متاثر کیا جاسکتا تھا۔ کیا میں ٹھیک نہیں کہہ رہی؟"

سارا نے بے اختیار اثبات میں سر ہلایا اور سسکی لی۔ کوئی اس میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ لیب سے گھر اور گھر سے لیب۔ گزرتے ماہ و سال اسے شادی سے پرے دھکیل رہے تھے۔

پھر معاً جیفری نمودار ہوا اور تنہائی کا خلا پُر کردیا۔ وہ فوراً ہی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ استعمال ہورہی ہے۔

غصے کی لہر اٹھی۔ "تمہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ تم دونوں کو احساس نہیں تھا کہ چوٹ کس نے کھائی۔ جذباتی استحصال کس کا ہوا۔ کون مجروح ہوا؟"

"ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہماری اپنی زندگی تھی۔"

"اپنی زندگی؟ اور میری زندگی......"

"آواز دھیمی رکھو۔"

"ایوی، میں اُس سے محبت کرتی تھی اور تم یہاں بیٹھ کر جواز تراش رہی ہو۔"

"پلیز آہستہ بولو۔"

"مجھے پروا نہیں ہے۔"

ایوی کھڑی ہوگئی۔ "مجھے چلنا چاہیے۔"

"نہیں، رکو۔" سارا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کہانی مکمل کرو۔"

ایوی آہستہ سے واپس بیٹھ گئی۔

"وہ صرف مجھ سے پیار کرتا تھا اور لندن میری وجہ سے آتا تھا۔ وہ تمہیں کال کرتا یا خط لکھتا تو مجھے بُرا لگتا تھا لیکن یہ ضروری تھا۔ سب ٹھیک چل رہا تھا۔" اچانک وہ آبدیدہ ہوگئی۔

"کیا ہوا، ایوی؟"

"پتا نہیں...... ہمارے کچھ ہمنوا بھی تھے۔ جو ماگس کے خلاف تھے۔ مجھے اتنا پتا ہے کہ اس نے دو ہفتے قبل لندن چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ماگس کے خلاف آپریشن میں شریک ہوا۔ تاہم گڑبڑ ہوگئی۔ اُسے فرار ہونا پڑا۔ برلن کے ہوٹل میں کسی نے اس کے کمرے میں دھماکا خیز مواد رکھ دیا۔ اس کی کال برلن سے آئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ زیرِ زمین روپوش ہورہا ہے۔ مجھے بھی چھپ جانا چاہیے۔ صحیح وقت پر وہ میرے پاس آئے گا لیکن جس رات میں نے مارگیٹ چھوڑنا تھا، مجھے وہم ہوا اور میں نے برلن کال کی۔ مجھے پتا چلا کہ اُسے ختم کردیا گیا ہے۔"

"لیکن وہ زندہ ہے۔" سارا بے اختیار بولی۔

ایوی کے ہاتھ سے سگریٹ گرگئی۔ "وہاٹ؟"

"اس نے دو دن قبل مجھے کال کی تھی۔ مجھے بلایا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"یہ سچ ہے۔" سارا نے بلند آواز میں کہا۔

"ریکارڈنگ ہوسکتی ہے۔ کوئی اور ٹرک۔ وہ تمہیں کال نہیں کرسکتا۔" ایوی نے سرد لہجے میں کہا۔ "آواز کی نقل بھی ہوسکتی ہے۔"

سارا نے خاموشی اختیار کی۔ کسی کو کیا ضرورت تھی کہ جیفری کی آواز کے سہارے اسے یورپ لے آتا؟ دفعتاً اسے کچھ اور یاد آیا۔ پزل کا ایک اور ٹکڑا۔ جو حل نہیں ہوسکا تھا۔ سارا نے ایوی کی طرف دیکھا۔ جس دن میں نے واشنگٹن چھوڑا تھا۔ اسی روز کوئی اجنبی میرے اپارٹمنٹ میں گھسا تھا اور سوائے فوٹوگراف کے اس نے وہاں سے کچھ نہیں لیا۔ وہ فوٹو مجھے بہت عزیز تھا۔"

"کیسا فوٹوگراف؟" ایوی نے تیز آواز میں سوال کیا۔

"جیفری...... وہ ہماری شادی کا فوٹو تھا۔"

ایوی کا چہرہ چونے کے مانند سفید پڑ گیا۔ اس نے سگریٹ بجھا کر پرس اور سویٹر سنبھالا۔

"کہاں جارہی ہو؟"

"جانا ہوگا۔ وہ مجھے تلاش کررہا ہے۔"

"کون؟"

"جیفری؟"

"تم نے کہا تھا، وہ مرچکا ہے؟"

"نہیں، نہیں وہ زندہ ہے۔ انہیں اس کا نیا چہرہ نہیں معلوم۔ اسی لیے وہ تصویر چرائی گئی۔ مطلب وہ ہم دونوں کی تلاش میں ہے۔" وہ اچانک اٹھی، افتاں و خیزاں پب سے باہر نکل گئی۔ سارا ہکا بکا رہ گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکی...... باہر پہنچی تو اسٹریٹ پر سناٹا تھا۔ "ایوی۔" کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ غائب ہوچکی تھی۔

☆☆☆

ایوی زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ وہ بھڑکی ہوئی ہرنی کے مانند تیز رفتاری کا مظاہرہ کررہی تھی۔ سارا کی اطلاع بم کے مانند اس کے سر پر پھٹی تھی۔ وہ بدحواس ہوگئی۔ وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ سارا کو ٹریپ کرکے لندن بلایا گیا تھا۔ محض ایوی اور جیفری کا سراغ لگانے کے لیے۔ سڑک پر دھند تھی۔ وحشت آمیز سنسنی نے اس کی تربیت میں خلل ڈال دیا تھا۔ وہ تربیت جو اس نے موساد سے حاصل کی تھی۔ تربیتی اصولوں کے خلاف وہ سیدھی لائن میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ رخ سب وے اسٹیشن کی

طرف تھا۔ اس نے زگ زیگ کی کوشش نہیں کی۔ نہ مکانات کے چھجوں کے سائے میں وقتی طور پر روپوش ہوئی۔

صرف دو بلاک دور جانے کے بعد وہ ہانپنے لگی۔ سگریٹ...... اس کے ذہن میں خیال آیا۔ کئی سال کی متواتر سگریٹ نوشی نے اپنا اثر دکھایا تھا۔ وہ زبردستی آگے بڑھتی رہی۔ جب تک سینے میں ٹیس نہ اٹھی۔ اب چند لمحوں کے لیے رکنا ضروری تھا۔ سینے کی تکلیف بھی پرانی تھی۔ وہ بچپن سے اسی تکلیف کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تکلیف کم ہوئی تو اس نے دوبارہ قدم اٹھانے شروع کیے۔ ایک جگہ اس نے لیمپ پوسٹ کا سہارا لیا۔ آہستہ آہستہ اس کی سانس بحال ہوئی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ بدحواسی پہلے سے کم تھی۔ جب اچانک اس نے اجنبی آواز محسوس کی۔ بہت مدھم۔ وہ اس نرم آواز کو تقریباً مِس کر گئی تھی۔ اس کے اعصاب تن گئے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند گز کے فاصلے پر آہٹ ابھری۔ تاہم وہ سمت کا تعین نہ کر سکی۔ اس کی نگاہ نے دھند کی چادر چیرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ ایوی نے پرس سے پسٹل نکالا جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ سرد لوہے کے لمس نے اس کا اعتماد قدرے بحال کیا۔ اسے ادراک ہوا کہ وہ لیمپ پوسٹ کی مدھم روشنی کے نیچے ہے۔ وہ اندھیرے میں کھسک گئی۔ ایک اور آہٹ...... وہ پسٹل کے ساتھ خود بھی گھومی۔ وہ کہاں ہے؟ کس طرف ہے؟

اُسے سمجھنے میں تاخیر ہو گئی۔ آخری آہٹ دھوکا تھا۔ صرف اس کی توجہ بٹانے کے لیے۔ اس نے پلٹ کر فائر کرنا چاہا لیکن آنے والے کی ٹکر سے وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔ پسٹل ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اگلے لمحے تیز دھار چھری اس کی نازک گردن پر تھی۔ حملہ آور کا چہرہ اس کے چہرے سے قریب تھا۔ نیم تاریکی کے باوجود اس کے زردی مائل بال چاندی کے مانند چمک رہے تھے۔ ”برونی۔“ ایوی نے سرگوشی کی۔ دہشت نے اسے چیخنے سے باز رکھا۔

”ہلو ایوا۔“ وہ ہنسا۔ ہنسی تھی یا غراہٹ لیکن ایوی جان گئی کہ وہ صبح کا سورج نہیں دیکھ سکے گی۔

☆☆☆

پینتیس ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے کا منظر انوکھا تھا۔ کوئی نیون سائن نہیں۔ نہ ٹریفک...... نہ کنکریٹ۔ لامتناہی سیاہ آسمان جس میں ستارے ٹانک دیے گئے تھے۔ نک اپنی نشست پر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈی سی ٹائم کے مطابق ایک بج رہا تھا اور نک بیدار تھا۔ شاید وہ سونا ہی نہیں چاہتا تھا۔ سارا کا تصور اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ کیا غضب کی اداکارہ تھی وہ۔ آسکر ایوارڈ کی حق دار...... وہ بھول گیا تھا کہ وہ اسے محفوظ دیکھنا چاہتا تھا۔ محفوظ اور قریب، اپنی بانہوں کے حصار میں۔ تاہم اب اس کا یقین متزلزل ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس نے یہ سفر کیوں اختیار کیا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ سارا کے تحفظ میں اس کی دلچسپی قریب ختم تھی۔ سارا کی وجہ سے اس کی ملازمت گئی۔ اس کی حب الوطنی کے آگے سوالیہ نشان لگ گیا تھا۔ ذلت آمیز بات یہ تھی جو وان ڈیم نے کہی۔ اس کا تبصرہ تھا کہ بطور جاسوس نک تیسرے درجے سے بھی نیچے ہے۔ محض ایک اناڑی۔

وہ جتنا سوچتا، اس کا غصہ بڑھتا جاتا۔ اس نے کھڑکی سے باہر ستاروں کی طرف دیکھا۔ بائی گاڈ، لندن پہنچتے ہی وہ تمام حقیقت اُگلوا لے گا۔ اسے علم تھا کہ وہ کس ہوٹل میں ملے گی لیکن غصے کے ساتھ کچھ اور بھی خلط ملط ہو رہا تھا۔ کوئی جذبہ، آرزو...... غصے سے زیادہ گہری، وسیع اور پریشان کن...... تصور میں بار بار وہ اس کی خواب گاہ میں چلی آتی تھی اور شہد رنگ آنکھوں سے اسے تکتی...... وہ اُسے چوم لے یا گلا گھونٹ دے یا پھر دونوں کام۔

لندن کی فلائٹ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اسٹنٹ تھا۔ کریزی اسٹنٹ۔ تمام زندگی وہ فیصلے سوچ سمجھ کے کرتا آیا تھا۔ قدرتی طور پر وہ ایک بے پروا آدمی نہیں تھا لیکن آج اس نے کپڑے سوٹ کیس میں پھینکے، ائرپورٹ پہنچا...... کریڈٹ کارڈ لے کر چل پڑا۔ جذباتیت، حماقت کے ہمراہ......

☆☆☆

بوڑھا آدمی خبر سن کے خوش نہیں ہوگا۔

برونی مقتولہ کا خون چھری پر سے صاف کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ ایک دو دن خبر روک سکتا تھا۔ تاہم بوڑھا آدمی خبر کے لیے بھوکا تھا۔ برونی زیادہ دیر اسے انتظار میں رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ سانحے کے بعد سے بوڑھا، بے صبر اور چڑچڑا ہو گیا تھا۔

برونی خوف زدہ نہیں تھا۔ کیونکہ اسے ادراک تھا کہ بوڑھا اس پر کتنا انحصار کرتا ہے۔ برونی کو ڈبلن کی سڑکوں سے بوڑھے نے آٹھ سال کی عمر میں اپنایا تھا۔ بوڑھے نے برونی کی آنکھوں میں جو کچھ دیکھا تھا، وہ ادھورا تھا۔ جسے وقت کے ساتھ مکمل کر کے بوڑھے نے اسے ایک تابعدار درندے میں بدل دیا۔ برونی کا کوئی نہیں تھا۔ بوڑھا بھی اس کا سگا باپ نہیں تھا۔ بوڑھے نے اس کے لیے سب کچھ کیا لیکن بھروسا نہیں کیا۔ بھروسا اس کی لغت میں نہیں تھا۔ برونی نے نوجوانی

میں بھانپ لیا تھا کہ بوڑھا اس پر مکمل بھروسا نہیں کرتا۔ جب اس نے برونی کو سڑک سے اٹھایا تھا، وہ خود اتنا بوڑھا نہیں تھا۔

برونی، بوڑھے کی جبلت بھانپ کر بھی برگشتہ نہیں ہوا۔ وہ خود سے لڑتا رہا۔ بوڑھے کا ہر حکم مانتا رہا۔ تیس برس میں اس کی یہ عادت پختہ ہوگئی اور اسے لطف آنے لگا۔ خاص طور پر شکار جب عورت ہوتی تو اس کی خونی فطرت زیادہ حظ اٹھاتی۔ جیسے آج کی رات ہوا تھا۔ بدقسمتی سے عورت نے زبان نہیں کھولی۔ برونی جن مردوں کی زبان کے تالے توڑتا رہا تھا، وہ عورت ان سب سے زیادہ اڑیل ثابت ہوئی تھی۔ برونی نے اپنے بہترین حیوانی حربے آزمائے۔ وہ چیختی رہی، تڑپی...... بلبلائی لیکن زبان نہیں کھولی اور اچانک مرگئی۔ وہ خود بلبلانے پر مجبور ہوگیا۔ وہ اطلاعات حاصل کیے بغیر اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ بدقسمتی سے برونی نے اندازہ لگانے میں دیر کردی کہ عورت کا دل کمزور تھا، لیکن ہمت مردوں سے بڑھ کر تھی۔ وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

فون پر ایمسٹرڈیم کا نمبر ملایا۔

"ایوی نے کچھ نہیں بتایا۔"

دوسری جانب خاموشی میں مایوسی چھپی تھی۔ "اور وہ مر گئی؟" بوڑھے نے کہا۔

"یس۔"

"دوسری کا کیا ہوا؟"

"میں نگرانی کررہا ہوں۔ سائمن قریب نہیں پھٹکا۔"

"میں ساری زندگی انتظار نہیں کرسکتا۔ اسے بل سے نکالو۔"

"کیسے؟"

"امریکی بیوی پر تشدد کرو۔"

"سی آئی اے کا لفڑا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔ کل تک رکو پھر اُسے اٹھالو۔"

"اس کے بعد؟"

"دیکھو وہ کیا جانتی ہے۔ اگر کچھ نہیں۔ پھر بھی وہ کام آئے گی۔ ہم الٹی میٹم دیں گے اور سائمن اسے بچانے آئے گا۔"

برونی کو اختلاف تھا۔ تاہم وہ چپ رہا۔ وہ سارا کو دیکھ چکا تھا اور سمجھتا تھا کہ سائمن ڈانس، سارا کے لیے نہیں آئے گا۔ سائمن اتنا احمق نہیں تھا پھر بھی یہ ایک دلچسپ تجربہ رہے گا۔

☆☆☆

وہ عجیب، انوکھا خواب تھا۔ وہ سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔ ہر طرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ وہ جیفری کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔ وہ کبھی نظر آتا، کبھی دھند میں اوجھل ہو جاتا۔ پھر صورت حال بدل گئی۔ وہ آگے بھاگ رہی تھی اور جیفری اس کے پیچھے تھا۔ وہ نزدیک آتا جارہا تھا۔ سارا کا دل زورزور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں سے جان نکل رہی تھی۔ معاً سبز آنکھوں والی عورت اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔ سارا گھوم گئی ..... پیچھے آنے والا قریب آگیا تھا۔ وہ دھند میں سے نمودار ہوا۔ تھکی ہوئی سلیٹی رنگ کی آنکھیں۔ معاً سارا کا خوف و ہراس تحلیل ہوگیا۔ وہ جیسے سائبان کے نیچے آگئی۔ محفوظ ہوگئی۔

دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ جسم پسینے سے تر تھا۔ کوئی دروازہ بجا رہا تھا۔ اس نے بتیاں روشن کیں۔ چار بج رہے تھے۔ "مسز فونٹان؟" کسی مرد کی آواز تھی۔

"پلیز دروازہ کھولیں۔"

"کون ہے؟"

"پولیس۔"

وہ بستر سے گرتے گرتے بچی۔ بہ مشکل گاؤن لپیٹا اور دروازہ کھول دیا۔ دو پولیس مین باہر کھڑے تھے۔ ان کے ہمراہ آنکھوں میں رت جگا لیے ہوٹل کلرک کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"سوری میم، لیکن یہ ناگزیر ہے کہ آپ ہمارے ساتھ اسٹیشن ہیڈکوارٹر چلیں۔"

"میں سمجھی نہیں، کیوں؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پکڑا۔ "کیا تمہارا مطلب ہے کہ مجھے گرفتار کیا جارہا ہے؟ ایسا ہے تو کس لیے؟"

"مرڈر، مسز ایوی فونٹان کا مرڈر۔"

☆☆☆

یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ سارا چکرا گئی۔ یہ کوئی خوفناک خواب ہے، جو لاشعور کی تاریک انجانی گہرائیوں سے نکل کر سامنے آگیا ہے۔ وہ چوبی میز کے ایک طرف کرسی پر بیٹھی تھی۔ چھت پر نصب تیز روشنیاں اس کی ہر حرکت کا مشاہدہ کررہی تھیں لیکن حرکت ہی کیا۔ کمرا سرد تھا۔ وہ نائٹ گاؤن اور لبادے میں ملبوس تھی۔ برف جیسی نیلگوں آنکھوں والا ایک سراغ رساں پے در پے سوالات کررہا تھا۔ جواب مکمل ہونے سے پہلے وہ اگلا سوال جڑ دیتا۔ سارا نے چھ مرتبہ واش روم جانے کی اجازت طلب کی تھی۔

وہ محسوس کررہی تھی کہ اسے جیل ہوجائے گی۔ ایک عورت کے قتل میں وہ ہمیشہ کے لیے سلاخوں کے پیچھے چلی جائے گی۔ اس عورت کے لیے، جس سے وہ رات میں ایک بار

ملی تھی، وہ خود کو رونے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اس کی سماعت میں دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر کسی نے اس کا نام پکارا۔ نام پکارنے والے کے ایک لفظ نے اسے تاریکی سے باہر گھسیٹ لیا۔ سارا نے سر اٹھایا۔

نک اوہارا، سامنے کھڑا تھا۔ کرشمہ، معجزہ...... سمندر پار کر کے وہ لندن میں اس کے سامنے تھا۔ لندن میں اس کا واحد دوست، اکلوتی امید...... وہ اسے تک رہا تھا۔

اچانک اسے شک ہوا کہ وہ دوست نہیں رہا۔ کچھ غلط ہو گیا تھا۔ اس کے تاثرات میں سختی تھی۔ آنکھیں ساکت تھیں۔ مایوسی کے عالم میں اس نے سلیٹی آنکھوں میں گرم جوشی کی رمق تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہمدردی کا عنصر...... لیکن وہاں اشتعال کا عنصر حاوی تھا۔ اس نے بریف کیس میز پر رکھ دیا۔

”لیڈی، تم مصیبت میں پھنس گئی ہو۔“ اس نے کرختگی کے ساتھ کہا۔

سارا نے بے چارگی سے کہا۔ ”جانتی ہوں۔“

”میں جانتا ہوں اور تم کیا کہہ سکتی ہو۔“

”کیا تم میری مدد نہیں کرو گے۔“ اس نے شکستہ آواز میں کہا۔

”یہ تم پر منحصر ہے۔“

”کیسے؟“

”کیا یہ قتل تم نے کیا ہے؟“

”نو، یہ غلط فہمی ہے۔“ وہ رو پڑی۔

پھوٹ پھوٹ کر رونے پر نک اچانک بوکھلا گیا۔ اس نے ہاتھ باندھے اور میز کے کنارے بیٹھ گیا۔ سارا اس کی طرف دیکھنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ بدل گیا تھا۔ اس کے گمان سے پرے۔ کیا وہ بھی اسے ملزم خیال کر رہا ہے؟ وہ کیسے اجنبی تفتیش کنندگان کو مطمئن کرے گی۔ جب نک ہی اعتبار کھو بیٹھا تھا۔ اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔ وہ غلط انداز میں نک کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں تھا۔ شاید ڈیوٹی پر۔ سارا نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ بے یار و مددگار تھی۔ اس نے بحیثیت دوست نک پر اعتبار کیا۔ کیا غلط کیا۔ وہ دوستی کا ڈھونگ تھا۔

”تم لندن کیوں آئے؟“ وہ بڑبڑائی۔

”تم کیوں آئیں؟ امید ہے سچ بولو گی۔“

”سچ؟ میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جھوٹ تم نے بولا تھا۔“

”اوہ، کم آن۔“ وہ بدمزہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلنے لگا۔

”میں احمق تھا، جو تمہاری معصومیت کے جال میں آ گیا۔ پہلے تم نے کہا تم کچھ نہیں جانتیں، پھر اچانک تم لندن چلی آئیں۔ میں نے انسپکٹر سے بات کی ہے۔ اب تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں۔ تم ایوی کو جانتی تھیں؟“

”نہیں، میری ملاقات اس کے ساتھ کل ہوئی تھی۔ وہ تم تھے جس نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ جیفری مر چکا ہے اور بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ میں نے یقین کر لیا۔“

”کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“

”جیفری زندہ ہے۔“

نک کے چہرے پر حیرانگی کا عنصر گہرا تھا۔ وہ اُسے گھورتی رہی...... کیا واقعی وہ بے خبر ہے کہ جیفری زندہ ہے۔

”وضاحت سے بات کرو...... تم نہیں جانتیں کہ کس مصیبت میں پڑ گئی ہو...... شواہد......“

”شواہد واقعاتی ہیں۔“

”ایوی فونٹان کی لاش آدھی رات کو لیمب اینڈ روز سے چند بلاک کے فاصلے پر ملی تھی۔ سنسان گلی میں۔ تمہیں لیمب اینڈ روز میں امریکی عورت کے طور پر ایوی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ تمہارے درمیان تکرار بھی ہوئی تھی۔ ایوی وہاں سے نکل گئی اور تم اس کے پیچھے گئی تھیں۔ یہ آخری تفصیل ہے۔“

”پب کے باہر وہ غائب ہو گئی تھی۔“

”کوئی گواہ؟“

”نہیں۔“

”بری خبر ہے۔ پولیس ایوی کے گھر مارگیٹ گئی تھی۔ بوڑھے آدمی گراؤنڈ کیپر نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ وہ پرچہ بھی دکھایا تھا جو تم نے اُسے دیا تھا۔“

”وہ میں نے اس لیے دیا تھا کہ ایوی یا جیفری مجھ سے رابطہ کر سکیں۔“

”تم نے پولیس کو قتل کی وجہ فراہم کر دی...... یعنی انتقام۔ جسے جھٹلانا بہت مشکل ہے۔“

”میں یہ خونریزی نہیں کر سکتی۔ تمہیں یقین کرنا چاہیے۔“

”کیوں یقین کرنا چاہیے؟“

”کیونکہ تمہارے سوا کوئی اور یقین نہیں کرے گا۔ معاً وہ دل گرفتہ ہو گئی۔ نڈھال ہو گئی۔ خوف و ہراس کی چادر اس کے تمام بدن پر چھا گئی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ ”کون...... کوئی بھی نہیں...... کون یقین کرے گا۔“

نک الجھن زدہ جذبات کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سارا کے جسم سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ وہ دہشت زدہ تھی اور بمشکل میز کے سہارے ٹکی ہوئی تھی۔ اس کا گاؤن بھی نیم وا ہو گیا تھا اور نیچے سے نائٹ گاؤن جھلک رہا تھا۔ سرخی مائل بال

چہرے پر پریشان تھے۔ پہلی مرتبہ وہ آشفتہ مُو، آشفتہ سر تھی۔
نک کے تصور نے پھر انگڑائی لی......اس نے بمشکل اسے دبایا۔
وہ کوشش کررہا تھا کہ اس مسئلے پر توجہ دے جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔ ایک عورت قتل ہوگئی تھی۔ دوسری شدید مشکل میں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سارا اس کے بازوؤں کی پناہ گاہ میں آکر کیسا محسوس کرے گی۔

دفعتاً سارا کے خلاف اس کا اشتعال پارہ پارہ ہوگیا۔ اس نے سارا کے کرب میں اضافہ کیا تھا۔ وہ خود کو ایک عفریت محسوس کررہا تھا۔ اس نے نرمی سے اس کے سر کو چھوا۔ ''سارا، سارا......سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' سارا نے جھک کر اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا دیا۔ اس کے بال نرم اور ریشم کے مانند تھے۔ اس کی جلد کی نسوانی خوشبو مدہوش کن تھی۔

نہ چاہتے ہوئے اس نے سارا کو علیحدہ کیا۔ ''مجھ سے بات کرو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیوں سوچ رہی ہو کہ جعفری زندہ ہے؟''

سارا نے ساری داستان گوش گزار کردی۔ کب اُس نے سارا کو کال کی اور وہ لندن کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ پھر ایوی کے گھر تک رسائی......معلومات اور ایوی کا پیغام۔ پب کی ملاقات......موساد......سائمن۔ ماکس اور اس کے ہرکارے وغیرہ وغیرہ۔ نک خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ سمجھ گیا کہ سارا کو ملنے والی کال جعلی تھی اور تصویر کیوں چرائی گئی۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں شک کا فائدہ دیتا ہوں۔'' وہ درحقیقت اس کی کہانی پر اعتبار کررہا تھا۔

''مسٹر اوہارا، کیا بات ہے......تم آس پاس ہوتے ہو تو آنسو بہنے لگتے ہیں۔'' سارا نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ بولا۔ ''میرا مطلب رونے سے ہے۔''

سارا نے نظر اٹھا کر دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔ کیسی عجیب قلب ماہیت تھی۔ اجنبی سے دوست اور دوست سے......اسے اب تک احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ کتنا وجیہہ ہے۔ اس کے نقوش، جسم، آواز......نیز اسے سارا کی فکر تھی۔ اس کی آواز میں سارا کے لیے تشویش تھی۔ سارا نے محسوس کیا کہ اس کا چہرہ سرخ ہورہا ہے۔ وہ کپکپا اٹھی۔ نک نے ہچکچاہٹ کے ساتھ جیکٹ اتار کر اس کے کندھوں پر ڈال دی۔ جیکٹ میں بھی اس کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ سارا نے جیکٹ کو اچھی طرح لپیٹ لیا۔ اسے ناقابلِ بیان سکون محسوس ہوا......احساس......اوہارا کی جیکٹ اس کے ساتھ ہوگی تو وہ محفوظ رہے گی۔

''کونسلیٹ کے ہمارے آدمی جیسے ہی آئیں گے۔ تمہیں یہاں سے نکال لیا جائے گا۔''

''کیا تم ہینڈل نہیں کررہے ہو؟''

''نہیں، سارا یہ میرا دائرۂ کار نہیں ہے۔''

''لیکن پھر تم یہاں کیا کررہے ہو؟''

نک کے جواب دینے سے پہلے دروازہ کھلا۔ ''نک تم یہاں کیا کررہے ہو؟''

نک پلٹا۔ ''ہیلو پوٹر۔''

پوٹر نے کمرے کا جائزہ لیا پھر اس کی نگاہ سارا پر جم گئی۔ اپنا گیلا ہیٹ اس نے نک کے بریف کیس پر رکھ دیا۔ ''تم ہو سارا فونٹان؟''

''سارا یہ مسٹر رائے پوٹر ہیں۔'' نک نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''پولیٹیکل آفیسر۔''

''تھرڈ سیکریٹری۔'' پوٹر نے اکھڑی ہوئی آواز میں تصحیح کی۔

سارا نے نک کی طرف دیکھا۔

''ڈان کہاں ہے؟''

''مجھے خدشہ ہے کہ شاید وہ نہ آسکے اس لیے میں یہاں ہوں۔'' نک نے جواب دیا۔ پوٹر نے رسمی انداز میں سارا سے مصافحہ کیا۔ ''مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہوگا۔ افسوس، تمہیں ان حالات سے گزرنا پڑا لیکن میرا خیال ہے ہم جلد معاملہ نمٹالیں گے۔''

''وہ کیسے؟'' نک کی آواز میں شک کا عنصر تھا۔

پوٹر نے نک کی جانب رخ کیا۔ ''اوہارا، تم چھٹیوں پر ہو۔ تمہیں جانا چاہیے۔''

''نہیں، میری چھٹیوں کا اپنا انداز ہے۔''

''یہ سرکاری بزنس ہے اور میں نے سنا ہے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں ہو؟''

''میں نہیں سمجھی۔'' سارا نے تیوریاں چڑھائیں۔

''اس کا مطلب ہے کہ میں غیر معینہ چھٹیوں پر ہوں۔'' نک نے پُرسکون انداز میں کہا۔

''ایسا کرنا پڑتا ہے۔ جب قومی سلامتی کا معاملہ ہو۔''

''مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اتنا خطرناک ہوں۔'' نک نے تیز آواز میں کہا۔

''ہمیں اصل بات کی طرف آنا چاہیے۔'' پوٹر نے سارا کی طرف دیکھا۔ ''میں نے انسپکٹر ایبل بائی سے تبادلہ خیال کیا تھا۔ تمہارے خلاف کوئی معقول ثبوت موجود نہیں ہے۔ اسے تمہیں آزاد کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ تم ایک آزاد امریکی شہری ہو۔''

سارا اچھل پڑی۔ ''شکریہ مسٹر پوٹر...... بہت شکریہ۔''

''نو پرابلم...... مشکلات سے دور رہو۔ اوکے؟''

''اوہ یس۔'' اس نے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ نک کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کا چہرہ مسکراہٹ سے عاری تھا۔ بجائے اس کے وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی چیز اسے مشکوک محسوس ہو رہی تھی۔ فوراً ہی سارا کی خوشی کافور ہوگئی۔ وہ پوٹر کی طرف مڑی۔ ''کیا کوئی اور بات بھی ہے؟''

''مطلب میرے لیے؟''

''نہیں مسز فوشان۔ تم اس وقت روانہ ہوسکتی ہو۔ میں خود تمہیں ہوٹل تک چھوڑ دوں گا۔''

''زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میں کر دوں گا۔'' نک نے کہا۔

سارا، نک سے قریب تر ہوگئی۔ ''شکریہ مسٹر پوٹر، میں مسٹر اوہارا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ہم دونوں...... دراصل ہم دونوں پرانے دوست ہیں۔''

''دوست؟''

''جب سے جیفری کا انتقال ہوا ہے۔ اوہارا نے بہت مدد کی ہے۔''

پوٹر کا منہ بن گیا۔ اس نے اپنا ہیٹ اٹھایا۔ ''اوکے، گڈ لک مسز فوشان۔'' اس نے ایک نظر نک پر ڈالی۔ ''اوہارا، میں وان ڈیم کو رپورٹ کروں گا کہ تم لندن میں ہو۔ وہ ضرور دلچسپی لے گا۔ میرے خیال میں تم امریکا جلد واپس آجاؤ گے؟''

''بہت ممکن ہے۔'' نک نے کہا۔ ''مکرر ارشاد کہ بہت ممکن نہ ہو۔''

پوٹر نے دروازے کا رخ کیا اور آخری بار پلٹا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارا ایک شاندار کیریئر ہے۔'' اس نے پلک جھپکائے بغیر نک کو گھورا۔ ''اسے خراب مت کرو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو احتیاط سے کام لیتا۔''

''میں بھی احتیاط کا مظاہرہ کروں گا۔''

☆☆☆

''کیا تمہیں ملازمت سے نکال دیا گیا ہے؟'' سارا نے سوال کیا۔

''یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ چھٹی کا تو بہانہ ہے۔''

''لیکن کیوں؟''

نک خاموش رہا۔ ایک گہری سانس لی۔ اس کے انداز میں شکست اور انتہائی تھکن ہویدا تھی۔

''نک؟'' سارا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ سب میری وجہ سے ہوا؟''

نک نے دھیرے سے سر ہلایا۔ ''تم اس کا حصہ ہو۔ میری حب الوطنی پر سوالیہ نشان لگا دیا گیا لیکن تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پہلے ہی ملازمت سے اکتایا ہوا تھا۔ تم صرف بہانہ بن گئیں۔''

''آئی ایم سوری، نک۔''

''سارا چھوڑو اس موضوع کو۔''

سارا نے محسوس کیا کہ وہ بے چین سا ہو گیا ہے۔ ''مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ یہ کہانی کیسے، کہاں سے شروع ہوئی اور کیا اس کا اختتام ہو گیا ہے؟'' سارا نے استفسار کیا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

''سارا، سامنے دیکھتی رہو۔ مڑ کر مت دیکھنا۔ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔ سارا کے دل نے کہا کہ مڑ کے دیکھے۔ لیکن اس نے اس خواہش کو سختی سے کچل دیا اور سامنے گیلی سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا۔ خوف ایک بار پھر اسے لپیٹ میں لے رہا تھا۔

''تم کیا کرنے والے ہو؟''

''کچھ نہیں۔''

''ٹھیک؟''

''ہاں یہی بہتر ہے۔ فی الحال کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ ہم ہوٹل جائیں گے۔ تم لباس بدل کر سامان سمیٹو گی اور ہوٹل چھوڑ دو گی۔ گھبراؤ مت۔ اگر انہیں تمہارا خون کرنا ہوتا تو یہ کام رات ہی کر دیتے۔ ذرا جم کر بیٹھو...... میں دیکھتا ہو کہ یہ کتنے ماہر ہیں۔ نک نے اچانک ایک تنگ گلی میں موڑ کاٹا۔ وہاں چھوٹی دکانیں اور کیفے تھے۔ عقبی گاڑی نے بھی تیزی دکھائی۔ معاً نک نے ایمرجنسی بریک لگائے۔ تعاقب کنندگان کو اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے بریک لگائے اور گاڑی پھسلتی ہوئی ترچھی ہو کر رکی۔ نک کی گاڑی کا عقبی بمپر چند انچ سے بچ گیا تھا۔ سارا نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ نک نے قہقہہ لگایا۔

''سارا، میں ان کو جانتا ہوں۔ سی آئی اے کے آدمی ہیں۔'' نک نے ہاتھ باہر نکال کر غیر مہذب اشارہ کیا۔ جواباً عقبی گاڑی سے بھی ویسا ہی اشارہ بلند ہوا۔

سارا نے اطمینان کی سانس لی۔ ''میں سمجھی تھی......''

''میں ان پر اعتبار نہیں کر سکتا اور تم بھی ہوشیار رہنا۔''

تاہم سارا کا خوف رخصت ہو چکا تھا۔ سی آئی اے سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ہماری طرف ہیں۔ لیکن وہ ہمارا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟ جب وہ لندن آئی تھی۔ کیا سی آئی اے تب سے ہی پیچھے لگی ہوئی تھی؟ اگر ایسا تھا تو انہوں نے

ایوی کے قاتل کو بھی دیکھا ہوگا۔ اس نے نک کی طرف گردن گھمائی۔

''ایوی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

مطلب مرڈر کے علاوہ.....نک نے تفصیل بتائی تو سارا کی رگوں میں خون جم گیا۔

''انہوں نے ایوی کو سنسان گلی میں پایا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ لیمپ پوسٹ کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ وہ بری طرح چیخی چلائی ہوگی لیکن آواز برآمد نہ ہوسکی۔ قاتل نے اپنا کام سکون سے کیا۔ غالباً ایک گھنٹا لیا ہوگا۔ چاقو کا استعمال وہ خوب جانتا تھا۔ اس نے صرف چاقو استعمال کیا۔ یہ ایک بہت بھیانک موت تھی۔ کسی کا منہ بند کرنا ہو تو اسے فوراً ختم کیا جاتا ہے۔ ایک گھنٹے کا مطلب ہے کہ وہ ایوی سے کچھ اگلوانا چاہتا تھا، ظاہر ہے کہ جیفری کے بارے میں معلومات۔ وہ جتنی نازک تھی، اس کا حوصلہ اتنا ہی بڑا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے جیفری کی خاطر جان دے دی۔''

نک نے آنکھیں سکیڑ کر سارا کو دیکھا۔ وہ اس کے قریب تھا۔ اس کے کوٹ کی خوشبو اور گرم جوشی بھی سارا کے نزدیک تھی۔ ایک عورت کو پُرتشدد انداز میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ جیفری یا سائمن غائب تھا۔ سی آئی اے ان کے تعاقب میں تھی۔ پھر بھی لمحہ موجود میں نک کے ساتھ بیٹھی وہ خود کو محفوظ خیال کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ نک کوئی کمانڈو نہیں تھا۔ وہ ایک عام آدمی تھا۔ جس کی زندگی ڈیسک کے پیچھے گزری تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں کیوں ہے، لیکن وہ تھا اور وہ اس بات کے لیے ممنون تھی۔

''پولیس کا خیال ہے کہ یہ کسی جنونی کا کارنامہ ہے لیکن وہ دونوں موت سے کھیل رہے تھے۔ تمہاری کہانی کے مطابق یہ مارکس کے آدمی کی حرکت ہے۔ ہمیں بہت سی باتیں نہیں معلوم لیکن اتنا یقین ہے کہ اب جیفری/سائمن کی باری ہے۔ سائمن نے جو کھیل کھیلا ہے...... مجھے نہیں لگتا کہ وہ ان کے ہاتھ آئے گا۔ ایوی کی موت نے اسے سرتا پا قہر بنا دیا ہے۔''

''دمجیشن کا کیا مطلب؟''

''مارکس کا کوڈ نیم ہے۔'' سارا نے جواب دیا۔

نک نے مڑ کر دیکھا۔ ''ہوٹل قریب ہے اور ہمارا تعاقب ابھی تک جاری ہے۔''

☆☆☆

ایک گھنٹے بعد دونوں اسٹرینڈ کیفے کے بوتھ میں ناشتا کر رہے تھے۔ سارا خود کو پھر سے نارمل محسوس کر رہی تھی۔ وہ بے خبر تھی کہ بے رحم مصائب کا آغاز تو اب ہونے والا تھا۔ نک تیزی سے ناشتے کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔ سارا کی کہانی سنتے ہوئے وہ دروازے کی جانب سے غافل نہیں تھا۔ باتیں ختم ہوئیں تو ناشتا بھی ختم ہو چکا تھا۔

''یعنی ایوی تمہارے ساتھ متفق تھی کہ جیفری زندہ ہے؟'' نک نے سوال کیا۔

''ہاں، چرائی گئی تصویر نے اسے سو فیصد قائل کر دیا تھا۔''

''اوکے۔'' نک نے تجزیہ کیا۔ ''ایوی کے مطابق قاتل جیفری کے پیچھے تھے۔ چہرہ بدلنے کے باعث وہ اس کے نئے چہرے سے ناآشنا تھے لیکن نام، آواز اور قد کاٹھ سے واقف تھے۔ جیفری اپنے تعاقب سے آگاہ تھا۔ لہٰذا وہ برلن چلا گیا اور تمہیں خطرات سے آگاہ کیا۔ بعدازاں اس نے اپنی ہی موت کا ڈراما اسٹیج کیا۔''

''لیکن اس بات کی وضاحت نہیں ہوئی کہ ایوی پر تشدد کیوں کیا گیا؟'' سارا نے اعتراض کیا۔

''وضاحت نہیں ہوئی، بات ٹھیک ہے۔ کئی اور سوالات کے جواب ندارد ہیں۔ برلن سے جو باڈی آئی، وہ کس کی تھی.... کم از کم ہمیں اتنا علم ہو گیا ہے کہ تصویر کیوں چرائی گئی؟''

''لیکن ہمارا تعاقب کیوں کیا جا رہا ہے؟ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ میں انہیں جیفری تک پہنچا دوں گی؟''

نک نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''پریشان کن بات یہ ہے کہ تمہیں آزاد کرنے والی کہانی مجھے ہضم نہیں ہوئی۔ جب میری انسپکٹر ایبل بائی سے گفت و شنید ہوئی تھی تو وہ مکمل طور پر تمہارے خلاف تھا۔ بعدازاں یوٹرن نمودار ہوا اور کہانی بدل گئی۔ میرا خیال ہے کہ ایبل بائی پر دباؤ ڈالا گیا تھا اور یہ دباؤ غالباً بالائی سطح سے آیا ہوگا۔ کوئی تمہیں آزاد کر کے دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کہاں جاتی ہو؟''

نک کے چہرے پر گہری تھکن کے آثار تھے۔ سارا سوچ رہی تھی کہ وہ کب سے نہیں سویا۔ غالباً ٹرانس اٹلانٹک فلائٹ میں بھی وہ ٹھیک طرح نہیں سو سکا تھا۔ بے اختیار اس کے دل نے کہا کہ وہ اس کے بڑھے ہوئے شیو پر انگلیاں پھیرے۔ لیکن ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ صرف اس کے سر کو ہی سہلا سکی۔ نک حیرت زدہ رہ گیا۔ سارا کے رخساروں پر سرخی چھانے لگی۔ اس نے ہاتھ ہٹایا۔ تاہم درمیان میں نک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نک کے ہاتھ کا گرم لمس انگلیوں سے پھیلتا ہوا سارا کے انگ انگ میں سما گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ جیفری زندہ ہے؟" وہ منمنائی۔

"ہاں۔"

سارا نے نیچے دیکھا۔ جہاں میز پر دونوں کے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں اُلجھی ہوئی تھیں۔

"تم اس کے بارے میں کیا محسوس کرتی ہو؟"

"میں نہیں جانتی...... مشکل سوال ہے۔ یہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے اس پر یقین ہے۔ اوہ، تم شاید مجھے رنگین مزاج سمجھ رہے ہو۔ شاید ایسا ہو لیکن ہم سب خوابوں کے اسیر ہیں۔ وہ خواب جن کی ہمیں تعبیر چاہیے۔ اگر تم میری جگہ ہوتے۔ عمر 32 سال ہوتی۔ تنہا ہوتے اور عام سی شکل...... پھر کوئی مرد تم سے محبت کا اظہار کرتا۔ تم فوراً یقین کر لیتے۔"

"تم غلط ہو سارا۔" نک نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم واقعی بہت خوب صورت ہو۔"

سارا سمجھ رہی تھی کہ نک مہربانی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

سارا نے آہستہ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ "وہ ایک جھوٹی شادی تھی۔ میں خواب دیکھ رہی تھی۔ جیفری جیسا مرد مجھ پر کیسے ریجھ گیا۔ نہیں، یہ شادی نہیں تھی۔"

"کبھی میں بھی اس طرح سوچتا ہوں۔"

"یعنی تم شادی شدہ تھے؟"

"محض تین سال...... چار سال پہلے طلاق ہوگئی۔"

"آئی ایم سوری۔" سارا نے اظہارِ معذرت کیا۔

وہ متواتر سارا کی آنکھوں میں تک رہا تھا۔ سارا نے پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں اداسی دیکھی۔ ویسا ہی دکھ جو اس کی آنکھوں میں تھا۔ نک کی شادی ناکام ہوگئی تھی۔ دونوں کے زخم ایک جیسے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ سارا کے زخم ہرے تھے۔ جب تک اسے جیفری کے بارے میں خبر نہ ہو جاتی۔

"تمہارے جو بھی خیالات ہیں۔" نک نے سارا کو مخاطب کیا۔ "تم جانتی ہو کہ لندن میں رکنا خطرناک ہے، کیونکہ تم ہو جس پر نظر رکھی گئی ہوگی۔ تمہارے علاوہ جیفری تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف سی آئی اے ہی ہمارے تعاقب میں ہو...... تم پہلے ہی ان کو ایوی تک پہنچانے کا کام سرانجام دے چکی ہو۔"

سارا نے نک کی طرف دیکھا۔

"ایوی موساد کی تربیت یافتہ تھی۔ پروفیشنل تھی۔ کئی سال سے موساد سے بچتی آرہی تھی۔ لیکن تجسس یا حسد کے ہاتھوں وہ تم سے مل بیٹھی اور ماری گئی۔ یہ اتفاق نہیں تھا کہ جس رات تم دونوں ملے اسی رات اس کی زندگی کا چراغ بجھا دیا گیا۔"

"یعنی میں اس کی موت کی ذمے دار ہوں؟" سارا کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے۔

"میں ہاں کہنے پر مجبور ہوں۔ لیمب اینڈ روز تک انہوں نے تم دونوں کا پیچھا کیا۔"

"اوہ گاڈ، نک مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔"

"تم خود کو الزام نہیں دے سکتیں۔ تم پروفیشنل نہیں ہو۔"

"جس طرح اُسے مارا گیا، یہ انتقام ہے۔" سارا لرز اٹھی۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"پھر کیا کہو گے؟"

"انتقام سے ہٹ کر...... کچھ اور وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ شاید ایوی کچھ جانتی ہو۔ شاید قاتلوں نے برلن کی آتشزدگی کے جعلی ڈرامے پر یقین نہ کیا ہو۔ لہٰذا انہوں نے ایوی سے معلومات اُگلوانی چاہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے یا نہیں؟"

سارا کے تصور میں ایوی کی سبز آنکھیں ابھر آئیں۔ وہ جیفری سے محبت کرتی تھی۔ شاید سارا سے بھی زیادہ...... اسے یقیناً علم ہوگا کہ جیفری کہاں ہے۔ سارا کے خیال میں ایوی کی محبت اس بہیمانہ اور سفاک تشدد سے کہیں بلند تھی۔ اس نے جیفری سے بے وفائی نہیں کی ہوگی۔ جیفری کا راز وہ اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔

کیا وہ خود بھی وقت پڑنے پر اتنی بہادری کا مظاہرہ کر سکے گی۔ سارا کانپ اٹھی...... ایسا وقت بھی نہ آئے۔

☆☆☆

"مجھے جوابات درکار ہیں۔ سارا کو کس کے حکم کے تحت ریلیز کیا گیا؟" ڈان لیبر مین کونسلر افیئرز کا چیف تھا۔ وہ اپنا کام بغیر کسی غلطی کے سرانجام دیتا تھا۔ ڈان نے خود کو ڈپارٹمنٹ میں اچھی طرح ایڈجسٹ کر لیا تھا جبکہ نک ناکام رہا تھا۔ اگرچہ اس نے سستی کے آٹھ سال گزار دیے تھے اور اب نک کی وجہ سے ڈان کے لیے چھوٹی سی مشکل کھڑی ہوگئی تھی۔

"یہ کیس میری سمجھ سے باہر ہے۔" نک نے کہا۔

"کچھ بے ضابطگیاں ہوئی ہیں۔" ڈان نے اعتراف کیا۔

"ہاں، پوٹر مرود کو پولیس اسٹیشن میں وارد ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔" نک نے پوٹر کو کوسا۔ نک کے کمنٹ پر ڈان کے ہونٹوں پر باریک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں بھول گیا تھا کہ تمہارے اور پوٹر کے درمیان رنجش رہی تھی...... کس لیے؟"

"سوکولوو کی وجہ سے...... اور تم بھول نہیں سکتے۔" نک

نے کہا۔

"سوکولووکو چھوڑو۔ وہ اب تاریخ ہے۔ یہ بتاؤ فونٹان کیس میں تمہاری کیا دلچسپی ہے؟"

"اخلاقی مخمصہ۔"

"اخلاقی مخمصہ؟ یہ کیا ہوتا ہے؟"

"اس وقت سارا میرے ہوٹل کے کمرے میں ہے۔ وہ بیوہ ہے۔ لیکن آثار وشواہد بتارہے ہیں کہ اس کا شوہر زندہ ہے۔ دیگر افراد کا کہنا ہے کہ وہ مر چکا ہے...... مجھ سے توقع رکھی جارہی ہے کہ میں موت کا اعلان کردوں، تعزیت کروں اور بھول جاؤں۔" نک نے جواب دیا۔

"ایسا ہی کرو۔ آسان راستہ اختیار کیوں نہیں کرتے؟"

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ نہ جھوٹ بولنے کے احکامات کو پسند کروں گا۔ ہاں اگر کوئی معقول وجہ ہے تو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔ اور اگر ٹھوس وجہ ہے تو میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں...... اس کے اوپر قیامت گزر چکی ہے۔ حقیقت تک پہنچنا اس کا حق ہے۔"

ڈان نے گہری سانس لی۔ کان کھجایا۔ "نک آخر کیوں تم معدے میں السر پالنے کی کوشش کررہے ہو...... میرا مشورہ ہے کہ گھر جاکر آرام کرو۔"

"یعنی تم میری مدد نہیں کروگے؟"

"ایسی بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی مناسب جواب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، اتنا بتادو کہ پوٹر تھانے میں جلوہ افروز کیوں ہوا تھا؟" نک نے سوال کیا۔

"اوکے، بتاتا ہوں۔ صبح سینئر لیول سے مجھے کال آئی تھی کہ پوٹر کیس ہینڈل کررہا ہے اور میری یا میرے کسی ماتحت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوپر سے کال...... کتنے اوپر سے؟"

"سمجھ لو کہ بہت اوپر سے۔"

"سارا کی آزادی کو کیسے ارینج کیا گیا؟"

"برٹش چیف آف کمانڈ۔"

"انگلش؟" نک نے آنکھیں سکیڑیں۔ "گویا مل جل کر کام ہورہا ہے۔"

"نتائج اخذ کرنا تمہارا کام ہے۔" ڈان مسکرایا۔ گویا اس نے نک کے خیال کی تردید نہیں کی۔

"رائے پوٹر کی دلچسپی کی وجہ؟"

"کون جانے؟ بظاہر سی آئی اے تمہاری بیوہ عورت میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟"

"میرے خیال میں مرڈر چارج میں متعدد سوراخ ہیں۔ کوئی بھی اچھا بیرسٹر اس کے بخیے اُدھیڑ دے گا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کس حد تک سارا میں انوالو ہو؟"

"نہیں۔"

ڈان مسکرایا۔ "تمہارے ہوٹل میں...... مطلب بیکر اسٹریٹ؟"

"ہاں۔"

"وہ کیسی عورت ہے؟"

نک نے سوچ کر جواب دیا۔ "خاموش طبع، ذہین، عام سی شکل وصورت...... تاہم کوئی بات ہے اس میں...... غیر واضح کشش جسے کوئی نام دینا مشکل ہے۔"

"پاسپورٹ پر اس کا فوٹو دیکھا تھا۔ میں نے کوئی خاص بات محسوس نہیں کی۔"

"بہت لوگوں کے نزدیک ایسا ہی ہے۔" نک کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو نک، میرے پاس اتنی ہی معلومات تھیں۔ ہاں کچھ اور سامنے آیا تو کال کروں گا۔ تم کب تک ہوٹل میں ہو؟"

"چند روز۔" نک نے جواب دیا۔ "اس کے بعد کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"اور سارا فونٹان...... کیا وہ تمہارے ساتھ رہے گی؟"

اس سوال کا نک کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سارا کی فلائٹ واشنگٹن کے لیے بک تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ سارا اس کے ساتھ رہے۔ وہ اس وقت ہوٹل میں تنہا تھی۔ اگرچہ نک دو آدمیوں کا بندوبست کرکے آیا تھا۔ تاہم ایوی کا وحشیانہ قتل اس کے اعصاب پر سے پوری طرح ہٹا نہیں تھا۔ وہ جلد از جلد ہوٹل واپس جانا چاہتا تھا۔

"اگر سارا نے لندن میں رکنے کا فیصلہ کیا تو میں آس پاس رہوں گا۔" بالآخر نک نے جواب دیا۔ دونوں نے ہاتھ ملایا۔ ڈان کی گرفت میں ہمیشہ کے مانند گرم جوشی اور مضبوطی تھی۔ اعتماد کی علامت۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے نک نے کہا۔ "بائی دی وے، تم نے کبھی "ماگس" کا نام سنا ہے؟"

"ماگس؟ یہ ایک قدیم زبان کی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے۔ "ذہین آدمی" یا "جادوگر۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے، کوئی کوڈ نیم؟"

"نہیں، یہ کوڈ نیم میں نے نہیں سنا۔"

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com

ہوٹل کے کمرے میں نک بستر کے سرہانے کھڑا خوابیدہ سارا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں آڑی ترچھی پڑی تھی۔ چشمہ نیچے گرا ہوا تھا۔ ڈان نے کہا تھا کہ سارا میں اس نے کوئی خاص بات نہیں دیکھی۔ اکثریت کا یہی خیال تھا۔ نک نے سوچا کہ کیا وہ بھینگا ہو گیا ہے یا اس کی تنہائی نے اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ نسوانی چہروں میں حسن تلاش کرتا پھرے۔ حیران ہوں کہ یہ تماشا کیا ہے۔ یہ پھول ہے تو دل آویزی خوباں کہاں گئی۔ تارہ ہے تو جمال روئے تاباں کہاں ہے۔ کہیں سب کچھ حیرانی شوق آئینہ تو نہیں۔ نظارہ اسیر... اعتبار نہیں...... آشفتہ سری۔ کیا یہ محض احساسِ جمال ہے، اگر ہے تو کس نے بخشا ہے۔ حسنِ خیال کس نے بخشا ہے۔ کیوں وہ دل و جان پر محیط ہوا جاتا ہے...... نہ حشر ساماں ہے...... نہ آفت جاں ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو، وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ یہی حسن ہے، یہی طلسم حسن ہے۔ یہی رعنائی، یہی ناز و نیاز۔ یہی فسوں ہے، یہی فسوں گر۔

نک کی سابقہ بیوی لورین ایک مکمل ایمیسی وومین تھی جہاں قدم رکھتی، درجنوں سر گھوم جاتے۔ چار سال بعد طلاق کا زخم بڑا اذیت ناک تھا۔ وہ اذیت، درد، دکھ کو سمجھتا تھا۔ سارا کی شادی بھی، شادی نہیں شرمندگی تھی۔ وہ سنبھلی ضرور تھی لیکن کرب اپنی جگہ پر تھا۔ وہ آیا، آنکھوں کے خمار کو نمایاں کر گیا، چہرے کے نکھار کو نمایاں کر گیا۔ یوں بزم تخیل کو سجا گیا۔ افلاک سے حوروں کو بلا گیا۔ پھر کیا ہوا۔ وہ محض خام خیالی تھی۔ خود رفتگی دل کی حقیقت ایک فریب تھا کہ احساسِ شرارِ آرزو بھی نہ رہا۔ وہ احساسِ شکست سے نڈھال خوابوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

نک نے طلاق کے بعد خود سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ایسا زخم نہیں کھائے گا۔ وہ سارا کو دیکھ رہا تھا۔ طلاق کی کڑواہٹ کم ہو گئی تھی۔ کم از کم وہ تھا تو انسان ہی...... وہ آنے والے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

سارا، جیفری سے محبت کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جیفری پر اس کا بھروسا قائم رہے۔ نک مڑا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ نیچے سڑک پر وہی سیاہ کار کھڑی تھی۔ اس نے پردے برابر کیے اور دوسرے بستر پر دراز ہو گیا۔

☆☆☆

صبح کی روشنی نے اسے بتایا کہ وہ ٹھیک طرح سو نہیں سکا تھا۔ تھکن کے اثرات اب بھی موجود تھے۔ میں کیا کر رہا ہوں یہاں...... اس نے خود سے سوال کیا۔ گزشتہ شب جب وہ لندن کے لیے جہاز پر سوار ہوا تھا تو سخت غصے میں تھا۔ اسے خیال تھا کہ سارا جھوٹ بول رہی ہے اور اس نے نک کے کیریئر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ سارا سے مل کر حقیقت معلوم کرے گا۔ بجائے اس کے وہ ہوٹل میں لیٹا دن میں خواب دیکھ رہا تھا۔ جہاں دس فٹ کے فاصلے پر سارا محوِ خواب تھی۔ اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ بچوں کے مانند میٹھی نیند میں گم تھی۔ اسے یاد آیا کہ صبح سارا نے جب اس کے سر کو چھوا تھا تو اسے کرنٹ سا لگا تھا۔ یہ کرنٹ خطرہ تھا۔ خطرے کی علامت تھا۔ نک نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے غصہ تھا کہ وہ خود پر کنٹرول کیوں نہیں کر پا رہا تھا۔ کیوں وہ خواہ مخواہ کی تکلیف دہ الجھن میں پڑ گیا تھا۔ سمجھداری کا تقاضا تھا کہ وہ کیس سی آئی اے کے حوالے کر کے گھر کی راہ پکڑتا۔ لیکن اگر اس کا یہ فیصلہ سارا کے حق میں تباہ کن نکلتا تو وہ خود کو بھی معاف نہ کر پاتا۔

درجہ بہ درجہ وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ شہد رنگ آنکھوں والا ایک چہرہ ابھرا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا۔ لیکن اس کا ہاتھ سارا کے بالوں میں اُلجھ گیا۔ سارا، سارا...... کیوں لوگ تمہیں حسین خیال نہیں کرتے۔ سارا کا چہرہ تحلیل ہونے لگا اور وہ اکیلا رہ گیا۔ ہمیشہ کی طرح تنہا۔

☆☆☆

پوٹر کے عقبی کمرے سے ریسیور پر ریڈیو رپورٹ آئی۔
''اوہارا پینتالیس منٹ قبل ڈان کے دفتر سے نکلا تھا۔ اب وہ ہوٹل میں ہے۔ عورت ایک گھنٹے سے دکھائی نہیں دی۔''
''اپنے ساتھی کے ساتھ نگرانی کرتے رہو۔ دونوں میں سے کوئی باہر نکلے تو بتانا...... تم دونوں کہاں ہو؟''
''ہوٹل کے سامنے پب میں۔''
''اُسے خبر ہے؟''
''ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے۔''
''ہدایت کا انتظار کرو۔'' پوٹر نے بات ختم کر دی۔

☆☆☆

''کیا ہمیں نک کو دوسرے زاویوں سے دیکھنا چاہیے؟'' ٹاراسوف نے کہا۔
''مثلاً؟''
''کہیں وہ نہایت پیچیدہ انڈر کور ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا ہو؟''
پوٹر نے قہقہہ لگایا۔
''اوہارا؟ میں بتاتا ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔ وہ انتہائی حد تک ایمان دار ہے۔ اچھا کونسلر ہے لیکن حقیقی زندگی سے اس کا واسطہ نہیں پڑا ہے۔''
''عجیب بات ہے...... پھر وہ کیوں ملوث ہو رہا ہے، اپنا

مستقبل بھی داؤ پر لگا رہا ہے۔ میری عقل سے بالاتر ہے۔''
''ثاراسوف، کبھی محبت کی ہے؟''
''میں شادی شدہ ہوں۔''
''میں محبت کی بات کر رہا ہوں۔''
''ویل، یس کی ہے...... وہ سارا کی محبت میں گرفتار ہے؟'' ثاراسوف کی آنکھیں پھیل گئیں۔
''کیوں نہیں؟''
ثاراسوف نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے خیال میں وہ ڈیپ کور ایجنٹ ہے...... ویری ڈیپ۔''
پوٹر نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''محبت کے لفظ کو کبھی کمتر مت سمجھنا...... یہ آگ ہے، بھڑکتی ہوئی آگ۔ چاہے لکڑی ہو، کپڑا یا انسانی جسم......''
''میری بیوی بھی کچھ ایسا ہی کہتی ہے۔''
''ہاں، اس سے مشورہ کر لینا۔'' پوٹر نے کہا۔
اچانک اس کی نظر دروازے کی طرف گئی۔ ثاراسوف نے پوٹر کی نگاہوں کا پیچھا کیا۔ دروازے میں ایک آدمی کھڑا تھا، وان ڈیم۔

☆☆☆

پوٹر نے کھنکھار کے گلا صاف کیا۔ ''مسٹر وان ڈیم، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ لندن میں ہیں۔ کوئی نیا مسئلہ؟''
''نہیں، وہی پرانا۔'' وان ڈیم نے کرسی سنبھالی۔ پھر بولا۔ ''ایک عجیب اطلاع مجھ تک پہنچی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا۔ شاید تم کچھ روشنی ڈال سکو۔ سارا کے واشنگٹن والا۔ فون ریکارڈ ہو رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر چند روز قبل وہاں اس کے شوہر کی کال آئی تھی۔ ناقابلِ یقین۔ طویل فاصلے کی کال؟''
پوٹر اور ثاراسوف نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔
''مسٹر وان ڈیم، میں وضاحت کر سکتا ہوں۔'' پوٹر نے کہا۔
''ہاں۔'' وان ڈیم نے کہا۔ اُس کا چہرہ مسکراہٹ سے عاری تھا۔ ''میرے خیال میں تمہیں ایسا کرنا چاہیے۔''

☆☆☆

وہ ایک بار پھر مارگیٹ کے پہاڑی علاقے میں تھی۔ تاہم اس مرتبہ نک بھی اس کے ہمراہ تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ نیلا آسمان، فضائی پرندوں کی چیخیں، سمندر کی نمکین فضا اور جھاگ اُڑاتی موجیں...... شہری علاقے سے یکسر مختلف منظر۔
دونوں چٹانوں میں پیچیدہ راستے پر بڑھتے رہے۔ سارا دو ہفتوں میں کافی بدل گئی تھی۔ زندگی کے آثار لوٹ آئے تھے۔ جیفری کون تھا؟ جو بھی تھا۔ وہ اس کے ساتھ دفن ہونا چاہتی تھی۔ لیکن اس وقت مختلف قدرتی ماحول، زندگی اس کے جسم میں لوٹا رہا تھا۔ وہ جیفری کے خوفناک صدمے سے سنبھل گئی تھی۔ اب یادوں کے دھندلے پڑتے سائے رہ گئے تھے۔
''سارا؟'' نک نے اس کا بازو چھوا۔ ''کتنا فاصلہ ہے؟'' وہ اس وقت بیورو کریٹ سے زیادہ مچھیرا لگ رہا تھا۔
''زیادہ دور نہیں ہے۔ پہاڑی کی چوٹی تک جانا ہے۔''
نک بہ آسانی پہاڑی راستے پر قدم بڑھا رہا تھا۔ ایک بار پھر سارا کی توجہ نک کی جانب مبذول ہو گئی۔ اسے غرض نہیں تھی کہ کن وجوہات کی بنا پر وہ اس کے ساتھ تھا۔ سارا کے نزدیک وہ معتبر تھا۔ سوال جواب کی ضرورت نہیں تھی۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ غیر محسوس انداز میں دوست بن چکا تھا۔
نک نے مڑ کر نیچے دیکھا۔ مارگیٹ ٹاؤن پہاڑی کے قدموں میں تھا۔ تعاقب کے آثار ناپید تھے۔ ''حیرت ہے، کیا انہوں نے پیچھا چھوڑ دیا؟''
''شاید تھک گئے ہوں گے۔'' سارا نے کہا۔ انہوں نے دوبارہ چلنا شروع کر دیا۔
''تم سی آئی اے کو پسند نہیں کرتے؟''
''نہیں۔''
''کیوں نہیں؟''
''ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر میں پوٹر پر بھروسا نہیں کر سکتا۔''
وہ خاموشی سے بڑھتے رہے۔ میل باکسز کی قطار شروع ہو گئی تھی۔ وزٹیبل لین کے آخر میں وہ کاٹیج تک پہنچ گئے۔ نک نے آگے بڑھ کر گھنٹی پر انگلی رکھی۔ جواب ندارد۔ ڈور لاک تھا۔
''لگتا ہے کوئی نہیں ہے...... اچھا ہے۔'' وہ گھوم کر عقبی دروازے پر چلا گیا۔ سارا نے ناب پر ہاتھ رکھا۔
''نک، یہ کھلا ہوا ہے۔''
نک نے آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ دن کی روشنی، پتھر کے پولش کیے ہوئے فرش پر پھیل گئی۔ کاٹیج میں پُراسرار سکوت طاری تھا۔ نک کے چھونے پر سارا اچھل پڑی۔ ''یہیں رکو۔'' اس نے سرگوشی کی اور کچن کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد اس کی آواز آئی۔ وہ کچن سے نکل کر سارا کو بلا رہا تھا۔ سارا اس کے ساتھ سٹنگ روم میں آ گئی۔ دیوار کے ساتھ شیلف میں چرمی جلد سے مزین کتب موجود تھیں۔ آتش دان میں ایوی کی جلائی ہوئی آخری آگ کی راکھ نظر آ رہی تھی۔ صرف ایک ڈیسک پر بے ترتیبی کے آثار تھے۔ اس کی درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ خط و کتابت کا ڈھیر، بل، اشتہارات..... پھاڑ کر کھولے گئے

تھے۔ ڈھیر کی شکل میں وہ فرش پر پڑے تھے۔ یہ ڈاکے کی واردات نہیں لگ رہی تھی۔ سارا خواب گاہ میں چلی آئی۔ وہ اس بستر میں سوتا تھا، ایوی کے ساتھ...... کیا کبھی اس نے سارا کو مس کیا ہوگا؟ تھوڑا سا ہی سہی۔

ان سوالات کے جواب وہی دے سکتا تھا۔ سارا کو اسے تلاش کرنا تھا۔ ورنہ وہ کبھی اس کی خیالی قید سے چھٹکارا نہیں پا سکے گی۔ وہ آبدیدہ ہوگئی اور کمرے سے نکل بھاگی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چٹان کے سرے پر کھڑی تھی۔ نک اس کے پیچھے آیا۔ سارا کو اس کی آمد کا احساس ہی نہیں ہوا لیکن اس نے نک کے ہاتھوں کا لمس اپنے شانوں پر محسوس کرلیا۔ وہ خاموش تھا۔ دونوں خاموش کھڑے تھے۔ سارا کو سکون کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کی جیفری سے شادی ہوئی اور وہ اسے جان بھی نہ سکی۔ یہاں نک تھا، جو دو ہفتے قبل اسے ملا تھا، یہ ایک انوکھا ملن تھا۔ معاً سارا کے دل میں آرزو نے جنم لیا۔ ناقابلِ مزاحمت آرزو...... کہ نک اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لے۔ کیسے معاملات کیسے ہوجاتے ہیں۔ باتیں کیسی، کیسی ہوجاتی ہیں۔ دل تو دل ہے...... کتنا پہلودار ہے۔ نازک بھی اور سنگ و آہن بھی۔ کیا یہ آرزو تنہائی کی پیداوار تھی یا سوگواری کی۔ اسے لگا کہ یہ آرزو نہیں، ضرورت ہے۔ وہ ڈر گئی لیکن نک ہی اس دنیا میں اس کے لیے واحد محفوظ پناہ گاہ تھی۔ سارا نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ”مجھے جیفری کو ڈھونڈنا ہے اور تم میرے ساتھ نہیں آسکتے۔“ سارا نے کہا۔

”تم یہ کام تنہا نہیں کرسکتیں، تم ایوی کو بھول گئی ہو۔“

”انہیں میری نہیں جیفری کی ضرورت ہے۔“

”تم کیسے اُسے تلاش کروگی؟“

”میں نہیں، وہ مجھے ڈھونڈ لے گا۔“ وہ واپس چل پڑی۔

بائیک پر ایک باوردی شخص میل باکسز میں ڈاک منتقل کررہا تھا۔ سارا نے 25 نمبر کو دیکھا۔ اندر کیٹیلاگ اور تین عدد بِل تھے۔ سارا نے بل نکال کر پرس میں رکھ لیے۔

”تم سمجھ رہی ہو کہ اس نے تمہیں خط لکھا ہوگا۔ تم یہ بھی نہیں جانتی کہ تمہارا اگلا قدم کیا ہوگا؟“

”ہاں، نہیں جانتی۔“ اس کے لہجے میں ضد کا عنصر تھا۔ ”لیکن میں اُسے تلاش کرلوں گی۔“

”بھولو مت، سی آئی اے تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔“

”میں کسی طرح ان سے جان چھڑالوں گی۔“

”اگر قاتل تمہارے پیچھے آئے تو کیا تم ان سے نمٹ لو گی؟“

سارا جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ نک نے قدم بڑھائے اور اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی جانب کرلیا۔ ”احمق مت بنو۔“

”میں جیفری کو ڈھونڈوں گی۔“

”پھر مجھے بھی ساتھ آنے دو۔“

”کیوں؟“ وہ چلائی۔ ”آخر......“ اس کے الفاظ سمندری نمکین ہوا میں گم ہوگئے۔ جو کچھ ہوا اچانک اور بے محابا ہوا۔ جیسے اچانک برسات میں بغیر بتائے بجلی کڑکتی ہے۔ نک نے اسے بانہوں میں سمیٹ کر ہونٹوں سے اس کے الفاظ کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ ایک طویل بوسہ تھا۔ دو طرفہ تھا۔ سارا جذباتی طور پر بے بس ہوگئی۔ وہ ردِعمل دے سکی، نہ احتجاج کرسکی۔ شاید اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سی گل کی آوازیں مدھم پڑ گئیں۔ سمندری ہوا نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ وہ حواس کھو بیٹھی۔ بے اختیار اس کے بازو نک کی کمر کے گرد لپٹ گئے۔ یہ حرکت ارادے کے ماتحت نہیں تھی۔

حقیقت کے پرندے نے پر کھولے تو فضائی پرندوں کی آوازیں پھر سے بلند ہوگئیں۔ سارا نے بمشکل خود کو الگ کیا۔ اس کے چہرے پر تحیر تھا، اُلجھن تھی، انبساط تھا...... سرخی تھی۔

”یہ میرا جواب ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ چلنا چاہیے۔“ نک نے کہا۔ سارا کے ذہن میں اُلجھے ہوئے خیالات کا تانا بانا تھا۔

”تم نے ایسا کیوں کیا؟“ وہ بولی۔

”بس ہوگیا۔ سارا میرا ارادہ نہیں تھا۔“ وہ برہم ہوگیا۔ پلٹ گیا۔ ”معذرت چاہتا ہوں...... واپس لیتا ہوں۔“

سارا مزید اُلجھ گئی۔ وہ جیفری کی محبت میں گرفتار تھی۔ دفعتاً کائنات درہم برہم ہوگئی۔ اب اسے نک کے سوا کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آنکھوں سے نہ تصور میں۔

”پلیز نک، واشنگٹن واپس لوٹ جاؤ۔“ اس کی سمجھ میں نہیں آیا اور کیا کہے۔ وہ واپس چل پڑی۔ نسوں میں ابھی تک سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ نہیں وہ تنہا جائے گی لیکن وہ جان گئی تھی کہ نک ساتھ جانے میں پُرعزم ہے۔

وہ گاڑیوں کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں سے لندن تک لانگ ڈرائیو تھی۔ نک ایم جی کرائے پر لایا تھا جو چھوٹی چھوٹی دکانوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ دو اجنبی وہاں پہلو بہ پہلو ٹہل رہے تھے۔ ایم جی کے عین پیچھے وہی سیاہ فورڈ کھڑی تھی۔ جو لندن سے تعاقب کرتی آئی تھی۔ سی آئی اے۔ یعنی اب وہ کھلم کھلا سامنے آگئے تھے۔ احمق، اس طرح سارا کو غائب ہونے میں سہولت رہے گی۔ فورڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے نک نے رنگین شیشوں کے عقب میں جھانکا۔ ایک ایجنٹ کی شبیہ نظر

گلاس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اندر کسی قسم کی حرکت مفقود تھی۔

نک نے یہ امر محسوس کر کے کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔ ایجنٹ کی دھندلی شبیہہ نے کوئی حرکت نہیں کی۔ کیا وہ سو رہا ہے؟

"نک کیا بات ہے؟" سارا نے سرگوشی کی۔

"چلتی رہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایم جی میں جا کر بیٹھ جاؤ۔" نک نے اسے آہستہ سے دھکیلا۔ "اور وہیں رکنا۔"

"نک......"

نک نے احتیاط سے دروازہ کھولا۔ سارا کے غیر معمولی تجسّس نے اسے ایم جی تک نہیں جانے دیا۔ وہ خاموشی سے نک کے پیچھے کھڑی رہی۔ ایجنٹ کی شبیہہ ابھی تک غیر متحرک تھی۔ نک نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ ایجنٹ کا ایک ہاتھ بے جان انداز میں سڑک کی جانب جھولنے لگا۔ آنکھوں میں زندگی کی روشنی ناپید تھی۔ نک وحشت کے عالم میں پیچھے ہٹا۔ سرخ خون کے قطرے سائڈ واک کو رنگین کر گئے۔

☆☆☆

سارا کی چیخ بلند ہوئی۔ اگلے ہی لمحے فورڈ کے اندر حرکت نظر آئی۔ نک نے سارا کو زمین بوس کیا اور اسے اپنے نیچے چھپا لیا۔ حرکت کی جھلک کے بعد فوراً ہی فورڈ ہی کے اندر سے فائرنگ ہوئی۔ نک لڑھک کر ایک طرف ہٹا۔ "گاڑی میں جاؤ۔" وہ دہاڑا۔

سارا دہشت زدہ ہرنی کے مانند ایم جی کی طرف گئی۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ بصورت دیگر وہ ایم جی میں نہ گھس پاتی۔ فائرنگ نے اسٹورز کے شیشے توڑ ڈالے تھے۔ افراتفری مچ گئی تھی۔ نک نے سارا کے پیچھے جست لگائی۔ گاڑی میں گھستے گھستے نک نے چابیاں نکال لی تھیں۔ انجن غرا کر بیدار ہوا۔ سارا دروازہ بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نیچے جھکو...... نیچے......" وہ پھر چیخا۔ سارا دروازہ چھوڑ کر پائیدان میں سمٹ گئی۔ نک نے اندھا دھند کار کو ریورس کیا۔ ایم جی فورڈ سے ٹکرائی۔ اسے فرسٹ گیئر ڈال کر اسٹیئرنگ وہیل کو دائیں جانب کاٹا اور پیڈل دباتا چلا گیا۔ گاڑی جھٹکا لے کر آگے بڑھی۔ تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ نک تھرڈ گیئر میں جا چکا تھا۔

"دروازہ بند کرو۔" نک نے گاڑی فورتھ گیئر میں ڈالی۔ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تاہم نک رفتار بڑھاتا گیا۔

"وہ ہمیں کیوں مارنا چاہتے ہیں؟" سارا نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔

"امید رکھو کہ وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں۔" نک نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ سارا نے عالم خوف میں گردن گھمائی۔ ایک نیلے رنگ کی پی جو تیزی سے ایم جی کے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ تھا۔

نک نے ایکسیلریٹر دبایا اور غیر محتاط انداز میں راستہ بنایا۔ پی جو بھی گولی کی طرح آئی۔ وہ قدرے بڑی گاڑی تھی۔ وہ غلط لین میں چلی گئی اور ایک وین سے رگڑ کھاتے کھاتے بچی۔ سیکنڈ کا کچھ حصہ ملا اور دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا۔ لیکن ٹریفک کا دباؤ کم ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں پی جو سے مقابلہ دشوار تھا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔

"میں اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا، سارا۔"

سارا نے نک کی آواز میں تشویش کو محسوس کر لیا۔

یہ سب میرا قصور ہے۔ اس نے خود سے کہا۔ اگر نک کو کچھ ہوا تو وہ میری وجہ سے ہوگا۔

"سیٹ بیلٹ باندھو۔ امکانات محدود ہوتے جا رہے ہیں۔"

"محدود امکانات،، یعنی اختتام......"

پیجو طوفان بنی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کے نقوش میں حیوانیت تھی۔ کوئی غیر انسانی عنصر جبکہ آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

سارا نے نک کو دیکھا۔ اسٹیئرنگ پر اس کی انگلیوں کے جوڑ سفید پڑ گئے تھے۔ نگاہ سڑک پر جمی تھی۔ سڑک پر بایاں موڑ نظر آیا۔ نک نے نتائج کی پروا کیے بغیر خطرناک موڑ کاٹا اور اپنا سارا وزن دائیں جانب ڈال دیا۔ گاڑی دو پہیوں پر بائیں سڑک پر آئی۔ سارا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ پی جو عقب میں اتنے قریب تھی کہ وہ نک کے عزائم کا اندازہ نہ لگا سکی۔ ویسے بھی اتنی رفتار کے ساتھ مڑنا ممکن نہ تھا۔ پی جو آگے نکل گئی۔ ایمرجنسی بریک لگا کر پھسلی اور سائڈ واک پر چڑھ گئی۔ دونوں گاڑیوں کی رف ڈرائیونگ کی وجہ سے فضا میں ربر جلنے کی بو پھیل گئی۔ ایم جی کے دونوں پہیے واپس سڑک سے ٹکرائے۔ سارا کا سر چھت سے جا لگا۔ پی جو سنبھل کر واپس آئی اور آنکھ مچولی پھر شروع ہو گئی۔ نک کی آواز ہموار اور دھیمی تھی۔ خوف کا بادل ذہن میں تشکیل پا رہا تھا۔ "گولیاں کسی بھی وقت برسنا شروع ہو جائیں گی۔ سر نیچے رکھنا۔ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک ہائی وے پر رہوں۔ اگر گولیاں کام کر گئیں تو گاڑی سے نکل کر پوری رفتار سے بھاگ جانا۔ گیسولین کا ٹینک پھٹ سکتا ہے۔"

"میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔" سارا کی آواز بھرّا گئی۔

"تم وہی کرو گی جو میں کہہ رہا ہوں۔" نک نے عقبی شیشے پر نگاہ ماری۔

"نک، نہیں۔"

"خدا کے لیے۔" وہ چیخا۔ "جو کہہ رہا ہوں، وہ کرنا۔"

پی جو بہت قریب تھی۔ "وہ فائرنگ کیوں نہیں کر رہا؟"

سارا نے ڈرائیور کی مکروہ مسکراہٹ دیکھی۔ پی جو نے بمپر سے بمپر لگایا۔ نک نے وہیل دائیں پھر بائیں گھمایا۔ چند گز کا فاصلہ پیدا ہو گیا۔

"وہ ہمیں روڈ سے ہٹانا چاہتا ہے۔" نک نے جواب دیا۔ دوبارہ وہی حرکت ہوئی۔ بعدازاں دونوں گاڑیاں گردن سے گردن ملا کر دوڑنے لگیں۔ سارا نے قاتل کا چہرہ دیکھا۔ اس کے زردی مائل بال چمک رہے تھے۔ وہ دانت نکالے سارا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ موت کا چہرہ تھا۔ مکروہ چہرہ اس لمحے سارا کے دہشت زدہ چہرے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ جب اسے سامنے کی رکاوٹ نظر نہیں آئی۔ نک نے گہری سانس لے کر سامنے کھڑی کار کو دیکھا۔

نک نے گاڑی دائیں طرف ڈال دی۔ رانگ سائڈ پر سامنے سے آنے والی گاڑیاں تتر بتر ہو گئیں۔ پہیے چیخنے لگے۔ دائیں بائیں سبزہ زار سارا کی آنکھوں میں گھوم گئے۔ نک اسٹیئرنگ سے لڑ رہا تھا۔ کسی کار کے ٹکرانے اور شیشوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ پھر جیسے آندھی، طوفان یکلخت تھم گیا۔ ایم جی سڑک سے اتر کر سبزہ زار میں کھڑی تھی۔ گائیں، بھینسیں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ دور کہیں سائرن کی آواز ابھر رہی تھی۔ شاید کسی نے فون کیا تھا۔ سارا نے مڑ کر دیکھا۔ دور پی جو بھی سبزہ زار میں کھڑی تھی۔ ڈرائیور باہر تھا۔ فاصلے کے باوجود اس کے چہرے کا اشتعال نظر آ رہا تھا۔ نک گاڑی واپس ہائی وے پر لے آیا۔ پی جو، ڈرائیور سمیت غائب ہو گئی تھی۔

"اب وہ دھیمے پڑ جائیں گے۔" نک نے تبصرہ کیا۔

سارا اس کے اطمینان پر چونکی۔ یوں لگا جیسے وہ مذاق کر رہا ہے۔

"تم کیسی ہو؟"

"ہاں، ہاں......" اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن حلق ریگ صحرا کے مانند خشک تھا۔

نک مسکرایا۔ "ایک چیز عیاں ہو گئی کہ تم میرے بغیر کہیں نہیں جا سکتیں۔"

تنہا، خوف حملہ آور ہوا۔ نہیں کبھی نہیں لیکن نک بھی تو کوئی فوجی نہیں ہے۔ وہ ڈپلومیٹ ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا، وہ اس کی فطری صلاحیت تھی نہ کہ تربیت کا حصہ؟ بہرحال وہ خطرناک قاتل اور سارا کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

"ہمیں مدد حاصل کرنی چاہیے۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"کس سے، سی آئی اے سے...... نہیں ہم اپنے ہی آدمیوں پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ وہ نااہل ہو سکتے ہیں۔ شاید خطرناک بھی۔"

"کیا مطلب ہے...... سی آئی اے اپنے ہی آدمی کو نہیں مار سکتی؟"

"ہاں، لیکن کوئی اندر کا آدمی ہو سکتا ہے جس کے رابطے کہیں اور ہوں۔" نک نے امکان ظاہر کیا۔

"اگر تم غلط ہوئے؟"

"پاگل مت بنو۔ ایجنٹ کا گلا کاٹا گیا تھا۔ وہ بے خبری میں مارا گیا۔ اس لیے کہ وہ قاتل کو جانتا تھا۔ اس پر بھروسا کرتا تھا...... کوئی نہ کوئی غدار ہے جو ہمیں راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

"میں ایک عام عورت ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، میں ایوی کے مانند جاسوس نہیں ہوں۔ سوچ رہی ہوں سفارت خانے میں پناہ لے لوں اور تم کہہ رہے ہو کہ سی آئی اے پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر بھی وقت ہے کہ ہمیں ایوی کی طرح سوچنا چاہیے۔ میں بھی اس کھیل میں نیا ہوں۔ ایوی ہوتی تو کیا کرتی؟"

"واشنگٹن؟"

"نہیں۔"

"پھر کہاں جائیں؟"

نک نے وقفہ لیا۔ "کار کو پوشیدہ کر کے ڈوور میں ہوور کرافٹ کے ذریعے کیلیس جاتے ہیں۔ وہاں سے بذریعہ ٹرین برسلز پھر کچھ عرصے کے لیے ہم دونوں غائب ہو جاتے ہیں۔"

کب تک، کیا وہ بھی ایوی کی طرح بھاگتی رہے گی۔ مڑ مڑ کر دیکھتی رہے گی۔ شادی کی حقیقت کیا تھی۔ وہ زندہ رہے گی تو پتا چل سکتا ہے۔

"مجھے تم پر بھروسا ہے۔" سارا نے کہا۔ "اور کس پر کر سکتے ہیں؟"

"کسی پر نہیں۔"

☆☆☆

پوٹر نے پہلی گھنٹی پر ریسیور اٹھایا۔ آواز سنتے ہی اُس نے

ریکارڈنگ کے بٹن کو ہٹ کیا۔ ٹرانس چینل کنکشن کے ذریعے اوہارا کی آواز آرہی تھی۔

''اوہارا۔'' پوٹر چلایا۔ ''تم کہاں......''

''ہم جا رہے ہیں۔ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔''

''تم مارے جاؤ گے۔ تمہیں ہماری ضرورت ہے۔''

''ہونہہ، غور سے سنو...... اپنے آدمیوں پر نظر رکھو۔ کیونکہ ڈنمارک میں کوئی بدبودار کھچڑی پک رہی ہے۔ اگر مجھے پتا چلا کہ اس کے ذمے دار تم ہو تو تمہاری خیر نہیں۔''

''رکو، اوہارا۔'' مگر لائن ڈیڈ ہو چکی تھی۔

بڑبڑاتے ہوئے اس نے وان ڈیم سے رابطہ قائم کیا۔

''وہ زندہ ہیں۔''

''کیا وہ آرہے ہیں؟''

''نہیں، روپوش ہو رہے ہیں۔ کال برسلز سے آئی تھی۔''

''مسٹر پوٹر، وہ مجھے مطلوب ہیں، اس سے پہلے کہ کوئی اور اُن تک پہنچے۔'' وان ڈیم نے پُرزور مطالبہ کیا۔

''وہ ڈرے ہوئے ہیں۔ وہ ہم پر بھروسا نہیں کریں گے۔''

''مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ پتا لگاؤ اُن کا۔'' فون بند ہو گیا۔

''نمبر ملا؟'' پوٹر نے ثاراسوف کی طرف دیکھا۔

''برسلز کا کوئی نمبر ہے۔''

''مجھے ایڈریس چاہیے۔''

پوٹر نے پھر وان ڈیم کا نمبر ملایا اور برسلز کے بارے میں بتایا۔ ''میں نے مسز فونٹان کے پیچھے دو آدمی لگائے تھے۔ ایک مردہ خانے میں ہے اور دوسرا غائب ہے۔''

''مجھے مردہ ایجنٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے سارا فونٹان چاہیے۔''

''برسلز آفس کو بتا دیا ہے۔ میں خود آج فلائی کر رہا ہوں۔ بینک اکاؤنٹ سے کافی رقم نکالی گئی ہے۔ غالباً وہ طویل عرصے روپوش رہیں گے۔''

''اکاؤنٹس کی نگرانی کرو۔ تصویریں پھیلا دو۔ لوکل پولیس، انٹرپول، ہر کسی کو تصاویر پہنچا دو۔ سارا کو گرفتار مت کرنا۔ صرف لوکیشن معلوم کرنا۔ نیز مجھے اوہارا کا نفسیاتی پروفائل درکار ہے۔''

''میں فراہم کر دوں گا۔'' پوٹر نے جواب دیا۔

''نک اوہارا کھیل میں نیا ہے لیکن اس کی فرنچ بہت اچھی ہے۔ وہ بیلجیئم میں بہ آسانی گھل مل جائے گا۔ وہ اسمارٹ بھی ہے۔ ہمیں مشکل کا سامنا ہے۔ میری معلومات کے مطابق سارا اس معاملے میں بے بس ہے۔ وہ اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتی۔''

''اوہارا، بیلجیئم میں کس کو جانتا ہے، کوئی دوست؟''

''ڈان، اوہارا کے دوستوں کو جانتا ہے۔'' ثاراسوف نے مداخلت کی۔

''گڈ۔'' وان ڈیم نے ستائش کی۔

☆☆☆

وان ڈیم کے اپنے مقاصد تھے جن کے باعث اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ سارا فونٹان کو قابو کرنا ہے... کسی طرح اوہارا جسے ڈیموکریٹ نے نہایت چالاکی سے علیحدہ کر دیا۔ کسی کو اس کی توقع نہیں تھی۔ وان ڈیم کو ثاراسوف کی رائے پریشان کر رہی تھی کہ نک، سارا کی محبت میں نہیں بلکہ وہ انڈر کور ایجنٹ ہے۔ ثاراسوف کے نکتے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو چیز جیسی نظر آتی ہے، اسے ویسا ہی سمجھنا بسا اوقات خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وان ڈیم، اکثریت کے مقابلے میں اس حقیقت کو زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ نک اوہارا فرنچ زبان اور حلیے کے باعث وہاں گھل مل جائے گا۔ برسلز جیسے بڑے شہر میں اسے تلاش کرنا بہت دشوار تھا۔ سارا کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ غلط وقت پر زبان کھولتی اور پکڑی جاتی۔ بہتر یہی تھا کہ اوہارا کے بجائے سارا پر توجہ دی جائے۔

☆☆☆

سفر کے دوران میں سارا خوف زدہ رہی۔ تاہم بغیر کسی ہنگامے کے وہ برسلز پہنچ گئے۔ وہ نک کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے گئے ہوئے دو گھنٹے بیت گئے تھے۔ سارا گاہے گاہے گھڑی دیکھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے خوف کا عفریت پھر جنم لے رہا تھا۔ وہ لازمی واپس آئے گا۔ اس بارے میں سارا کسی شک کا شکار نہیں تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آگئی۔ کمرے میں صرف ایک کمزور بلب روشن تھا۔ ہوٹل کا کمرا چھوٹا اور بے ترتیب تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن نک کا انتظار ضروری تھا۔ اچانک سیڑھیوں پر آہٹ ابھری۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ وہ بھڑک اٹھی۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ وہ گھبرا گئی لیکن چابی اس کے پاس کہاں سے آئی۔ سارا منجمد رہ گئی۔ اس نے سیاہ رنگ کی مچھیروں جیسی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ جو نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ ادھ جلے سگریٹ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ مچھلی اور وائن کی بو آرہی تھی۔ شانوں پر بوسیدہ جیکٹ تھی۔ لیکن جب اس نے اوپر نگاہ اٹھائی تو سارا بے ساختہ ہنس پڑی۔

''نک، یہ تم ہو؟''

''کیسے یقین دلاؤں؟'' اس نے شرارت سے جواب

دیا۔

"یقین آ گیا۔"

"یہ سب ضروری تھا۔" اس نے ایک تھیلا اس کے حوالے کیا۔ تم بھی حلیہ بدل لو۔ کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ تم گونگی ہو۔" نک نے ہدایت دی۔

"نک؟"

"ہونہہ۔"

"تم جب سے ملے ہو، مجھے کنٹرول کیا ہوا ہے؟"

"تم پر یا سچویشن پر؟"

"دونوں پر۔" سارا نے کہا۔

"شاید۔"

"جب میں لندن پہنچی تو تم بھی پیچھے آ گئے اور تم غصے میں تھے؟"

"ہاں، بہت زیادہ۔"

"میری گردن مروڑنے پہنچے تھے؟"

"سچی بات ہے کچھ ایسا ہی سوچا تھا پھر ارادہ بدل دیا۔"

"کیوں؟"

"پولیس اسٹیشن میں تم ایکسپوز ہو گئی تھیں۔ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ تمہیں مدد کی ضرورت ہے۔ سارا میں جانتا ہوں کہ عام حالات میں تم اپنا خیال رکھ سکتی ہو لیکن یہ عام حالات نہیں ہیں۔"

سارا نے بحث نہیں کی۔ اوکے، میں تسلیم کرتی ہوں۔ میں تھک گئی ہوں۔ ہراساں ہوں لیکن مجھے کمتر مت سمجھو...... میں زندہ رہنے کے لیے ہر حد پار کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"اچھا بتاؤ اس وقت تم کون ہو؟"

"ایک مچھیرے کی بیوی۔" وہ مسکرائی۔ "غریب مچھیرا...... اوپر سے چھ بچوں نے میری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ میرا شوہر، مطلب تم زیادہ تر گھر سے باہر رہتے ہو...... ہم ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" نک نے کہا۔

☆☆☆

ایوی کے کاٹیج سے جو بل لیے تھے، وہ کہاں ہیں؟"

سارا نے تینوں بل نکالے۔ پہلا بجلی کا بل تھا۔ دوسرا کریڈٹ کارڈ کا بل تھا اور تیسرا...... دونوں چونک اٹھے۔ اس پر برلن کا فون نمبر لکھا تھا۔ "یہ لاسٹ انٹری دیکھو۔ وہ جانتی تھی کہ سائمن برلن میں کہاں ہے۔" نک نے کہا۔

صبح روشن اور خوب صورت تھی۔ پلیٹ فارم پر نک اور سارا ایک دوسرے سے بارہ گز کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ وقتاً فوقتاً وہ ایک دوسرے پر سرسری نظر ڈال رہے تھے۔ نک کو شناخت کرنا ناممکن تھا۔ دور سے ٹرین کی آواز ابھری۔ مسافروں نے اٹھنا شروع کیا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر رک گئی۔ مسافروں میں ہر قسم کے افراد تھے۔ سارا نے دیکھا کہ نک سگریٹ کو جوتے تلے مسل رہا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بند کر دیا۔ نک ٹرین پر سوار ہو کر کھڑکی کے قریب جگہ سنبھال چکا تھا۔ سارا آہستہ آہستہ قطار کے ساتھ کھسک رہی تھی۔ چند گز رہ گئے تھے۔ پھر وہ ٹرین میں ہوتی۔

معاً اس کی نگاہ سے روشنی کا انعکاس ٹکرایا۔ وہم اور خوف کے باعث اس نے آہستگی سے انعکاس کے رخ پر دیکھنا چاہا۔ سورج کی روشنی سلور کے فریم سے منعکس ہوئی تھی۔ فریم میں تاریک شیشے تھے۔ سارا کا دل زور سے دھڑکا۔ ٹکٹ ونڈو کے قریب وہی آدمی کھڑا تھا جس نے پی جو میں ان کا پیچھا کیا تھا۔ اس کی نظریں ٹرین کے دروازوں پر تھیں۔ اس کے جسم کا بیشتر حصہ پلیٹ فارم پوسٹ کے پیچھے تھا۔ تاہم سارا نے وحشی کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ سارا کے جسم میں خون جم گیا۔ اگر وہ قطار میں اسی طرح بڑھتی رہتی تو اس کی تیز نگاہ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

☆☆☆

پہلا خیال اُسے مڑ کر بھاگنے کا آیا۔ لیکن ایسی کوئی بھی اچانک تحریک اس کی توجہ کھینچ لیتی۔ اسے بڑھتے رہنا تھا۔ مبہم امید کے سہارے کہ وہ اُسے نہیں پہچانے گا۔ بے چینی سے اس نے وہ کھڑکی تلاش کرنی چاہی جہاں نک تھا۔ تاکہ اسے اشارہ کر سکے لیکن اس کی کھڑکی دور ہو چلی تھی۔ وہ کوئی منحوس لمحہ تھا جب آگے والے بوڑھے مسافر کا ٹکٹ گر گیا۔ وہ اسے اٹھانے کے لیے آہستہ سے جھکا...... اوہ ڈیئر گاڈ، پلیز...... اس نے دعا مانگی۔ وہ بظاہر ایک بیلجیئن وائف تھی۔ شاید سیاہ وِگ مدد کرے۔ قاتل کے ذہن میں سرخی مائل بال ہوں گے۔ دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔

"میڈم؟" بڑے میاں نے اس کی آستین پکڑ لی۔ وہ احمقوں کے مانند اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ تیزی سے فرنچ میں کچھ کہہ رہا تھا۔ سارا نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ لیکن وہ بھی جان کو اٹک گیا تھا۔ وہ گرے ہوئے عورت کے اسکارف کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے اشارے پر سارا کی سمجھ میں آیا۔ سارا نے نفی میں سر ہلا کر بتایا کہ وہ اس کا اسکارف نہیں ہے۔ بڑے میاں نے شانے اچکائے اور ایک طرف چل دیا۔

سارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے ٹرین پر سوار ہونے کے لیے قدم اٹھایا لیکن کوئی اس کے راستے میں

حائل تھا۔ سارا نے نظر اٹھائی۔ موت کا چہرہ اُس کے سامنے تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میڈیم۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "آؤ......"

"نہیں، نہیں!" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے سرگوشی کی۔

وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاتھ میں کوئی چمک دار شے تھی۔ سارا نے خود کو پیچھے کی جانب گرتا محسوس کیا لیکن یہ وہم تھا۔ ٹرین آگے جا رہی تھی۔ اس لیے اسے یوں لگا کہ وہ پیچھے جا رہی ہے۔ سارا نے ٹرین ڈور کی جھلک دیکھی۔ پچاس گز بعد وہ پلیٹ فارم چھوڑ دیتی۔ سارا کے فرار کا آخری موقع۔ قاتل اپنے شکار کی طرف آگے آ رہا تھا۔ قدرتی طور پر سارا نے پلٹ کر بھاگنا تھا۔ وہ بھاگی لیکن مخالف سمت میں۔ فرار ہونے کے بجائے وہ پوری رفتار سے شکاری کی طرف گئی۔ وہ اپنے گمان میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔ سارا کی ناقابلِ یقین حرکت نے اسے گڑبڑا دیا۔ سارا کو سیکنڈ کا معمولی سا حصہ ملا تھا...... وہ بچ کر اس کے پاس سے گزرتی چلی گئی۔ ٹرین ڈور پلیٹ فارم چھوڑنے کے لیے بارہ گز دور تھا۔ سارا کے پاؤں منوں وزنی ہو گئے۔ وہ رخ پھیر کر پیچھے آ رہا تھا۔ موت کے خوف نے سارا کے بدن میں بجلی بھر دی۔ اس کا دل جیسے پھٹنے والا تھا۔ آخری چند گز اسپرنٹ کے مانند طے کیے۔ فولادی ڈنڈا انچوں کے فاصلے پر تھا۔ اس کی انگلیوں نے سرد اسٹیل کو تھام لیا اور بے ڈھنگے انداز میں اندر جا گری۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ میں جیت گئی۔ اس نے سوچا۔ میں نے کر دکھایا۔ ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا تھا۔ وہ فٹ بورڈ تک آ گیا تھا۔ سارا نے بے تحاشا لات چلائی اور اُسے باہر پھینک دیا۔

"سارا، مائی گاڈ۔" کسی نے اسے پکڑ کر کھڑا کیا۔ وہ لرزتی ہوئی نک کی بانہوں میں سمٹ گئی۔ "سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔" وہ بار بار یقین دہانی کرا رہا تھا۔

"کون ہے وہ؟" وہ سسک اٹھی۔ "وہ ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا؟"

"سارا سنو...... قبل اس کے کہ وہ دوبارہ نمودار ہو، ہمیں ٹرین چھوڑنی پڑے گی۔"

"پھر کیا ہوگا؟" سارا نے چیخ کا گلا گھونٹا۔

ٹرین کی رفتار تیز تھی۔ "ہمیں اگلے اسٹاپ پر اترنا پڑے گا۔ ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اگر ہم نے ڈچ بارڈر کراس کر لیا تو ہم مشرق کی طرف جانے والی ٹرین پکڑ لیں گے۔ سارا اس کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

برونی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ طوفان کے آثار اس کے چہرے پر نہیں، اندر تھے۔ لاوے کے مانند۔ معمولی عورت دوسری مرتبہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ تاہم عورت نے الٹی سمت بھاگ کر اس کی کاریگری کو مات دے دی تھی۔ اسے حیران کر دیا تھا۔ وہ ٹرین پر چڑھ جاتا لیکن سارا نے لات چلا کر اسے فٹ ہولڈ سے گرا دیا تھا۔ اس حرکت نے اس کے غضب میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ اس نے آئینے پر گھونسا مارا۔ نک اوہارا، بار بار اس کے راستے میں آ رہا تھا۔ وہ کون تھا۔ سی آئی اے؟ سائمن ڈانس کا دوست؟ وہ جو بھی تھا۔ آئندہ برونی کے سامنے آیا تو دونوں مارے جائیں گے۔ تاہم ان کو دوبارہ پانا ایک مشکل امر تھا۔ اسے آئیڈیا نہیں تھا کہ ان کی منزل کون سی ہے۔

اسے بوڑھے جادوگر کا سہارا لینا پڑے گا۔ بوڑھے کی نگاہ بہت دور تک دیکھتی ہے۔ وہ دونوں بچ نہیں سکیں گے۔

☆☆☆

دونوں بچ ہائیکنگ کے ذریعے ڈچ بارڈر کراس کر گئے تھے۔ بعد میں رک رک کر وہ میلوں پیدل چلے۔ اب اگلے ٹرین اسٹیشن سے وہ صرف نصف میل کے فاصلے پر تھے۔ تاہم سارا تھک چکی تھی۔ انہوں نے تاریکی تک رکنے کا فیصلہ کیا اور ایک جگہ میدان میں ونڈ میل کو منتخب کر کے اس کے سنگی ٹاور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

☆☆☆

بوڑھا آدمی خواب دیکھ رہا تھا۔ تتلی اس کے سامنے کھڑی تھی مسکرا رہی تھی۔ "فرینس، تم کو چاہیے کہ گلاب کے پودوں کی سنگی رہ گزریں بنوا دو کہ ہمارے دوست اس طرح گلابوں کے درمیان گھوم کر خوش ہو سکیں۔ ایسا راستہ جیسا ہمارے ڈورشیٹ والے کاٹیج میں ہے۔"

"کیوں نہیں۔" وہ بولا۔ "میں باغبان سے کہہ دوں گا۔" تتلی مسکرا کر اس کی طرف بڑھی۔ اس نے تتلی کو چھونا چاہا لیکن ناکام رہا، اس کا سراپا تحلیل ہو رہا تھا۔ وہ جا رہی تھی، جا چکی تھی۔ ہمیشہ کے لیے۔

☆☆☆

ویس کوریگان کو جواب دینے میں پورے پانچ منٹ لگے تھے۔ کوئی اس کی رہائش گاہ کا عقبی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو پاجامے میں ملبوس تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ پہلے وہ دونوں کو اجنبی سمجھا۔

"پرانی حسِ میزبانی کہاں رخصت ہو گئی۔" نک نے کہا۔

کوریگان کا منہ کھل گیا۔ ”نک...... تم ہو؟“

”اب بھی شک ہے۔“

کوریگان نے انہیں کچن میں بلا کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ عمر میں چالیس سے کم تھا۔ آنکھیں نیند کے باعث متورم تھیں۔ اس کی نظر نک کی کنپٹیوں کے سفید بالوں پر گئی۔

”مائی گاڈ، اتنا عرصہ گزر گیا۔“

”یہ ٹیلکم پاؤڈر ہے۔“ نک نے کہا۔ ”گھر میں کوئی ہے؟“

”میری بلی ہے...... نک کیا چل رہا ہے؟“

نک کچن سے لیونگ روم میں آگیا۔

”کچھ بولو گے؟“

نک نے سارا کی طرف دیکھا۔ سارا نے ٹوپی اتار دی۔

”اوہ مسز نک اوہارا؟“

”نہیں۔“ نک نے کہا۔

”ڈیٹنگ کے لیے اتنی دور آئے ہو۔“ کوریگان نے تبصرہ کیا۔

”سڑکیں صاف ستھری ہیں؟“ نک نے سوال کیا۔

”ہاں، روز صفائی ہوتی ہے۔“

”میں نگرانی کی بات کر رہا ہوں۔“

کوریگان نے احمقوں کے مانند دوست کو دیکھا۔ ”مطلب؟“

”کوری ہم ایک مشکل میں ہیں۔“

کوریگان نے سوالیہ نگاہوں سے نک کو دیکھا۔ ”سی آئی اے اور کچھ اجنبی ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔“

”ایسا کیا کر دیا تم نے؟ قومی راز فروخت کر دیے ہیں؟“

”نہیں۔ یہ ایک طویل کہانی ہے۔ ہمیں تمہاری مدد درکار ہے۔“

کوریگان نے تھکے ہوئے انداز میں سر ہلایا۔ ”بیٹھ جاؤ...... تم دونوں بھوکے ہو؟“

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ”بہت زیادہ۔“ سارا نے جواب دیا۔

کوریگان ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔

ایک گھنٹے میں وہ ضروری تفصیلات کوریگان کو سنا چکے تھے۔ کوریگان پوری طرح بیدار ہو گیا تھا اور پریشان لگ رہا تھا۔

”پوٹر کیوں ملوث ہے؟“

”وہ کیس آفیسر ہے...... سی آئی اے کے آدمی کو کسی اور نے مارا اور اسی نے ہمیں مارنے کی کوشش کی۔“

”مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا۔“

”مجھے بھی۔“ نک نے تائید کی۔

کوریگان سوچ میں ڈوب گیا۔ ”تم چاہتے ہو کہ میں ”ماگس“ کی فائل چیک کروں۔ لعنت جاب! اگر یہ سُپر کلاسیفائڈ ہے تو میں چھو نہیں سکوں گا۔“

”جو کر سکتے ہو، کرو۔ جب تک سارا جیفری تک پہنچ کر حقیقتِ حال نہیں جان لیتی۔“

”کہاں ٹھہرے ہو؟“

”کوڈام کے نزدیک ایک کمرا ہے۔“ نک نے جواب دیا۔

”یہاں میرا فرش استعمال کرو۔“

”خطرناک ہے۔ ہم خوش قسمت تھے کہ مشرقی جرمنی کے چیک پوائنٹ سے گزر گئے۔ اب تک ان کو پتا چل گیا ہوگا کہ ہم شہر میں ہیں۔ اگر وہ ہوشیار ہیں تو بہت جلد تمہارے گھر کی نگرانی شروع ہو جائے گی۔“

”پھر کیا مشورہ ہے؟“

”میں بارسن کے نام سے فون کروں گا۔ دوسری لائن پر۔ تم مجھے نمبر دے دو۔ یہ ضروری ہے کہ تم ہمارے مسکن سے لاعلم رہو۔“

”بھروسا نہیں ہے؟“

”بھروسا ہے تو آیا ہوں لیکن یہ کھیل خطرناک ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم گہرائی میں اتر جاؤ۔“ وہ مڑا اور سارا کے ساتھ تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اُن کے جانے کے بعد کوریگان بڑبڑایا۔

”دوست تم مجھے گہرائی میں اتار چکے ہو۔“

☆☆☆

ان کی ٹیم میں ایک ساتھی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ تھکن کے باوجود سوتے جاگتے رہے۔ نک کی ناک سارا کے بالوں سے لگی تھی۔

”جب سب ٹھیک ہو جائے گا تو میں تمہارے ساتھ اسی طرح رہوں گا۔“ اس نے بہکی سانسوں کے دوران کہا۔

”کب ختم ہوگا؟“ سارا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

”میں کب گھر جا سکوں گی؟“

”ہم ساتھ گھر جائیں گے۔“ نک نے یقین کے ساتھ کہا۔

سارا نے آرزو مندی سے اُسے دیکھا۔ ”واقعی؟“

”وعدہ، نک اوہارا اپنا وعدہ نبھاتا ہے۔“

سارا اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ ”اوہ نک، میں تمہیں چاہتی ہوں۔ نہیں جانتی کیا غلط ہے، کیا صحیح۔ مجھے محبت سے خوف آتا ہے۔“

”ایسے مت کہو۔“

”تم کنفیوز نہیں ہو؟“

”نہیں، سارا تم پہلی عورت ہو جس سے میں اس طرح بات کر رہا ہوں۔“

”اور لورین؟“

”سارا، میرے زخم مت چھیڑو۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ دوسری شادی کبھی نہیں کروں گا۔ اسے ایمبیسی لائف پسند تھی اور قاہرہ بھی جبکہ میری جاب کا تقاضا تھا کہ میں پسماندہ علاقوں میں رہوں۔ جیسے کیمرون لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ پھر مجھے لندن کے لیے آفر ہوئی اور وہ خوش ہو گئی۔ شاید سب ٹھیک ہو جاتا...... لیکن......“ نک کی زبان لڑکھڑا گئی۔ سارا نے محسوس کیا کہ اس کے سر کے نیچے نک کا بازو سخت ہو گیا ہے۔

”نک کچھ نہ بتاؤ...... تمہیں تکلیف ہو رہی ہے۔“

”وقت زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ وہ حاملہ ہو گئی تھی۔ مجھے لندن میں ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی۔ میں ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ صرف چھ گھنٹے کے لیے۔ لورین کو بچے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے ابتدا میں حمل ساقط کرا دیا۔“ نک چپ ہو گیا۔

اس کی اذیت کم کرنے کے لیے سارا کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

”میں کبھی کبھی میں سوچتا، کیا وہ لڑکی ہوتی یا لڑکا، وہ کیسا ہوتا۔ بالوں کا رنگ کیسا ہوتا؟ میں نے عملاً اس سے التجا کی کہ وہ ایسا نہ کرے۔“

”تم نے اسے مِس کیا؟“

”نہیں، میں نے طلاق کے کاغذات تیار کر دیے۔ پھر ایک دن تم میرے دفتر میں آئیں۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب تم نے چشمہ اتارا تو میں تمہاری آنکھوں میں ڈوب گیا۔ اس وقت میرے دل میں ایک خواہش نے جنم لیا۔ میرے دل نے کہا کہ اس چشمے کو توڑ دو۔“

سارا خاموشی سے اس کی خوب صورت باتیں سن رہی تھی۔

”سارا...... تم اب بھی جیفری سے محبت کرتی ہو؟“

”پتا نہیں۔ وہ کون تھا۔ وہ حقیقت نہیں تھا۔ جیفری تھا یا سائمن ڈانس...... وہ رئیل نہیں تھا۔“

”میں رئیل ہوں...... اور میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“

☆☆☆

کیا یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ ملے گا؟ سارا نے نمبر 25 میل باکس سے نکالا ہوا نمبر دیکھا۔ صبح کے ابتدائی اوقات تھے۔ انہوں نے نمبر ملایا جو پھولوں کی ایک دکان کا نکلا۔ دکان کوڈام سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ وہ بس میں وہاں تک پہنچے۔ یہ معقول علاقہ نہیں تھا۔ جیفری کہاں ہو گا؟ سارا نے سوچا۔ ایک بلاک کے فاصلے پر انہوں نے دکان تلاش کر لی۔ یہ گندی کھڑکیوں والی چھوٹی دکان تھی۔ زیادہ تر پھول گلاب کے تھے۔ پچاس سال کی فربہ عورت بوکے بنانے میں مصروف تھی۔ چند سیکنڈ کے لیے اس نے سارا کو دیکھا پھر اس کی نگاہ نک پر جم گئی۔ ”گوٹا ٹگ“ نک نے سر ہلایا۔ ”گوٹا ٹگ“ (گڈ ڈے)۔ نک نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ موٹی عورت اپنے کام میں لگی رہی۔ پھر سارا کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”جا“ اس نے نرمی سے کہا۔

سارا نے جیفری کی تصویر نکال کر رکھ دی۔ عورت تصویر کو خاموشی سے گھورتی رہی۔ نک نے جرمن زبان میں سوال کیا اور جیفری کا نام بھی لیا۔ عورت نے کوئی ردِعمل نہیں دیا۔

”سائمن ڈانس۔“ نک نے کہا۔ عورت حسبِ سابق خالی نظروں سے تصویر دیکھتی رہی۔

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔“ سارا مضطرب ہو گئی۔ ”وہ میرا شوہر ہے۔ اسے فون کرو میں آ گئی ہوں۔“

”سارا وہ نہیں سمجھ رہی ہے...... مجھے بات کرنے دو۔“

نک نے عورت سے ایوی کے باپ کے بارے میں پوچھا۔ عورت شانے اچکا کر رہ گئی۔

”وہ نہیں جانتی یا بتانا نہیں چاہتی۔“ نک نے کہا۔

”تمام امیدوں اور آدھا یورپ کراس کر کے وہ بند گلی میں آ گئے تھے۔ سارا نے مایوسی سے تصویر اٹھا کر پرس میں رکھی۔ جرمن عورت سکون سے بوکے کے گرد سبز رنگ کا ٹشو لپیٹ رہی تھی۔ سارا نے مایوسی کے عالم میں واپسی کا قصد کیا۔ جرمن عورت نے کچھ کہا۔ وہ اشارے سے سارا کو بلا رہی تھی۔ سارا اُلجھی ہوئی کاؤنٹر پر آئی۔ جرمن عورت نے ٹشو میں لپٹا ہوا گلاب کا بڑا سا پھول سارا کو پکڑا دیا۔ ”اوفی ڈوزی“ اس نے جرمن میں کہا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ یہ آنکھوں کی مختصر ترین ملاقات تھی لیکن یہ مختصر لمحہ سارا کے لیے بہت اہم تھا۔ اس لمحے کی اہمیت تھی۔ کوئی پیام آنکھوں ہی آنکھوں میں منتقل ہو گیا تھا۔ صرف سارا کی آنکھوں کے لیے۔ سارا نے سر ہلایا۔ گلاب قبول کیا۔

خدا حافظ کہا اور نک کے ساتھ باہر نکل گئی۔ گلاب کو اس نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ ٹشو پھاڑنے سے خود کو روکنے کے لیے اسے تمام تر قوتِ ارادی صرف کرنی پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ اندر کوئی پیغام ہے لیکن جرمن عورت کی نگاہوں کی جھلک میں کچھ اور تھا۔ وارننگ تھی۔ جو کہہ گئی تھی کہ خطرہ تمہارے بہت قریب ہے لیکن قریب تو نک تھا۔ نک جس پر وہ بھروسا کرتی تھی۔ نک جس سے وہ پیار کرتی تھی۔ جس نے کئی بار اس کی جان بچائی تھی۔ جیفری کے غیاب کے بعد نک ہی اس کا دوست اور محافظ تھا۔ کیا یہ ایک منصوبہ تھا؟ شاندار منصوبہ۔ نک جب سے لندن وارد ہوا تھا۔ سارا چوبیس گھنٹے اس کے ہمراہ تھی۔ ہمہ وقت نگرانی کا اس سے بہتر کیا طریقہ ہوسکتا تھا۔ وہ شدید کشمکش کا شکار ہوگئی۔ اس نے سوچنا بند کردیا۔ قیام گاہ پر پہنچتے ہی سارا نے واش روم کا رخ کیا، لرزاں ہاتھوں سے ٹشو پیپر پھاڑا۔ پیغام جلدی میں پنسل سے لکھا گیا تھا۔

''پٹس ڈپلس، کل ایک بجے کسی پر بھروسا مت کرنا۔''

وہ آخری تین حروف کو تکتی رہی۔ ٹرسٹ نو ون۔

کیا وہ غلطیاں کرتی آئی تھی۔ مزید کی گنجائش نہیں تھی۔ جیفری کی زندگی کا انحصار سارا پر تھا۔ اس نے ٹشو کے پرزے پرزے کر کے ٹوائلٹ میں بہا دیے۔ وہ نک کو یک دم نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ پہلے اسے یقین حاصل کرنا تھا کہ قریبی خطرے سے مراد نک ہے یا کوئی اور..... کل تک اسے جواب مل جائے گا۔

☆☆☆

کوریگان نروس تھا۔ اس نے حیرت انگیز انکشافات کیے تھے۔ وہ تینوں ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ کوریگان کے بیان کے مطابق اسی رات اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ جیفری کی پولیس رپورٹ، پیتھالوجی رپورٹ، تمام نوٹس، فوٹو کاپیز، پاسپورٹ بے کمپیوٹر سے غائب ہے۔ کوریگان روشنی نہیں ڈال سکا کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ مائکس کے بارے میں بھی وہ کوئی اشارہ دینے سے قاصر رہا۔ صرف اتنا ہی کہا کہ یہ کوئی ٹاپ سیکرٹ افیئر ہے۔

''تم کچھ حاصل بھی کرپائے؟'' نک نے سوال کیا۔

کوریگان نے ایک لفافہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ ''سائمن ڈانس۔''

''یہ چھ سال پرانی تصویر ہے۔ جس میں سائمن کی اصل صورت نظر آرہی ہے۔'' سارا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھوں کے سہارے اس نے جیفری کو پہچان لیا تھا۔ تصویر پاسپورٹ کی تھی۔ جرمن پاسپورٹ۔ پتا برلن کا تھا۔ پیشہ آرکیٹیکچر..... کوریگان وضاحت نہیں کرسکا کہ سائمن کا ریکارڈ کیوں غائب نہیں کیا گیا۔

''تم نے اس کا پرانا برلن والا ایڈریس چیک کیا؟''

''ہائی رائز کی تعمیر کے لیے اسے گزشتہ برس منہدم کردیا گیا تھا۔''

''اور کچھ؟''

''میرا ایک دوست سی آئی اے میں تھا۔ گزشتہ سال وہ ریٹائر ہوا ہے۔ وہ جاسوسی سے متنفر ہوگیا تھا۔ بہت امکان ہے کہ وہ سائمن اور مائکس سے واقف ہے۔''

''پُرامید رہنا چاہیے۔'' نک نے کہا۔

''میں یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ نگرانی کرنے والے وین میں گھر کے باہر موجود ہیں۔ کل دوپہر میں فون کرنا۔ طریقہ کار وہی ہوگا۔''

☆☆☆

''گڈ مارننگ، مسٹر کوریگان..... کچھ بات ہوسکتی ہے؟''

سوال کا زیروبم کوریگان کو ہوشیار کر گیا کہ یہ وزٹ کوئی سوشل ملاقات نہیں ہے۔ اس نے ڈیسک پر کاغذات کے ڈھیر کو دیکھا۔ پھر دروازے میں کھڑے دو آدمیوں پر نظر ڈالی۔ وہ سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

کوریگان نے خود کو پُرسکون رکھا۔ ''ہیلو، کیا مدد کرسکتا ہوں؟'' دراز قامت نے کرسی سنبھالی اور براہِ راست کوریگان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''نک اوہارا کہاں ہے؟''

کوریگان نے سنبھلنا چاہا تاہم ذرا سی تاخیر ہوگئی۔ اس نے کاغذات ایک طرف کیے اور کہا۔ ''اوہ، اوہارا..... کیا وہ واشنگٹن میں نہیں ہے؟''

دوسرے آدمی نے کہا۔ ''کوریگان ہمارے ساتھ کھیل مت کھیلو۔''

''کون کھیل رہا ہے؟ کون ہو تم لوگ؟''

دراز قامت نے کہا۔ ''میرا نام وان ڈیم ہے اور یہ مسٹر پوٹر۔''

سی آئی اے، کوریگان نے سوچا۔ وہ کرسی سے اٹھا، بے پروائی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ ''دیکھو ہفتے کا دن ہے، دوسروں کے مانند کچھ کام نمٹانے ہیں۔ صاف بات کرو۔''

''بیٹھ جاؤ۔''

کوریگان نے سیکیورٹی آفیسر کو کال کرنے کے لیے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تاہم پوٹر نے اس کی یہ کوشش ناکام بنادی۔ پہلی مرتبہ کوریگان کے دل میں خوف نے جنم لیا۔ کوریگان کو ہاتھ پیر ہلانا پسند نہیں تھا جبکہ داؤ پر اس کا اپنا بدن ہو۔

''ہمیں اوہارا کی ضرورت ہے۔'' پوٹر نے کہا۔

کوریگان نے بے خبری کا مظاہرہ کیا۔ وان ڈیم کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔ ''ہم جانتے ہیں کہ وہ اس شہر میں ہے۔ وہ تم سے ملا۔ تم نے غیر ضروری طور پر کمپیوٹرز کو سرچ کیا۔ تمہارا ہدف جیفری فونٹان اور سائمن ڈانس تھے۔ پھر تم نے ''مائس'' نامی شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کی...... یہ سب تم اوہارا کے لیے کررہے تھے۔ ہماری معلومات کو چیلنج کرنے کی کوشش فضول ہے۔''

''کیا معاملہ ہے؟''

''اس کے ساتھ ایک عورت ہے۔ دونوں کی حفاظت کا معاملہ ہے۔''

''اوہ، کوئی اور پریوں کی کہانی؟''

وان ڈیم آگے جھکا۔ ''یہ موت کا کھیل ہے۔ انہیں پروٹیکشن کی ضرورت ہے۔''

''میں کیسے یقین کرلوں؟''

''اگر نہیں کروگے تو ان کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔''

''میں معذرت خواہ ہوں۔'' کوریگان نے انکار کردیا۔

وان ڈیم اور پوٹر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ''اپنے آدمیوں کو ارینج کرو۔ ہم سیدھا طریقہ اختیار کریں۔ انتظار...... اوہارا کی کال آئے گی۔ کوریگان تم عمارت میں رہوگے۔''

☆☆☆

12:50 پر سارا، پٹس ڈپلس پہنچ چکی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ حیرت انگیز طور پر نک سے الگ ہونے میں اسے خاص مشکل نہیں ہوئی تھی۔ نک، کوریگان کو کال کرنے نکلا۔ چند منٹ بعد پرس دبوچ کر سارا بھی نکل گئی۔ نقشے میں اس نے جگہ کا تعین کرلیا تھا۔ یہ برٹش، امریکن اور رشین سیکٹرز کا کراس سیکشن تھا۔ وہ طلبا سے بھری ایک بس کے قریب کھڑی ہوگئی۔ نگاہیں چکرارہی تھیں۔ دھڑکن بے قابو تھی۔

معاً مدھم سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے آؤ۔''

سارا نے گردن گھمائی اور عورت کو پہچان لیا۔ سارا اس کے پیچھے چل پڑی۔ تین بلاک دور عورت ایک دکان میں غائب ہوگئی۔ دکان کی کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے۔ سارا سائڈواک پر گومگو کے عالم میں کھڑی تھی۔ بالآخر وہ اندر داخل ہوگئی۔ اندر عورت کہیں نظر نہیں آئی۔ سارا اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اچانک ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس نے سارا کو دیکھ کر سر ہلایا اور دکان کی عقبی سمت میں اشارہ کیا۔ گر اڈاس (سامنے) سارا نے حرکت کی۔ دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر عقبی راہ سے باہر نکل گئی۔ اس نے خود کو ایک گلی میں پایا۔ وہ عورت کہاں ہے؟

کسی کار کے غراتے انجن کی آواز سن کر وہ گھومی۔ سیاہ رنگ کی سیٹوئن سیدھی اس کی طرف آرہی تھی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ فرار کے بارے میں سوچنا عبث تھا۔ دکانوں کے دروازے لاک تھے۔ گلی طویل سرنگ کے مانند تھی۔ دہشت سارا کے روئیں روئیں میں سماگئی۔ وہ دیوار سے چپک کر تیز رفتار کار کو دیکھ رہی تھی۔ فاصلہ تیزی سے کم ہورہا تھا۔ کم اور کم...... کار ذرا سی پھسلی اور ایمرجنسی بریک کے سہارے رک گئی۔ دروازہ کھلا۔ کسی کی آواز آئی۔ ''اندر آجاؤ...... جلدی کرو۔'' آواز نسوانی تھی۔

سارا دیوار سے ہٹ کر کار میں چلی گئی۔

عورت نے جرمن زبان میں ڈرائیور سے گاڑی بھگانے کے لیے کہا۔ ایک بلاک دور گاڑی بائیں مڑی۔ پھر دائیں اور دوبارہ بائیں جانب۔

''اب ہم بات کر سکتے ہیں۔'' عورت نے سارا کو مخاطب کیا۔

''تم کون ہو؟''

''میں جیفری کی دوست ہوں۔'' جواب آیا۔ پھر اس نے ڈرائیور سے کچھ کہا۔ جس نے کچھ دیر بعد ایک پارک کے نزدیک گاڑی روک دی۔

دونوں پارک میں ٹہلتے ہوئے گفتگو کررہے تھے۔

''تم میرے شوہر کو کیسے جانتی ہو؟''

''برسوں پہلے ہم ساتھ کام کرتے تھے۔ اس کا نام سائمن ہے۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔''

''مطلب تم بھی جاسوسی کے نظام کا حصہ تھیں؟''

''ہاں، لیکن پانچ سال پہلے...... اس وقت میرا حلیہ ایسا نہیں تھا۔ سائمن کے مانند میرا شمار بھی بہترین ایجنٹس میں ہوتا تھا۔ لیکن اب میں ہراساں ہوں۔''

''وہ کہاں ہے؟'' سارا نے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''پھر تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟''

''تنبیہ کرنے کے لیے۔ ایک پرانے دوست کے لیے یہ ایک احسان کے مانند ہوگا۔''

''مطلب جیفری؟''

''ہاں، اس دھندے میں سچے دوست عنقا ہیں اور اگر ہوتے ہیں تو وہ جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ میں نے اسے آخری بار چند ہفتے قبل دیکھا تھا۔ وہ بھی دھندے سے الگ ہوگیا تھا لیکن یہاں برلن میں وہ پھر پرانے روپ میں تھا۔ وہ جن کے

ساتھ کام کررہا تھا، انہوں نے دغابازی کی اور سائمن غائب ہو گیا۔"

"کس نے دغابازی کی؟"

"سی آئی اے۔"

سارا چلتے چلتے رک گئی۔ اس کا چہرہ تحیر کی آماجگاہ بن گیا۔

"وہ سائمن کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ کسی طرح انہوں نے اسے آپریشن میں داخل کرلیا لیکن امور غلط ہوگئے۔ سائمن نکل گیا۔ وہ میرے پاس آیا۔ میں نے اسے نیا پاسپورٹ، شناخت اور برلن سے نکلنے کے لیے ضروری اشیا فراہم کیں۔ اس نے پرانی شناخت ختم کردی۔ میں اداس تھی۔ اس نے زیادہ وقت میرے ساتھ نہیں گزارا۔ تمہارا فوٹو، میں نے اس کے والٹ میں دیکھا تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں کل پہچان لیا تھا۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم بہت نازک ہو۔ وہ تمہارے بارے میں رنجیدہ تھا۔ جاتے وقت اس نے وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے ملنے پھر آئے گا۔ لیکن اس رات آتشزدگی کے باعث مجھے اس کی موت کی خبر ملی۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ مرچکا ہے؟"

"نہیں۔ ایسا ہوتا تو تعاقب ختم ہو جاتا۔ وہ اب بھی تمہارے پیچھے ہیں۔"

"تم نے سی آئی اے کے آپریشن کا ذکر کیا۔ کیا اس کا تعلق ایسے آدمی سے ہے جس کا نام ماکس ہے؟"

عورت کی آنکھوں میں مدھم حیرت ابھری۔ "میرے خیال میں اس نے تمہیں ماکس کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟"

"اس نے نہیں، ایوی نے بتایا تھا؟"

"آہ، تم ایوی تک پہنچ گئیں؟" عورت نے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ "مجھے امید ہے کہ تم حسد کا شکار نہیں ہوئی ہو گی۔ لعل ایوی، وہ چالیس سال کے قریب ہوگئی ہوگی۔ لیکن اب بھی اس کی خوب صورتی ماند نہیں پڑی ہوگی۔"

"کیا مطلب...... تم نہیں جانتیں؟" سارا نے حیرت ظاہر کی۔

"کیا نہیں جانتی؟"

"ایوی از ڈیڈ!"

عورت کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سفید پڑ گیا۔ "کیسے؟" اس نے سرگوشی کی۔

"اسے چھری سے تشدد کر کے مارا گیا۔"

عورت نے تیزی سے اطراف کا جائزہ لیا۔ "ہمارے پاس وقت کم ہے۔" اس نے سارا کا ہاتھ پکڑا۔ "وہ میرے پیچھے آرہے ہیں۔ غور سے سنو، اب ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔ جب تمہارا شوہر مجھ سے ملا تھا تو وہ موت سے پنجہ آزمائی کرنے جارہا تھا۔"

"ماکس؟"

"ہاں، پانچ سال قبل ہم تینوں کو ایک مشن سونپا گیا تھا۔ ٹارگٹ ماکس تھا۔ وہ کار خود ڈرائیو کرتا تھا۔ سائمن نے دھماکا خیز مواد کار میں پلانٹ کردیا تھا۔ اس روز وہ گھر پر رہا اور اس کی بیوی کار لے کر نکلی...... بعدازاں وہ دھماکے میں ماری گئی۔"

مزید سننے کی گنجائش نہیں تھی۔ سارا کو بہت سے سوالات کے جوابات مل گئے تھے۔ یہ "انتقام" کا کھیل تھا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" سارا نے سوال کیا۔

"تم سائمن کی بیوی ہو۔ وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔"

"کیا مجھے واشنگٹن جانا چاہیے؟"

"تم نہیں جاسکتیں۔ ابھی نہیں، شاید کبھی نہیں۔" عورت نے سیٹوئن کار کی طرف دیکھا۔

"لیکن میں ہمیشہ بھاگتے رہنا نہیں چاہتی۔ میں نہیں جانتی کہ اس طرح حالتِ فرار میں زندگی کیسے گزاری جاتی ہے۔ مجھے مدد درکار ہے۔ کیا تم بتاسکتی ہو کہ میں اسے کہاں تلاش کر سکتی ہوں؟"

عورت نے سارا کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے بچنے کے امکانات پر غور کیا۔ "اگر وہ اب تک زندہ ہے تو ایمسٹرڈیم میں ملے گا۔"

"وہاں کیوں؟"

"کیونکہ ماکس بھی وہیں ہے۔"

☆☆☆

فون کی گھنٹی متواتر بج رہی تھی۔ نک نروس ہو چلا۔ اس کی انگلیاں بوتھ کے ساتھ تھرک رہی تھیں۔

"امریکن کونسلیٹ۔" بالآخر آواز آئی۔

"مسٹر کوریگان؟" اس نے فی الفور کہا۔

"ایک منٹ پلیز۔" وقفہ آیا، پھر دوسری آواز ابھری۔ "مسٹر کوریگان بلڈنگ میں ہی ہیں۔ شاید لنچ پر...... میں چیک کرتا ہوں۔ پلیز ہولڈ کریں۔"

نک کو احتجاج کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مزید پانچ منٹ تک انتظار کرتا رہا...... وہ رابطہ منقطع کرنے ہی والا تھا کہ آواز آئی۔ "آئی ایم سوری، جواب نہیں آرہا لیکن وہ کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔ کیا آپ کوئی پیغام دیں گے؟"

"ہاں، کہنا کہ بارنس کا فون تھا۔ پاسپورٹ کی پرابلم ہے۔"

"آپ کا نمبر؟"

"اس کے پاس ہے۔" نک نے فون بند کر دیا۔ اس نے رابطے کے لیے جتنا وقت صرف کیا تھا وہ ضرورت سے زیادہ تھا۔ بوتھ کے قریب رک کر اپنے پے فون پر اس کی کال کا انتظار کرنا خطرناک تھا۔ آپریٹر کا آخری فقرہ بھی مشکوک تھا۔ نک کو 1:30 تک انتظار کرنا چاہیے تھا۔ معاً بوتھ پر دستک ہوئی۔ کوئی عورت تھی۔ نک نے اسے جگہ دی اور خود باہر آ گیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ عورت گھنٹوں بات کرتی رہے گی۔ نک نے وقت دیکھا۔ 1:25۔ نک نے اشارہ کیا لیکن اس نے پشت نک کی جانب کر لی۔ نک نے دل ہی دل میں اس کی شان میں گستاخی کی اور سڑک کا رخ کیا۔

سائیڈ واک کے کونے پر پیدل چلنے والوں میں سے ایک شخص برآمد ہوا جس کے بدن پر چارکول گرے سوٹ تھا۔ اس کا رخ نک کی جانب تھا۔ اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ دفعتاً نک نے خطرہ محسوس کیا لیکن دیر ہو گئی تھی۔ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا جس میں گن تھی۔ رخ نک کی جانب تھا۔ نک بھاگنے کے لیے دائیں جانب پلٹا۔ دو مزید پسٹل اس کی طرف اٹھ گئے۔ چند فٹ دور لیموزین جھٹکے سے رکی۔

☆☆☆

"سارا فونٹان کہاں ہے؟"

نک چرمی نشست پر سکون سے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں کا بھرپور تاثر کہہ رہا تھا۔ "جہنم میں جاؤ۔"

"مسٹر اوہارا، میرے صبر کا امتحان مت لو۔" وان ڈیم نے کہا۔ نک نے جواب میں شانے اچکائے۔

"اگر تمہیں اس کا اتنا ہی خیال ہے تو بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور جلدی کرو۔"

"مجھے اس کا خیال ہے اسی لیے کسی جواب کی توقع مت کرو۔"

"وہ ناتجربہ کار ہے۔ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں بچ سکتی۔"

"کیا کرو گے اس کا؟ ٹارگٹ پریکٹس؟"

"اوہارا! تم اس کی زندگی بچا سکتے ہو۔" وان ڈیم نے کہا۔ "مارگیٹ میں تمہارے پاس موقع تھا۔ تم نے کیا کر لیا...... اصل بات کیا ہے...... وہ بتاؤ؟"

"میں نہیں بتا سکتا۔"

"جیفری فونٹان چاہیے؟"

"نہیں۔"

"پھر سارا کو آزاد کیوں کرایا گیا...... پھر اس کا تعاقب کیا گیا۔ اس امید پر کہ وہ جیفری تک پہنچا دے گی۔"

پوٹر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر مارے۔ "لعنت ہے۔" وہ تڑخا۔ "اوہارا تم سمجھے ہی نہیں۔ جیفری ہمارے ساتھ ہے۔"

چونکا دینے والے انکشاف نے نک کو گنگ کر دیا۔ وہ پوٹر کو گھورتا رہا۔ "مطلب وہ سی آئی اے کے لیے کام کر رہا تھا؟"

"ہاں۔"

"پھر وہ کہاں ہے؟"

پوٹر نے سرد آہ بھری۔ وہ یکلخت تھکا ماندہ نظر آنے لگا۔

"ہی از ڈیڈ۔"

نک ایک بار پھر دنگ رہ گیا۔ تمام بھاگ دوڑ، تلاش بسیار، تعاقب...... خون خرابا...... یہ سب کیا تھا؟

"پھر...... پھر سارا کے پیچھے کون ہے؟" نک نے سرگوشی کی۔

اس مرتبہ وان ڈیم بولا۔ "مجھے یقین نہیں ہے، ہم......"

"ہمارے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔" پوٹر نے کہا۔ "بتانا پڑے گا۔"

وان ڈیم نے وقفہ دے کر سر ہلایا۔ پوٹر کھڑا ہو گیا۔ ٹہلتے ہوئے اس نے بولنا شروع کیا۔ "پانچ سال پہلے موساد کا ٹاپ ایجنٹ سائمن ڈانس تھا۔ اس کی ٹیم تین نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ، ایوی اور ہیلگا۔ انہیں ایک روٹین مشن سونپا گیا۔ جو محض اتفاق سے فیل ہو گیا۔ جس آدمی کو ختم کرنا تھا۔ وہ بچ گیا اور اس کی بیوی ماری گئی۔ جلد ہی معاہدہ ختم ہو گیا۔ موساد کے تینوں ایجنٹ خطرے میں تھے۔ سب سے زیادہ رقم سائمن کے سر کی تھی لیکن وہ تینوں غائب ہو گئے۔ ہیلگا، شاید اب بھی جرمنی میں ہے۔ سائمن اور ایوی کا پانچ سال تک سراغ نہ ملا۔ پھر تین ہفتے قبل ہمارا ایک ایجنٹ لندن میں اپنے پسندیدہ پب میں بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس کے کانوں میں ایک شناسا آواز آئی، جسے اس نے پہچان لیا۔ وہ سائمن کے ساتھ کچھ عرصے کام کر چکا تھا۔ اس طرح اس کی نئی شناخت...... یعنی جیفری فونٹان سامنے آئی۔"

"وہ سی آئی اے کے لیے کام کرنے پر کیونکر آمادہ ہوا؟"

"میں نے قائل کیا تھا۔"

"کیسے؟"

"معمول کا طریقہ کار...... پیسا، نئی زندگی۔ اُسے ان دونوں کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ ہاں یہ بات اس کے لیے اہم تھی کہ وہ آئندہ زندگی خوف کے بغیر گزارے۔ ماگس کو ختم

کرنا ناگزیر تھا۔ میں خود کئی سال کوشش کرتا رہا۔ میری کامیابی اتنی تھی کہ میں ایمسٹرڈیم تک پہنچ گیا۔ مجھے سائمن کی مدد درکار تھی اور کام آسان تر ہو جاتا۔ وہ رضامند ہو گیا۔ کہانی نک ہضم کر رہا تھا۔

"تم خود ناکام رہے تو "ہٹ مین" کا سہارا لیا۔"

"ہاں، یہی بہتر تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟ "ہٹ مین" نے نتائج کیوں نہیں دیے؟"

پوٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے نہیں معلوم...... غالباً وہ نروس ہو گیا تھا۔ کوئی پُراسرار وجہ تھی۔ اس نے واپس آ کر برلن کے پرانے ہوٹل میں قیام کیا اور اس رات آتش زدگی کی نذر ہو گیا۔"

"ہوٹل سے اُس کی باڈی ملی تھی؟"

"ہمیں دانتوں کا ریکارڈ نہیں ملا کہ ثابت کیا جا سکے۔ لیکن میرا قیاس ہے۔ برلن میں کسی اور کے غائب یا قتل کی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ کمرے سے گولیاں ملی تھیں۔ یہ کیسے ہوا؟ مرڈر یا خودکشی۔ سائمن بعدازاں کہیں نظر بھی نہیں آیا...... وہ ڈپریسڈ تھا، تھکا ہوا تھا۔"

نک نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ "اگر وہ اس ہوٹل میں مر گیا تھا تو پھر سارا کو کس نے کال کی تھی؟"

"میں نے...... ریکارڈنگ آف وائس...... ہم نے اسے اپنے ساتھ ملانے کے بعد اس کے ہوٹل روم میں ڈیوائس نصب کر دی تھی جو بعد میں مذکورہ پیغام پہنچانے کے کام آئی۔"

"یعنی تمہیں اس پر بھروسا نہیں تھا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ محض حفظِ ماتقدم کے طور پر۔"

کرسی کے ہتھوں پر نک کی گرفت سخت ہو گئی۔

"تم سارا کو ٹارگٹ کے طور پر لندن لانا چاہتے تھے؟"

"اوہارا، ٹارگٹ نہیں...... چارا۔ میں نے سنا تھا کہ ماگس نے سائمن کے سر کی قیمت قائم رکھی ہے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ سائمن جل کے مر چکا ہے۔ ہمیں یقین تھا کہ ماگس سارا پر نظر رکھے گا اور ہم سارا پر۔ لیکن تم اسے زیرِ زمین لے گئے۔"

"یو باسٹرڈ۔" نک کا ضبط جواب دے گیا۔ "سارا تمہارے لیے بکری تھی...... جسے شیر کے شکار کے لیے تم نے چارا بنایا۔"

"اوہارا معاملات اُلجھے ہوئے اور خطرناک تھے۔"

نک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "جہنم میں گئے تمہارے ایشوز۔"

وان ڈیم نشست پر کسمسایا۔ "اوہارا، پلیز بیٹھ جاؤ۔ صورتِ حال کو وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرو۔"

نک نے پوٹر کو دیکھا۔ "کیا منصوبہ ہے تمہارا۔ کیا ہم اسے ٹاؤن اسکوائر میں باندھ کر بڑا سا سائن بورڈ لگا دیں...... فیئر گیم۔"

"نہیں، آپریشن اِز اوور" پوٹر نے کہا۔ "وان ڈیم، سارا کو اندر لائے گا...... جلد یا بدیر ہر کوئی یقین کر لے گا کہ سائمن مر چکا ہے۔ وہ سارا کو بھول جائیں گے۔ ماگس کو ہم پھر کبھی دیکھیں گے۔"

"کوریگان کا کیا ہوگا؟ میں چاہتا ہوں کہ اسے نہ چھیڑا جائے۔"

"یہ کام پہلے ہی ہو چکا ہے۔"

نک آہستہ سے بیٹھ گیا۔ صرف ایک سوال رہتا تھا۔ کیا وہ ان لوگوں پر اعتبار کرے۔ اگر وہ نہیں کرتا تو کیا کرے؟ سارا باہر تنہا تھی۔ قاتل اُس کے پیچھے تھا۔ وہ اپنے طور پر بچ نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

"میں ایمسٹرڈیم میں اسے کہاں ڈھونڈوں گی؟" سارا نے کہا۔

"تم جانتی ہو کہ تم تلاش کے دوران سروائیو نہیں کر سکو گی۔"

سارا لرز اٹھی۔ اسے ابوی کا خیال آیا۔ "میں اب بھی بمشکل بچ پا رہی ہوں۔ کہاں اور کب خاتمہ ہوگا۔ کتنا کربناک ہوگا۔ وہ چھری استعمال کرتے ہیں۔"

عورت کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "چھری، برونی کا ٹریڈ مارک ہے۔"

"برونی؟"

"شیطان کا بیٹا۔ ماگس کا خاص آدمی۔" عورت نے اس کا حلیہ بتا کر سارا کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

"اس کا مطلب تم اُسے دیکھ چکی ہو۔ وہ تمہارے تعاقب میں ہے۔ ایمسٹرڈیم ہو یا برلن...... ہر جگہ۔"

"تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں؟"

عورت نے پھر امکانات کا جائزہ لیا۔ تمہاری جگہ ہوتی۔ تمہاری عمر کی ہوتی تو سائمن کو تلاش کرتی۔"

"پھر میری مدد کرو...... مجھے بتاؤ۔"

"تمہاری وجہ سے وہ مارا جا سکتا ہے۔"

"میں احتیاط کروں گی۔"

عورت نے غور سے سارا کو دیکھا۔ "کاساموروڈیں ایک کلب ہے۔ اسٹریٹ کا نام ہے اوڈی زس وور برگ وِل۔ کلب ایک عورت چلاتی ہے۔ اس کا نام کوری ہے۔ کسی وقت موساد سے اس کے تعلقات تھے۔ وہ تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

''اور اگر......''

''اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی کارڈ نہیں ہے۔''

''کچھ اور؟''

''نہیں، میں تمہیں تمہاری جگہ پر چھوڑ دیتی ہوں؟''

''ہاں۔'' سارا نے سوچا کہ اسے رقم کی ضرورت پڑے گی اور زیادہ کیش نک کے پاس ہوتا ہے۔ رات میں وہ والٹ نکال کر برلن چھوڑ دے گی۔

''جس پر تم بھروسا کرتی ہو۔ اس سے محتاط رہنا، کیا نام ہے اس کا؟''

''اوہارا، نک اوہارا۔''

''تنہا نکلنا، زیادہ محفوظ رہو گی۔''

''میں کس پر اعتماد کرسکتی ہوں؟''

''صرف سائمن پر۔''

وہ رہائش گاہ سے قریب تھے۔ سیڈان کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ ڈرائیور نے بڑبڑاتے ہوئے رفتار بڑھائی۔ عورت بھی اچانک جرمن میں چلائی۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔

''کیا ہوا؟'' سارا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''سڑک پر ہر طرف سی آئی اے ہے۔''

جہاں سارا اور نک قیام پذیر تھے، وہاں سڑک پر دو آدمی کھڑے تھے۔ ایک پوٹر تھا اور دوسرا نک۔ ایک لمحے کے لیے سارا اور نک کی آنکھیں چار ہوئیں۔ دونوں آدمی گاڑی کی طرف دوڑے۔ سارا صدمے سے بے حال ہوگئی۔ بالآخر نک کی حقیقت کھل گئی تھی۔ نک، سی آئی اے کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ سارا شاک کے عالم میں نشست پر ڈھیر ہوگئی۔ آخری مرتبہ اس نے نک کی آواز سنی۔ وہ اس کا نام لے کر چلا رہا تھا۔ سارا کے جسم سے کسی نادیدہ قوت نے توانائی نچوڑ لی۔ ماگس اس کے پیچھے تھا، سی آئی اے اس کے تعاقب میں۔

''ہم تمہیں ائرپورٹ چھوڑ دیتے ہیں۔'' عورت نے کہا۔ ''اگر تم بروقت جہاز پر سوار ہوگئیں تو یہاں سے نکل جاؤ گی۔''

''اپنا نام تو بتادو۔''

''اگر تم اپنے شوہر سے ملو تو کہنا کہ ہیلگا نے بھیجا ہے۔''

ٹیگال ائرپورٹ نظر آنے لگا تھا۔ وہ خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔ ہیلگا اُسے چھوڑ کر چلی گئی۔

سارا کے پاس کھانے کے لیے بھی پورے پیسے نہیں تھے۔ کریڈٹ کارڈ استعمال کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ بیس منٹ بعد جہاز ہوا میں تھا۔

☆☆☆

ہیلگا کی سیڈان ائرپورٹ سے جنوب کی طرف گوڈام کی جانب رواں تھی۔ برلن چھوڑنے سے قبل ہیلگا کو آخری کام کرنا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ رسکی ہے۔ لیکن یہ کام کرنا ہی تھا۔ سی آئی اے نے اس کی لائسنس پلیٹ دیکھ لی تھی۔ وہ اس کا پتا ٹریس کر سکتے تھے۔ موت کا ہرکارہ تیز رفتار تھا۔ ایوی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ ہیلگا کو کوری کو خبردار کرنا تھا کہ وہ سائمن کو ہوشیار کر دے۔

وہ آخری کام نمٹا کر فرینکفرٹ کی ٹرین پکڑتی۔ وہاں سے سوئٹزرلینڈ اور اٹلی یا مغرب میں اسپین۔ اصل مقصد برلن سے نکلنا تھا۔ اس سے پہلے کہ دوسری دنیا میں ایوی سے ملاقات ہوتی۔ لیکن جاسوس بھی جذباتی ہو جاتے ہیں۔ اسے اپنی چند اشیا سمیٹنی تھیں جو اسے بہت عزیز تھیں۔ دوسروں کے لیے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اپنی بہن کا فوٹو، والدین کی تصاویر، ماں کا سلور لاکٹ، چھ عدد محبت نامے، فرشتۂ اجل کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ بھی اسے روکنے میں ناکام تھی۔ ڈرائیور روبوٹ کے مانند اس کے احکامات پر عمل کر رہا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا رہا اور ہیلگا مکان کی طرف بھاگی۔ خوابگاہ کے خفیہ خانوں سے مذکورہ خزانہ سمیٹا اور بستہ نما بیگ میں رکھ لیا۔ بیگ کی مصنوعی تہ میں پسٹل موجود تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر سڑک پر گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ کھڑکی بند کر کے باہر آئی۔ رک کر سورج کی روشنی سے آنکھوں کو ہم آہنگ کیا اور یہی چند سیکنڈ اس کی زندگی کی ضمانت بن گئے۔ وہ پورچ میں تھی۔ سڑک پر کسی گاڑی کے پہیے چرچرائے...... فائرنگ کا انتظار کیے بغیر وہ ٹیولپ کے گملوں کے پیچھے گر گئی۔ اگلی ساعت میں گولیوں کے برسٹ نے سناٹے کو اُدھیڑ دیا۔ گاڑی چھلنی ہوگئی تھی۔ دوسرا برسٹ مکان کی کھڑکیوں سے ٹکرایا۔ وہ کروٹ لیتی ہوئی پھولوں کی کیاری کی طرف چلی گئی۔ سڑک کی جانب سے گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ قاتل کام مکمل کرنے آرہا تھا۔ ہیلگا نے بستے کا مصنوعی باٹم کھول کر پسٹل نکال لیا۔ قدموں کی آہٹ قریب آگئی تھی۔ وہ سیڑھیوں پر تھا۔ اس کے نزدیک ایک سیدھا فائر کافی، شاید اس نے ہیلگا کی جھلک دیکھ لی تھی۔ تاہم وہ عورت کی اہلیت اور اسلحے سے ناواقف تھا۔ ہیلگا نے فائر کیا۔ گولی قاتل کی دائیں آنکھ کے قریب گھس گئی۔ اس کے سر نے پیچھے کی جانب جھٹکا کھایا۔ دونوں کے حملے میں اتنا قلیل وقفہ تھا کہ وہ بھی فائر کر چکا تھا۔ تاہم ہیلگا ایک ساعت کی سبقت لے گئی۔ قاتل زمین بوس ہو چکا تھا۔ وہ ریلنگ سے ٹکرا کر الٹا اور سڑک پر جا گرا۔ ہیلگا نے اس کی حالت دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ قاتل فنا کی بھینٹ چڑھ چکا

ہے۔ اسے ڈرائیور کا خیال آیا۔ تاہم اس نے آنکھوں کو بھیگنے سے باز رکھا۔ قاتل کا ساتھی گاڑی میں ہی تھا۔ ہیلگا کے دوسرے فائر سے پہلے اس نے راہِ فرار اختیار کی۔

وہ بستہ لیے تیز قدمی سے سڑک پر چل رہی تھی۔ ایک بلاک دور جانے کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ ایک غلطی کر چکی تھی۔ قسمت ساتھ دے گئی۔ قسمت بار بار ساتھ نہیں دیتی۔ اسے جلد از جلد برلن سے نکلنا تھا۔

☆☆☆

خون ہی خون۔

نک، بڑھتے ہوئے ہجوم میں راستہ بناتا ہوا سیاہ سیٹوئن گاڑی کی طرف جارہا تھا۔ اس کے اطراف میں جرمن چیخیں بلند ہورہی تھیں۔ فٹ پاتھ کے قریب ایمبولینس کا عملہ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ جو طبی امداد سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

''پوٹر!'' نک چلایا مگر وہاں سائرن کے علاوہ اتنا شور شرابا تھا کہ اس کی چیخ شور میں جذب ہوگئی۔ خون سڑک پر پھیل رہا تھا۔ نک کے جسم و جان مفلوج تھے۔ اس کے قریب کوئی آدمی گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

''اوہارا!'' پوٹر کی آواز آئی۔ ''سارا نہیں ہے۔ یہ آدمی ہے۔ ڈرائیور بھی مر چکا ہے۔''

''وہ کہاں ہے؟'' نک پھر چیخا۔ پوٹر خاموش رہا۔

ٹاراسوف ان کی طرف آرہا تھا۔ نک بے بسی اور غصے کے عالم میں اٹھا اور سمت کے تعین کے بغیر ایک طرف چل پڑا۔ اسے پروا بھی نہ احساس تھا کہ وہ کدھر جارہا تھا۔ خون دیکھ کر اس کے حواس مختل ہو گئے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ سارا اپنے ہی خون میں ڈوبی سڑک پر کہیں پڑی ہے...... کچھ دور جانے کے بعد وہ ایک طرف بیٹھ گیا اور سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ کیا کرے؟ کرنے کو کچھ نہ تھا۔ اس کے پاس دو چتے بچے تھے۔ پوٹر اور سی آئی اے۔ پوٹر صحیح یا غلط کے چکر میں نہیں پڑتا تھا۔ اسے کام سرانجام دینے سے مطلب رہتا تھا۔ نک کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ وہ پوٹر سے مدد لے سکتا ہے۔ سارا کی زندگی خطرے میں تھی۔ نک کو پوٹر کی حکمتِ عملی سے زیادہ سارا عزیز تھی۔

''اوہارا؟'' پوٹر کی آواز آئی۔ ''اٹھو، کلیو مل گیا ہے۔''

''کیسے؟''

''اس نے کریڈٹ کارڈ استعمال کیا تھا...... کے ایل ایم ائرلائنز۔''

''پوٹر تم جہاز کو اتروا سکتے ہو۔''

''نہیں دیر ہوگئی ہے...... جہاز دس منٹ قبل ایمسٹرڈیم میں اتر چکا ہے۔''

☆☆☆

شام کا جھٹپٹا تھا۔ سارا، کاسامورو تک پہنچ گئی۔ کاسامورو جسم فروشی کا اڈا معلوم ہورہا تھا۔ آدھ گھنٹے تک سارا، کاسامورو میں مردوں کا آنا جانا دیکھتی رہی۔ بالآخر اس نے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ سٹنگ روم کی طرف چلی گئی۔ ڈیسک پر موجود عورت نے اس پر نظر ڈالی۔ ''تم امریکن ہو؟'' اس نے انگریزی میں سوال کیا۔

سارا نے جواب دینے سے پہلے اطراف کا جائزہ لیا پھر عورت کو دیکھا۔ ''مجھے ہیلگا نے بھیجا ہے۔''

عورت کا چہرہ قطعی سپاٹ تھا۔ کوئی ردِعمل نہ پا کر سارا نے کہا۔ ''مجھے سائمن سے ملنا ہے۔ وہ کہاں ہے؟''

عورت وقفے کے بعد بولی۔ ''شاید سائمن کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔''

''پلیز، یہ بہت اہم ہے۔'' سارا نے کہا۔

عورت نے شانے اچکائے۔

''کیا وہ شہر میں ہے؟''

''شاید۔''

''وہ مجھ سے ملے گا۔'' سارا نے اظہار کیا۔

''کیوں؟''

''میں اُس کی بیوی ہوں۔''

پہلی مرتبہ عورت کے تاثرات میں ارتعاش رونما ہوا۔ وہ نروس انداز میں ڈیسک پر پنسل کھٹکھٹانے لگی اور غور سے سارا کو دیکھا۔ ''اپنا شادی کا رنگ چھوڑ جاؤ...... آج آدھی رات کو آجانا۔ وہ ثبوت دیکھے بغیر نہیں آئے گا۔''

سارا نے رِنگ اتار کر اسے دے دیا۔

''رات میں یہ واپس مل جائے گا۔'' عورت نے کہا۔

سارا اٹھی تو عورت کی آواز آئی۔ ''میڈم کوئی ضمانت نہیں ہے۔''

سارا نے سر ہلایا۔ وہ سیکھ چکی تھی کہ کسی چیز کی ضمانت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ دل کی اگلی دھڑکن بھی مشکوک ہے۔

☆☆☆

سارا کے جانے کے بعد عورت جو خود کوری ہی تھی۔ باہر نکل کر ایک بلاک دور گئی اور پے فون سے نمبر ملایا۔ جواب فوراً ملا۔ کوری نے فون پر صورتِ حال گوش گزار کر دی۔

''وہ تنہا تھی؟''

''بظاہر۔''

''ہیلگا نے اوہارا نامی آدمی کا نام لیا تھا؟''

"وہ سی آئی اے سے لاتعلق ہے۔ لگتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر سارا میں دلچسپی رکھتا ہے۔" کوری خاموشی سے دوسری جانب سے ہدایات سن رہی تھی۔ پھر فون بند کر کے وہ کا سامورو واپس آ گئی۔ رِنگ، ونڈو میں اس نے ایسی جگہ رکھا جہاں وہ سڑک سے دیکھا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

کافی ہاؤس کی تلاش میں سارا کو ایک میل دور جانا پڑا۔ باہر دنیا اپنے انداز میں رواں دواں تھی۔ سارا کی کائنات چھوٹے سے کمرے میں سمٹ گئی تھی۔ حیرت انگیز طور پر وہ اب تک حرکت پذیر تھی۔ اس کے پاس تھوڑے پیسے تھے۔ وہ اکیلی تھی۔ وہ اگلے قدم کے بارے میں پُریقین نہیں تھی لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ اب تک بچتی آ رہی تھی۔ نک کی بے وفائی اُسے چاقو کے مانند کاٹ رہی تھی۔ شاید وہ گہرا زخم کبھی مندمل نہ ہو سکے۔ پھر بھی آگے بڑھنے کی ہمت اس میں باقی تھی۔ یہ تبدیلی ناقابلِ فہم تھی۔ تمام جھوٹے خوب صورت خواب پیچھے رہ گئے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی واضح ٹارگٹ تھا کہ اس منحوس خواب کا خاتمہ کیا جائے۔ چند گھنٹوں بعد وہ جیفری کے ساتھ ہوگی اور محفوظ ہو جائے گی۔ اگر وہ محبت نہیں کرتا تب بھی سارا کو یقین تھا کہ وہ اس کا خیال رکھے گا۔ یہ سارا کی آخری امید تھی۔

☆☆☆

"سارا کا کچھ پتا نہیں۔" پوٹر نے ایمسٹرڈم کے ہوٹل روم میں داخل ہوتے ہوئے نک کو مطلع کیا۔ اس نے ٹانگ کی مدد سے دروازہ بند کیا اور کافی کا کپ نک کو پکڑایا۔ خود وہ کرسی میں ڈھیر ہو کر آنکھیں مسلنے لگا۔ دونوں پژمردہ ہو رہے تھے۔

"تمہیں شاید ابھی تک ہم پر شک ہے؟"

"نہیں، میں ایسا کیوں سوچوں گا۔" نک نے کہا۔

"چند کلیو ہیں...... تم دلچسپی لوگے۔" پوٹر نے کہا۔ "ہلاک ہونے والا جرمن ڈرائیور تھا۔ کسی زمانے میں موساد کے ساتھ کام کرتا تھا۔ پڑوسیوں کی رائے ہے کہ وہ دونوں بہن بھائی تھے جبکہ ایسا نہیں ہے وہ دونوں سابقہ ایجنٹ تھے۔"

"ہیلگا۔" نک پُرسوچ انداز میں بڑبڑایا۔ "وہ بھی ایک لنک ہے اگر ہم اُس تک پہنچ گئے۔"

"کوئی چانس نہیں ہے۔" پوٹر نے کہا۔ "اس کی کتاب میں ہر ٹرک موجود ہے۔"

"ہٹ مین کون ہے؟"

"ڈچ...... لمحے کے فرق سے مارا گیا۔ ہیلگا کی پھرتی...... واؤ! کیا شاٹ تھا۔" پوٹر نے ہیلگا کے نشانے پر تبصرہ کیا۔

"مقتول کا کوئی ریکارڈ؟"

"نہیں۔ وہ سیلز ریپ تھا اور عموماً حالتِ سفر میں رہتا تھا لیکن ایک غلطی ہو گئی۔ دو دن قبل مقتول کے اکاؤنٹ میں فنڈز منتقل کیے گئے تھے۔ بھاری رقم۔ ہم نے ٹریس کیا تھا۔ فنڈ ٹرانسفر کرنے والی کمپنی کا نام ایف۔ برک مین ہے۔ کمپنی ایمسٹرڈم میں ہے۔ وہ کافی کی درآمد برآمد کرتے ہیں۔ ان کا کاروبار دس سال پرانا ہے اور دفاتر بارہ ممالک میں بکھرے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے حیرت انگیز طور پر ان کے منافع کی شرح بلند نہیں ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔"

"برک مین کون ہے؟"

"کوئی نہیں جانتا...... کمپنی کو بورڈ آف ڈائریکٹرز چلاتے ہیں۔ کسی نے بھی برک مین کو نہیں دیکھا۔"

نک، پوٹر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ بیک وقت دونوں کے ذہن میں ایک نام آیا۔ "ماکس۔" نک نے آہستہ سے کہا۔

"اور سارا اس کے علاقے میں ہے۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو دم دبا کر مخالف سمت میں بھاگتا۔" پوٹر نے کہا۔

"وہ اسمارٹ ہے...... لیکن اجنبی جگہ پر دشمن کے علاقے میں تنہا ہے۔"

"تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

"ہاں۔"

"لیکن لورین......؟"

"وہ بہت بڑی غلطی تھی۔" نک نے کہا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ شاید میرے لیے ہے۔ پوٹر فون کی طرف گیا۔ لیکن نک نے پہلے ریسیور اٹھا لیا۔ ایک ساعت کے لیے دوسری جانب سکوت طاری رہا پھر کسی آدمی کی آواز آئی۔ "مسٹر اوہارا؟"

"یس۔"

"تم اس سے آدھی رات کو کا سامورو میں مل سکتے ہو۔ اکیلے آنا۔"

"کون ہے؟"

"اسے ایمسٹرڈم سے نکال لے جاؤ۔ مجھے تم پر بھروسا ہے۔"

"سنو......" رابطہ منقطع ہو گیا۔ نک نے ریسیور پٹخا اور دروازے کی طرف بھاگا۔

"کیا ہوا؟ کہاں جا رہے ہو؟"

"کا سامورو۔ سارا وہاں پر ہے۔"

"رکو میں وان ڈیم کو فون کرتا ہوں۔ ہمیں بیک اپ کی

www.urdusoftbooks.com

ضرورت ہے۔“

”مجھے اکیلے جانا ہے۔“

”اوہارا!“

لیکن نک نکل چکا تھا۔

☆☆☆

نک کو گئے ہوئے پانچ منٹ ہوئے تھے۔ جب بوڑھے آدمی نے فون وصول کیا۔ ”وہ کاسامورو میں ہے۔“ انفارمر نے اطلاع دی۔

”کیسے معلوم ہوا؟“

”اوہارا کے پاس کسی کی کال آئی تھی۔ سی آئی اے اوہارا کے پیچھے گئی ہے۔ تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”میں برونی کو روانہ کرتا ہوں۔“

”اوہارا راستے میں ہے۔“

”برونی کے لیے وہ بچہ ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

☆☆☆

وان ڈیم اپنے بستر میں تھا۔ کچھ دیر بعد کاسامورو میں ہنگامہ برپا ہونے والا تھا۔ وہ اس بارے میں سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ سی آئی اے میں سروس کے دوران میں وہ ہمیشہ فائرنگ اور تشدد سے دور رہا تھا۔ خون سے وہ بدکتا تھا۔ اس نے حقیقتاً اس دوران کسی کو ہلاک نہیں کیا تھا۔ اگر ایسا کرنا ناگزیر ہوجاتا تو وہ کسی اور کو استعمال کرتا تھا۔ اس کی بیوی کلاڈیا کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ کلاڈیا کو گولی ماری گئی تو وہ ایک براعظم کے فاصلے پر تھا۔ خبر سن کر وہ واپس پہنچا تو آزاد اور مال دار ہوچکا تھا۔ لیکن ایک ماہ بعد اسے خط موصول ہوا۔ ایک سطر کا خط۔ ”وائی کنگ نے مجھ سے بات کی تھی۔“ وائی کنگ اس شخص کا کوڈ نیم تھا جس نے کلاڈیا پر گولی چلائی تھی۔ وان ڈیم خوف سے مفلوج ہوگیا۔ اس نے فرار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ تاہم اسے یقین تھا کہ یہ کوئی مستقل حل نہیں ہے۔ پھر ایک دن بوڑھے آدمی نے اس سے رابطہ کیا۔ وان ڈیم ڈیل پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے بوڑھے کی مطلوبہ اطلاعات اسے فراہم کر دیں۔ احساسِ جرم نے کچوکا لگایا۔ لیکن وہ مجبور تھا۔ بوڑھا کاروباری آدمی تھا۔ وہ سیاست سے لاتعلق تھا۔ وان ڈیم نے خطرہ محسوس نہیں کیا۔ جب مطالبات میں اضافہ ہونے لگا تو وان ڈیم سوچنے پر مجبور ہوگیا بوڑھا کوئی جادوگر تھا۔ وان ڈیم بُری طرح اس کے جال میں پھنس چکا تھا۔ وان ڈیم کے صیاد کا کوئی چہرہ نہیں تھا، کوئی نام نہیں تھا۔

☆☆☆

”وہ کہاں ہے؟“ سارا نے سوال کیا۔

”اسے ثبوت چاہیے۔“ کوری نے جواب دیا۔

”کیا اس نے شادی کا رنگ نہیں دیکھا؟“

”اب وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے...... محفوظ فاصلے سے۔ سیڑھیوں سے اوپر جاؤ۔ وہاں سے دائیں ہاتھ پر دوسرا کمرا۔ کلوزٹ میں سبز ساٹن کا لباس لے لو۔“ اس نے کہا۔

سارا سوال کرنا چاہتی تھی۔ تاہم اس نے خاموشی سے ہدایت پر عمل کیا۔ ”چشمہ اتار دو۔“ کوری نے کہا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم بیٹھ سکتی ہو لیکن چہرہ سڑک کی طرف رکھنا۔“ باہر سے مردوں کے اشارے اور قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔

کہاں ہے وہ؟ اتنا وقت کیوں لے رہا ہے؟

دفعتاً کسی نے اس کا نام لیا۔ اس نے آواز کی سمت دیکھا۔ اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ وہ بے اختیار اٹھ کر بھاگی اور اس کمرے میں گئی جہاں لباس بدلا تھا۔ وہ نک سے خوف زدہ تھی۔ اسے خود کو کمرے میں بند کر لینا چاہیے...... نک کب' کہاں سے آیا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ پھنس گئی تھی۔ جدوجہد بے معنی تھی۔ اس کا جسم بُری طرح لرز رہا تھا۔ وہ چلائی۔ ”دفع ہوجاؤ۔“

”سارا میری بات سنو......“

”میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔“

نک نے اس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں۔ ”میری بات سنو۔“

”تم نے مجھے استعمال کیا۔ دھوکا دیا؟“ وہ چلائی۔

”دھوکا تمہیں ہوا ہے...... میں وہی ہوں، جو تھا۔“

”میں اب بھی نفرت کرتی ہوں۔“

”اور میں اب بھی محبت کرتا ہوں۔“

”جھوٹ مت بولو...... تم سی آئی اے کے ساتھ تھے۔“

”نہیں، سارا کھیل ختم ہوگیا۔ تمہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں۔“

”نہیں، جب تک میں اُسے ڈھونڈ نہیں لیتی۔“

”تم نہیں ڈھونڈ سکتیں۔“

”کیا مطلب؟“

”آئی ایم سوری، سارا...... وہ زندہ نہیں ہے۔“

”اس نے واشنگٹن میں مجھے کال کی تھی۔“

”وہ سی آئی اے کی ٹرک تھی۔“

”پھر اُس کے ساتھ کیا ہوا؟“

”برلن کے ہوٹل کی آگ اور گولیاں......“

سارا نے آنکھیں بند کر لیں۔ کرب و اذیت نے سوچنے

سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی۔ ’’میں نہیں سمجھی؟‘‘

’’سی آئی اے نے تمہیں چارے کے طور پر استعمال کیا کیونکہ انہیں ماگس کی ضرورت تھی۔‘‘

’’اور اب؟‘‘

’’آپریشن کلوزڈ۔ ہم گھر جا سکتے ہیں۔ سائمن کو ملا کر.. سی آئی اے نے ماگس کے خلاف آپریشن کیا تھا جو فیل ہو گیا۔ سائمن کے بغیر وہ ماگس تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا کھیل ختم۔‘‘

’’وہ ہٹ میں؟‘‘

’’سائمن کی موجودگی تک ہٹ میں بروتی کی ضرورت تھی۔ اب نہیں۔‘‘

’’نک تم سچ کہہ رہے ہو؟‘‘

’’اگر سی آئی اے نے سچ بولا ہے تو یہی حقیقت ہے۔ اگرچہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ سی آئی اے ماگس کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی تھی؟‘‘ نک نے کہا۔ ’’چلو اٹھو۔‘‘

سارا، اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی...... ہال...... سیڑھیاں، باہر ٹھنڈ تھی۔ دفعتاً نک اپنی جگہ پر جم کے رہ گیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر خون ہی خون تھا۔ سارا کچھ نہ سمجھی۔ اس نے نک کی نظروں کا تعاقب کیا...... کوری خون میں لت پت پڑی تھی۔

☆☆☆

ایک سایہ سٹنگ روم میں تھا، نظر سے اوجھل...... رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ فرار کا راستہ بند تھا۔ ان دونوں کو واپس ہال کی طرف جانا تھا۔ نک، سارا کا ہاتھ پکڑ کر پلٹا۔ سٹنگ روم سے کسی عورت کی چیخ بلند ہوئی۔ سائلنسر لگے پسٹل سے دو فائر ہوئے۔ قاتل سیڑھیوں پر آتا تو سارا اور نک پر نظر پڑتی۔

دونوں سیڑھیوں کے ذریعے کمرے کے بالا خانے میں گھس گئے۔ نک نے آہستہ سے دروازہ بند کیا لیکن لاک ندارد تھا۔ انہوں نے روشنی بند رہنے دی۔ چھوٹی سی کھڑکی سے روشنی کی کرن اندر آرہی تھی۔ نک سارا کو بانہوں میں لے کر ایک ٹرنک کے عقب میں چلا گیا۔ قاتل آرہا تھا۔ پلیز گاڈ...... پلیز...... سارا نے دعا کی۔ نک نے سارا کو فرش پر لٹا دیا۔

’’کہاں جا رہے ہو؟‘‘

’’وقت نہیں ہے، کچھ کرنا ہوگا۔‘‘ وہ بولا اور سارا کے ردعمل سے پہلے ہی تاریکی میں رینگ گیا۔ قاتل کے قدموں کی آہٹ قریب تھی۔ سارا نے سانس تک روک لی۔ اس نے کسی ہتھیار کے لیے بے سود نظر دوڑائی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ اس وقت ہاتھا پائی کی آواز بلند ہوئی۔ سارا اچھل کر کھڑی ہوئی۔ نک قاتل کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ وہ دونوں فرش پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ نک نے دو تین گھونسے آزمائے۔ تاہم وہ قاتل کے مانند لڑاکا نہیں تھا۔ قاتل نے خود کو چھڑایا اور نک کے پیٹ میں زوردار پنچ رسید کیا۔ نک کراہ کر دوہرا ہو گیا۔ قاتل نے فرش پر پڑی گن کی طرف جست لگائی۔ ضرب کی شدت سے نک کی حرکات دھیمی پڑ گئی تھیں۔ قاتل کی انگلیاں گن کو چھو رہی تھیں۔ نک نے توانائی مجتمع کر کے جست لگائی۔ تاہم بروقت قاتل تک نہیں پہنچ سکا۔ جس نے گن اٹھا کر رخ نک کی جانب کر دیا تھا۔ موت چند انچ کے فاصلے پر تھی۔ سارا ٹرنک کے پیچھے سے باہر آگئی۔ سکتہ ٹوٹ گیا۔ اسے زنگ آلود پانہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس نے حتی الامکان پھرتی سے پانے کی چوٹ گن والے ہاتھ پر لگائی۔ گن ایک بار پھر قاتل کے ہاتھ سے نکل گئی۔ وہ بوکھلا گیا تھا۔ اس کے خیال میں نک اکیلا تھا۔ نک نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر گھونسا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف گرا۔ اس کا سر میز کے کونے سے ٹکرایا تھا پھر اس نے حرکت نہیں کی۔ ’’نکلو۔‘‘ دونوں ہانپ رہے تھے۔

باہر فوارے کی آڑ میں جو آدمی گھات لگائے ہوئے تھا، اسے دیکھنے میں بہت دیر ہو گئی۔ نک پیچھے تھا۔ نامعلوم آدمی سانپ کے مانند حرکت کر رہا تھا۔ اس کا گن والا ہاتھ سارا کی طرف نہیں تھا۔ وہ عقب میں نک کا نشانہ لے رہا تھا۔ فائر ہوا۔ بظاہر گولی نک کے سینے میں لگی اور شرٹ سرخ رنگ میں بھیگنے لگی۔ سارا حلق کے بل چیخی اور نک کی طرف بھاگی۔ لیکن قاتل نے اسے جکڑ کر قریب کھڑی گاڑی میں پھینک دیا۔ گن کا رخ سارا کے سر کی جانب تھا۔ اس وقت اس نے قاتل کا چہرہ دیکھا۔ موت کا چہرہ...... وہ بروتی تھا...... جہنمی بلا۔

☆☆☆

وان ڈیم فون کے قریب بیٹھا تھا، جب ٹارا سوف نے اسے خونی ڈرامے کی تفصیل بتائی...... او ہارا ایمرجنسی روم میں ہے۔ سارا کا کچھ نہیں پتا۔ خبر نے وان ڈیم کو ہلا کر رکھ دیا۔ کال کے بعد وہ اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ یہ نیا کلیو تھا۔ برک مین نے پیشہ ور قاتل ہائر کیے تھے۔ پوٹر خون کی بو سونگھ رہا تھا۔ اس کا نک نیم بلڈ ہاؤنڈ تھا اور وہ کتے ہی کی طرح پیچھا کرتا تھا۔ کسی طرح پوٹر کو غلط رستے پر ڈالنا ضروری تھا۔ بوڑھا قابو آگیا تو وان ڈیم کا بچنا ناممکن تھا۔

واقعات تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ بُرے وقت کے لیے اس نے ایک کارڈ تیار رکھا تھا۔ وہ کارڈ تھا۔ ریتھیئن ایمبیسی۔ کوئی بچت نہیں تھی۔ کارڈ استعمال کرنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ خیالات میں غرق تھا کہ ہال میں قدموں کی آہٹ بھی محسوس نہ کر سکا...... اچانک دستک نے

اُسے چونکا دیا۔
"یس؟"
"کرنٹ رپورٹ، سر......"
وان ڈیم نے سکون کا سانس لیا۔ "تاراسوف نے مجھے کال کی تھی۔ اگر کچھ نیا ہے......؟"
"یس سر۔"
"ٹھیک ہے...... آجاؤ۔" وان ڈیم دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھلتے ہی اُس کے چہرے سے ٹکرایا۔ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اس نے آنے والے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ مکمل سیاہ لباس میں ملفوف تھا۔ ایک مردہ آدمی۔ وان ڈیم کی نگاہ اس کے ہاتھ میں تھمی گن پر گئی۔ "کیوں؟" اس نے چیخنا چاہا۔ وان ڈیم کی تمام کائنات سکڑ کر گن کے دہانے تک محدود ہوگئی۔

"یہ ایوی کے لیے ہے۔" سیاہ پوش نے کہا اور تین مرتبہ ٹریگر دبایا۔ تین گولیاں وان ڈیم کے سینے میں روپوش ہوگئیں۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ چیخ، غرغراہٹ میں بدل گئی۔

☆☆☆

سارا گھٹنے جوڑے چوبی فرش پر بیٹھی تھی۔ کمرے میں ٹھنڈک اور تاریکی تھی۔ چھوٹی سی کھڑکی کافی بلند تھی جہاں سے مدھم روشنی آرہی تھی۔ وہ چاند کی روشنی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ تین یا چار بج رہے تھے۔ دہشت نے اُسے لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو نک کا حیرت زدہ چہرہ ابھر آیا۔ جہاں تاثرات میں اذیت تھی۔ پھر خون...... سارا کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ دعا کررہی تھی کہ نک زندہ رہے۔ اگر وہ زندہ بھی ہوا تو دونوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے تھے...... کیا وہ یہاں مرنے کے لیے چھوڑ دی گئی ہے؟ اس احساس کے ساتھ ہی اسے سکون مل گیا۔ امید، جدوجہد کا امکان نابود ہوگیا۔ ہفتوں کی دہشت کے بعد موت نے سامنے آکر اسے پُرسکون اور بے پروا کردیا تھا۔

خوف و ہراس کی کیفیت ختم ہوئی تو وہ نارمل ہوگئی۔ کھونے کے لیے کچھ نہیں تھا، پھر ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس طرح وہ لیب میں کام کرتی تھی۔ اسی طرح اس نے اطمینان سے صورتِ حال کا تجزیہ کیا۔ اسے امید کی کرن دکھائی نہیں دی۔ عمارت کے چوتھے فلور پر اسے ایک بڑے اسٹور روم میں رکھا گیا تھا۔ باہر نکلنے کے لیے دروازہ ہی استعمال کیا جاسکتا تھا لیکن کیسے...... کھڑکی بہت بلند اور چھوٹی تھی۔ وہ دراصل روشن دان تھا۔

سارا کو کافی کی خوشبو آئی۔ گراؤنڈ فلور پر اس نے اُوونز دیکھے تھے، لوڈنگ پلیٹ فارم اور کینوس کے بیگ...... جن پر ایف برک مین، کوفی، ہیلا بونن کی مہر تھی۔ گویا یہ رہائشی عمارت نہیں تھی۔ اگر وہ شور مچائے تو کوئی سن سکتا تھا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ اتوار کی صبح تھی۔ کسی کارکن کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ سوائے برونی شیطان کے۔

سیڑھیوں کی چرچراہٹ نے بتایا کہ کوئی اوپر آرہا ہے...... دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک برونی تھا اور دوسرے کا چہرہ بدروح کے مانند ہولناک تھا۔ اسے چہرہ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آنکھیں پلکوں سے بے نیاز تھیں۔ زرد اور سرد گویا وہاں دو چھوٹے پتھر رکھے ہوں۔ چہرے کی جلد جھلسی ہوئی تھی۔ نچلا ہونٹ غائب تھا۔ اس کے بولنے سے پہلے سارا سمجھ گئی کہ وہ ماگس کے مدِمقابل ہے۔

"مسٹر سائمن ڈانس۔" اس کی آواز بھی سرگوشی نما تھی۔ غالباً آگ نے صوتی نسوں کو متاثر کیا تھا۔ "کھڑی ہوجاؤ۔"
"میں کچھ نہیں جانتی۔"
"تم نے واشنگٹن کیوں چھوڑا تھا؟"
"وہ سی آئی اے کی ٹرک تھی۔"
"تم کس کے لیے کام کرتی ہو؟"
"کسی کے لیے بھی نہیں۔"
"پھر ایمسٹرڈم کیوں آئیں؟"
"جیفری، میرا مطلب سائمن کی تلاش میں...... پلیز مجھے جانے دو۔"

ماگس نے برونی کو دیکھا۔ "یہ عورت، بے عقل مخلوق تک پہنچنے میں تم نے دو ہفتے لگادیے۔" ماگس نے ناگواری سے کہا۔

برونی کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ "اسے مدد حاصل تھی اور اس نے ایوی کو خود ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنی نظر آتی ہے۔"

"تمہارا شوہر کہاں ہے؟" ماگس پھر سارا کی طرف متوجہ ہوا۔
"مجھے نہیں معلوم۔"
"تم ایوی اور ہیلگا تک پہنچ گئیں لیکن شوہر کے بارے میں نہیں جانتیں۔"
سارا کا سر جھک گیا۔ "وہ زندہ نہیں ہے۔" سارا نے سرگوشی کی۔
"کس نے بتایا؟"
"سی آئی اے۔"

"تم نے یقین کرلیا؟"

اُس کے لہجے نے سارا کو چکرا دیا۔ کیا سی آئی اے نے نک سے جھوٹ بولا تھا۔ سارا کی زندگی ماکس کے نزدیک ایک معمولی کیڑے سے زیادہ نہیں تھی۔ جسے وہ بہ آسانی بے رحمی سے ایڑی کے نیچے مسل سکتا تھا۔ سارا کے بدن میں غصے کی لہر اُٹھی۔ اگر مرنا ہی ہے تو وہ شان سے مرے گی۔

"اگر میرا شوہر سامنے آیا" وہ بولی۔ "تو وہ تمہیں تمہارے اصل ٹھکانے جہنم تک پہنچا دے گا۔"

زرد آنکھوں میں اشتعال کے بجائے مدھم تعجب کا عنصر ابھرا۔ "تمہارے شوہر کے ساتھ جہنم کے شعلوں میں مزہ آئے گا۔ میں جانتا ہوں آگ کیا ہوتی ہے، وہ نہیں جانتا۔"

"میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"تمہارے شوہر کا تعلق ہے۔" ماکس نے کہا۔

"وہ مر چکا ہے۔ مجھے مارنے سے اُسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میں مرے ہوئے کو نہیں مارتا...... زندوں کو مارتا ہوں۔ سائمن زندہ ہے۔"

"اگر وہ زندہ ہے تو تم خود کو مردہ سمجھو۔" سارا کا خوف رخصت ہو چکا تھا۔

ماکس نے برونی کی طرف دیکھا۔ "اسے محفوظ مقام پر لے جاؤ۔ اگر سائمن دو دن تک نہ آئے تو اِسے ختم کر دینا لیکن دھیرے دھیرے۔"

برونی مسکرایا۔ سارا بے اختیار لرز اٹھی۔

اسی وقت عمارت میں کہیں الارم چیخنے لگا۔ کمرے کے دروازے کی پیشانی پر سرخ بتی آنکھ مار رہی تھی۔

"کوئی عمارت میں ہے۔" برونی نے کہا۔

"سائمن ہے۔" ماکس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ برونی گن نکال کر کمرے سے نکل گیا۔ ماکس بھی اس کے پیچھے تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔

دروازے کی پیشانی پر سرخ آنکھ تنویمی تاثر پیدا کر رہی تھی۔ سرخ...... خون کا رنگ، خوف کا رنگ...... تم مرنے جا رہی ہو...... دو دن باقی ہیں۔ چند لمحے پہلے وہ اپنا انجام قبول کر چکی تھی لیکن اب وہ جینا چاہتی تھی۔ اس کی برین کیمسٹری بدل گئی۔ سوال پھر اٹھا۔ کیا سائمن زندہ ہے؟ دروازے کے ساتھ زور آزمائی بے کار ثابت ہوئی۔ دل کی دھڑکن کے ساتھ سرخ بتی کے جلنے بجھنے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اس نے پشت دروازے سے لگائی اور کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ دونوں عجلت میں بتیاں روشن چھوڑ گئے تھے۔ اس نے اسٹور کے کاٹھ کباڑ کا جائزہ لیا۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی۔ اس کی نظر کرسیوں پر گئی۔ کرسیاں یہاں خاصی وزنی تھیں۔ اس نے ایک کرسی اٹھا کر دیکھی۔ اسے نیچے رکھا۔ کرسی پر چڑھ کر اس نے سینڈل اتاری اور روشنی اُڑا دی۔ کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ یہ کام سوئچ سے بھی لے سکتی تھی لیکن اگر وہاں کوئی آتا تو اسے موقع ملنا ضروری نہیں تھا۔ کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ کرسی اٹھا کر وہ اندازے سے دروازے کے قریب آ گئی...... اچانک باہر سے دھماکے اور چیخوں کی آواز آئی۔ پھر مزید گن فائر۔ دھما چوکڑی اور ہنگامے میں سارا نے ادراک کیا کہ فرار ہونے میں آسانی پیدا ہو گی۔ کوئی سیڑھیوں کے ذریعے اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ سارا نے مضبوطی سے کرسی تھام لی۔ دروازہ کھلا اور ایک سایہ اندھا دھند اندر گھس آیا۔ سارا نے اندازے سے کرسی گھما کر اس کے سر پر ماری...... اندھیرے میں وہ منہ کے بل گرا۔ سارا نے دوسری ضرب لگائی۔ آنے والے نے ہلنا جلنا بند کر دیا تھا۔ سارا نے کرسی چھوڑ دی۔ کیا وہ قتل کر چکی ہے۔ اندھیرے میں جائزہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بھاگنا پہلی ترجیح تھی۔ وہ کمرے سے نکلی اور دروازہ بولٹ کر دیا۔

اسے عمارت سے باہر نکلنا تھا۔ تمام عضلات، اعصاب، جبلت فرار پر مرکوز تھے۔ اس نے سیڑھیاں پھلانگنی شروع کیں۔ معاً نیچے سے آنے والی آوازوں نے اسے منجمد کر دیا۔ اس نے برونی کی آواز پہچان لی۔ وہ جانور کے مانند جبلت کے مطابق حرکت کر رہی تھی۔ دائیں جانب کمرے میں جا گھسی اور دروازہ بند کر لیا۔ دروازہ گزشتہ کمرے کے مانند مضبوط نہیں تھا۔ اسٹور روم بند گلی کے مانند تھا۔ تاہم یہاں صورتِ حال مختلف تھی۔ کمرے میں ڈیسک کے اوپر ایک کھڑکی تھی۔ سارا فی الفور ڈیسک پر چڑھ گئی اور کھڑکی سے جھانکا۔ باہر دھند اور تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس نے پٹ کھولنا چاہا لیکن ناکام رہی۔ کھڑکی شاید سیکیورٹی کی وجہ سے لاک تھی۔ سارا نے سوچا، اسے شیشہ توڑنا پڑے گا۔ اس نے پٹ کا سہارا لے کر شیشے پر لات ماری۔ ایک...... دو...... تین...... چوتھی کوشش میں شیشہ ٹوٹ کے بکھر گیا۔ سرد ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے کھڑکی سے سر نکالا۔ چند فٹ نیچے ترچھی ٹائلڈ چھت تھی جس

کی حد اندھیرے میں اوجھل ہوگئی تھی۔ ایک بڑا سوالیہ نشان تھا۔ یا تو وہ سیدھی تین منزل سے سڑک پر جا کر گرتی۔ یا پھر ڈھلوان .... متصل چھت سے مل جاتی۔ ایسٹر ڈیم کے پرانے علاقوں میں اس قسم کی تعمیرات سارا دیکھ چکی تھی۔ معلوم کرنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ کھڑکی سے نکل کر کود جائے۔ ٹائلز پر پھسلن تھی۔ بہتر تھا کہ وہ ننگے پیر رہے۔ اس نے جوتے اتار دیے۔ اس وقت اسے احساس ہوا کہ پیر خون آلود ہے۔ نئی آوازوں نے خون پر سے اس کی توجہ ہٹا دی۔ برونی کمرے کے دروازے کو پیٹ رہا تھا۔ دوسری طرف اگر اسٹور روم والا آدمی مرا نہیں تھا تو ہوش میں آ کر شور مچانا شروع کر دیتا۔ وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

سارا کھڑکی سے نکل گئی اور پیر منڈیر پر لٹکائے۔ دروازے کی دھڑدھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ٹوٹنے والا ہے آگے کنواں، پیچھے کھائی۔ سڑک پر گرتی تو فوراً مرتی۔ برونی کے ہاتھوں ایوی جیسا حشر ہونا تھا۔ دروازہ ٹوٹ گیا اور برونی کی دہاڑ سنائی دی۔

سارا آنکھیں بند کر کے کود گئی۔ دماغ مفلوج ہو گیا تھا۔ وہ دوسری چھت پر چند فٹ نیچے گری اور گیلی ٹائلوں پر پھسلنے لگی۔ وہ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھسلتی جا رہی تھی۔ خود کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ دو بائی دو کا چھت کا سلاخوں دار گٹر انتہائی سرے پر تھا۔ اتفاقاً سارا اس پر سے ہوتی گئی اور اس کی سن انگلیوں نے سلاخوں کو تھام لیا۔ باقی دھڑ نیچے لٹک رہا تھا۔ گیلی سلاخیں، سن انگلیاں اور تھکن...... اس کی گرفت کمزور ہونے لگی...... اور کمزور۔ انگلیوں کی گرفت ختم ہوئی اور وہ اتھاہ تاریکی میں گم ہوگئی۔

☆☆☆

''یہ گوشت کا زخم ہے، چند روز لگیں گے...... اوہارا آرام کرو۔'' نک نے پوٹر کے مشورے کو نظرانداز کیا، کھڑا ہو گیا اور کلوزٹ کھول کے دیکھا۔

''تمہارا کافی خون ضائع ہو گیا ہے۔'' پوٹر نے کہا۔

''میری شرٹ کہاں ہے؟''

''ظاہر ہے خون آلود شرٹ کچرے میں ہے۔'' پوٹر نے جواب دیا۔

نک نے بائیں شولڈر پر بینڈیج دیکھی۔ ایمرجنسی روم میں جو ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا، اس کے اثرات کم ہو رہے تھے۔ تاہم وہ یہاں نہیں رک سکتا تھا۔ پہلے قیمتی گھنٹے ضائع ہو گئے تھے۔

''تم آرام کرو، مجھے سنبھالنے دو۔'' پوٹر نے کہا۔

''آخر تم اس حالت میں کیا کرو گے؟''

نک کا غصہ غم میں بدل گیا...... اس نے دیوار پر گھونسا مارا۔ ''پوٹر وہ میرے ساتھ ہے...... میری بانہوں میں ہے۔''

''ہم برک مین کمپنی کو ٹریک کر رہے ہیں۔''

''تلاشی لی؟''

''وان ڈیم کے سگنل کا انتظار ہے۔''

''میں انتظار نہیں کر سکتا۔''

''کہاں جا رہے ہو؟ وہ بھی بیک اپ کے بغیر۔''

''قمیص اور گن ادھار دو مجھے۔'' نک نے کہا۔

دونوں ایلیویٹر کے قریب تھے۔ وہاں ثاراسوف برآمد ہوا۔

''سر۔'' وہ بولا۔ ''نئی اطلاع ہے۔''

''اب کیا ہوا؟''

''برک مین بلڈنگ میں فائرنگ ہوئی ہے۔'' نک اور پوٹر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''مائی گاڈ...... سارا......''

''وان ڈیم کہاں ہے؟'' پوٹر نے سوال کیا۔

''نہیں معلوم، اس کے نمبر سے جواب نہیں آ رہا۔''

''او کے، موو ناؤ...... اوہارا مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہیں ناپسند کرنے کے باوجود تمہارے لیے اپنا کیریئر کیوں داؤ پر لگا رہا ہوں۔ لیکن تم صحیح کہہ رہے ہو۔ یہ حرکت کا وقت ہے۔ ہم وان ڈیم کا انتظار نہیں کر سکتے۔'' پوٹر نے کہا۔ ''یہ آف دی ریکارڈ ہے۔'' اس نے تیز نظروں سے ثاراسوف کو تنبیہ کی۔

تینوں پارکنگ کی طرف جا رہے تھے۔ ''ریڈیو پر ٹیم کو آپریشن کے لیے الرٹ کر دو۔'' پوٹر نے کہا۔

☆☆☆

تھڈ...... ڈ...... سارا پشت کے بل قریبی چھت پر گری۔ اُسے یقین نہیں آیا کہ وہ زندہ ہے۔ وہ کچھ دیر یونہی لیٹی رہی۔ آسمان اور ستارے نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ دو بار گرنے کے بعد وہ کمرے کی کھڑکی سے پندرہ فٹ نیچے آ گئی تھی۔ برونی کھڑکی میں تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ کچھ اور آوازیں بھی تھیں جنہیں وہ ہدایات دے رہا تھا۔ آوازیں نیچے تاریکی سے ابھر رہی تھیں۔ غالباً وہ سارا کی باڈی کی تلاش کر رہے تھے۔ ناکامی کے بعد ان کی توجہ چھتوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ صبح کاذب کے آثار قریب تھے۔ سارا کھڑی ہوگئی۔ روشنی ہوتے ہی مشکل کھڑی ہو جاتی۔ وہ

رینگتی ہوئی قریبی اگلی چھت پر چلی گئی۔ دھند بھی اس کی مددگار تھی۔ لباس بھیگ چکا تھا۔ ٹھنڈ لگ رہی تھی، نہ درد محسوس ہو رہا تھا۔ دہشت کے باعث ایک ہی احساس تھا کہ جان بچائی جائے...... کسی بھی طرح۔ سارا نے اس کے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا اور زور لگایا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ آسمان پر روشنی جھلکنے لگی تھی۔ کسی کی مردانہ آواز آئی۔ اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ اگلی چھت پر گئی۔ سامنے سلیٹ کے مانند سیدھی عمودی دیوار تھی۔ کافی اوپر دیوار پر ایک کھڑکی تھی۔ ٹاپ پر ایک اینٹینا تھا۔ سپاٹ عمودی دیوار پر چڑھنا ممکن تھا۔ آوازیں قریب آرہی تھیں۔ وہ پلٹی اور برونی کو جھپٹتے دیکھا۔ سارا کی حالت پنجرے میں پھنسے ہوئے پرندے کے مانند تھی۔ برونی دوسری چھت پر تھا۔ سارا نے چھت کے دوسری سمت جھانکا۔ دور سائڈ واک اس کا انتظار کر رہی تھی۔ برونی اس کے سر پر تھا۔ کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ برونی کی گن سڑک پر جا گری تھی۔ کاش وہ اُڑ سکتی۔

معاً آنسو بھری آنکھوں سے اس نے اینٹینا کا سیاہ تار دیکھا۔ کیا وہ اس کا بوجھ اٹھا لے گا؛ سارا کی ہچکچاہٹ لمحاتی تھی۔ برونی اس کے بہت قریب تھا۔ سارا نے بلا تامل دونوں ہاتھوں سے تار دبوچا، دونوں پیر دیوار پر ٹکائے...... ذرا پھسلی، پھر اوپر چڑھتی چلی گئی۔ اس کے جسم کی توانائی کا ہر ذرہ اس بات پر مرکوز تھا کہ وہ پھسل نہ جائے...... وہ ٹاپ پر پہنچ کر اینٹینا کے پاس لیٹ گئی۔ اس کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ برونی اوپر آجاتا تو بغیر گن کے بھی بہ آسانی اسے مار سکتا تھا لیکن وہ باخبر تھی کہ ماکس اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔

سارا میں اتنی سکت نہیں تھی کہ برونی کو اوپر آتے دیکھ سکے۔ دفعتاً اسے احساس ہوا کہ اینٹینا کی ٹاپ کا حدود اربعہ بہت مختصر تھا۔ ذرا سی غفلت اسے گہرائی میں پھینک سکتی تھی۔ سارا نے تار چھوڑ کر اینٹینا کا مضبوط اسٹینڈ پکڑ لیا۔ نیچے سے فائر ہوتا تب بھی امکان تھا کہ گولی اسے لگتی...... وہ لیٹی رہی۔ اس کی سماعت سے سائرن کی آواز ٹکرائی جو بہت مدھم تھی۔ برونی نے بھی وہ آواز سن لی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا تار کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ سارا نے بھی دیکھ لیا۔ وہ پاگلوں کی طرح تار کو اینٹینا سے الگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سائرن کی آواز بلند ہوتی جارہی تھی۔ سارا کو تھوڑا وقت درکار تھا۔ تاہم برونی پہلے چھت تک آگیا۔ برونی کی آنکھوں میں نفرت تھی نہ غصہ۔ آنکھوں سے اجل جھانک رہی تھی۔

''نہیں...!'' سارا چلائی اور جھپٹ کر ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچنے لگی۔ برونی نے اس کی کلائی جکڑ لی۔ سارا کا توازن خراب ہوا اور برونی ٹاپ پر چڑھ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے دونوں ایک دوسرے کے مدِمقابل کھڑے تھے۔ دونوں میں سے ایک کو مرنا تھا۔ اس کا ہاتھ جیکٹ میں گیا اور چاقو کے ساتھ باہر آیا۔ سارا نے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ پیچھے کتنی جگہ ہے۔ سارا کے ہاتھ دفاعی انداز میں پھیل گئے۔ برونی کا وار کلائی پر کٹ لگا گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل گری۔ وہ عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔ برونی کو جلدی نہیں تھی۔ وہ سارا کے گلے پر چھری پھیر کر اسے آسان موت سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مذکورہ ارادہ غلطی میں بدل گیا۔ سارا کے بارے میں اندازہ بھی غلط نکلا۔ پیر کے نیچے آکر چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ وہ چاقو ہاتھوں میں تولتے ہوئے بے بس شکار کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ سارا کے لیے تمام امکانات اختتام پذیر ہو چکے تھے۔ مختصر چوکور جگہ پر وہ کہاں جاتی۔ برونی لات بھی مارتا تو وہ نیچے گہرائی میں سڑک پر جا گرتی۔ اس خیال نے ایک نئے خیال کو جنم دیا۔ بچاؤ آخری جبلی حربہ...... وہ چیخ مار کر گھٹنوں کے بل ہی آگے جھپٹی...... جسم و جان کی تمام قوت سے وہ برونی کے گھٹنوں سے ٹکرائی۔ قاتل کی ایک ٹانگ مڑی۔ اس نے توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ سارا نے چیخ مار کر مڑی ہوئی ٹانگ کے پنجے پر حملہ کیا۔ اس کا ٹخنا مڑا۔ وہ کنارے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گرتے گرتے اس نے کنارہ تھامنے کی کوشش کی۔ چاقو گر گیا تھا۔ لمحہ ضائع کیے بغیر سارا نے چاقو اٹھا کر اس کے ہاتھ میں گھونپ دیا...... گرتے وقت اس کی آنکھیں سارا کی آنکھوں سے ملیں۔ ایک ساعت کے لیے۔ قاتل آنکھوں میں بے پناہ حیرت کے ساتھ اجل کی دیوی رقصاں تھی۔ وہی رقص جسے وہ اپنے شکار کی آنکھوں میں دیکھ کر حظ اٹھاتا آیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف تھے...... پھر وہ نیم تاریکی میں ڈوب گیا۔ سارا نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ ذرا دیر بعد نیچے سڑک پر کسی چیز کے ٹکرانے کی آواز آئی۔ درندے کی آخری چیخ کافی دیر تک سارا کی سماعت میں گونجتی رہی...... وہ نیم جان ہو کر لیٹ گئی۔ کائنات گویا اس کے گرد چکرا رہی تھی۔ اس نے رخسار ٹھنڈے فرش پر ٹکا دیا۔ اچانک اسے سردی کا احساس ہوا۔ بدن میں توانائی کی رمق باقی نہیں بچی تھی۔ وہ لیٹی رہی۔ نک کی پکار نے اسے ہلنے پر مجبور کیا۔ کیا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ تو مر چکا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھی۔ نک سڑک پر

کھڑا دونوں ہاتھ لہرا رہا تھا۔

اُجالا اتنا تھا کہ وہ اسے پہچان گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن حلق میں جیسے گولا پھنس گیا۔ وہ پہلے کبھی اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نہیں روئی تھی۔ نک زندہ تھا۔

"سارا حرکت مت کرو...... ہم نے فائر ٹرک منگوایا ہے۔ وہ تمہیں نیچے اتار لے گا۔" نک نے چیخ کر کہا۔ "وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ کہانی انجام پذیر ہو چکی تھی لیکن وہ ماگس کو بھول گئی تھی۔ پولیس کی تین کاریں مزید آگئیں۔

اچانک دھماکا سا ہوا۔ سارا مڑی۔ ماگس اس چھت پر نظر آ رہا تھا جہاں اینٹینا والے اونچے چبوترے پر سارا موجود تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس رخ سے صرف وہ اُسے دیکھ سکتی تھی۔ چند سیکنڈ تک وہ اسے گھورتا رہا پھر ڈرامائی انداز میں رائفل بلند کی۔ سائمن نہ سہی اس کی بیوی سہی...... سائمن تو سارا کی موت پر تڑپے گا...... کم یا زیادہ۔ انتقام کا آخری مرحلہ رہ گیا تھا۔ سارا سکتے کے عالم میں رائفل کو تک رہی تھی۔ کہیں بہت دور نک اس کا نام لے کر چیخ رہا تھا۔

رائفل کا دھماکا پُرشور تھا لیکن درد نہ تکلیف۔ کیا وہ بے حس ہو چکی ہے۔ پھر اس کی بصارت نے گویا دھوکا کھایا۔ ماگس لڑکھڑا کر گرا۔ اس کی شرٹ خون سے رنگین ہو رہی تھی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ چند لمحوں میں وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ ایک اور چھت کی بلندی پر کوئی چیز منعکس ہوئی۔ سارا کی توجہ مبذول ہو گئی۔ سورج کچھ اور بلند ہو چکا تھا۔ دو عمارت کے فاصلے پر کوئی آدمی کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود رائفل جھکا لی۔ ہوا اس کے بالوں اور شرٹ سے کھیل رہی تھی۔ وہ سارا کو دیکھ رہا تھا۔ سارا اس کے نقوش پہچان نہ سکی۔ تاہم اُس کے دل کی دھڑکنوں نے بتا دیا کہ وہ کون ہے...... وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ سارا نے ہاتھ پھیلا دیا۔ واپس آجاؤ۔"

"جیفری!" وہ چلائی۔ "نہیں مت جاؤ۔ جیفری واپس آجاؤ۔" وہ چیختی رہی۔ چلاتی رہی، آخری جھلک اس کے سنہرے بالوں کی تھی پھر وہ غائب ہو گیا۔

☆☆☆

رائفل کے دھماکے نے نیچے سڑک پر ہلچل مچا دی۔ نک کی رگوں میں لہو جم گیا۔ "کیا ہو رہا ہے؟" وہ چلایا۔

پوٹر نے ٹاراسوف کی جانب دیکھا۔ "کون پاگل فائرنگ کر رہا ہے؟"

"سر ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔"

ڈچ پولیس مین نے بھی تردید کی۔ نک نے اوپر دیکھا۔ سارا زندہ تھی۔ بدحواسی میں اس نے اطراف کی کھڑکیوں میں جھانکا۔

"پوٹر، کچھ کرو۔" وہ بے قرار ہوا جا رہا تھا۔

"ٹاراسوف۔" پوٹر نے بلند آواز میں کہا۔ "اپنے آدمی اوپر لے جاؤ۔ دیکھو کیا ہو رہا ہے۔" پھر وہ ڈچ آفیسر کی طرف مڑا۔ "فائر ٹرک کب تک پہنچے گا؟"

"پانچ سے دس منٹ۔"

☆☆☆

سارا اسپتال میں تھی۔ اُسے ڈاکٹر کے علاوہ ماہرِ نفسیات کی بھی ضرورت تھی۔ اس نے کسی چھت پر بھوت دیکھا تھا۔ التباسِ نظر کہا جا سکتا تھا۔ ہسٹریا کے امکانات واضح تھے۔ اسے نارمل ہونے میں مہینے سے زیادہ وقت لگ سکتا تھا۔

ماگس اور اس کے چار آدمی مرے تھے اور چار گرفتار تھے۔ پوٹر کا دماغ ماؤف تھا کہ ماگس نے خودکشی کیوں کی؟ بہرحال لیب رزلٹ کے بعد یہ سوال حل ہو جانا تھا۔ "بھوت۔" سارا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"مسٹر پوٹر؟"

پوٹر نے گردن گھمائی۔ وہ ڈچ پولیس مین تھا۔ "میرا خیال ہے کہ کوئی امریکی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

پوٹر باہر نکلا، آدمی کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ سیاہ لباس میں تھا۔ بالوں کا رنگ سنہری تھا۔ پوٹر کے دماغ میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔ پوٹر اُسے لے کر ایک کمرے میں آگیا اور دروازہ بند کر دیا۔

"کیا مجھ سے ملنا ہے؟"

"ہیلو، مسٹر پوٹر۔" وہ مسکرایا۔ پوٹر دنگ رہ گیا۔ وہ گونگوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا اس نے بھی بھوت دیکھنا شروع کر دیے ہیں۔

اس کے سامنے سائمن ڈانس کھڑا تھا۔

سائمن نے کہانی کے پیچ و خم اُجاگر کرنے میں ایک گھنٹا لیا۔

"میرے خیال میں تم اِن حقائق کی قدر کرو گے۔" اس نے کہا۔ "بدلے میں تم مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہو۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"پہلے صرف شک تھا۔ جو وقت اور واقعات کے ساتھ گہرا ہوتا گیا۔ میں نے طے کر لیا کہ کسی پر بھروسا نہیں کروں گا۔ میرا مطلب سی آئی اے سے ہے...... بات بہت

او پر چلی گئی تھی۔"

"ہائی لیول؟"

"وان ڈیم۔"

"کیسے؟"

"سائمن نے شانے اُچکائے۔" ایک آدمی آدھی رات کو فون بوتھ پر کیوں جائے گا؟"

"ایسا کب ہوا؟"

"پچھلی رات جب میں نے اوہارا کو ٹپ دی تھی۔"

"میرا قصور ہے۔" پوٹر نے کہا۔ "وان ڈیم کو میں نے بتایا تھا۔"

سائمن نے سر ہلایا۔ "ابتدا میں آدھی رات کو اسے فون بوتھ استعمال کرتے دیکھ کر میں سمجھا نہیں...... بعدازاں مجھے پتا چلا کہ بروتی اور اس کے آدمی کا سیامورو کی طرف رواں ہیں یقیناً وان ڈیم نے ماکس کو کال کی تھی۔"

"دیکھو یہ کافی نہیں ہے۔ مجھے اور شواہد درکار ہیں اور بھی۔"

سائمن نے سگریٹ سلگائی۔ "وان ڈیم مالدار شخص تھا۔ اس کی بیوی نے اس کے لیے ملینز رقم چھوڑی تھی۔ وہ مری تو اس وقت جوان تھی۔ موت میں جرم کی ملاوٹ تھی لیکن وان ڈیم ملک سے باہر تھا۔ اگر تم گہرائی میں جاؤ تو جان جاؤ گے کہ کلاڈیا کو وان ڈیم نے مروایا تھا۔ بعد میں کسی طرح یہ بات ماکس کے علم میں آگئی اور اس نے وان ڈیم کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ ماکس کو اندرونی انفارمیشن چاہیے تھیں اور وان ڈیم کا محرک بیوی کی دولت تھی۔"

"وان ڈیم کے لیے مجھے فوراً ایکشن لینا چاہیے۔"

پوٹر نے عندیہ دیا۔

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے اب تک وہ غائب ہو چکا ہو۔"

"اور تم؟"

"ایوی میرے لیے سب کچھ تھی۔ میں نے اُسے کھو دیا۔"

"لیکن سارا تو ہے؟"

سائمن نے نفی میں سر ہلایا۔ میں اس کے لیے بہت تکلیف کا باعث بنا ہوں۔ لیب رپورٹ تمہیں بتادے گی کہ ماکس اپنی رائفل کی گولی سے نہیں مرا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ حقیقت سارا تک نہیں پہنچے گی۔"

"کیا خدا حافظ بھی نہیں کہو گے؟"

"زیادہ مہربانی یہ ہوگی کہ میں اُس کے سامنے نہ جاؤں۔" اوہارا اچھا آدمی ہے۔" سائمن نے کہا۔ "وہ دونوں ساتھ خوش رہیں گے۔"

پوٹر نے سر ہلایا۔ سائمن ایک بات بتاؤ، کیا تم نے سارا سے محبت کی تھی؟"

"نہیں، لیکن اس نے اس کا خیال رکھا تھا۔ مجھے اب جانا چاہیے۔" سائمن نے آخری کش لیا اور کھڑا ہو گیا۔

"اگر مجھے تمہاری ضرورت پڑے؟"

"مجھے افسوس ہے، مسٹر پوٹر......"

"لیکن میں تمہیں کیسے تلاش کروں گا؟"

سائمن دروازے میں رکا۔ پُرسوچ انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "تم مجھے تلاش نہیں کر سکتے۔"

☆☆☆

سہ پہر کا وقت تھا جب سارا کی آنکھ کھلی۔ سفید پردوں پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظر پاٹ پر گئی جس میں سرخ اور زرد رنگ کے ٹیولپ سجے ہوئے تھے۔ نک کرسی پر نیم دراز تھا۔

"سارا۔" اس نے سرگوشی کی۔

"اوہ نک، بستر کی ضرورت مجھ سے زیادہ تم کو ہے۔"

"تم کیسی ہو؟"

"عجیب لیکن محفوظ...... نک میں نے اُسے دیکھا تھا۔"

"تم بھوتوں پر یقین رکھتی ہو؟"

"نہیں۔"

"نک نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اگر وہ بھوت تھا تو مجھے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

"آئی لو یو، نک...... لیکن کیا وہ واقعی بھوت تھا؟"

"سارا میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتا لیکن وہ واقعی تم سے محبت کرتا تھا اور تمہیں خدا حافظ کہنے آیا تھا یا تم نے التباسی نظر کے تحت اسے خدا حافظ کہنا چاہا تھا۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں...... تم اور واشنگٹن میں ہمارا گھر...... اور ہاں تم نے اب بھی چشمہ لگایا ہوا ہے؟"

"کیوں؟"

"اتار دو۔"

"کیوں؟"

"مجھے تمہاری آنکھیں دیکھنی ہیں۔"

"کیوں؟"

"ان آنکھوں نے مجھے گرفتار کیا تھا۔"

"جھوٹ؟"

"نہیں...... سچ...... بڑا سچ...... بہت بڑا......"

اعتراف

جمال دستی

زندگی میں اچانک ہی ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں کہ سوچنے سمجھنے کی مہلت تک نہیں مل پاتی... ایک کے بعد ایک حادثہ اور پھر متواتر بڑھتے ہی گئے جنوں کے سلسلے... ماضی سے جڑے ایک واقعے کی بازگشت جس نے کئی رازوں سے پردہ اٹھا دیا تھا...



اعتراف کے مراحل سے گزرتی دلچسپ دل سوز روداد.....

"ہے، اولڈ مین۔ اس تھیلے میں کیا ہے؟"

اسٹک شیفر نے گھوم کر دیکھا لیکن رُکا نہیں۔ جب وہ سڑک پار کر کے گلی میں داخل ہوا تو وہ غنڈا گھات لگائے موجود تھا۔ وہ دسمبر کی ایک سرد رات تھی اور ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی اس لیے اس نے گھر جانے کے لیے اس مختصر راستے کا انتخاب کیا ورنہ سڑک کے ذریعے اسے تین بلاک کا فاصلہ طے کرنا پڑتا۔

"میں تم سے مخاطب ہوں بڈھے۔ کیا تم گونگے اور

بھرے ہو؟ زندگی بہت مشکل ہے۔ اسے اور مشکل نہ بناؤ۔" وہ اس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔ اس نے پھٹی ہوئی جینز اور ڈینم کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ دیکھنے میں ہی وہ کوئی سڑک چھاپ غنڈا لگ رہا تھا۔

"بڈھے، یہ بیگ میرے حوالے کردو۔"

جیسے ہی وہ تھیلے پر جھپٹا، اس نے اپنی چھڑی گھمائی اور اس کے چہرے پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ وہ بہت عرصے سے اس چھڑی کو استعمال کر رہا تھا اور ایک طرح سے وہ اس کے بازو کا حصہ بن گئی تھی۔ ایسا حصہ جو کبھی کبھی خود ہی حرکت میں آجاتا ہے جیسا اس بار ہوا تھا۔

وہ لڑکا پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا گلی کی دیوار سے جا لگا۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا پھر اس کی نظر بہتے ہوئے خون پر گئی جو قطرہ قطرہ کر کے برف پر گر رہا تھا۔ وہ غصے سے چلاتے ہوئے بولا۔ "بڈھے، میں ابھی تجھے مزہ چکھاتا ہوں۔"

اس نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نو انچ لمبا چاقو نکالا اور ایک ہی جھٹکے میں اسے کھول لیا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے چاقو کے استعمال میں مہارت حاصل ہے۔ اس نے چاقو لہرانے کے بجائے اس کا بلیڈ نیچے رکھا تاکہ شیفر کو چھڑی گھمانے کا موقع نہ مل سکے۔ بیس سال پہلے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ چھڑی کے ایک ہی وار سے حملہ آور کی کلائی توڑ سکتا تھا لیکن کیا وہ اب بھی اتنا ہی پھرتیلا تھا؟

اس کے دو وار خالی گئے۔ اب وہ بڑی تیزی سے چاقو کو اوپر نیچے دائیں بائیں حرکت دے رہا تھا۔ اسٹک کے لیے اس پر نظر جمائے رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ تیسری بار چاقو کا پھل اس کے کوٹ کو چیرتا ہوا پسلی کے پاس سے گزرا اور اس کے زخم سے خون بہنے لگا۔ اگلا حملہ اس کے دل کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسٹک نے حملہ آور کے سر کا نشانہ لے کر گروسری کا تھیلا پھینکا گوکہ وہ بے ضرر تھا لیکن لڑکے کی توجہ ہٹ گئی اور وہ دوسرے ہاتھ سے اپنا زخمی چہرہ بچانے لگا۔ شیفر نے چھڑی کا دستہ اس کی کلائی میں ہک کی طرح ڈالا اور اسے زور سے جھٹکا دیا۔ لڑکے کے قدم اکھڑ گئے اور وہ کمر کے بل فٹ پاتھ پر جا گرا۔ گوکہ اسے زور کی چوٹ آئی تھی لیکن اس نے چاقو کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور اسٹک کو دور رکھنے کے لیے اسے ہوا میں لہراتا رہا۔ اس کے باوجود اسٹک نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی کا سرا لڑکے کے پیٹ پر رکھا اور دباؤ ڈالتا رہا پھر بھی لڑکے نے ہمت نہ ہاری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور اسٹک کو دور رکھنے کے لیے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

یہی اس کی غلطی تھی۔ اس بار وہ پہلے کی طرح تیزی نہ دکھا سکا۔ اسٹک نے پوری قوت سے اس کی کلائی پر چھڑی ماری۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی۔ حملہ آور کی چیخ بلند ہوئی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے بازو سے اپنا سینہ پکڑا اور گھٹنوں کے بل دوہرا ہو گیا۔

اسٹک نے اسے غور سے دیکھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ فوری طور پر اٹھنے کے قابل نہیں رہا تو اس نے چھڑی کے سہارے جھک کر چاقو اٹھایا۔ وہ ایک سستے قسم کا چینی چاقو تھا۔ وہ لڑکا ایشیائی نہیں تھا۔ نشہ کرنے والے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ بہرحال وہ شکل جانی پہچانی نہیں تھی۔ یقیناً وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔

اسٹک نے چاقو کا پھل اپنی ہتھیلی پر رکھا، وہ کسی بلیڈ کی طرح تیز دھار والا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس لڑکے کا گلا کاٹ دیا جائے تو اس سے دوسرے غنڈوں کو عبرت ہوگی جو راہ چلتے مقامی لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ دور دور تک کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ پھر اس کی نظر ایک سرخ بتی پر گئی۔ وہ گلی کے وسط میں ایک دروازے پر نصب سیکیورٹی کیمرا تھا۔ اس کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کی نقل وحرکت ریکارڈ ہو رہی تھی۔

اس نے اپنی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹیں اور گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے لڑکے سے کہا جو ابھی تک کراہ رہا تھا۔ "میری بات سنو لڑکے! میں روزانہ اس سڑک سے گزرتا ہوں۔ سب لوگ مجھے جانتے ہیں اور میں بھی ان سے واقف ہوں۔ اگر دوبارہ تمہیں یہاں دیکھا تو اس سے بھی برا حشر کروں گا۔ سمجھ گئے؟"

لڑکا جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ اسٹک نے اپنی چیزیں اٹھائیں اور اسے پھلانگتا ہوا گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن وہ اپنے دفتر کا تالا کھول رہا تھا کہ اس کی نظر دو پولیس والوں پر گئی جو ایک بغیر نمبر پلیٹ والی کار سے اُترے۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھے۔ ان میں سے ایک کو وہ جانتا تھا۔ وہ سراغ رساں ڈینس ڈیکر تھا۔ دوسری ایک لمبی اور دبلی پتلی عورت تھی۔ دفتر میں داخل ہوتے ہی اسٹک نے اپنے کندھے پر لٹکا ہوا اعشاریہ پینتالیس کا ریوالور میز کی دراز میں رکھ کر اسے مقفل کر دیا۔

''ہم چھاپا مارنے آئے ہیں۔'' ڈیکر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے ہاتھ اوپر رکھو۔''

ڈیکر کی عمر چالیس کے قریب تھی۔ وہ لمبا چوڑا کرخت چہرے والا شخص تھا جو دماغ کے بجائے طاقت اور زبردستی سے کام لیتا تھا۔ اس کے برعکس عورت کافی تیز اور ہوشیار لگ رہی تھی۔ اس نے عمدہ تراش خراش کا سوٹ اور سفید بلاؤز پہن رکھا تھا۔ وہ دروازے میں کھڑی ڈیکر کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

اسٹک نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔ ''میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور چھڑی کا سہارا لیے بغیر نہیں کھڑا ہو سکتا۔ تمہاری نئی دوست کون ہے؟''

''تم وہی کرو جو سارجنٹ ڈیکر نے کہا ہے۔'' وہ عورت بولی۔

''میں سمجھا کہ یہ مذاق کر رہا ہے۔ یہ اس کی عادت ہے۔''

''اس بار نہیں۔''

''اگر تم ڈیکر کے ساتھ ہو تو تم نے میرا ریکارڈ بھی دیکھا ہو گا۔ تم جانتی ہو کہ میں جیل کاٹ چکا ہوں اور گلیڈی ایٹر اسکول کا تربیت یافتہ ہوں۔ میں تمہارے یا ڈیکر کے کہنے پر دیوار نہیں چوم سکتا۔''

''تم چاہتے ہو کہ سختی کی جائے۔ ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ہولسٹر سے اپنا پستول نکالا اور بولا۔ ''اب تم دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ میں دوبارہ تمہیں نہیں کہوں گا۔''

اسٹک نے تھوک نگلا۔ اسے پسلی کے زخم میں تکلیف ہو رہی تھی اور وہ ڈیکر سے مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن وہ پسپائی بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بدستور اپنی کرسی پر بیٹھا رہا اور ڈیکر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''تم ایک بزرگ شہری کو پریشان کر رہے ہو جو تمہاری طرح تیزی سے حرکت نہیں کر سکتا۔ کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟''

حیرت انگیز طور پر عورت نے سر ہلایا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ''رہنے دو سارجنٹ، تم باہر جاؤ۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔''

''اسے معلوم ہونا چاہیے کہ باس کون ہے؟'' ڈیکر جھلاتے ہوئے بولا۔

''یہ جانتا ہے کہ باس کون ہے، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا مسٹر شیفر؟''

''بظاہر تو تم ہی اس کی باس لگتی ہو۔ میرے وکیل کا دفتر زیادہ دور نہیں ہے۔ وہ ہر سال کرسمس کے موقع پر پولیس والوں کی بیواؤں کے فنڈ میں دس ہزار ڈالر کا عطیہ دیتا ہے۔ کیا میں اس کو فون کروں؟''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ بولی۔ ''میں صرف چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ سارجنٹ تم باہر جاؤ۔''

ڈیکر جانے کے لیے مڑا لیکن دروازے میں رک کر بولا۔ ''اگلی بار اگر میں کچھ کہوں تو تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ اس پر عمل کرو۔''

اسٹک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ محض ایک دھمکی تھی اور دونوں ہی یہ بات جانتے تھے۔ ڈیکر کے جانے کے بعد اس عورت نے کرسی گھسیٹی اور کچھ دیر تک خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اسٹک کو لگا کہ اس کا چہرہ جانا پہچانا ہے۔ وہ کسی حوالے سے اسے جانتا ہے لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود اسے کچھ یاد نہ آ سکا۔ اس نے آگے کی طرف جھک کر اس کا نام پڑھا۔

''سراغ رساں لیفٹیننٹ سی رابنسن۔''

''تم یہاں نئی آئی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، میں براؤن ٹاؤن میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی۔''

''مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

اس نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا۔ اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک سیل فون نکالا اور آن کر کے اسے دے دیا۔ اس میں اسٹک کی ایک ویڈیو تھی جو گزشتہ شب گلی میں لگے ہوئے کیمرے نے ریکارڈ کی تھی۔

''یہ تم سے کتنی ملتی ہے، کچھ کہو گے نہیں؟''

اس نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ وہ بولی۔ ''اس میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ تین منٹ کی ایکشن سے بھرپور ویڈیو جس میں تم ایک چھوٹے لڑکے پر حملہ کر رہے ہو......''

''اس کے پاس چاقو تھا۔'' اسٹک نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اس سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہو رہا کہ تمہیں اس چاقو سے کوئی پریشانی ہوئی بلکہ تم نے فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا۔''

''پھر کیا میں اس سے رحم کی بھیک مانگتا؟''

''شاید کوئی اور ایسا ہی کرتا لیکن تم نہیں، کیونکہ تم

لڑنے بھڑنے کے عادی ہو بلکہ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ تم پرپل کے آخری فرد ہو۔"

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟"

"ہاں اولڈ پرپل گینگ جس کی ساٹھ کے عشرے میں ڈیٹرائٹ پر حکمرانی تھی۔ پولیس اکیڈمی میں تمہارے گروہ کے بارے میں چھ ہفتے کا کورس پڑھایا جاتا ہے۔"

"وہ میرا گروہ نہیں تھا خاتون، میں ساٹھ کی دہائی میں ایک بچہ تھا۔"

"ایسا بچہ جو اس گروہ کو چلاتا تھا۔"

"اس وقت کے کچھ لوگ اب بھی موجود ہوں گے۔ مثلاً ایکسلر برادرز، ازی کامنسکی وغیرہ۔ میں کبھی کبھی ان کے لیے پیغام رسانی کیا کرتا تھا۔"

"وہ تمہیں کڈ اسنک کے نام سے پکارتے تھے۔ تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ پولیس کے تعاقب کے دوران تم ایک کار سے ٹکرا کر زخمی ہو گئے۔ ابھی تمہاری ٹانگ کا پلاستر بھی نہیں اترا تھا کہ مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کار میں تین ٹھگوں نے تمہارا راستہ روکا اور تم نے اپنی چھڑی کو استعمال کرتے ہوئے ان تینوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ایسا ہی مظاہرہ تم نے گزشتہ شب بھی کیا۔ کیا تمہیں واقعی چھڑی کی ضرورت ہے یا یہ تمہارا غیر پوشیدہ ہتھیار ہے؟"

"اس کی مدد سے مجھے چلنے میں آسانی ہوتی ہے۔"

"واقعی؟ اس وڈیو میں تو تم بالکل ٹھیک چل رہے تھے البتہ جب اس لڑکے نے تمہیں آواز دی تو تم نے لنگڑانا شروع کر دیا۔ میں نہیں سمجھتی کہ تمہیں واقعی اس چھڑی کی ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگی۔ اسنک کو لگا جیسے وہ کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ اس نے کہا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تم گزشتہ شب کے واقعے پر مجھ سے پوچھ کچھ کرنے آئی ہو۔"

"اس لڑکے کا نام برنارڈ گرانٹ ہے۔ وہ اپنی ٹوٹی ہوئی کلائی کے ساتھ آیا اور روتے ہوئے بتایا کہ اس پر حملہ ہوا ہے۔ ہم نے سیکیورٹی کیمرے کی ویڈیو دیکھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود حملہ آور تھا اور اس کے پاس ایک چاقو بھی تھا۔ اگر تم اس کے دونوں بازو توڑ دیتے تب بھی پولیس کو پروانہ ہوتی۔"

"پھر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"مجھے کچھ پرانی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"تمہارا چہرہ کچھ جانا پہچانا لگتا ہے لیکن......" وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔"

"میں نے تمہیں ویڈیو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا لیکن بہت دیر بعد یاد آیا کہ میں تمہیں کیسے جانتی ہوں۔"

"تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟"

"میری نانی کے پیانو پر ایک تصویر رکھی ہوئی تھی جس میں وہ تمہارے ساتھ کسی نائٹ کلب میں رقص کر رہی تھی۔ میں کئی برس تک روزانہ تمہارا چہرہ دیکھا کرتی تھی۔"

"معاف کرنا، میں اب بھی......" پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ "تم ویلویٹ کی نواسی اور ریٹا کی بیٹی کیرولین ہو؟"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہیں یاد آ گیا حالانکہ اس بات کو تقریباً تیس برس ہو چکے ہیں۔"

"تمہارا ایک جڑواں بھائی بھی تھا، رابرٹ؟"

ہاں وہ ہنری فورڈ میں ہے۔ اس نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری لی تھی۔"

"اور تم پولیس میں آ گئیں۔" پھر کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔ "اور تمہاری نانی؟ کیا وہ زندہ ہے؟"

"ہاں لیکن تمہاری طرح اس کے بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔ تم دونوں کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟"

"وہ میری گرل فرینڈ تھی۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "ہم تقریباً دس سال ساتھ رہے۔ کیا اب بھی اس کے پاس وہ تصویر ہے؟"

"نہیں، اب اس نے وہ تصویر پیانو سے ہٹا دی ہے۔ جب میں نو یا دس سال کی تھی تو میں نے اس سے تمہارے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شیطان کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ یقیناً وہ تمہیں اچھی طرح جانتی ہو گی۔"

اسنک نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ کیرولین اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس کے بعد اس نے وہ تصویر وہاں سے ہٹا دی۔ مجھے کئی برس تک اس کا خیال نہیں آیا پھر میں نے گزشتہ شب ویڈیو میں تمہیں دیکھا۔ میرے دماغ میں کھلبلی مچ گئی۔ میں صبح تین بجے تک یہ یاد کرتی رہی کہ اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ تم ہی وہ شخص ہو جس کی تصویر نانی کے پیانو پر رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے کبھی تمہارا نام نہیں بتایا لیکن ڈیکر نے تمہیں ویڈیو میں پہچان لیا اور ہم یہاں چلے آئے۔"

"میں اسے کیا سمجھوں، محض ایک ملاقات؟"

''ہم نے تمہیں ویڈیو میں اس لڑکے کو مارتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں اس پر حملہ کرنے کے الزام میں تمہیں حراست میں لے سکتی ہوں۔''

''لیکن تم کہہ چکی ہو کہ پولیس والے ایسے جھگڑوں کی پروانہیں کرتے پھر تم کیا چاہتی ہو؟''

''کچھ پرانے سوالوں کے جوابات۔''

''کیسے سوالات؟''

''سب سے بڑا سوال...... کیا تم میرے نانا ہو؟''

اس نے پلکیں جھپکائیں اور حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ''نہیں، تمہاری ماں ریٹا شاید بارہ سال کی تھی جب میرے اور ولیویٹ کے درمیان تعلق قائم ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں ریٹا ماں بن گئی۔''

''اور تم اس وقت بھی میری نانی کے ساتھ تھے؟''

''اس کے چند سال بعد بھی ہم اکٹھے رہے۔ ہمارا تعلق دس سال تک رہا۔''

''لیکن شادی نہیں کی، کیوں؟ اس لیے کہ وہ سیاہ فام تھی؟''

''تم اسے قدامت پسندی کہہ سکتی ہو۔ وہ مجھ سے بھی شادی نہ کرتی۔ ان دنوں ایسی شادیاں مشکل سے چلتی تھیں۔ اس کی فیملی جنوب میں تھی اور ایسی شادیوں کو وہاں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ تمہاری نانی مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ کاروباری عورت بھی تھی۔ اس کے دو ہیئر سیلون تھے۔''

''اب بھی ہیں۔'' کیرولین نے کہا۔ ''وہ روزانہ کام پر جاتی ہے۔''

''اور تم جانتی ہو کہ میں کیا ہوں۔'' اسٹک نے کہا۔ ''میں نے اس سے ایک سے زیادہ مرتبہ شادی کے لیے کہا لیکن وہ تیار نہیں ہوئی۔''

''میری نانی ہوشیار عورت ہے، اسے دیکھو۔'' کیرولین نے ایک فائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے فائل کھول کر دیکھی۔ اس کی نظر ایک سیاہ فام عورت کے چہرے پر گئی جو بُری طرح مسخ ہو گیا تھا اور وہ مردہ حالت میں اٹھاسی ماڈل کی کیڈی لیک کے اسٹیئرنگ وہیل پر جھکی ہوئی تھی۔ اسٹک نے سوالیہ انداز میں کیرولین کو دیکھا۔

''ڈیٹرائٹ پولیس کیس فائل نمبر 726۔ گیارہ ستمبر 1988۔'' کیرولین نے کہا۔ ''تیس سال پہلے نائٹ کلب سنگر ریٹا ڈاکر کا قتل ہوا تھا۔ وہ میری نانی کی اکلوتی اولاد تھی۔ اسے تمہاری کار میں گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ جو ففتی گرانڈ کلب پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ جو اس وقت تمہارا کلب تھا۔''

''وہ کلب میرا نہیں تھا بلکہ ازی اور اس کے دو خاموش پارٹنرز اس کے مالک تھے۔ میرا صرف یہ تعلق تھا کہ میں نے ان کے لیے جگہ کا انتظام کیا۔''

''ازی ایک بدنام زمانہ شخص تھا اور پرپل گینگ کا آخری باس بھی؟''

''اس وقت وہ باس نہیں تھا۔ اس کی عمر اسی سے زیادہ ہو چکی تھی۔''

''تراسی لیکن اس کے باوجود کافی فعال تھا۔ ریکارڈ کے مطابق وہ اس رات لاپتا ہو گیا جب میری ماں کا قتل ہوا۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ وہ میری ماں پر عاشق ہو گیا تھا لیکن اس نے اسے انکار کر دیا۔ جسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ کیا اس نے میری ماں کو قتل کیا تھا؟''

''نہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم کو اتنا یقین ہے؟''

''ہاں، اس نے کبھی ریٹا یا کسی دوسری عورت کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ کسی اور طرح کا آدمی تھا۔''

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ ہم جنس پرست تھا لیکن فائل میں تو یہ نہیں لکھا۔''

''مجھے امید ہے کہ فائل میں اور بھی بہت سی باتیں نہیں ہوں گی۔''

''کامنسکی کے سیاہ کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔''

''ایک بدمعاش سے تم اور کیا توقع کر سکتی ہو لیکن تمہاری ماں اس کے مطلب کی عورت نہیں تھی۔''

''اور تم؟'' کیرولین نے پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''جس وقت اسے گولی لگی، وہ پارکنگ لاٹ میں تمہاری کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ وہاں کیا کرنے گئی تھی؟''

''شاید نشہ آور سگریٹ پینے۔ وہ بہت اچھی گلوکارہ تھی لیکن اس وقت بھی اس کی عمر اکیس یا بائیس سال تھی۔ میں نے ہی اسے کلب میں کام دلوایا تھا۔ بعض اوقات نائٹ کلب میں لوگ قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ وقفے کے دوران اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کے لیے نشہ آور سگریٹ پی رہی تھی۔''

''لیکن تم نے اپنے بیان میں تو اس کا ذکر نہیں کیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی

ہو۔"

"دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وہ دراصل تمہیں نشانہ بنانا چاہ رہے تھے لیکن انہوں نے غلطی سے میری ماں کو ہلاک کر دیا۔"

"ہاں اسی وجہ سے تمہاری نانی نے مجھ سے قطع تعلق کرلیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں تمہارے یا رابرٹ کے آس پاس نظر آؤں کیونکہ وہ لوگ دوبارہ بھی کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ مجھے ہی تمہاری ماں کی موت کا ذمے دار سمجھتی تھی۔"

"کیا وہ ٹھیک کہہ رہی تھی؟"

"نہیں، تم جائے واردات کی تصاویر دیکھو، تمہاری ماں کے چہرے پر بارود سے جلنے کے نشان ہیں۔ اسے بہت قریب سے گولی ماری گئی۔ وہ دیکھنے میں مجھ جیسی نہیں لگتی تھی۔ اس لیے اس رات جو کچھ ہوا، اسے غلطی نہیں کہا جا سکتا۔"

"پھر وہ کیا تھا؟"

"ایک غیر حل شدہ قتل کا کیس۔ تمہیں اچانک اس میں دلچسپی کیوں ہوگئی؟"

"مقتولہ میری ماں تھی اور کیس فائل کے مطابق وہ تمہارے لیے سوتیلی بیٹی جیسی تھی لیکن تم نے قاتل کو تلاش کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔"

"مجھے جو کچھ معلوم تھا۔ وہ پولیس کو بتا دیا۔"

"یعنی نانی نے جب تم سے علیحدگی اختیار کی تو تم بھی میری ماں کو بھول گئے۔"

"ایسا نہیں ہے۔ ویلویٹ تمہارے اور رابرٹ کی وجہ سے خوف زدہ تھی۔ اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ جو کچھ ہوا۔ اسے بھول جاؤں گا اور تمہاری ماں کے قتل کا بدلہ نہیں لوں گا اسی لیے میں پیچھے ہٹ گیا اور اسے قانون کے لیے چھوڑ دیا۔"

"کسی شخص نے میری ماں کو تمہاری کار میں تمہارے کلب کے باہر قتل کیا اور تم اس کا خون صاف کرنے کے بعد اسے بھول گئے۔"

"میں نے ویلویٹ سے وعدہ کیا تھا کہ اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔"

"تم مذاق کررہے ہو۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ "تمہارا مجرمانہ ریکارڈ بہت طویل ہے۔ سود پر قرض دینا، شرطیں لگانا، اپنی چھڑی سے نصف درجن لوگوں پر حملہ کرنا البتہ اس فہرست میں گرل فرینڈ سے جھوٹ بولنا شامل نہیں ہے۔"

"ویلویٹ میری گرل فرینڈ نہیں تھی۔" وہ جھلاتے ہوئے بولا۔ "وہ میرے لیے اس سے بھی بڑھ کر تھی۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولا۔" "اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"تمہاری مدد۔" وہ بولی۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم نے نانی سے کیا وعدہ کیا تھا، میری ماں کی فائل بھی دوسرے غیر حل شدہ کیسوں کی طرح دب گئی۔ میں نے صرف اسی لیے پولیس میں ملازمت کی لیکن کوئی بھی اس کیس پر کام نہیں کررہا تھا۔ میں نے بھی اپنی کوششیں ترک کردی تھیں لیکن ویڈیو میں تمہارا چہرہ دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ تم آخری آدمی ہو جس سے میں کچھ معلوم کرسکتی ہوں۔ شاید تمہیں کچھ معلوم ہو۔"

"میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

"مدد نہیں کرسکتے یا کرنا نہیں چاہتے۔ کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ ان تمام سالوں میں تم نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ کوئی افواہ، کوئی سرگوشی یا کسی شرابی کی بڑبڑاہٹ۔"

"کیا تم یہ اُمید کررہی ہو کہ اس طرح تمہاری ماں کا کیس زندہ ہو جائے گا؟"

"شاید نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہمیشہ کے لیے سرد خانے میں چلا جائے لیکن اس سے پہلے میں تم سے کچھ اگلوانا چاہ رہی ہوں۔ میرے بھی دو بچے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ماں کے مرنے کے بعد نانی پر کیا گزری ہوگی۔ تم میری آخری امید ہو۔ اس لیے تمہیں میری مدد کرنا ہوگی ورنہ میں قسم کھاتی ہوں کہ تمہاری چھڑی سے اتنا ماروں گی کہ تمہاری جان نکل جائے۔"

اسٹک نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی ویلویٹ کی نواسی ہو۔ میں تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میری کچھ شرطیں ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"ویلویٹ کو کبھی اس بارے میں پتا نہ چلے۔"

"منظور ہے۔" کیرولین نے کہا۔ "اس کے علاوہ؟"

"آج کے بعد تم مجھے کبھی گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کروگی۔ اس طرح ہم کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔"

"میں ایسا کرسکتی ہوں لیکن اگر کوئی ٹھوس بات سامنے آئی تو میرے راستے میں مت آنا۔"

"کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ متفق ہوتے ہوئے بولا۔

"میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کے پاس شاید تمہارے سوالوں کے جواب ہوں۔" اسٹک نے کہا۔ وہ کیرولین کی کار میں سفر کررہے تھے۔ "مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ میرے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرے گا۔"

"اس مخبر کا نام کیا ہے؟"

"وہ مخبر نہیں ہے بلکہ بدمعاشوں کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کا نام جوجو گومز ہے۔ ماضی میں وہ تاش کے پتوں میں ہیرا پھیری کرتا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور کھلاڑی ہے۔ اسی لیے اسے گولڈن ہینڈز کہا جاتا تھا۔"

"مجھے اس سے کیا پوچھنا چاہیے؟"

"جس رات تمہاری ماں کا قتل ہوا وہاں پوکر گیم ہو رہا تھا۔ تم اس سے اسی کے بارے میں پوچھنا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"جن پولیس والوں نے ریٹا کے قتل کی تفتیش کی، ان کا دھیان بھی اس طرف نہیں گیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ازی اور ریٹا میں جھگڑا ہوا تھا جس پر مشتعل ہو کر ازی نے اسے قتل کر دیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ جلد یا بدیر ازی واپس آئے گا اور وہ اسے پکڑ لیں گے لیکن کئی سال گزر جانے کے بعد بھی وہ نہیں آیا۔ اس طرح یہ کیس فائلوں میں دب گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ غلطی پر تھے؟"

"شاید نہیں، ازی اس گروہ کا آخری سربراہ تھا۔ اس لیے اسے واپس آنا چاہیے تھا۔"

"پھر وہ کیوں نہیں آیا؟"

"تم گولڈن ہینڈز سے یہی بات پوچھنا۔" اسٹک نے کہا۔ "گاڑی روک لو، ہم تقریباً پہنچ چکے ہیں۔"

کیرولین نے سڑک کے کنارے کار روک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اگلے کونے پر شرابیوں اور منشیات کے عادی افراد کے لیے ایک بحالی مرکز ہے۔ جوجو وہیں ملے گا۔ بہتر ہے کہ میں یہیں رک کر تمہارا انتظار کروں۔ ممکن ہے کہ جوجو تم سے بات کرے لیکن مجھ سے تو بالکل نہیں کرے گا۔"

"میں اسے کیسے تلاش کروں گی؟"

"تمہیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ صرف اس کا نام لینا۔ وہ خود تمہارے پاس آجائے گا۔"

اس مرکز کی عمارت بوسیدہ اور متروکہ دکھائی دے رہی تھی۔ ایک کھڑکی پر ہاتھ سے لکھا ہوا گتے کا بورڈ آویزاں تھا۔ کیرولین نے دروازہ کھولا اور ایک چھوٹی سی

محنتی

"پچھلے ادارے میں آپ نے کتنے سال کام کیا؟"
"سر...... پچپن سال۔"
"آپ کی عمر کیا ہے؟"
"سر، پینتالیس سال۔"
"پینتالیس سال کی عمر میں آپ نے پچپن سال کیسے کام کرلیا؟"
"سر...... اوور ٹائم ملا کر۔"

کراچی سے راحیل کا تجربہ

مشورہ

مکینک نے ایک کار کی مرمت کرنے کے بعد چابی مالک کے حوالے کرتے ہوئے کہا "کار اب بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔ بس اتنی احتیاط کریں کہ گاڑی کبھی پڑوسی کو مستعار نہ دیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔" وہ صاحب دھیمی آواز میں بولے۔ "میں پڑوسی ہی ہوں۔"

سانگھڑ سے منظر خان کا جواب

راہداری میں داخل ہو گئی جسے ایک پرانی میز سے بند کر دیا گیا تھا۔ وہاں ایک بوڑھا شخص وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کاغذات پر سے نظریں ہٹا کر کیرولین کو دیکھا اور بولا۔

"میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

"میں سراغ رساں رابنسن ہوں اور میرا تعلق ڈیٹرائٹ پولیس سے ہے۔" کیرولین نے کہا۔ "میں جوجو گومز سے ملنے آئی ہوں۔ کیا وہ یہاں زیرِ علاج ہے؟"

"نہیں۔" بوڑھے نے میز کی دراز کھولتے ہوئے کہا۔

"مجھے بتایا گیا تھا......"

"وہ یہاں کا منتظم ہے۔" اس نے ریوالور نکالا اور اس کا رخ کیرولین کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ "دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ اور اپنے ہاتھ اوپر رکھو۔"

"میں واقعی پولیس آفیسر ہوں۔"

"میں نے کہا اپنے ہاتھ اوپر رکھو۔"

''پُرسکون ہو جاؤ۔ میں تمہیں اپنا کارڈ دکھاتی ہوں۔ آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟''

''میرا نہیں تمہارا مسئلہ۔ تم اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں جب میں جوجو بنا۔'' یہ کہتے کہتے وہ رک گیا۔

اسٹک اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا اور اپنی چھڑی کی نوک اس کی کمر سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''پیچھے مڑ کر مت دیکھنا جوجو۔ اپنی گن میز پر رکھ دو۔''

گومز ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس نے دل میں موٹی سی گالی دی اور ریوالور میز پر رکھ کر ہاتھ کھڑے کر دیے۔ کیرولین نے ریوالور اٹھا کر اسے خالی کیا اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''تم کیا چاہتے ہو اسٹک؟'' جوجو نے پوچھا۔

''تم اس خاتون کو گیم کے بارے میں بتا دو۔''

''میں پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔''

''اب اسے بھی بتاؤ۔'' اسٹک نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی چھڑی اتنے زور سے میز پر ماری کہ جوجو اپنی کرسی سے تقریباً اچھل پڑا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، بتاتا ہوں لیکن خدا کے واسطے مجھے دوبارہ مت مارنا۔''

''اگر تم مجھے سچ بتاؤ گے تو یہ کچھ نہیں کہے گا۔'' کیرولین بولی۔ ''تم اس گیم کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''یہ سن اٹھاسی کی بات ہے۔'' جوجو بولا۔ ''ففٹی گرانڈ کلب میں ہونے والے ایک گیم کے لیے میری خدمات حاصل کی گئیں۔ اسے ایک امن کانفرنس کا نام دیا گیا۔ دراصل سیرین گروپ پیراڈائز ویلی تک اپنا دائرہ بڑھانا چاہ رہا تھا لیکن ازی اس کی مخالفت کر رہا تھا لیکن وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس میں زیادہ طاقت نہیں تھی۔ لہٰذا سیرین کے باس ڈیسمنڈ نے معاملات طے کرنے کے لیے اس پوکر گیم کا بندوبست کیا۔ میں اس سے پہلے کئی بڑے گیم کروا چکا تھا اور لوگ مجھ پر بھروسا کرتے تھے۔''

''یہ ان کی غلطی تھی۔'' اسٹک نے کہا۔

''وہ گیم اس پیمانے کا نہیں تھا۔'' جوجو نے کہا۔ ''ڈیسمنڈ چاہتا تھا کہ میں کچھ ایسا کام دکھاؤں کہ ازی کے پاس اچھے پتے آئیں تاکہ وہ جیتتا رہے اور آگے کھیلتا رہے۔ میرا خیال تھا کہ اگر وہ چند ہزار ڈالر جیت گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

''مختصر بات کرو۔'' اسٹک نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''نصف شب ہونے تک ازی بہت تھک چکا تھا۔ ڈیسمنڈ نے کھیل ختم کیا اور اسے باہر لے کر چلا گیا۔ اس کا نائب جوئے اور میں بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ اس سے باتیں کرتے کرتے ایک کار تک گیا۔ بس میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔''

''وہ بھی بتاؤ۔'' اسٹک نے کہا۔

''میں اور جوئے اس بوڑھے کو ڈیسمنڈ کی کار تک لے گئے اور اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ ازی پوری طرح نشہ میں دھت تھا تبھی ڈیسمنڈ کی نظر ایک کار میں بیٹھی ہوئی لڑکی پر گئی جو ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ڈیسمنڈ نے مجھے اس لڑکی کو چیک کرنے کے لیے کہا۔ جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ کلب کی سنگر ریٹا تھی۔ اس نے پوچھا کہ ازی کو کیا ہوا۔ میں نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ڈیسمنڈ کو اشارہ کر دیا پھر میں واپس کلب میں چلا گیا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔''

''ابھی بات پوری نہیں ہوئی۔'' اسٹک بولا۔ ''اسے شوٹنگ کے بارے میں بھی بتاؤ۔''

''میں نے کچھ نہیں دیکھا۔'' جوجو بولا۔ ''ممکن ہے کہ کلب میں جانے کے بعد میں نے کوئی آواز سنی ہو لیکن بینڈ کے شور کی وجہ سے میں نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ اس لیے یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اسٹک سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اب ہمیں چلنا چاہیے۔''

''ابھی نہیں۔'' کیرولین نے کہا۔ ''مسٹر گومز تم وہیل چیئر پر کس طرح آ گئے؟''

''میں سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔'' جوجو نے جواب دیا۔

واپسی کے سفر میں گاڑی چلاتے ہوئے کیرولین بار بار اسے دیکھتی رہی۔ اسٹک نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''تم نے اس کا یہ حال کیا ہے۔ اسے اتنا مارا کہ وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو گیا۔''

''جو بُرے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم بہت کچھ جانتے ہو۔''

''ازی نے شراب نہیں پی تھی اور نہ ہی اس وقت بینڈ بج رہا تھا۔

"کیا؟"

"ہاں، ریتا میری کار میں تھی۔ اس لیے بینڈ بجنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس نے جو آواز سنی۔ وہ فائر کی تھی اور ازی کھیلنے کے دوران کبھی نہیں پیتا تھا البتہ اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کے لیے آئس ٹی پی لیا کرتا تھا۔ اس کی مدہوشی کی وجہ یہ تھی کہ کسی نے اس کے مشروب میں نشہ آور دوا ملا دی تھی لیکن یہ کام ڈیسمنڈ کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ازی اسے دیکھ رہا تھا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ گومز نے ایسا کیا ہوگا۔"

"وہ ہاتھ کی صفائی دکھانے میں ماہر تھا۔"

"جب تم اس سے سب کچھ معلوم کر چکے تھے پھر مجھے اس کے پاس لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تم خود ہی مجھے بتا دیتے۔"

"تمہاری نانی نے مجھے شیطان کہا تھا اس لیے شاید میری بات کا یقین نہ کرتیں لیکن گومز کی زبان سے سننے کے بعد تمہیں سچائی کا پتا چل گیا ہوگا۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "اس کا کہنا ہے کہ جب وہ واپس کلب میں آیا تو میری ماں زندہ تھی پھر اسے کس نے گولی ماری؟"

"تمہاری ماں نے جوجو کو دیکھا پھر اس کی نظر سیرین، ڈیسمنڈ اور جوئے پر گئی جو ازی کو ایک کار میں ڈال رہے تھے۔"

"اور ڈیسمنڈ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "اور تمہارا خیال ہے کہ وہ یا اس کا ساتھی ماں کے قریب گیا اور اسے گولی ماردی۔"

"زیادہ امکان یہی ہے۔ ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

"اب وہ کہاں ہیں؟ ڈیسمنڈ اور اس کا ساتھی؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ مر گئے ہوں گے۔"

"یہ تم کیسے جانتے ہو؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن وہ منشیات کا دھندا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔"

کیرولین نے اپنا سیل فون نکالا اور تیزی سے اس کے بٹن دبانے لگی پھر اسکرین پر دیکھتے ہوئے بولی۔ "ڈیسمنڈ لاپتا ہے اور پولیس کو پوچھ گچھ کے لیے مطلوب ہے۔ اس کا ساتھی جوئے بھی غائب ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہیں؟"

"ہمارے درمیان یہ طے نہیں ہوا تھا۔ تم جو جاننا چاہ رہی تھیں۔ وہ معلوم ہو گیا۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ میں یہاں تک آنے کے بعد واپس نہیں جا سکتی۔ جوجو سے حقیقت جاننے کے بعد کیا تم نے ان کا پیچھا کیا تھا؟"

اسٹک نے کوئی جواب نہیں دیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا تم نے انہیں مار دیا؟"

"جب میں نے آخری بار ڈیسمنڈ کو دیکھا تو وہ زندہ اور صحیح سلامت تھا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ اب وہ کہاں ہے؟"

"ٹھیک سے نہیں بتا سکتا۔"

"لیکن تمہیں کچھ اندازہ تو ہوگا۔ کیا تم اسے تلاش کر سکتے ہو؟"

"میں ایک ایسی جگہ کے بارے میں جانتا ہوں جہاں وہ اکثر جایا کرتا تھا۔"

"ٹھیک ہے، مجھے وہاں لے چلو۔"

"یہ ہمارے معاہدے میں شامل نہیں تھا۔ کیرولین، تم نے کہا تھا......"

"میں جانتی ہوں کہ میں نے کیا کہا تھا لیکن اب یہ معاملہ بہت اہم ہو گیا ہے۔ تم سے بھی زیادہ۔ اگر چاہتے ہو کہ تمہارے آخری ایام جیل کی کوٹھری میں نہ گزریں تو مجھے ابھی اور اسی وقت وہاں لے چلو۔"

وہ تفریحی پارک ایک ڈھلان سطح کی بلندی پر واقع تھا۔ جہاں بچوں اور بڑوں کی دلچسپی کے لیے گرمیوں میں واٹر سلائڈ اور سردیوں میں برف پر گاڑی چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ خاص طور پر کرسمس کے موقع پر تو وہاں ایک میلہ لگا رہتا۔ اسٹک نے لفٹ چیئر کے دو ٹکٹ خریدے اور وہ اس میں سوار ہو کر چوٹی پر پہنچ گئے۔

"کیا وہ یہاں کام کرتے ہیں؟" کیرولین نے لفٹ سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"پھر وہ یہاں کیا کرنے آتے ہیں؟ وہ کہاں ملیں گے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" اس نے کہا۔ "نیچے کہیں ہوں گے۔"

"ڈھلان کے نیچے؟"

"نہیں۔" اسٹک نے کہا۔ "اس کے اندر۔"

وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"تیس سال پہلے اس پارک کا وجود نہیں تھا۔" اس نے کہا۔ "اس وقت یہاں شہر کا کچرا پھینکا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے سو ایکڑ پر محیط ایک ستر فٹ گہرا گڑھا بنایا گیا۔ یہ ایک معروف ترین جگہ تھی جہاں ہر دس منٹ بعد ایک ٹرک کچرا لے کر آتا تھا۔ چند سالوں بعد یہ گڑھا پوری طرح بھر گیا۔ اس کے باوجود کچرا پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک پہاڑی کی شکل اختیار کرلی پھر اس جگہ کی صفائی کر کے اسے پارک میں تبدیل کر دیا گیا۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"

"اسی جگہ میں ان دونوں کو لے کر آیا تھا۔ انہوں نے بھی ازی کو یہیں پھینکا تھا۔ اس کے بعد بھی چند برسوں تک میں چیک کرتا رہا۔"

"کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ ان کی لاشیں یہاں پھینک دی تھیں؟"

"لاشیں نہیں، میں نے انہیں پھینکا تھا۔ اس وقت وہ زندہ تھے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ان پر کیا گزری یا اب وہ کہاں ہیں۔"

"اوہ میرے خدا!" کیرولین کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم انہیں یہاں تک کیسے لائے؟"

"میں نے بتایا نا کہ بدمعاشوں کے لیے چھوٹے موٹے کام کیا کرتا تھا۔ اس لیے سب لوگ مجھ پر بھروسا کرتے تھے۔"

"لیکن تم نے میری نانی سے وعدہ کیا تھا کہ میری ماں کے قتل کا بدلہ نہیں لو گے۔"

"انہوں نے اسی رات ازی کو بھی مار دیا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اور میں اسی کے علاقے میں پلا بڑھا تھا۔ اس لیے میں نے تمہاری ماں کا نہیں بلکہ ازی کی موت کا بدلہ لیا۔ تم حقائق جاننا چاہتی تھیں۔ اب تمہیں اطمینان ہو گیا ہوگا۔"

کیرولین نے جواب دینے کے بجائے سر ہلا دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے اپنے فون کے ذریعے یہ گفتگو ریکارڈ کرلی ہوگی۔ لہٰذا میں پھنس گیا۔"

"اس کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ میں تمہیں ایک قابلِ اعتبار گواہ نہیں سمجھتی پھر بھی میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"تم نے ایک سنگین جرم کا اعتراف کیا ہے اگر میں اس پر یقین کرلوں لیکن تم نے مجھے بتا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔"

"یہ جاننا تمہارا حق تھا۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ "میں بھی اس کے عوض تم سے کچھ مانگنا چاہوں گا۔"

"کیا؟"

"تم اپنی نانی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ وہ تیس سال پہلے تمہاری ماں کو دفن کر چکی ہے۔ اب اس کے زخم مت کریدو۔"

"معاف کرنا۔ میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ میری طرح اسے بھی جاننے کا حق ہے۔ اسے سچ معلوم ہونا چاہیے اور یہ کہ جن لوگوں نے میری ماں کو مارا، انہیں سزا مل گئی ہے۔ بائبل بھی یہی کہتی ہے، آنکھ کے بدلے آنکھ......"

"وہ مجھے شیطان سمجھتی ہے۔"

"وہ تمہیں ابھی تک نہیں بھولی۔ وہ تصویر اب بھی اس کے سرہانے رکھی ہے۔ اس نے صرف مجھے اور رابرٹ کو بچانے کے لیے تم سے دوری اختیار کرلی تھی۔ یہ سب جاننے کے بعد اس کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔ باقی کام تمہیں کرنا ہوگا۔ وہ ہر اتوار کو میرے بچوں کو لے کر پارک جاتی ہے۔ تم اس سے بات کرو تاکہ اسے سکون مل جائے۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں کیرولین۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ تمہارا یہی احسان بہت ہے۔"

"میں نے تمہارا ریکارڈ دیکھا ہے اور جانتی ہوں کہ تمہاری عمر کیا ہے۔ ابھی تم اتنے بوڑھے نہیں ہوئے۔"

اتوار کے دن اس کے قدم خودبخود پارک کی جانب اٹھ گئے۔ اس کی نظر ایک دراز قد باوقار سیاہ فام عورت پر گئی جو دو بچوں کے ساتھ پارک میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ کیرولین ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اس لمحہ اسے گزرے ہوئے تیس سال، صرف تیس منٹوں کے برابر لگے۔

اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے وہ ٹھٹک گئی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بھی وہ اسے گھور رہا تھا۔ ویلویٹ نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ صرف اسے دیکھتی رہی۔ اسکٹ نے اس کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ پہلے وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا پھر بتدریج اس کی رفتار بڑھتی گئی۔ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا اور جوان محسوس کر رہا تھا یہاں تک کہ اس کی ٹانگ کا پرانا درد بھی ختم ہو گیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اپنی چھڑی دور پھینک دی۔ اب اسے اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔



سراغ

تنویر ریاض

کچھ کیس ایسی پیچیدگی اختیار کرلیتے ہیں کہ دورانِ تفتیش کوئی سراغ... کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا... ایک ایسے ہی مشکل کیس کی رُوداد۔ قتل کی واردات ہو چکی تھی... سراغ رساں تفتیش کے دائروں کو وسیع کررہے تھے... اور انہی دائروں میں مسلسل چکرا رہے تھے...

لالچ وہوس کی بڑھتی ہوئی بھوک جس نے بے ایمانی کی کوکھ تلاش کرلی تھی......

سراغ رساں سارجنٹ فرٹز ڈولنگر معمول کے مطابق صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ پٹرول مین پیٹی فورڈ نے ٹیلی فون پر اسے ایک لاش کے بارے میں بتایا جسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ تیار ہوکر پہلے اپنے دفتر گیا اور کچھ ضروری کام نمٹانے کے بعد تقریباً ڈیڑھ بجے جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ وہاں پہلے سے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں ایک کورونر آفس کی وین تھی۔ اسے دیکھ کر ڈولنگر کو اطمینان ہوگیا کہ وہ صحیح جگہ پر پہنچا ہے۔ وہاں سے ایک راستہ کھائی کی طرف جارہا تھا

جہاں ایک بہت بڑا سیمنٹ کا پائپ نصب تھا جس نے سڑک کے نیچے ایک سرنگ کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس میں سے سیوریج کا پانی باہر آرہا تھا۔ وہاں سے پچاس گز کے فاصلے پر دو لڑکے اس جمع ہونے والے پانی میں پتھر پھینک رہے تھے۔

ڈولنگر کے قدموں کی چاپ سن کر فورڈ سرنگ سے باہر آ گیا اور حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ''تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ کیا تمہارے پاس کوئی کمپاس ہے جبکہ مجھے اس جگہ کو تلاش کرنے میں دس منٹ لگ گئے تھے۔''

''سڑک کے کنارے تمہاری کار اور کورونر کی وین کھڑی ہے۔ انہیں دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا۔ نک کہاں ہے؟''

کورونر آفس کا سراغ رساں نک اسٹیمی سرنگ سے برآمد ہوا۔ ''فی الحال ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔'' اس نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں صرف اس لیے فون کر دیا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم ہفتے کا آغاز کسی مشکل مسئلے سے کرنا پسند کرتے ہو۔''

''ہفتے سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ڈولنگر چڑ کر بولا۔ ''ہم بھی تمہاری طرح چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔''

''احتیاط سے قدم اٹھانا۔ یہاں جگہ جگہ ٹوٹے ہوئے شیشے اور زنگ آلود کیلیں پڑی ہوئی ہیں۔''

سرنگ کے دہانے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر پینٹ شرٹ اور ٹائی تھی۔ اس کی قمیص کے سامنے والے حصے پر سیاہ اور گاڑھا خون جم گیا تھا جو اس کی گردن میں ہونے والے سوراخ سے باہر آیا تھا۔

''اسے مرے ہوئے کتنی دیر ہو گئی؟'' ڈولنگر نے پوچھا۔

''کم از کم چھتیس گھنٹے۔''

''ہتھیار؟''

''وہ ہمیں نہیں ملا۔'' فورڈ نے جواب دیا۔

''کوئی شناخت؟''

''ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کی شناخت ہو سکے۔ والٹ، چابیاں، جیولری کچھ بھی نہیں۔ البتہ قمیص کی جیب سے یہ لفافہ ملا ہے۔'' اسٹیمی نے اسے ایک شفاف پلاسٹک کا لفافہ دیتے ہوئے کہا۔ اس لفافے میں ایک سفید کاغذ پر کوڈ ورڈز میں ایک عبارت درج تھی جس میں مالش کے لیے کسی خوشبودار تیل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس کاغذ کی پشت پر تیل کے اجزا درج تھے اور ان کے نیچے کسی ٹریسی کا نام مع فون نمبر بال پوائنٹ سے لکھا ہوا تھا۔

''میں نے اس نمبر پر فون کیا تھا۔'' اسٹیمی نے بتایا۔ ''لیکن آنسرنگ مشین سے جواب آیا کہ وہ دو بجے واپس آئے گی۔ تاہم میں نے کوئی پیغام نہیں چھوڑا۔''

ڈولنگر نے وہ نمبر اپنی نوٹ بک میں لکھا اور لفافہ واپس کر دیا۔

''سارجنٹ۔'' فورڈ نے کہا۔ ''شاید تم ان لڑکوں سے بات کرنا چاہو گے جنہوں نے سب سے پہلے یہ لاش دیکھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک تو پہلے ہی جا چکا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈولنگر کو اپنا کلپ بورڈ پکڑوا دیا۔

فورڈ کے نوٹس کے مطابق کیڈرک عمر بارہ سال اور ولسن عمر چودہ سال کیمبل پارک کے دوسری جانب ویڈ ایونیو پر رہائش پذیر تھے۔ اب ان میں سے ایک ہی نظر آرہا تھا لیکن جیسے ہی ڈولنگر نے اس کی جانب بڑھنا شروع کیا تو اس لڑکے نے آواز لگائی۔ ''وشو!'' اور اس کا چھوٹا بھائی فوراً ہی جھاڑیوں سے نکل کر آ گیا۔

''تمہارے گھر والوں کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟''

دونوں لڑکوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم دونوں میں سے کوئی اس آدمی کو جانتا ہے یا پہلے کبھی اسے دیکھا؟''

اس بار ان کا جواب نفی میں تھا۔

''تم نے یہ لاش کیسے دیکھی؟''

ولسن نے بتایا کہ وہ گرمی کی چھٹیوں میں ہفتے میں دو تین بار اس کھائی میں چیزیں تلاش کرنے آتے ہیں۔ تو انہوں نے اس لاش کو سڑک کے نیچے سرنگ کے دہانے پر دیکھا۔ ان میں سے ایک لاش کے پاس رک گیا۔ اور دوسرے نے قریبی پارک میں پبلک سیفٹی کو فون کر دیا۔

''کیا تم لوگ کل بھی یہاں آئے تھے؟''

''نہیں جناب۔ اتوار کے دن ہمیں گھر سے باہر کھیلنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ دوپہر کو چرچ جانا ہوتا ہے۔''

دو بجے ڈولنگر نے اس نمبر پر فون کیا جو لفافے میں رکھے ہوئے کاغذ پر درج کیا اور ٹریسی سے بات کرنے کی خواہش کی۔ فون ٹریسی نے ہی اٹھایا۔

''میں پبلک سیفٹی سے سارجنٹ ڈولنگر بول رہا ہوں۔ کیا میں تمہارا نام جان سکتا ہوں؟''

''ٹریسی نوزویل۔''

''میں ایک قتل کی تفتیش کر رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گی؟''

"تم مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"نہیں میڈم، ایسی بات نہیں ہے۔ جس شخص کی لاش آج صبح ملی ہے، اس کی جیب میں ایک لفافہ تھا اور اس میں موجود کاغذ پر تمہارا نام اور فون نمبر لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ خدا۔ وہ تو مسٹر وینڈنگ ہیں۔ کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ مر گئے؟"

"ہاں میڈم ان کی لاش دو گھنٹے قبل دو لڑکوں نے ایک زمین دوز نالی میں دیکھی جو کیمیلی پارک کے قریب ہی ہے۔ اسے غالباً پرسوں رات گولی ماری گئی ہے۔"

"اوہ میرے خدا، وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"یہی تو میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیا وہ تمہارا قریبی دوست ہے؟"

"ہم ساتھ کام کرتے ہیں۔"

"کہاں؟"

"ڈائرول کارپوریشن۔ یہ ہینوور روڈ پر واقع ایک کیمیکل فرم ہے۔"

"کیا تم مجھے اس کا پورا نام بتا سکتی ہو۔"

"مائرون۔ ٹی، وینڈنگ۔"

"اور اس کا پتا؟ صرف سڑک ہی بتا دو۔"

"سوری، مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔"

"تم دونوں ڈائرول کے ملازم ہو؟"

"ہاں، آج میں نے خریداری کے لیے چھٹی کی ہے۔ مسٹر وینڈنگ وہاں بزنس منیجر تھے۔"

"پھر تو ہم کمپنی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا وہ شادی شدہ تھا؟"

"ہاں مگر، اس کی بیوی مر چکی ہے۔"

"اس کے بچے یا خاندان کا کوئی فرد جسے تم جانتی ہو۔ ہم اس کے وارث سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"سوری، میں کسی کو نہیں جانتی۔"

"تم نے اسے آخری بار کب دیکھا؟"

"وہ جمعے کو کام پر آیا تھا۔"

"کیا تم اس سے دفتر کے باہر بھی ملتی تھیں؟"

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ میرا باس تھا۔ اس کے علاوہ مجھ سے عمر میں بھی بڑا تھا۔ میں نے اسے وہ کرسٹل اس لیے دیے کیونکہ اسے نیند نہ آنے کی شکایت تھی اور پیکٹ کے ساتھ اپنا فون نمبر اس لیے رکھ دیا کہ اگر اسے مزید کرسٹل کی ضرورت ہو تو وہ مجھے گھر پر فون کر سکے۔ میرا نمبر ڈائریکٹری میں نہیں ہے۔"

ڈولنگر نے دوبارہ ہیڈ کوارٹر فون کیا اور مقتول کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، وہ لکھوا دیں۔ دوسرا فون اس نے ڈائرول کارپوریشن کو کیا اور مائرون وینڈنگ کے بارے میں پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ آج مسٹر وینڈنگ دفتر نہیں آئے۔ پھر اس نے پرسنل ڈپارٹمنٹ میں فون کر کے اپنے آپ کو انشورنس کمپنی کا نمائندہ ظاہر کیا اور کہا کہ وہ مسٹر وینڈنگ کا بیک گراؤنڈ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اسے جو معلومات فراہم کی گئیں، ان کے مطابق وینڈنگ کی عمر ستاون سال تھی۔ وہ کمپنی میں بزنس منیجر اور کنٹرولر کے عہدے پر فائز تھا اور اسے وہاں ملازمت کرتے ہوئے سولہ سال ہو گئے تھے۔ وہ ڈالٹن اسپرنگز پر رہتا تھا۔

کمپنی کے ریکارڈ کے مطابق اس کا بھتیجا کیون ہی اس کا وارث تھا اور وہ سائبوٹریکس کے نام سے ایک ڈیٹا بیس مارکیٹنگ فرم کا مالک تھا۔ ڈولنگر نے اسے فون پر کہا۔ "تمہیں زحمت دینے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مائرون وینڈنگ تمہارا چچا ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔"

"میرے پاس تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے۔ میں ایک قتل کی تحقیقات کر رہا ہوں اور ابتدائی معلومات کے مطابق مقتول کی شناخت مائرون وینڈنگ کے نام سے ہوئی ہے۔"

"لاش کہاں سے ملی؟"

"سیوری روڈ پر ایک پلیا کے نیچے۔ وہ جگہ اس کے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اسے غالباً پرسوں رات گولی ماری گئی۔"

ڈولنگر نے اشارہ سے اسٹیمی کو اپنے پاس بلایا اور فون اسے پکڑا دیا تاکہ وہ وینڈنگ کے قریبی رشتے دار سے آخری رسومات کے انتظامات پر بات کر سکے۔

گفتگو ختم کرنے کے بعد اسٹیمی نے فون واپس کر دیا اور بولا۔ "اس کا کہنا ہے کہ وہ وینڈنگ کا واحد قریبی رشتے دار ہے لیکن ان کے درمیان برسوں سے رابطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے چچا کی لاش کو شناخت کرنے کے لیے شام پانچ بجے کے بعد کسی وقت مردہ خانے آئے گا۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کب ملے گی؟"

"آج تو مشکل ہے۔ شاید کل کسی وقت مل جائے۔ ڈاکٹر ویلنغائن کے پاس پیر کو ہمیشہ کام زیادہ ہوتا ہے۔"

ڈولنگر جب سیکنڈ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر پہنچا تو اس کا باس لیفٹیننٹ اوبرن اسی وقت آیا تھا۔ وہ کسی مقامی اسکول میں ٹریفک اور پرسنل سیفٹی پر لیکچر دینے گیا تھا۔ ڈولنگر نے اسے

ویڈنگ کے قتل کے بارے میں بتایا۔ اس کے مفروضے کے مطابق ویڈنگ پیدل ہی سیوری روڈ پر جارہا تھا کہ کسی نامعلوم شخص نے اسے گولی ماردی۔

''اس کے مکان کی چابی کس کے پاس ہوسکتی ہے؟'' اوبرن نے تبصرہ کیا۔ ''تمہارے خیال میں بہتر نہ ہوگا کہ ہم وہاں جائیں۔''

کئی بار دستک دینے کے باوجود کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ ویڈنگ کے مکان کے دونوں دروازے مقفل تھے۔ دروازے پر لگے میل باکس میں دو عدد بل اور چند پمفلٹ پڑے ہوئے تھے۔ ایک پرانے ماڈل کی لگژری کار ڈرائیو وے میں کھڑی ہوئی تھی۔ کار کا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ انہوں نے اس میں رکھے ہوئے ریموٹ سے گیرج کا دروازہ بھی کھول لیا۔ گیرج کے راستے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہاتھوں پر دستانے اور جوتوں پر کور چڑھا لیے۔

ویڈنگ کی وارڈ روب کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ انہیں پورے گھر میں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی جس سے معلوم ہوتا کہ یہاں کی تلاشی لی گئی ہے۔ تمام الماریاں اور درازیں مقفل تھیں اور ان میں سے کچھ پر گرد بھی جمی ہوئی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں کافی عرصے سے نہیں کھولا گیا۔

اوبرن کی نظر کچن میں کیبنٹ کے نیچے ایک نشان پر گئی۔ اس جگہ کا رنگ اڑ چکا تھا۔ ایسا ہی ایک نشان اس کے اپنے کچن میں بھی تھا۔ اس کی وجہ ٹوسٹر کی حدت تھی لیکن اس کچن میں ٹوسٹر کاؤنٹر کے دوسرے سرے پر سنک کے برابر میں رکھا ہوا تھا لیکن اسے وہاں کوئی ایسا بے رنگ دھبا نظر نہیں آیا۔ اوبرن نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹوسٹر لکڑی کے ایک موٹے پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ جسے کاؤنٹر کے نیچے بولٹ لگا کر جوڑا گیا تھا۔

اوبرن کی نظر میں یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ وہ اپنی کار تک گیا اور وہاں سے کچھ اوزار لے کر آیا۔ اس نے بولٹ کھول کر ٹوسٹر کو الگ کیا تو اسے کاؤنٹر میں ایک خلا نظر آیا۔ اس میں کپڑے میں لپٹے ہوئے پرانے فیشن کے زیورات کے علاوہ سونے کے ڈبے بھی رکھے ہوئے تھے۔ جن کی مالیت کئی لاکھ ڈالر تھی۔ قانون کے مطابق یہ اشیا کیس کا فیصلہ ہونے تک کورونر کی تحویل میں رہتیں چنانچہ ڈولنگر نے اسٹیمی کو کہا کہ وہ ویڈنگ کی رہائش گاہ ڈالٹن اسپرنگز پر آجائے۔

ہال میں رکھی ہوئی میز کی دراز سے انہیں مکان اور کار کی چابیوں کا ایک اضافی سیٹ بھی مل گیا۔ انہوں نے کار گیرج میں کھڑی کی اور اسٹیمی کا انتظار کرنے لگے۔ اس کے آنے پر انہوں نے وہ قیمتی اشیا اس کے حوالے کیں اور ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے بعد مکان کو سیل کردیا۔

ان قیمتی اشیا کی برآمدگی کے بعد مقتول ویڈنگ کی شخصیت مشکوک ہوگئی تھی۔ آخر کیا وجہ تھی کہ اس نے سونے کی ڈلیوں اور زیورات کو کسی بینک کے والٹ کے بجائے کچن کے خفیہ خانے میں رکھا۔ ان دنوں لوگ اپنا سرمایہ محفوظ کرنے کے لیے اسے سونے میں تبدیل کرلیتے ہیں تاکہ ٹیکس حکام کی نظروں میں نہ آنے پائے لیکن زیورات کا معاملہ مختلف تھا۔ ان کی قیمت کا تعین کوئی سنار ہی کرسکتا تھا۔

''اس کے بھتیجے کے کہنے کے مطابق ویڈنگ کی بیوی کا انتقال چار سال پہلے ہوا تھا۔'' اسٹیمی نے بتایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اس نے یہ زیورات بھی ٹیکس حکام سے بچنے کے لیے چھپائے ہوں گے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' اوبرن نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ ''اب ہمیں اس کا پورا پروفائل نکلوانا ہوگا۔ یہ صریحاً بینک قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اس کے انڈر ورلڈ سے روابط تھے تو اسے خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ محض ڈکیتی کی واردات نہیں تھی۔''

کھانا کھانے کے بعد وہ مردہ خانے گئے جہاں ساڑھے چھ بجے لاش کا پوسٹ مارٹم ہونا تھا۔ وہاں کیون ویڈنگ پہلے سے موجود تھا اور اس نے اپنے چچا کی لاش شناخت کرلی تھی۔

''ہاں، یہ وہی ہے۔'' اس نے انہیں بتایا۔ ''لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ کوئی مردہ شخص اتنا خوفناک ہوسکتا ہے گوکہ میں نے اسے آنٹی کونی کی تدفین کے بعد نہیں دیکھا تھا۔''

''تم نے بتایا ہے کہ اس کا انتقال چار سال پہلے ہوگیا تھا؟''

''ساڑھے چار سال۔'' اس نے تصحیح کی۔ ''میں اور چچا کبھی بھی آپس میں قریب نہیں تھے لیکن آنٹی کے انتقال کے بعد وہ بالکل ہی الگ تھلگ ہوگئے تھے۔''

''کیا تم دفتر میں کام کرنے والے لوگوں کے علاوہ اس کے کسی قریبی دوست یا ساتھی کو جانتے ہو؟'' اوبرن نے پوچھا۔ ''وہ کسی کلب میں جاتا تھا۔ اس کے مشاغل کیا تھے، کوئی کاروباری دلچسپی، کوئی گرل فرینڈ وغیرہ؟''

کیون نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ سب میرے لیے ایک بند کتاب کے مانند ہے۔ انکل مارون نے کم از کم مجھ سے تعلقات ختم کرلیے تھے۔ شاید وہ ڈرتے تھے کہ میں

ان سے دوبارہ قرض نہ مانگ لوں۔"

"کیا پہلے بھی اس سے تمہارا کوئی کاروباری لین دین تھا؟"

"انہوں نے اس وقت میری مدد کی تھی جب میں نے اپنا کام شروع کیا۔ وہ کچھ عرصہ خاموشی سے رقم کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ میری کمپنی مشکل حالات سے گزر رہی ہے۔ صرف بڑی کمپنیاں ہی لوگوں کو فارغ کر کے اس کساد بازاری کا مقابلہ کر رہی ہیں لیکن اگر میں کسی کو نکالوں گا تو مجھ پر کام کا بوجھ دگنا ہو جائے گا۔"

جب اسٹیمی نے اسے بتایا کہ چابیاں گم ہونے کی وجہ سے وینڈنگ کا مکان عارضی طور پر سیل کر دیا گیا ہے تو اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آنے لگے کیونکہ ایسی صورت میں وینڈنگ کے وکیل کی جانب سے وصیت سنانے میں تاخیر ہو سکتی تھی۔

ڈولنگر نے مناسب سمجھا کہ وینڈنگ کی کمپنی کو بھی یہ خبر سنا دی جائے۔ اس نے ڈائرول کارپوریشن کا نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والی وہی استقبالیہ کلرک تھی جس سے وہ دوپہر میں بات کر چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ کمپنی کو یہ اطلاع پہلے ہی مل چکی ہے۔ بلاشبہ وہ ٹریسی نورویل ہی تھی۔

مردہ خانے کا اٹینڈنٹ جولیس لاش کو پوسٹ مارٹم روم میں لے کر آیا اور اسے اسٹین لیس اسٹیل کی میز پر لٹا دیا۔ اوبرن، ڈولنگر اور اسٹیمی پلاسٹک کی پارٹیشن کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ فوراً ہی ڈاکٹر ویلنفائن آ گیا اور اس نے پوسٹ مارٹم کی کارروائی شروع کر دی۔ وہ ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا جو ریکارڈنگ مشین میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ لاش کی کھوپڑی، چہرے اور ہاتھوں پر لگنے والے زخموں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گولی مارنے کے بعد ڈھلوان کی جانب گھسیٹا گیا یا سڑک کے کنارے سے نیچے دھکیل دیا گیا تھا۔

دوسرے روز صبح کے اخبارات میں وینڈنگ کی خبر تفصیل سے شائع ہوئی گو کہ اس میں صرف حقائق بیان کیے گئے تھے لیکن یہ قیاس آرائی بھی کی گئی کہ وینڈنگ کو لوٹنے اور قتل کرنے والا کوئی جرائم پیشہ شخص تھا جو کرمیل پارک کے نزدیک آوارہ گردی کر رہا تھا۔ وہ جگہ منشیات کے کاروبار کی وجہ سے مشہور تھی۔

وینڈنگ کے قتل کی ابتدائی رپورٹ سننے کے بعد سیکنڈ ڈسٹرکٹ کے کمانڈر کیپٹن میٹنگ نے اوبرن کی یہ درخواست منظور کر لی کہ مارون وینڈنگ کے ماضی کی مکمل چھان بین اور اس کے بھتیجے کیون کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کی جائیں۔ اس نے اس تجویز سے بھی اتفاق کیا کہ وینڈنگ کے ادارے ڈائرول کارپوریشن کا دورہ کیا جائے۔

بینوور روڈ شہر کے مضافات میں واقع تھی۔ اس کا تین چار میل کا حصہ ایسے علاقے سے گزرتا تھا جہاں ہلکی صنعتیں تھیں۔ ان میں مینوفیکچرنگ، گودام، آٹو پارٹس کے ڈسٹری بیوٹرز اور اسی طرح کے دوسرے ادارے تھے۔ ڈائرول کارپوریشن ایک تین منزلہ عمارت میں واقع تھی۔

اوبرن اور ڈولنگر کو توقع تھی کہ وہاں انہیں افسردہ ماحول ملے گا بلکہ شاید کچھ لوگوں کی آنکھ میں آنسو بھی ہوں لیکن اس کے بجائے کافی گہما گہمی نظر آئی۔ وہ ایک ویران لابی سے گزر کر ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے جہاں سات آٹھ لوگ اپنی میزوں پر بیٹھے کام میں مصروف تھے۔ ان دونوں کی آمد کا کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

ان لوگوں کے نزدیک ہی ایک سنہرے بالوں والی لڑکی بدحواسی کے عالم میں کھڑی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہی ٹریسی نورویل ہے۔ وہاں کی افراتفری اور گہما گہمی دیکھ کر ڈولنگر سمجھ گیا کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ اس نے اپنا اور اوبرن کا تعارف کروانے کے بعد ٹریسی سے پوچھا کہ کیا کوئی معائنہ ٹیم آ رہی ہے۔

"کاش ایسا ہوتا۔" ٹریسی نے اپنی بالیاں جھلاتے ہوئے کہا۔ "کل انہوں نے مسٹر وینڈنگ کے حسابات میں کچھ فرق نوٹ کیا ہے اور جیسے جیسے وہ گہرائی میں گئے، یہ فرق بھی بڑھتا گیا۔ مسٹر ڈفلپ اور کچھ دوسرے لوگ رات بھر یہاں رہے۔ انہوں نے رات دس بجے مجھ سے بھی فون کر کے پاس ورڈ کے بارے میں پوچھا لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتی۔"

وہ انہیں ایک پرائیویٹ آفس میں لے گئی جہاں کمپنی کا مالک چین ڈفلپ اپنے ایک نوجوان معاون کے ساتھ بیٹھا کمپیوٹر پر کام کر رہا تھا۔ اس کا جسم بھاری اور عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ جب انہوں نے اپنی شناخت کروائی تو وہ بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ جو بات مجھے آج معلوم ہوئی ہے اگر وہ گزشتہ ہفتے تمہیں پتا چل جاتی تو تمہارا شک سب سے پہلے مجھ پر جاتا۔ اگر میں کوئی خلافِ عقل بات کروں تو مجھے معاف کر دینا لیکن آج ہی معلوم ہوا ہے کہ ایک بدعنوان شخص مجھے برسوں سے لوٹ رہا تھا۔"

اس نے اپنے ساتھی کا تعارف برائن ٹرولگر کے طور پر کروایا۔ وہ ایک خود مختار مالیاتی مشیر تھا۔ "برائن نے گزشتہ ہفتے کے آغاز پر ہی ہمارے ساتھ کام شروع کیا ہے۔" ڈفلپ

نے کہا۔ "میں نے اس کی خدمات اس لیے حاصل کیں کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہماری آمدنی میں کمی کا تعلق موجودہ کساد بازاری سے نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہوا کہ ہمارے یہاں کوئی دھوکے باز ہے لیکن میں مائرون کے بارے میں ایسا بھی نہیں سوچ سکتا تھا اور اگر اس نے خودکشی نہ کی ہوتی تو ہمیں بھی اس کا اندازہ نہ ہوتا۔ اس کی خودکشی کا امکان کتنے فیصد ہے۔"

"زیرو۔" اوبرن نے کہا۔ "اس کے کام کی نوعیت کیا تھی؟"

"کنٹرولر کی حیثیت سے وہ ہمارے تمام مالی معاملات کی نگرانی کرتا تھا۔ اس نے بڑے منظم طریقے سے اخراجات میں اضافہ ظاہر کیا۔ آمدنی کم دکھائی اور سارا منافع اپنی جیب میں ڈالتا رہا۔"

"براہِ راست نہیں۔" ٹرولگر نے کہا۔ "ہم نے چار ایسے اکاؤنٹس کا پتا چلایا ہے جو تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ ڈائرول، وینڈنگ کے نام سے کھولے گئے تھے اور ان میں گزشتہ تین سال کے دوران دوسرے اکاؤنٹس سے رقوم باقاعدگی سے منتقل ہوتی رہیں۔ گزشتہ بدھ کو اس نے چاروں اکاؤنٹس بند کر دیے۔ شاید اس لیے کہ میری کمپنی اس ہفتے آڈٹ شروع کرنے والی تھی۔"

"اصولاً تو اسے ہفتے کی شام کو ہی آڈٹ کے بارے میں پتا چلنا چاہیے تھا جب میں سینئر اسٹاف کی سہ ماہی میٹنگ میں اس کا اعلان کرتا لیکن اس سے پہلے ہی گزشتہ ہفتے کچھ لوگ برائن سے مل چکے تھے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کس مقصد سے یہاں آیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک نے یہ اطلاع مائرون کو پہنچا دی اور اسے ان اکاؤنٹس کو بند کرنے کا موقع مل گیا۔"

"جب تک ہمارے پاس کورٹ آرڈر نہ ہو تو بینک بھی ہمیں نہیں بتا سکتا کہ رقم کس طریقے سے نکالی گئی لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے نقد کی شکل میں ادائیگی نہیں کی ہو گی کیونکہ ہر اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر تھے اور مجموعی طور پر یہ رقم بیس لاکھ ڈالر کے قریب بنتی ہے۔"

"بیئرر بانڈز؟" ڈولنگر نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ بانڈز گزشتہ پچیس تیس سال سے قابلِ قبول نہیں رہے۔ اس لیے صرف دو ہی امکانات ہیں۔ کسی ایسے اکاؤنٹ میں الیکٹرانک ٹرانسفر ہوا ہے جس کا ہم ابھی تک پتا نہیں لگا سکے یا پھر رجسٹری کے ذریعے چیک بھیجا گیا ہو جو ظاہر ہے یہاں کے پتے پر نہیں ہو گا۔"

"کیا اس کے مکان کی تلاشی ہو گئی؟"

"پوری طرح تو نہیں۔" ڈولنگر نے کہا۔ "آج شہادتیں جمع کرنے والا ایک ٹیکنیشن وہاں جائے گا۔ ہم اس سے کہہ دیں گے کہ وہ خاص طور پر چیک تلاش کرے۔ پوسٹ آفس نے بھی اس کی ساری ڈاک روک رکھی ہے جب تک کوئی بااختیار شخص اسے لینے نہیں آتا۔"

اوبرن نے وضاحت سے بتایا کہ ان کے آنے کا مقصد وینڈنگ کے ساتھیوں کا خاکہ تیار کرنا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسے خاص طور پر نشانہ بنا کر قتل کیا گیا ہے اور اس کے فراڈ کے بارے میں جاننے کے بعد اس نظریے کو اور بھی تقویت ملی ہے۔ ڈفلپ بھی اس کی ذاتی زندگی، کسی دوسرے کاروبار میں دلچسپی اور مشاغل کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔

ڈفلپ نے ان کے لیے وینڈنگ کے کمرے میں بیٹھنے کا انتظام کر دیا تھا جہاں وہ دفتر کے لوگوں سے انٹرویو کر سکتے تھے۔ پہلا نمبر آسٹن سیڈوک کا تھا جو کمپنی میں ڈائریکٹر ہیومن ریسورس کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے تفصیل سے بتایا کہ ڈائرول کارپوریشن کیا کرتی ہے۔

"ان فارماسوٹیکل کمپنیوں کو کوالٹی کنٹرول کی سہولت مہیا کرنا جن کے پاس اپنی لیبارٹری نہیں ہے۔ وہ ہمیں تیار ہونے والی ہر دوا کے بیچ کا نمونہ بھیجتے ہیں اور ہم ٹیسٹ کر کے بتاتے ہیں کہ اس میں ایکٹو ڈرگ کی مقدار کتنی ہے۔"

"کیا وینڈنگ کا کاروبار کی ٹیکنیکل سائڈ سے کوئی تعلق تھا؟" ڈولنگر نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ میں نے اسے کبھی کسی لیبارٹری میں جاتے نہیں دیکھا۔"

سیڈوک نے اسے کبھی دفتری اوقات میں بھی باہر جاتے نہیں دیکھا۔ اسے یہ جان کر بڑی حیرانی ہوئی کہ وینڈنگ کافی عرصے سے کمپنی کے فنڈ میں غبن کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی شبہ تھا کہ وینڈنگ نے خودکشی کی ہو۔ اس کی رائے میں کونی کی وفات کے بعد وہ سنبھل نہیں سکا اور شاید وہ ڈپریشن کا علاج بھی کروا رہا تھا۔

ڈائریکٹر مارکیٹنگ وکی لونگ نے بتایا کہ وینڈنگ اپنے کام سے کام رکھنے والا شخص تھا اور الگ تھلگ رہتا تھا۔ اس کے پاس کسی سے بات کرنے کے لیے پانچ منٹ بھی نہیں تھے۔ اوبرن نے اس کے ریکارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ وہ راستے سے بھٹک گیا تھا۔"

"کسی ایسے شخص کو قربانی کا بکرا بنانا بہت آسان ہے جو اپنا دفاع کرنے کے لیے موجود نہ ہو۔" مس لونگ نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ "کیا تم لوگ یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہو

www.urdusoftbooks.com

کہ اسے کس نے قتل کیا۔ میرے خیال میں اس کی یہاں کسی سے دشمنی نہیں تھی۔“

اس نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ اس کی موت کا تعلق کسی بھی طرح ڈائزول کے معاملات سے ہے۔ اسے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ اس کی بیوی چار سال پہلے انتقال کر گئی تھی۔

اگلا نمبر اسسٹنٹ کنٹرولر وائٹ گورنی کا تھا۔ وہ بھی موجودہ حالات سے کافی پریشان تھا۔ اس نے کہا۔ ”میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ مائزون ہماری ناک کے نیچے یہ سب کرتا رہا۔ یہاں تم کسی سے بھی پوچھو۔ وہ یہی بتائے گا کہ پچھلے دو تین سالوں سے وہ اپنے کام پر بہت کم توجہ دے رہا تھا اور زیادہ سے زیادہ ذمے داریاں مجھے اور میرے معاونین کو منتقل کرتا جا رہا تھا۔“

ٹریسی نوروبل نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتی تھی کہ کچھ غلط ہو رہا ہے لیکن ہم سب یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی بیوی کی موت کی وجہ سے پریشان ہے اور اسے اپنے آپ کو نارمل کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔“

اوبرن اور ڈولنگر نے بقیہ تین افراد سے بھی ملاقات کی لیکن وہ وینڈنگ کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ ان میں سے کسی کا بھی اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا۔

ڈائزول پلانٹ سے روانہ ہوتے ہوئے ان کے پاس کاغذات کا پلندا تھا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔ ان سب لوگوں نے وینڈنگ کو آخری بار ہفتہ کی شام دیکھا تھا جب وہ ریستوران سے رخصت ہو رہے تھے۔ ان کے درمیان اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ گھر پہنچنے کے بعد وہ غالباً چہل قدمی کے لیے باہر نکلا ہو گا کہ قاتل کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

وہ دونوں دفتر واپس آئے تو انہیں ڈاکٹر ویلنٹائن اور فارنسک لیبارٹری کی بھیجی ہوئی رپورٹیں ملیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں ان کے لیے کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی کیونکہ پوسٹ مارٹم کے دوران وہ ڈاکٹر ویلنٹائن کے برابر میں کھڑے سب سن رہے تھے۔ اس کا اندازہ تھا کہ وینڈنگ کی گردن میں لگنے والا زخم ایک درمیانے سائز کے پستول کی گولی کا تھا جو تیس سینٹی میٹر کے فاصلے سے چلائی گئی تھی۔ اس کے خون میں زہریلے مادے یا کوئی نشہ آور شے نہیں پائی گئی۔

اوپر والوں سے اجازت لیے بغیر ہی اوبرن نے ان دس افراد کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کرنے کے احکامات جاری کر دیے جن سے اس نے صبح ملاقات کی تھی۔

بدھ کی صبح بھی اخبارات نے مائزون وینڈنگ کے قتل کو پہلے صفحے پر جگہ دی۔ انہوں نے ایک طرف تو یہ سوال اٹھایا کہ پولیس ابھی تک قاتل کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی کہ وینڈنگ کی آخری رسومات جمعے کی دوپہر ادا کی جائیں گی۔

اس کے علاوہ وینڈنگ کے ماضی کے بارے میں کچھ تفصیلات دی گئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ ڈائزول میں بزنس منیجر اور کنٹرولر کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے اس نے نیوی میں بطور کیریئر آفیسر بیس سال گزارے۔ اکاؤنٹنگ اور فنانس میں ڈگری حاصل کی اور لیفٹیننٹ کمانڈر کے عہدے پر پہنچ کر بے داغ ریکارڈ کے ساتھ ریٹائر ہوا۔

اس کی مرحومہ بیوی ایک کینیڈین سرمایہ دار کی پوتی تھی جس نے بوتلوں کے کاروبار میں بے تحاشا دولت کمائی۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کے حصے کی ساری دولت وینڈنگ کو ملی جس پر اس نے ٹیکس بھی دیا۔ اس لیے اسٹیمی کا یہ شبہ غلط ثابت ہو گیا کہ وینڈنگ کے گھر سے برآمد ہونے والا سونا اور زیورات ناجائز تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک باعزت شہری تھا۔ یہاں تک کہ اس کا کبھی ٹریفک کی خلاف ورزی پر چالان نہیں ہوا۔

اس کے بھتیجے کیون نے حساب اور کمپیوٹر پروگرامنگ میں ڈگری حاصل کی تھی۔ دو شادیاں کیں جو طلاق پر ختم ہوئیں۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کا کاروبار بھی دیوالیا ہونے کے قریب تھا۔ اس پر قرضے بڑھتے جا رہے تھے اور اثاثوں کی قیمت گھٹ رہی تھی۔

دوپہر سے کچھ پہلے کیسٹرل نے میوری لین کے بارے میں اپنی رپورٹ ای میل کر دی۔ اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اوبرن نے اس کی لیبارٹری فون کر کے کہا۔ ”مجھے چقماق مٹی کے بارے میں بتاؤ۔“

”تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟“

”ہاں، یہ ڈائٹم ٹائپ کی کوئی چیز ہے جو زمین سے کھود کر نکالی جاتی ہے۔ یہ وائن کو چھاننے اور کھٹملوں کو مارنے کے کام آتی ہے لیکن یہ وینڈنگ کے جوتوں میں کیسے لگ گئی؟“

”صرف جوتوں میں ہی نہیں بلکہ اس کی کار کے داہنے اگلے اور پچھلے ٹائروں میں بھی لگی ہوئی ہے۔ تمہیں آج شام یا کل صبح تک اس کی رپورٹ مل جائے گی۔“

”کیا اس سے مجھے کچھ مدد ملے گی؟“

”شاید، دراصل محکمۂ باغات نے یہ مٹی کچھ جگہوں پر ڈالی تھی تا کہ یہ نمی کو جذب کرے۔ یہ کیچڑ کے ساتھ مل کر ایک تہ بناتی ہے تا کہ اس میں سے پانی نکل جائے۔ اس کا اثر چند

مہینوں تک رہتا ہے لیکن یہ پتھروں سے بھرائی کرنے یا تارکول کا پیوند لگانے کے مقابلے میں بہت سستی پڑتی ہے۔"

"کیا ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ مٹی کہاں کہاں ڈالی تھی؟"

"یہ بھی رپورٹ میں موجود ہے۔ گزشتہ اپریل میں جب برف پگھل رہی تھی تو انہوں نے چقماق مٹی صرف کیمیل پارک میں ڈالی تھی جو بچ گئی وہ علاقے کی عقبی سڑکوں پر پھیلا دی جس میں سیوری لین بھی شامل ہے۔"

"ایسا لگتا ہے کہ وینڈنگ نے گاڑی سڑک کے دائیں جانب کھڑی کی اور باہر آ گیا۔"

"ضروری نہیں۔ یہ مٹی کہیں بھی اس کے جوتوں میں لگ سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ پارک میں گیا ہو، اچھا ہوا تم لوگوں نے اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتوں پر کور چڑھا لیے تھے ورنہ وہاں بھی اس مٹی کے نشان نظر آتے اور ہم بھی غلط سمت میں بھٹک جاتے۔"

"پھر اس کی کار ڈرائیو وے تک کیسے پہنچی؟"

"یہ معلوم کرنا میرا کام نہیں ہے۔" کیسٹرل نے بے رخی سے کہا۔

اوبرن نے ڈولنگر کو ڈائرول کارپوریشن بھیجا اور خود ایک مرتبہ پھر سیوری لین کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیسٹرل کوشش کے باوجود وہ گولی تلاش نہ کر سکا جو وینڈنگ کی شہ رگ چھیدتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اوبرن کو اسی کی تلاش تھی۔ اس نے نوٹ کیا کہ سڑک کے دائیں کنارے کم از کم تقریباً ستر گز کے رقبے پر وہ مٹی ڈالی گئی تھی۔ اوبرن نے چل کر اس پوری جگہ کو غور سے دیکھا پھر اس کی نظر گھاس میں پڑی ہوئی ایک چمکدار چیز پر گئی۔ وہ ایک سیاہ پلاسٹک کے ہینڈل والا نٹ کھولنے کا اوزار تھا۔ اس سے ایک گز سے بھی کم فاصلے پر سیاہ پلاسٹک کا سلنڈر پڑا ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر اوبرن کو خیال آیا کہ کسی نے کار میں نئی بیٹری لگاتے ہوئے دونوں چیزیں وہاں چھوڑ دی تھیں۔ یہ چیزیں کسی کار کو عارضی طور پر ناقابل استعمال بنانے میں بھی استعمال ہو سکتی تھیں۔

تین بجے ڈولنگر کاغذات کا پلندا لیے واپس دفتر آیا اور اس نے یہ خبر سنائی کہ برائن کر... نے وینڈنگ کے ذاتی فنانشل ریکارڈ کو ریلیز کرنے کے احکامات حاصل کر لیے ہیں۔

ان چاروں فرضی اکاؤنٹس سے مائرون ٹی، وینڈنگ کے نام پر چیک جاری ہوئے اور ہارمونی ہائٹس کے پوسٹ آفس میں پی او بکس کے پتے پر بھیجے گئے۔ پوسٹ ماسٹر نے تصدیق کی کہ آج دوپہر وہ بکس خالی تھے۔

"فرض کرو کہ وہ ایکسپریس میل سے بھیجے گئے ہوں۔"

اوبرن نے کہا۔ "عین ممکن ہے کہ وینڈنگ......"

"ایک منٹ، وینڈنگ کی بیوی کا فرسٹ نیم کونراڈین تھا۔ پھر اس نے کونس ٹینس کا پاس ورڈ کیوں استعمال کیا۔" ڈولنگر نے کہا۔

"ممکن ہے کہ اسے کوئی اور کونی مل گئی ہو۔"

"ایک بات اور۔ سیکیورٹی چیک کے لیے ماں کا اصلی نام لکھا جاتا ہے لیکن اس نے ٹیلر لکھا جو اس کا بیچ کا نام ہے جبکہ اس کی ماں کا اصل نام سیکٹر ہے۔"

"تم یہ کہہ رہے ہو کہ یہ اکاؤنٹ اس نے نہیں کھولے۔"

"یا تو کسی نے اس کا نام استعمال کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ اکاؤنٹ وینڈنگ کے ہیں لیکن ذاتی معلومات کے حوالے سے اس سے غلطی ہو گئی یا پھر وینڈنگ نے جان بوجھ کر ایسا کیا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ کسی اور نے اس کا نام استعمال کیا جیسا کہ براؤن کا کہنا ہے کہ وینڈنگ نے ضرور اس امکان کو ذہن میں رکھا ہو گا کہ کسی دن یہ اکاؤنٹ ظاہر ہو جائیں گے لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی۔"

"اگر کسی نے اس کا نام استعمال کیا ہے تو اسی نے پوسٹ بکس بھی کرائے پر لیا ہو گا جہاں چیک بھیجے گئے۔" اوبرن نے کہا۔

"اور وہ اس کا کمبی نیشن بھی جانتا ہوگا۔"

"تو یہ وہی دھوکے باز ہے جسے ہم تلاش کر رہے ہیں۔"

جمعرات کی صبح اوبرن اور ڈولنگر پوسٹ ماسٹر مارک نیوٹنگن سے ملنے گئے۔ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے بتا دیا کہ دو سال سے باکس نمبر 322 مائرون، ٹی، وینڈنگ نے کرائے پر لے رکھا ہے۔

عمارت کا وہ حصہ جہاں بکس لگے ہوئے تھے، وہ عام لوگوں کے لیے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ انہیں باکس نمبر 322 کی لوکیشن دکھانے کے بعد جو ابھی تک خالی تھا، نیوٹنگن خفیہ کیمرے کی بہت ساری ویڈیوز لے کر آیا جو گزشتہ ہفتے کے دوران ریکارڈ کی گئی تھیں اور ان دونوں کو اپنے دفتر میں وی سی آر کے سامنے بٹھا دیا۔

انہیں اس ثبوت کو محفوظ کرنے میں آدھا گھنٹا لگا اور اس کے بعد انہیں گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ اس وقت تک فراڈ یونٹ کا رالف سینگل بھی اس کیس

میں شامل ہو چکا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ وارنٹ کی تعمیل کروانے گیا۔

ٹریسی نورویل ان تینوں کو اپارٹمنٹ میں دیکھ کر حیران تو ہوئی لیکن اس نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا۔ اس کے اعتماد سے لگ رہا تھا کہ وہ ایک مضبوط اعصاب کی عورت ہے۔

ڈولنگر نے براہِ راست اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ”مس نورویل! ہمارے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ تم پر بہت بڑے سرقہ اور شناخت چوری کرنے کا الزام ہے۔“

”اس سے پہلے کہ تم کچھ کہو۔“ اوبرن بولا۔ ”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس ایک ویڈیو ٹیپ ہے جس میں تمہیں پیر کے روز بارہ بج کر چوالیس منٹ پر ہارمونی ہائٹس کے پوسٹ آفس کے پوسٹ بکس نمبر 322 کو کھولتے اور اس میں سے ڈاک نکالتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔“

وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ ”باکس سے ڈاک نکالنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ مسٹر وینڈنگ نے یہ پتا خفیہ خط و کتابت کے لیے دیا تھا۔“

”ڈائرول میں کسی بھی فرد کو اس انتظام کے بارے میں علم نہیں۔“ سیگل نے کہا۔

”واقعی کسی کو معلوم نہیں۔ وہ کمپنی کو لوٹنے کے لیے یہ پتا استعمال کر رہا تھا لیکن ہم میں سے کسی کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔“

”ہمیں یقین ہے کہ وینڈنگ کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوگا۔“ سیگل نے کہا۔

”تم نے پیر کے روز اس باکس سے جو ڈاک نکالی۔ اس کا کیا ہوا؟“

”مجھے یاد نہیں۔ جیسے ہی میں پوسٹ آفس سے گھر پہنچی تو کسی نے فون پر بتایا کہ مسٹر وینڈنگ مر چکے ہیں۔“

”ہم تمہیں بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس تمہارے اپارٹمنٹ، کار اور ڈیٹا پروسیسنگ مشینوں کی تلاشی کا بھی وارنٹ موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بیوی کی موت کے بعد وینڈنگ اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو گیا تھا اور تم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے نام سے اکاؤنٹ کھولے اور کمپنی کے فنڈ ان میں ڈالتی رہیں۔“ اوبرن نے کہا۔

”گزشتہ ہفتے جب تمہیں معلوم ہوا کہ ایک بیرونی کمپنی ڈائرول کے حسابات کا آڈٹ کرنے والی ہے تو تم نے وینڈنگ کا نام استعمال کر کے ان اکاؤنٹس سے ساری رقم نکال لی۔“

مس نورویل اچانک ہی بوکھلا گئی اور پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ”میں نے اسے قتل نہیں کیا لیکن میں جانتی ہوں کہ قاتل کون ہے۔“

”اگر تم تعاون کرو گی تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔“

جب اس نے اپنا بیان ختم کیا تو سیگل نے اسے گرفتار کرنے میں دیر نہیں لگائی اور اپنے ساتھ جیل لے گیا۔ جمعے کی صبح انہیں کمپنی کے لوگوں کے بارے میں تفصیلی معلومات مل گئیں۔ وہ سب معزز شہری تھے اور ان کا ماضی بے داغ تھا۔ یہاں تک کہ ٹریسی نورویل کا ریکارڈ بھی بالکل صاف تھا۔ وہ بھی ضمانت پر رہا ہو کر گھر واپس آ گئی تھی تاہم دوپہر تک اس کی گرفتاری کی خبر شائع نہیں ہوئی۔

گو کہ اوبرن اور ڈولنگر نے وینڈنگ کی آخری رسومات میں شرکت نہیں کی لیکن وہاں موجود پٹرول مین جیک شوٹل وقفے وقفے سے فون پر خبریں دیتا رہا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہاں سے رخصت ہونے والا آخری آدمی بھی اپنے کام پر پہنچ چکا ہے تو وہ ایک اور وارنٹ کی تعمیل کے لیے چل دیے۔

کیون وینڈنگ کی فرم کا دفتر ڈی وائر اسٹریٹ کی ایک عمارت میں واقع تھا۔ استقبالیہ پر موجود لڑکی نے کارڈ دیکھ کر انہیں کیون کے کمرے میں پہنچا دیا۔ اوبرن نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ”تمہارے چچا کو گزشتہ ہفتے کے روز سیوری لین کے ویران علاقے میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ چند ہفتے قبل اس کے کچھ حصے پر چمقماق مٹی ڈالی گئی۔ تم اس بارے میں کیا کہو گے کہ گزشتہ روز تمہاری کار کے ٹائروں سے جو نمونے لیے گئے ان میں بھی وہی مٹی اور گارا پایا گیا جو تمہارے چچا کی کار کے ٹائروں میں لگا ہوا تھا؟“

کیون انجان بنتے ہوئے بولا۔ ”میرے ٹائر؟ ان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟“

”کیا مجھے تفصیل سے بتانا پڑے گا؟ تمہارا کاروبار ختم ہونے کے قریب ہے اور تم مائرون وینڈنگ کے اکلوتے وارث ہو۔ شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اس قتل میں ملوث ہو۔“

”ایک منٹ، مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی کئی مسئلوں میں الجھا ہوا ہوں۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں ہفتے کے دن بالٹی مور میں تھا اور اتوار کو واپس آیا ہوں۔“

"کیا تم اسے ثابت کرسکتے ہو؟"

کیون نے درازیں ٹٹول کر بالٹی مور کے ایک موٹیل کا ریزرویشن پرنٹ آؤٹ نکالا۔ اس کے ساتھ کریڈٹ کارڈ کی رسید بھی تھی۔ اوبرن نے دونوں کاغذ غور سے دیکھ کر ڈولنگر کے حوالے کردیے اور بولا۔ "ممکن ہے کہ تم نے ہفتے کی شب موٹیل میں ٹھہرنے کا پروگرام بنایا ہو لیکن بعد میں تمہارا ارادہ بدل گیا۔ ممکن ہے کہ یہ جائے وقوعہ سے غیر موجودگی ثابت کرنے کی ایک کوشش ہو لیکن اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ تم واقعی ہفتے کی شب اس موٹیل میں ٹھہرے تھے۔"

"کیا تم چیک کرنے سے پہلے ہی مجھے گرفتار کرلو گے؟"

"ہم ضرور چیک کریں گے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری گاڑی کے ٹائروں میں وہ مٹی لگی ہوتی اگر تم واقعی اپنے چچا کو گولی مارنے کے بعد بالٹی مور جاتے۔"

کیون مضطرب ہوتے ہوئے بولا۔ "میں نے اپنے انکل کو گولی نہیں ماری۔ آخر میں اور وہ رات کے وقت اس سنسان جگہ پر کیوں جاتے؟"

"کیونکہ تمہیں معلوم تھا کہ وہ ہفتے کے روز اندرونِ شہر کے ایک ریسٹوران میں ڈنر کرنے جارہا ہے اور یقینی طور پر جانتے تھے کہ وہ سیوری لین کے راستے گھر واپس جائے گا۔" ڈولنگر نے کہا۔

"یہ میں کیسے جان سکتا تھا کہ ہفتے کے روز اس کی کیا معروفیت تھی۔ پہلے ہی تمہیں بتاچکا ہوں کہ میں نے اسے برسوں سے نہیں دیکھا۔"

"مس نورویل نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ پچھلے کئی ماہ سے تمہیں مسٹر وینڈنگ کی سرگرمیوں کے بارے میں باخبر رکھ رہی تھی۔ اس کے بدلے وہ تم سے اس کے ذاتی پس منظر کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ اگر تم دونوں میں سے کسی کو ایک اشارہ مل جاتا کہ دوسرا کس کھوج میں ہے تو اپنے راستے الگ کرلیتے لیکن اس کے بجائے تم دونوں آپس میں فلرٹ کرتے رہے تاکہ وینڈنگ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکو۔"

کیون نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ اوبرن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے اپنی کار وہاں چھوڑ کر بہت بڑا خطرہ مول لیا۔ جب تم اپنے چچا کی کار چھوڑنے اس کے گھر گئے اور تمہیں واپسی کی اتنی جلدی تھی کہ تم نے اسے لاک بھی نہیں کیا اور گیرج کے باہر ہی چھوڑ کر آ گئے۔ اس واقعے کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔ وہ دونوں بوائے اسکاؤٹ جھاڑیوں میں گھات لگائے دوربین سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے تمہیں بیٹری کے تار ٹھیک کرنے کے لیے دستانے اتارتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ تمہیں شاید یاد ہو کہ کالج کے دنوں میں نیول ریزرو پروگرام کے لیے تمہاری انگلیوں کے نشانات لیے گئے تھے۔ جائے وقوعہ سے ہمیں دو چیزیں ملی ہیں جن پر ایسے ہی نشانات ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔"

کیون وینڈنگ کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اس کی حالت ایسے شخص کے مانند ہو رہی تھی جس کی ناف پر کسی نے بھاری بوٹ سے ضرب لگائی ہو۔ اس نے دورانِ تفتیش اپنے چچا کے قتل کا اعتراف کرلیا کہ اس نے چچا کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی نظر دراصل چچی کے زیورات اور سونے کی ڈلیوں پر تھی جو لاکھوں کی مالیت کے تھے، پھر اس نے ٹریسی کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ ان دونوں کی ملاقات اتفاقیہ طور پر ایک ریسٹوران میں ہوئی تھی۔ اسی نے ٹریسی کو اکسایا کہ وہ مارون وینڈنگ کے نام پر فرضی اکاؤنٹ کھولے اور کمپنی کے فنڈ میں غبن کر کے اس میں ٹرانسفر کرتی رہے۔ مارون کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس کے نام پر کیا فراڈ ہو رہا ہے۔ عین ممکن تھا کہ یہ سلسلہ مزید کچھ عرصہ جاری رہتا لیکن جب ٹریسی کو آڈٹ کی خبر ملی تو وہ پریشان ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ مارون صاف انکار کردے گا کہ یہ اکاؤنٹ اس نے نہیں کھولے چنانچہ اس نے وقت ضائع کیے بغیر ان اکاؤنٹس سے ساری رقم نکال لی لیکن مارون کی زبان بند رکھنا ضروری ہوگیا تھا چنانچہ کیون نے اسے راستے سے ہٹادیا تاکہ نہ صرف غبن کی ہوئی رقم محفوظ ہوجائے بلکہ ورثے میں چچا کی دولت بھی اسے مل سکے۔

اس کا منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا لیکن اوبرن اور ڈولنگر کی ماہرانہ تحقیقات نے اس کے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا جو بظاہر ایک نظر نہ آنے والے سراغ کی مدد سے قاتل تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ ٹریسی اپنے اناڑی پن کی وجہ سے ماری گئی اور کیون ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کی وجہ سے پھنس گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کار کے ٹائروں پر لگی ہوئی مخصوص مٹی اسے جیل کا راستہ دکھا دے گی۔

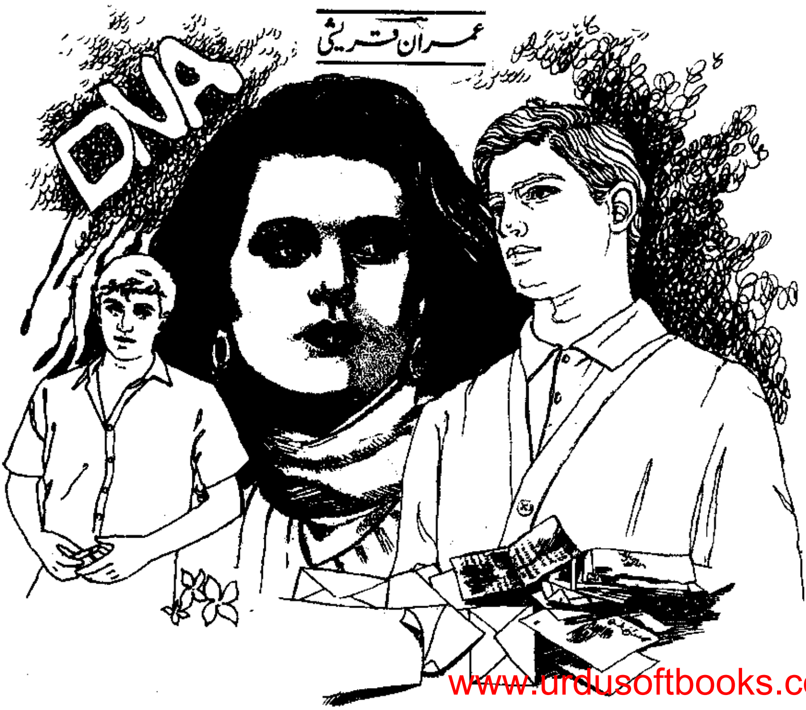
"ڈیئر سعدیہ!
امریکا آنے کے بعد پہلا خط ارسال کر رہا ہوں۔
ہماری شادی کے بعد ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں
خط و کتابت کے علاوہ بات چیت کا سلسلہ تمہاری بے زبانی
کی وجہ سے مفقود ہی رہا۔ اسی وجہ سے ہم آہنگی اور احساس
جیسی نعمت ہمارے درمیان پنپنے نہیں پائی۔ شاید ایک
دوسرے کو سمجھنے اور پرکھنے میں یہ وقتی دوری اور خط و کتابت
کا سلسلہ معاون ثابت ہو۔ مجھے تم سے بہت کچھ پوچھنا اور

دل داری کے آخری پل جو خون سے رنگین تر تھے......

زندگی کا اصل حسن... دلکشی... رعنائی اور لطف ازدواجی زندگی میں پنہاں ہے... دو اجنبی جب شریکِ حیات کے بندھن میں بندھتے ہیں تو ہر شے میں تبدیلی آجاتی ہے... ایک ایسی ہی جذبات میں گندھی میاں بیوی کی کتھا... وہ ایک ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے نہیں تھے...

رقیب روسیاہ

عمران قریشی



بتاتا ہے۔ اگر مناسب خیال کرو تو خط کا جواب ضرور دینا۔

تم اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتی ہو کہ ہم دونوں کی شادی نہایت عجلت کے دوران طے پائی تھی۔ والد صاحب کی موت کے بعد گھریلو ذمّے داریاں یک دم میرے کاندھوں پر منتقل کر دی گئیں۔ کوئی مستحکم سہارا نہیں تھا۔ ذریعۂ معاش بھی عارضی تھا۔ سرفراز کو آوارہ گردیوں سے فرصت نہیں تھی اور ماں جی بیمار رہتی تھیں۔ ان کی بیماری کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے بحالتِ مجبوری شادی کرنا پڑی۔ ورنہ اس میں میری رضامندی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھے تم سے نہ پہلے کوئی گلہ شکوہ تھا اور نہ ہی اب ہے۔ تم نے شادی سے پہلے ہی میرے رشتے کو مسترد کر دیا تھا لیکن گھر والوں کی ضد کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے تمہیں ہاں کرنا پڑی۔ لیکن مجھے اس بات کا افسوس تمام زندگی رہے گا کہ تم نے مجھے اس رشتے سے باخبر نہیں کیا جو تمہیں آج بھی عزیز ہے اور جس کا ثبوت تم ہمراہ لے کر آئی تھیں۔ تمہاری پریگنینسی کے فوراً بعد جب میں نے ڈاکٹرز کے ساتھ رابطہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ تم شادی سے ایک ماہ قبل پریگننٹ تھیں۔ میں تمہیں کبھی بھی خط نہ لکھتا لیکن میری زندگی میں زہر گھولنے والا یہ انکشاف مجھے دھیرے دھیرے موت کی آغوش میں دھکیلتا چلا جارہا ہے۔

آج میری زندگی کا مقصد صرف شراب کا حصول بن کر رہ گیا ہے۔ حیرت انگیز طور پر سرفراز امریکا آنے کے بعد نہ صرف ذمّے دار اور بااصول انسان بن گیا بلکہ روزگار میں بھی اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اپنی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے اسے خون ٹیسٹ کرنے والی لیبارٹری میں نوکری مل گئی۔ مجھے ابھی تک یہاں کی شہریت نہیں مل سکی ہے۔ اس لیے باقاعدہ روزگار حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ رات کو چوری چھپے ایک دوست کی ٹیکسی چلاتا ہوں۔ اس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے لیکن فلیٹ کا کرایہ۔ کھانے پینے کے اخراجات۔ گیس بجلی کے بل ان سب کی ادائیگی کے بعد تمہیں بھجوانے کے لیے میرے پاس رقم بہت کم بچتی ہے۔ سرفراز کی امریکن بیوی مجھے اپنے فلیٹ میں برداشت نہیں کرتی اس لیے مجھے یہ تمام اخراجات اکیلے برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ وہ زہر جو مجھے تمہاری بے وفائی کی صورت میں ملا، وہ ذہنی تشدد کا باعث بنا رہتا ہے اگر دماغ پُرسکون ہو تو جسم محنت و مشقت اور پریشانیوں سے تھکنے نہیں پاتا۔ لیکن میرے پاس یہ نعمت بھی نہیں ہے۔ تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس نعمت سے ہمکنار کرنے کے لیے خط کا جواب جلد دینا۔ بصورتِ دیگر تمہیں جلد کثرتِ شراب نوشی کی بدولت میرے بارے میں کوئی بری خبر سننے کو ملے گی۔ پچھلے ماہ سرفراز گھر گیا تھا، میں نے اس کے ہاتھوں تمہارے لیے سونے کا سیٹ بھجوایا تھا۔ خط کے جواب میں یہ ضرور بتانا کہ تمہیں کیسا لگا۔ ماں جی کو میری طرف سے سلام دینا۔ انہیں علیحدہ خط بھی ارسال کر رہا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔

تمہارا شوہر شیراز احمد"

اس خط کا جواب اسے پندرہ دنوں کے بعد موصول ہوا۔ اس نے بے چینی کے ساتھ لفافہ چاک کیا۔ اندر سے سعدیہ کے ہاتھوں سے تحریر کردہ مفصل جواب برآمد ہوا لکھا تھا۔

"میرے شیراز!

آپ کا خط ملا۔ خیر خیریت کے متعلق معلومات کے بعد دل کو تسلی ہوئی۔ سرفراز کی نوکری کے متعلق آگاہی اس کی گھر آمد کے بعد ہو گئی تھی۔ اللہ نے کرم کیا تو آپ کو بھی جلد اچھا روزگار میسر آجائے گا۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کے رشتے کے درمیان ہم آہنگی اور استحکام اس وقت پیدا ہوتا ہے جب شک کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر تلف کر دیا جائے۔ آپ شروع ہی سے شکّی مزاج تھے۔ ہمارے ازدواجی رشتے سے جہاں آپ مطمئن نہیں ہیں تو وہاں سکون میری زندگی میں بھی نہیں ہے۔ آپ نے خط میں میری بے وفائی کا تذکرہ کیا لیکن ثبوت کے طور پر آپ کے پاس ڈاکٹری رپورٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر، رپورٹ صرف پریگنینسی کے وقت کا تعین کرتی ہے۔ وہ اس بات کی نشاندہی سے عاری ہوتی ہے کہ پریگنینسی کس کی مرہونِ منت ہے۔ ہماری بات چیت کے بعد آپ متعدد بار ہمارے گھر آئے۔ ایک دفعہ رات آپ نے ہمارے گھر میں بھی بسر کی تھی، آپ کو شاید یاد نہیں۔ اس رات آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ تمام رات میں نے تیمارداری کی نیت سے آپ کے ہمراہ کمرے میں گزاری تھی۔ وہ رات ہی اس شک کی مرہونِ منت ہے۔ آپ نے شاید اسے دماغ سے نکال دیا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے اگر آپ دماغ پر زور دیں تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو بہ آسانی یاد آجائے گا۔ اس دن میری سالگرہ تھی اور آپ سالگرہ کی نیت سے گھر آئے تھے۔ یاد آجائے تو مجھے مطلع ضرور کیجیے گا۔ آپ کی طرح مجھے بھی ذہنی سکون کی اشد ضرورت ہے۔ شاید زبان نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ زیادہ ہے۔ میں اپنے دل کی کیفیت کسی ہمدرد کے سامنے بیان کرنے کے قابل بھی نہیں

ہیں۔ اسی معذوری کی وجہ سے میں نے رشتے سے انکار کیا تھا۔ آپ قابلِ ستائش اور آئیڈیل شخصیت کے مالک تھے اور میں قبول صورت۔ کم پڑھی لکھی ہونے کے علاوہ گونگی بھی تھی۔ میرے خیال میں ہمارا رشتہ بے جوڑ اور بے معنی تھا۔ اگر آپ کو میرے انکار سے صدمہ پہنچا تھا تو اس کے لیے معافی کی خواستگار ہوں۔ لیکن یقین جانیے اس میں بے وفائی یا پھر کسی پسندیدہ شخصیت کے ساتھ محبت کا عمل دخل نہیں تھا۔ بات صرف احساسِ کمتری تک محدود تھی۔ آپ کا بھیجا ہوا سونے کا سیٹ مجھے بہت پسند آیا۔ اگر گلے شکوؤں کو درمیان سے نکال کر بھیجتے تو شاید مجھے دلی خوشی محسوس ہوتی۔ بہرکیف سیٹ کو میں نے سیف میں سنبھال کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے واپس آنے کے بعد پہنوں گی۔ ماں جی آپ کو سلام دے رہی ہیں۔

آپ کی سعدیہ۔''

سعدیہ کا جوابی خط شیراز احمد کو مطمئن نہیں کر پایا۔ اس نے جواب تحریر کیا۔

''تمہارا جوابی خط موصول ہوا۔ دل کو تسلی کے بجائے تشنگی کا احساس ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ شادی سے قبل میں نے رات تمہارے گھر میں بسر کی تھی لیکن یہ شادی سے صرف ایک ہفتے پہلے کی بات ہے۔ تمہاری سالگرہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اس رات تمہاری ماں بھی کمرے میں ہمارے ساتھ تھیں۔ تم جھوٹ سے کام لے رہی ہو۔ یقیناً تمہاری زندگی میں میرے علاوہ اور بھی کوئی ہے جس نے میری غیر موجودگی کے دوران تم پر مجرمانہ حملہ کیا۔ جس کی وجہ سے حمل ضائع ہو گیا۔ میں نے جب تمہیں زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا۔ تو ڈاکٹرز نے مجھے بتایا کہ تمہارے جسم پر متعدد زخموں کے نشانات ہیں اور تمہارے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔ تم اس بات سے انحراف نہیں کر سکتی ہو۔ کوئی ایسی شخصیت تمہاری زندگی میں ضرور ہے جو میری غیر موجودگی میں تم سے رابطہ رکھتی ہے۔ اور تمہیں اتنی عزیز ہے کہ تم اسے پریگنٹ ہونے کے باوجود بھی منع کرنے کی ہمت نہیں رکھتیں۔ اسے پوشیدہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پردہ اٹھانے کی صورت میں میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تم دونوں کے درمیان سے ہٹ جاؤں گا۔ بصورتِ دیگر ہم دونوں کی زندگیاں اس نہ ختم ہونے والی آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں گی۔ میری شراب نوشی کی عادت شدت پکڑتی جا رہی ہے۔ گزشتہ روز تکلیف کا احساس ہونے پر میں نے قریبی اسپتال کا رخ کیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ ایک گردہ کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے اثر انداز ہو رہا ہے۔ اس کے انتباہ کے باوجود بھی شراب پینا ترک کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ واحد ذریعہ ہے جو مجھے کچھ دیر کے لیے رنج و غم سے دور رکھتا ہے۔ میں اسے چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔ اس لیے تم سے التجا کرتا ہوں کہ اگر میری زندگی عزیز ہے تو اس شخصیت کے متعلق مجھے بتا دو۔ جسے تم اپنے دل میں چھپائے بیٹھی ہو۔

التجا کا خواستگار شیراز احمد۔''

سعدیہ کا جواب اسے جلد ہی موصول ہوا، لکھا تھا۔

''مجھے یہ جان کر دلی صدمہ محسوس ہوا کہ آپ شراب نوشی کی عادت کو اپنا چکے ہیں۔ یہ ایک بزدلانہ اقدام ہے۔ اگر اس کی وجہ میں ہوں تو سزا کی مستحق ہوں۔ آپ جو سزا ..... دیں گے، مجھے قبول ہو گی۔ لیکن میں سزا کے بعد بھی

دخل اندازی

''بابو جی! اللہ کے نام پر دس روپے دے دیں۔''

''خدا کی پناہ! اکٹھے دس روپے...... اگر تم روپیا دو روپیا مانگو تو شاید کوئی دے بھی دے۔''

''بابو جی! آپ دس روپے دیں یا نہ دیں...... یہ آپ کی مرضی ہے لیکن مجھے یہ سکھانے کی کوشش مت کریں کہ مجھے اپنا کاروبار کیسے چلانا چاہیے۔''

کراچی سے امتیاز احمد کا تعاون

حل

سر! دس سال سے میں اکیلا یہاں تین آدمیوں کا کام کر رہا ہوں۔ آپ اب میری تنخواہ میں اضافہ کر دیں۔''

''بھئی میں تمہاری تنخواہ میں اضافہ تو نہیں کر سکتا لیکن اگر تم مجھے بتا دو کہ باقی وہ دو آدمی کون ہیں تو میں انہیں نکال دوں گا۔''

حیدر آباد سے سمعیہ خان کا تعاون

پانچ الفاظ

لڑکا: ''میرے کان میں آہستہ سے وہ پانچ الفاظ کہہ دو جنہیں سن کر میں ہواؤں میں اڑنا شروع کر دوں۔''

لڑکی: چھت سے چھلانگ لگا دو۔''

راولپنڈی سے شبنم شفیق کی برجستگی

www.urdusoftbooks.com

آپ کو یقین دلواؤں گی کہ میری زندگی میں آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہے۔ سالگرہ والی رات بخار میں آپ کی زبان سے ہذیانی کلمات نکلتے رہے۔ آپ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے۔ رات کو ایک بجے کے بعد امی آرام کی نیت سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ آپ ان کی عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تمام رات ان کا جاگنا کہاں ممکن تھا۔ ان کے جانے کے بعد ہم صبح تک کمرے میں اکیلے رہے۔ آپ اس کیفیت میں نہیں تھے کہ حالات کے متعلق کچھ اندازہ لگا پاتے۔ اس رات وہ سب کچھ ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس میں کسی حد تک غلطی میری بھی تھی۔ مجھے آپ کو منع کرنا چاہیے تھا لیکن معذور ہونے کی وجہ سے میں کچھ بھی نہ کر پائی۔ مجھے اس بات کا افسوس تمام عمر رہے گا۔ حمل کے ضیاع والی بات میں بھی کچھ خاص وزن نہیں ہے۔ سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے میرا پاؤں پھسلا اور میں لڑھکتی ہوئی صحن میں جا گری۔ چند خراشوں اور پرانے زخموں کے نشانات کو دیکھ کر کیس کو زبردستی کا رنگ دے دیا گیا۔ حالانکہ ایسی کوئی بھی بات نہیں تھی۔ سگریٹ سے جلائے جانے والے نشانات بھی بیماری والی رات کے مرہونِ منت تھے۔ جب تک آپ شک کرنے کی عادت کو ترک نہیں کریں گے، آپ کے دماغ میں سوالات جنم لیتے رہیں گے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے۔ میں صرف آپ کی تھی اور آپ کی ہی رہوں گی۔

آپ کی سعدیہ۔"

خط کا مطالعہ کرنے کے بعد شیراز احمد نے جواب تحریر کیا۔

"دماغ میں سوالات کا جنم لینا عادت نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ میرا سوال فطرت سے ہٹ کر نہیں ہے۔ تمہارا رویہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ تم باوفا نہیں ہو۔ جھوٹ پر جھوٹ بولنا تمہاری شخصیت کا حصہ ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے سگریٹ کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگایا اور تمہارے جسم پر داغے جانے والے سگریٹ کے نشان اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ کسی مجبور و لاچار انسان نے اپنی بے بسی کا ثبوت ان داغوں کی صورت میں تمہارے جسم پر ثبت کیا ہے۔ وہ تمہیں پا لینے کے باوجود بھی پا نہیں سکا۔ گزشتہ روز ماں جی کا خط موصول ہوا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ تم پریگننٹ ہو۔ مجھے امریکا آئے ہوئے پانچ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ تمہارا پریگننٹ ہونا میری سوچ سے بالاتر ہے۔ یقیناً تم اس مسئلے کا بھی کوئی نہ کوئی حل جھوٹ کی صورت میں تلاش کر لو گی لیکن مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب تمہارے جھوٹ کو مزید برداشت نہیں کر سکتا ہوں اور جلد ملک واپس آ کر قصے کو ختم کرنے کی کوشش کروں گا۔

شیراز احمد"

اس خط کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ اگلے مہینے سرفراز احمد کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا جس میں اس کا زیریں حصہ متاثر ہوا۔ زخم سنگین نوعیت کے نہیں تھے اس لیے جلد ہی بھر گئے لیکن ڈاکٹرز نے اسے مکمل آرام کی نصیحت کی۔ شیراز احمد اور سرفراز احمد جڑواں بھائی تھے۔ ان دونوں کے چہروں کے نقش حتیٰ کہ عادت و اطوار میں غیر معمولی مشابہت پائی جاتی تھی۔ اگر کسی بات کا فرق تھا تو وہ آنکھوں کا رنگ اور قدوقامت کا تھا۔ شیراز احمد کی آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا جبکہ سرفراز احمد کی براؤن تھیں۔ شیراز احمد کا قد مناسب تھا اور سرفراز احمد کا کچھ لمبا تھا۔ یہ فرق انہیں ماں باپ کے اشتراک سے حاصل ہوا تھا۔ شیراز احمد کے والد کی آنکھیں بھوری اور ماں کی سیاہ تھیں اور ماں کا قد مناسب جبکہ والد کا لمبا تھا۔ سرفراز احمد نے اپنی شخصیت کا زیادہ حصہ باپ سے حاصل کیا تھا۔ بہرحال شیراز احمد کے گھر کے مختصر افراد میں سعدیہ کی اگر کسی سے بنتی تھی تو وہ سرفراز تھا۔ سرفراز کسی حد تک اس کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے بات چیت کر لیا کرتا تھا۔ شیراز احمد نے سرفراز کے توسط سے اپنی ماں کو خط لکھا اور گھر آنے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ پھر قریبی مال سے براؤن لینسز خرید کر اپنی آنکھوں کا رنگ تبدیل کیا اور اونچی ہیل والے جوتے پہن کر پاکستان جانے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سرفراز کی شخصیت کا سہارا لے کر سعدیہ سے بہت کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ وہ سرفراز کو درمیان میں ڈال کر بھی کر سکتا تھا لیکن ایسی صورت میں اسے سرفراز کو تمام حالات سے آگاہ کرنا پڑتا اور وہ اپنی سبکی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پاکستان جانے سے قبل اس نے سرفراز احمد کو بتایا کہ وہ چند دنوں کے لیے تفریح کی نیت سے کینیڈا جانا چاہتا ہے۔ اس مختصر ملاقات کے دوران اس نے سرفراز احمد کا پاسپورٹ اور مختصر کاغذات دراز سے حاصل کر لیے۔ پھر سرفراز احمد کا مکمل روپ دھارنے کے بعد پاکستان آ گیا۔ اس کی اتنی جلدی دوبارہ آمد پر ماں جی نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے غیر متوقع آمد کی وجہ دریافت

کی۔

شیراز احمد نے ضروری کام کا بہانہ بناتے ہوئے انہیں بتایا کہ ضروری کام کی بدولت اسے مختصر وقت کے لیے دوبارہ پاکستان آنا پڑا اور کام کی بدولت اس کا گھر پر رہنا بھی ممکن نہیں۔ ماں جی نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔

شیراز نے سعدیہ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا۔ سعدیہ کو ڈاکٹرز نے مکمل آرام کی تلقین کی ہے۔ وہ چھت پر بنے ہوئے اپنے کمرے میں آرام کررہی ہے۔ یہ کمرا حال ہی میں سرفراز احمد کے بھیجے گئے پیسوں سے تیار کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے چھت پر صرف چاردیواری تھی۔ ماں جی کا کمرا نیچے تھا۔ انہیں گزشتہ چند سالوں سے جوڑوں کی تکلیف لاحق تھی اس لیے سیڑھیاں چڑھنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ ماں جی کو کمرے میں چھوڑ کر چھت کی طرف چلا آیا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے پر اس نے سعدیہ کو بستر پر دراز پایا۔ اس کی آنکھیں دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ سرفراز کی آمد سے آگاہ تھی اور اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات دکھائی دیتے تھے۔ اس کی سج دھج قابل ستائش تھی۔ وہ پیازی رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔ کھلے ہوئے سیاہ بال کمر پر لہرا رہے تھے۔ مختصر دوپٹا گلے کا ہار بنا دکھائی دے رہا تھا اور جسم کے نشیب و فراز قیامت ڈھا رہے تھے۔

سرفراز کے روپ میں شیراز احمد کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ پلنگ سے اُتر کر کھڑی ہوگئی پھر بھاگ کر وارفتگی کے عالم میں اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ شیراز احمد کے قدم جہاں تھے وہیں جم کر رہ گئے۔ سوچنے سمجھنے کی حس مفقود ہوگئی۔ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ سعدیہ غوں غاں کرتے ہوئے اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

شیراز احمد کو سب کچھ سمجھ آگیا تھا۔ معاملہ اس کی توقع کے برخلاف تھا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ سعدیہ کی زندگی میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور تھا لیکن وہ رقیب اس کا چھوٹا بھائی تھا، یہ بات اس کی توقع سے بڑھ کر تھی۔ اس کا جسم غصے سے کانپنے لگا۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسے بے وقوف بنایا جارہا تھا اور وہ بدھو بن کر معاملے سے بے خبر رہا تھا۔

سرفراز ایک ماہ قبل پاکستان آیا تھا۔ سعدیہ اس کی آمد کے بعد پریگنٹ ہوئی تھی۔ یعنی اس کے شکم میں سانس لیتے ہوئے وجود کا باپ بھی وہی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور اس نے جھٹکے کے ساتھ اپنے جسم سے لپٹے ہوئے سعدیہ کے وجود کو علیحدہ کیا اور آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے ہوئے پیتل کے گلدان کو اٹھا کر پوری طاقت کے ساتھ اس کے سر پر دے مارا۔ سعدیہ کا سر پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ خون کے فوارے نے شیراز احمد کے کپڑوں کو بھی رنگین کر دیا۔ سعدیہ کا جسم تیورا کر زمین پر گرا اور ساکت ہوگیا۔ اسے چیخنے چلانے کا بھی موقع نہ مل سکا اور وہ عالم بالا کو سدھار گئی۔ شیراز احمد نے کمرے کا دروازہ کھولا اور سیڑھیاں اتر کر صحن میں آگیا۔

ماں جی اپنے کمرے میں تھیں۔ صحن سنسان پڑا تھا۔ اس نے عجلت کے عالم میں کپڑے تبدیل کیے۔ پھر خون آلود کپڑوں کو تھیلے میں ڈال کر اپنا سامان سنبھالے گھر سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے پاس سے اسے ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد اسے کسی اچھے اور مہنگے ہوٹل کی طرف چلنے کے لیے کہا اور خود ٹیکسی کی سیٹ کے ساتھ سر ٹکا کر اگلے لائحہ عمل کو دماغ میں ترتیب دینے لگا۔ ایک گندے نالے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے خون آلود کپڑوں والے تھیلے کو نالے میں پھینک دیا اور ہوٹل پہنچنے کے بعد امریکا کے لیے سیٹ بک کروانے لگا۔

سعدیہ کی لاش دوسرے دن منظر عام پر آئی۔ پولیس نے تفتیش کا آغاز ماں جی سے کیا۔ ماں جی نے انہیں سرفراز کی غیر متوقع آمد سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ آمد کے بعد سے لاپتا ہے۔ سرفراز احمد اور شیراز احمد سے امریکا میں فوری رابطہ کیا گیا اور انہیں سعدیہ کی موت سے آگاہ کرنے کے بعد فوراً پاکستان آنے کی ہدایات دی گئیں۔ ان دونوں کی آمد کے فوراً بعد ائرپورٹ سے ہی سرفراز احمد کو گرفتار کرکے حوالات منتقل کر دیا گیا۔ چند دنوں کی پوچھ گچھ کے بعد یہ بات منظر عام پر آگئی کہ اس کے اور سعدیہ کے درمیان ناجائز تعلقات تھے۔ ڈی این اے کی رپورٹ نے اس بات کی تصدیق کردی کہ سعدیہ کی کوکھ میں پلنے والے بچے کا باپ سرفراز تھا اور سعدیہ کے قتل والے دن سرفراز احمد بیرون ملک سے واپس پاکستان آیا تھا۔ بعدازاں قتل کے دوسرے دن واپس امریکا روانہ ہوا تھا۔ ثبوت مکمل اور مستحکم تھے اس لیے چند دن کی تحقیق کے بعد اس پر قتل کا مقدمہ دائر کر دیا گیا لیکن یہ بات منظر عام پر نہ آسکی کہ سرفراز اور سعدیہ کے درمیان ناجائز تعلقات کی وجہ کیا تھی اور تعلق کے باوجود بھی سرفراز نے اسے قتل کیوں کیا تھا۔ تاہم حالات اور واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے مزید تفتیش کے لیے پیش رفت نہ کی گئی اور شیراز احمد کو شامل تفتیش نہ کرتے ہوئے دوبارہ بیرون ملک جانے کی اجازت دے دی گئی۔



انگارے

طاہر جاوید مغل

چونتیسویں قسط

نیکی کر دریا میں ڈال... بات محاورے کی حد تک ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن خودغرضی اور سفاکی کے اس دور میں نیکی کرنے والے کو ہی کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسان بے لوث ہو اور سینے میں دردمند دل رکھتا ہو تو اس کے لیے قدم قدم پر ہولناک آسیب منہ پھاڑے انتظار کررہے ہوتے ہیں۔ بستیوں کے سرخیل اور جاگیرداری کے بے رحم سرغنہ لہو کے پیاسے ہو جاتے ہیں... اپنوں کی نگاہوں سے نفرت کے انگارے برسنے لگتے ہیں... امتحان در امتحان کے ایسے کڑے مراحل پیش آتے ہیں کہ عزم کمزور ہو تو مقابلہ کرنے والا خود ہی اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا چلا جاتا ہے لیکن حوصلہ جوان ہو تو پھر ہر سازش کی کوکھ سے دلیری اور ذہانت کی نئی کہانی ابھرتی ہے۔ وطن کی مٹی سے پیار کرنے والے ایک بے خوف نوجوان کی داستان جسے ہر طرف سے وحشت و بربریت کے خون آشام سایوں نے گھیر لیا تھا مگر وہ ان پیاسی دلدلوں میں رکے بغیر دوڑتا ہی چلا گیا... اثر و رسوخ اور درندگی کی زنجیریں بھی اس کے بڑھتے ہوئے قدم نہیں روک سکیں۔ وقت کی میزان کو اس کے خونخوار حریفوں نے اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا مگر وہ ہار مان کر پسپا ہونے والوں میں سے نہیں تھا...

سطر سطر رنگ بدلتی... ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان...

گذشتہ اقساط کا خلاصہ

میں ڈنمارک سے پاکستان کسی کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ تلاش شروع ہونے سے پہلے ہی ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے میری زندگی کو تہ و بالا کر دیا۔ میں نے سرِ راہ ایک زخمی کو اٹھا کر اسپتال پہنچایا۔ مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور یہیں سے جبر و ناانصافی کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے مجھے شکیل داراب اور لالہ نظام جیسے خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ لوگ ایک قبضہ گروپ کے سرخیل تھے جو ہاؤسنگ کالونیاں بنانے کے لیے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر رہا تھا۔ میرے چچا حفیظ سے بھی زبردستی ان کی آبائی زمین ہتھیانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چچا کا بیٹا ولید اس جبر کو برداشت نہ کر سکا اور شکیل داراب کے دستِ راست انسپکٹر قیصر چودھری کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس جرأت کی سزا اسے یہ ملی کہ ان کی حویلی کو اس کی ماں اور بہن فائزہ سمیت جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ خود دہشت گرد قرار پا کر جیل پہنچ گیا۔ انسپکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے سفاک لوگ میرے تعاقب میں تھے، وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں **MMA** کا یورپی چیمپئن تھا، وسطی یورپ کے کئی بڑے بڑے گینگسٹر میرے ہاتھوں ذلت اٹھا چکے تھے۔ میں اپنی پچھلی زندگی سے بھاگ آیا تھا لیکن وطن پہنچتے ہی یہ زندگی پھر مجھے آواز دینے لگی۔ میں یہاں سے بیزار ہو کے واپس ڈنمارک جا رہا تھا کہ ایک انہونی ہوئی۔ وہ جادوئی حسن رکھنے والی لڑکی مجھے نظر آ گئی جس کی تلاش میں، میں یہاں پہنچا تھا۔ اس کا نام تاجور تھا اور وہ اپنے گاؤں چاند گڑھی میں نہایت پریشان کن حالات کا شکار تھی۔ میں اس کے گاؤں جا پہنچا اور ایک ٹریکٹر ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے والد کے پاس ملازم ہو گیا۔ انیق بطور مددگار میرے ساتھ تھا۔ تاجور کا غنڈا صفت منگیتر اسحاق اپنے ہمنواؤں زمیندار عالمگیر اور پیر ولایت کے ساتھ مل کر تاجور اور اس کے والد دین محمد کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ مقامی مسجد کے امام مولوی فدا کی موت میں بھی اسی زمیں دار کا ہاتھ تھا۔ مولوی جی کی بیٹی زینب ایک عجیب بیماری کا شکار تھی۔ وہ زمیندار عالمگیر کے گھر میں ٹھیک رہتی لیکن جب اسے وہاں سے لایا جاتا تو اس کی حالت غیر ہونے لگتی۔ اسی دوران میں ایک خطرناک ڈاکو سجاول نے گاؤں پر حملہ کیا۔ حملے میں عالمگیر کا چھوٹا بھائی مارا گیا۔ میں تاجور کو حملہ آوروں سے بچا کر ایک محفوظ جگہ لے گیا۔ ہم دونوں نے کچھ اچھا وقت گزارا۔ واپس آنے کے بعد میں نے بھیس بدل کر مولوی فدا سے ملاقات کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عالمگیر وغیرہ نے زینب کو جان بوجھ کر بیمار کر رکھا ہے اور یوں مولوی صاحب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بچی کی جان بچانے کے لیے اسحاق کی حمایت کریں۔ مولوی صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ ایک گھناؤنی درگاہ کے خاتمے کے بعد ہم گھروں کی جانب گامزن تھے کہ میں اور تاجور سجاول ڈاکو کے ڈیرے پر جا پہنچے۔ یہاں سجاول کی ماں (ماؤجی) مجھے اپنا ہونے والا جوائی سمجھا۔ جس کی پوتی مہناز عرف مانی سے میری بات طے تھی۔ یوں سجاول سے ہماری جان بچ گئی۔ سجاول کے ساتھ میرا مقابلہ طے پا چکا تھا کہ میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا۔ جب میں ڈنمارک میں تھا اور ایک کمزور پاکستانی کو گورے اور انڈین غنڈوں سے بچاتے ہوئے خود ایک طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ غنڈے ٹیکساری گینگ کے لوگ تھے جس کا سرغنہ جان ڈیرک تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے انہوں نے میری یونیورسٹی دوست ڈیزی کے ساتھ اجتماعی کھیل کھیلا، پھر ڈیزی غائب ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آ گیا پھر میرا رجحان مارشل آرٹ کی طرف ہو گیا اور ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے **MMA** کی فائٹس میں تہلکہ مچاتا رہا اور دوسری طرف اسکائی ماسک کی اوٹ میں ٹیکساری گینگ کے غنڈوں سے برسرِ پیکار رہا۔ اسی مارشل آرٹ کی بدولت میں نے سجاول سے مقابلہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد برابری کی بنیاد پر ہار مان کے سجاول کا دل جیت لیا۔ سجاول سے کہہ کر میں نے انیق کو بلوا لیا۔ سجاول ایک حسین دوشیزہ سنبل کو نو بیاہتا دلہن کی طرح سجا سنوار کر ریان فردوس (وڈے صاحب) کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں، انیق اور جاناں ساتھ تھے۔ ہم ریان فردوس کے محل نما بنگلے پارا ہاؤس پہنچے۔ وڈا صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ برونائی سے پاکستان شفٹ ہوا تھا۔ برونائی میں اس کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ سجاول کو پارا ہاؤس میں کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ پارا ہاؤس میں کوئی بڑا چکر چل رہا تھا۔ کھوج لگانے پر پتا چلا کہ بڑے صاحب کے دونوں بیٹوں میں زہریلا عنصر پایا جاتا ہے۔ زینب والا معاملہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے زینب کو بھی اغوا کر لیا گیا۔ ابراہیم اور کمال احمد کے لیے جو لڑکیاں تیار کی گئی تھیں، وہ پارا ہاؤس پہنچ چکی تھیں۔ ایک تقریب میں دونوں لڑکیوں کی رونمائی کی گئی تو ان میں ایک زینب تھی۔ ابراہیم نے مجھ پر اور سجاول پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ ابراہیم نے بتایا کہ دونوں بھائیوں میں زہریلا پن موجود ہے اسی لیے ان کے لیے ایسی لڑکیاں ڈھونڈی گئی ہیں۔ میں نے ابراہیم کو آگاہ کیا کہ زینب پوری طرح محفوظ نہیں ہے اور شادی کی صورت میں اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم پریشان ہو گیا۔ ادھر آقا جان جو پارا ہاؤس کا کرتا دھرتا تھا، دھماکے گونج اٹھے۔ میرے کہنے پر ابراہیم نے زینب کا خون ٹیسٹ کرایا تو حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اس تمام قتل و غارت میں آقا جان ملوث تھا مگر کوئی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا۔ ثاقب کی موت کے بعد برونائی میں مخالفین نے بڑی کارروائی کر کے وڈے صاحب کے برادرِ نسبتی کو مار ڈالا تھا۔ بڑی بیگم صاحبہ کا رو رو کر برا حال تھا، ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے میں اور سجاول وڈے صاحب کے ساتھ برونائی جانے کے لیے تیار تھے۔ برونائی جانے سے پہلے میں ایک نظر تاجور کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں تاجور کی ایک جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ گاؤں کے چند لڑکوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے سامنے وہ بچے تھے۔ اپنی ہار کے بعد ایک دلیر لڑکا میرے گلے کا ہار بن گیا اور میرا پیچھا کرتا ہوا پارا ہاؤس تک آ گیا۔ سیف عرف سیفی کی کجی نکالنے کے لیے ہم اسے اپنے ساتھ برونائی لے آئے تھے۔

نہیں کہا جا سکتا۔

میں نے سجاول سے پوچھا۔ ''ذیشان کہاں ہے؟''

وہ بولا۔ ''وہ بھی تھوڑی دیر میں میرے پاس پہنچ جائے گا۔ تمہیں فکر کرنے کی لوڑ نہیں۔ یہاں جہلم میں ایک تگڑا بندہ اپنا یار بیلی ہے۔ وہی سنبھال رہا ہے سب کچھ۔''

''تم نے خورسنہ کو اپنی بیوی بتایا ہے؟''

''بیوی کو بیوی نہیں بتاؤں گا تو کیا رکھیل بتاؤں گا؟''

''یعنی ساری بات کھول دی ہے کہ خورسنہ، سجاول سیالکوٹی کی بیوی ہے؟''

''سجاول سیالکوٹی کی نہیں...... سجاول احمد کی جو ایک

اب اس کے اندر کا گینگسٹر اپنی من چاہی راہ پر چل نکلا ہے اور ہر وہ کام کر رہا ہے جو پہلے نہیں کر سکتا تھا۔ سجاول سے اس کے تعلقات کبھی بھی ٹھیک نہیں رہے تھے اور کبھی کبھی تو دشمنی کی حدوں کو چھونے لگتے تھے۔ اگر مستقبل قریب میں کہیں انیق اور سجاول کا تصادم ہوتا تو بہت خطرناک ہوتا۔

صبح تک سجاول کی طرف صورتِ حال کافی سنبھل گئی۔ خورسنہ کا بیٹا ذیشان واپس سجاول کے پاس پہنچ چکا تھا۔ خورسنہ اب ہوش میں تھی۔ دو گولیاں اس کے بازو اور ایک پیٹ میں لگی تھیں۔ یہ گولیاں آپریشن کے ذریعے نکالی جا چکی تھیں۔ سجاول کی اس مصیبت کی طرف سے میرا دھیان تھوڑا

یہاں حالات بہت خراب تھے۔ ریان فردوس کا بیٹا رائے زل مخالف پارٹی بن چکا تھا۔ امریکن ایجنسی کے ساتھ مل کے پورے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ فردوس بیگم قسطینا کمانڈر اور جی دار آفیسر تھی۔ وہ ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے مجھے جان گئی تھی۔ میں کئی مہم میں اس کے ہمراہ رہا۔ ریان فردوس کی پہلی بیوی اور اس کے بیٹے کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے شروع ہی سے آقا جان پر شک تھا۔ اور اس کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ رائے زل اور امریکن ایجنسی کی قوت نے محل پر دھاوا بول دیا تھا۔ افراتفری اور قتل و غارت گری نے اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اس حملے میں ریان فردوس اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اب ریاست پر کلی طور پر رائے زل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم سب بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ آقا جان اور رائے زل کے کارندے ہماری تلاش میں تھے۔ ابراہیم اور زینب کا برا حال تھا۔ میری ذات ان کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ کمال اس جنگ میں جان سے دھو بیٹھا تھا۔ ہم زیرِ زمین مقید تھے۔ مگر انتقام رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جس لانچ میں ہم یہاں آئے تھے وہ ابھی تک باہر موجود تھی۔ آقا جان کے آدمیوں سے بچنے کے لیے اسے ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ بن مشہد اور تبارک زیرِ زمین بنکر سے باہر نکل گئے۔ مگر باہر سخت پہرا تھا...... تبارک پھسل کر ایک کھائی میں گر جاتا ہے۔ میں اور سیف اسے ڈھونڈنے جاتے ہیں مگر ایجنسی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ بے تحاشا تشدد سہنے کے باوجود ہم قسطینا اور ابراہیم کا پتا نہیں بتاتے...... سیف کی حالت بری تھی۔ مجھے اس کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کے اذیت کم کرنا پڑی۔ مگر میرا اپنا حال بہت برا تھا۔ امریکی لونگ نے تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ جاماجی کے حالات روز بروز بدتر ہو رہے تھے۔ میں رائے زل کی قید سے رہائی پا چکا تھا۔ عوام کا سمندر میرے لیے بے چین تھا۔ وہ مجھے اپنا سربراہ مان چکے تھے۔ وہ آزادی کے لیے سر پر کفن باندھ چکے تھے۔ ہمارا قافلے کا رخ اب ڈی پیلس کی جانب تھا۔ پال کی مدد سے پوری ٹیم اور عوام کا سمندر ڈی پیلس کی جانب گامزن تھا۔ ہر طرف گولیاں...... شیلنگ اور دھواں دھار لڑائی تھی۔ بالآخر پسی ہوئی عوام نے اپنے جوش، جذبے اور جنوں سے کام لے کر رائے زل کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اب تخت کے حق دار قسطینا اور ابراہیم تھے۔ وطن آنے کے بعد تاجور اپنے گھر چلی گئی اور میں داؤد بھاؤ کے پاس تھا لیکن وطن آتے ہی اس دشمن نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا جس سے میں چھپتا پھر رہا تھا۔ ٹیکساری گینگ پاکستان آ چکا تھا ہر طرف قتل و غارت گری پھیلا رہے تھے...... ڈیتھ اسکواڈ کے کارندے میری تلاش میں کئی معصوم لوگوں کی جان لے چکے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ضروری ہو گیا تھا میں اور انیق نے ان کے ٹھکانے کا کھوج لگایا اور بہت ہوشیاری سے ان کے جشن والے دن رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ادھر جاماجی سے خورسنہ آ چکی تھی اور سجاول کو اپنا حتمی فیصلہ سنانا چاہتی تھی۔ ڈیتھ اسکواڈ کا خاتمہ بے حد ضروری تھا۔ میں نے انیق کے ساتھ مل کر ان کے ٹھکانے کو تباہ کر دیا اور خود بھی بمشکل یعنی جان بچا پایا۔ اس مقام پر زبردست بلاسٹ ہوا اور مجھے بھی مردہ سمجھ لیا گیا۔ ٹیکساری گینگ سے بچنے کا ہی ایک طریقہ سمجھ میں آیا کہ میں سب کی نظروں میں مردہ رہوں۔ اپنے چہرے پر سرجری کے ذریعے تبدیلیاں کروا کے میں اپنوں میں اجنبی بن گیا تھا۔ اجنبی چہرے کے ساتھ ہی سیف کے گھر تک آ پہنچا تھا۔ اصل مقصد میرا تاجور کا حصول تھا میں اس تک پہنچنا چاہتا تھا اس کے گھر والوں نے داراب فیملی میں اس کا رشتہ طے کر دیا تھا مگر اہل خاندان اس سے ناخوش تھے۔ آہستہ آہستہ میں سیف کے گھر والوں کے دل میں جگہ بنا رہا تھا۔ سیف کی موت کا سن کے اس کی ماں اور باپ کا برا حال تھا۔ کچھ دنوں بعد ماں یہ صدمہ جھیل نہ سکی اور خالق حقیقی سے جا ملی۔ میرا تاجور سے مستقل رابطہ تھا۔ میں اسے اپنا جیون ساتھ بنانا چاہتا تھا۔ تاجور یک بار میرے ہم قدم تھی۔ اب دوری، قربت میں بدلنے والی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

ایک دم مجھ سے ہزاروں لاکھوں میل کی دوری پر لے گئی تھی۔ انیق کے حوالے سے دو دن پہلے مجھ پر ایک اور انکشاف ہوا تھا اور اس نے میری پریشانی میں اضافہ کیا تھا۔ شروع کے دنوں میں جب انیق سے تعلق بنا تھا تو میں نے انیق کے ساتھ فرضی نام سے ایک اکاؤنٹ کھلوایا تھا۔ اس مشترکہ فارن کرنسی اکاؤنٹ میں میری ہی رقم تھی تاہم بوقتِ ضرورت اسے انیق بھی ڈرا کرسکتا تھا۔ پرسوں جب میں نے یہ اکاؤنٹ چیک کیا تو پتا چلا کہ انیق اس میں سے قریباً دس ہزار یورو نکلوا چکا ہے۔ یہ اس کی تکلیف دہ حرکات میں سے ایک اور حرکت تھی۔ تکلیف دہ اور ناقابلِ فہم۔ میرا دوست فخر بھی سجاول ہی کی طرح تاجور کی شادی پر ازحد دکھی تھا۔ میں نے اسے تاجور کے حوالے سے تقریباً سبھی کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔ ''یار! تمہیں کم ازکم ایک بار اس سے خود ملنا چاہیے تھا۔ یہ ساری باتیں اس کے سامنے کہنی چاہیے تھیں۔ کیا پتا اس فردوس نام کی ملازمہ نے تمہارا میسج تاجور تک پہنچایا بھی یا نہیں۔''

میں نے کہا۔ ''فخری! دل کی گواہی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے وہ سارے الفاظ تاجور تک پہنچ گئے تھے اور یہ بھی میرے دل کی گواہی ہے کہ وہ ان الفاظ کے اثر سے بہت دور جا چکی تھی۔ میں اس کے پاؤں پکڑ کر بھی یہ سب کچھ اس سے کہتا تو وہ منہ پھیر کر واپس چلی جاتی۔''

فخر بولا۔ ''کبھی کبھی لگتا ہے کہ شاید سجاول تم پر ٹھیک ہی غصہ کرتا ہے، وہ بھی کہتا ہے ناں کہ وہاں کوٹلی والے ڈیرے پر تاجور سو فیصد تمہارے پاس تھی۔ تمہاری ہر بات مان بھی سکتی تھی لیکن تم خود ڈھیلے پڑے رہے۔ تم نے اسے جانے دیا بلکہ خود اسے سکھیرا گاؤں میں چھوڑ کر آئے۔''

''اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں کیوں ڈھیلا پڑا تھا۔ کیا تم اس سے انکار کرسکتے ہو کہ ٹیکساری گینگ سے ہماری دشمنی کا مطلب جوانی کی موت کے سوا اور کچھ نہیں۔''

فخر نے ایک طویل سانس لی۔ ''اور تم پھر اسی دشمنی کو آواز دے رہے ہو۔''

''اس لیے کہ اب کھونے کو کچھ نہیں ہے۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

''تو پھر کب چلنا ہے بینکاک؟'' اس نے پوچھا۔

''شاید ابھی چل پڑتا...... لیکن پہلے ذرا اس انیق والے معاملے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ سجاول اس کو یا وہ سجاول کو سخت نقصان پہنچا دے گا۔''

فخر نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ دھیان سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''کیا یہاں رکنے کی صرف یہی وجہ ہے یا اپنے زخموں پر اپنے ہاتھوں سے نمک چھڑکنا چاہتے ہو؟''

''کیا مطلب؟''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کو وداع کر کے یہاں سے جانا چاہتے ہو۔ اس کی رخصتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو؟''

''بیکار کی باتیں مت کرو۔'' میں اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ایک ایسی بےقراری تھی جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کسی وقت تو جی دل میں آتا تھا کہ جلد سے جلد فخر کے ساتھ بینکاک روانہ ہو جاؤں اور وہاں پہنچ کر خود کو ماضی کی زہرناک فضا میں یوں ڈبولوں کہ ایک دوروز میں ہی سانس تھم جائے لیکن پھر انیق کے ناقابلِ فہم رویّے کا خیال آتا تھا اور ساتھ ہی اس نقصان کا بھی جو انیق، سجاول کو یا سجاول انیق کو پہنچا سکتا تھا۔ شام کے بعد سجاول کی زبانی معلوم ہوا کہ خورسنہ کی حالت یوں تو بہتر ہے مگر ڈاکٹر اسے احتیاطاً راولپنڈی منتقل کر رہے ہیں۔ چار پانچ گھنٹے تک وہ لوگ راولپنڈی پہنچ جائیں گے۔ میں نے سجاول کو تسلی دی اور کہا کہ ایک لحاظ سے یہ بہتر ہی ہے۔

رات کو صرف دو چار منٹ کے لیے چوہدری دین محمد کی ملازمہ فردوس سے بھی بات ہوئی، اس نے بتایا کہ تاجور کی طبیعت اب سنبھل گئی ہے اور جمعہ کے روز اس کی رخصتی پکی ہوگئی ہے۔ جب فردوس بات کررہی تھی پس منظر میں ڈھولک اور شادی کے گیتوں کی مدھم آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ کسی وقت لڑکیوں کے پُرمسرت قہقہوں کی ہلکی سی گونج بھی ابھر کر معدوم ہو جاتی تھی۔ یہ سب کچھ میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلنے کے لیے کافی تھا۔ تاجور کو اس ''انجام'' سے روکنے کے لیے میں پوری دنیا سے ٹکرا سکتا تھا مگر خود تاجور سے نہیں۔ اس کی محبت اور رضامندی وہ انمول موتی تھا جو میں ہفت اقلیم کی دولت دے کر بھی حاصل نہیں کرسکتا تھا اور میرا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ موتی میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

میرے پوچھنے پر فردوس نے بتایا۔ ''میاں جی نے تاجور کے بڑے ماموں اور دوسرے لوگوں کو منانے کی کوشش کی ہے، کچھ وڈے وڈے افسر بھی ساتھ گئے تھے پر وہ بڑے ماموں مولوی حبیب صیب کو منا نہیں سکے ہیں۔

ہاں برادری کے کچھ لوگ ضرور مان گئے ہیں اور شاید وہ شادی میں شامل بھی ہو جائیں۔''

''مولوی جی نے کیا کہا ہے؟''

''انہوں نے تاجور کے ابا جی سے کُل ہی نہیں کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور گناہ میں شامل نہیں ہوں گے۔''

''ولیمہ کب ہوگا؟''

''ہفتے کو۔ بہت زیادہ تیاری ہو رہی ہے۔ بہت سارے مہمان ہوں گے۔ پر میاں جی نے اپنی طرف سے زیادہ لوگ نہیں بلائے۔ وہ نہیں چاہتے کہ بہت زیادہ پگڑیاں اور تہبند وہاں نظر آئیں۔ خاص خاص لوگ ہوں گے اور وہ شیروانیاں وغیرہ پہنیں گے۔''

میرا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ بے جوڑ شادی ہے اور ہر لحاظ سے بے جوڑ ہے۔ یہ صرف حرص و ہوس کا کھیل تھا اور اسے بااثر و دولت مند شکاری کھیل رہا تھا۔ تاجور ایک خاص کشش رکھنے والی، الوہی حسن کی مالک تھی، دارج اس کے حجلہ عروسی میں داخل ہونے کے لیے اور اس کا گھونگھٹ اٹھانے کے لیے فی الحال ہر ناپسندیدہ بات برداشت کر رہا تھا۔ بہت جلد اس کا اصل روپ سامنے آجانا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ روپ چوہدری دین محمد اور اس کے ہمنواؤں کے چودہ طبق روشن کر دے گا۔

وقت کی سوئیاں کسی کی خاطر اپنی رفتار بڑھاتی نہیں...... اور نہ ہی گھٹاتی ہیں۔ اگلا دن بھی آ گیا۔ پتا نہیں کیوں اب دل چاہ رہا تھا کہ جو کچھ بھی ہونا ہے، جلد سے جلد ہو جائے۔ تاکہ کسی بھی انہونی کی ہلکی سے ہلکی امید بھی ذہن سے نکل جائے۔ رات کوئی ساڑھے دس بجے کا وقت تھا جب فون کی بیل ہوئی۔ میں نے چونک کر اسکرین کو دیکھا۔ یہ شرافت کی کال تھی، اس نے کہا۔ ''کوئی خبر سنی آپ نے؟''

''کیوں، کیا ہوا؟'' میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

''دارج داراب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اسے سخت چوٹیں آئی ہیں۔ سنا ہے کہ بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے کر گئے ہیں۔''

''کہاں سے پتا چلا تمہیں؟'' میں نے ششدر ہو کر پوچھا۔

''ابھی ٹی وی پر خبر آئی ہے۔ مری روڈ پر ایک تیز رفتار لوڈر سے ٹکر ہوئی ہے۔ گاڑی الٹ گئی ہے۔ دارج کا ایک گن مین بھی شدید زخمی ہوا ہے۔''

میرے اندر کھلبلی سی مچ گئی۔ جو بدترین دشمن ہوتے ہیں ان کا نقصان دل کو راحت دیتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے افسوس ہوا تو یہ غلط ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ذہن میں یہ سوال ایک بلند لہر کی طرح ابھرا کہ اگر یہ حادثہ واقعی ہو چکا ہے تو کیا صرف ایک اتفاق ہے؟

شرافت فون پر بتا رہا تھا۔ ''شہ زور لوڈر کا ڈرائیور موقع سے فرار ہو گیا ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ چھتر پارک سے تھوڑا پہلے یہ ایک خطرناک موڑ تھا، ہلکی پھوار بھی تھی۔ دونوں گاڑیاں تیز رفتاری سے جا رہی تھیں۔''

''دارج کی حالت کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کہا جا رہا ہے کہ محافظ کی حالت تو بہت نازک ہے مگر دارج داراب کی بھی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور اسپتال پہنچنے تک وہ ہوش میں نہیں تھا۔''

میں نے سلسلہ منقطع کر کے ٹی وی لگانا چاہا مگر یہاں لائٹ گئی ہوئی تھی اور کیبل نہیں آ رہی تھی۔ میں بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اچانک میرے دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا...... اس کے ساتھ ہی پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ گئیں۔ کہیں اس حادثے میں کسی طرح سجاول سیالکوٹی کا عمل دخل تو نہیں تھا؟ اس نے کہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ نہیں ہونے دے گا۔ وہ تاجور کو اس طرح دارج داراب کے شکنجے میں نہیں جانے دے گا۔ وہ ایک خطرناک شخص تھا۔ وہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ اس سے اچھی سے اچھی اور بُری سے بُری توقع رکھی جا سکتی تھی۔

میں نے دل کے سرپٹ گھوڑے کو سنبھالتے ہوئے فون اٹھایا اور سجاول کو کال ملائی۔ تیسری چوتھی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔ ''ہیلو کون؟'' اس کی پاٹ دار آواز میرے کان میں گونجی۔

''شاہ زیب بول رہا ہوں، کہاں ہو تم؟''

''یہاں پنڈی کے اسپتال میں اور کہاں؟ ابھی ایک دو دن تو یہاں رکنا ہی پڑے گا۔ پیٹ والا زخم کچھ اچھا ہوگا تو چھٹی کی امید ہوگی۔''

''کوئی تازہ خبر سنی ہے تم نے؟ دارج کے بارے میں؟''

''کیوں کیا ہوا اُسے؟'' وہ بھاری آواز میں بولا۔ شاید ایک دو پیگ لگا رکھے تھے۔

''مری روڈ پر ایکسیڈنٹ ہوا ہے اُس کا۔ اسپتال میں ہے۔''

''زندہ ہے کہ مر گیا ہے سُور کا تخم؟'' سجاول نے

پوچھا۔

''ابھی تو زندہ ہے...... ویسے تم اسپتال کب پہنچے ہو؟''

''میں تو صبح سے ہی یہاں ہوں...... خورسنہ کے پاس۔ ایک منٹ کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد درد ہونے لگتا ہے لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو...... اور یہ دارج والی خبر تو بڑی کراری سنائی ہے تم نے۔ کیسے ہوا ہے ایکسیڈنٹ؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا...... جیسے کوشش کررہا ہو کہ میں اس کے لہجے سے اس کے جذبات کا تعین نہ کرسکوں۔

میں نے ایک دو جملوں کے بعد سلسلہ منقطع کردیا اور فوراً سجاول کے دستِ راست یونس پمپ والا سے رابطہ کیا۔

''ہیلو یونس کہاں ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''یہاں راولپنڈی میں ہی ہوں۔''

''سجاول کہاں ہے؟''

''سجاول صاحب اسپتال میں ہی ہیں اپنی وائف کے پاس۔''

''میں دس بجے کے قریب گیا تو وہ وہاں نہیں تھا۔'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''ہاں اس وقت وہ کچھ دیر کے لیے کہیں گئے تھے۔ گھنٹے سوا گھنٹے میں واپس آگئے تھے۔'' یونس کی آواز میں ارتعاش میں نے صاف محسوس کیا۔

جو ''وقت'' یونس پمپ والا بتارہا تھا، یہ وہی تھا جب مری روڈ پر دارج داراب کی بی ایم ڈبلیو گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ سجاول کا یہ بیان بھی جھوٹا ثابت ہورہا تھا کہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی اسپتال سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ میں سجاول کی رگ رگ سے واقف ہوچکا تھا۔ وہ پہاڑی ندی کی طرح اپنی مرضی کے رخ پر چلنے والا شخص تھا۔ اس کے اندر کسی قدیم قبیلے کا وہ جنگ جو چھپا ہوا تھا جس کے اندر ماردینے کی خداداد صلاحیت موجود تھی اور اس کی ایک مثال سجاول کا وہ جان لیوا گھونسا تھا جو جنگ و جدل میں اپنے حریف کو دوسرا سانس نہیں لینے دیتا تھا۔

تو کیا یہاں بھی اس نے اپنی من مرضی کی تھی اور تاجور کی رخصتی کو رکوانے کے لیے ایک راستہ منتخب کیا تھا۔ اسی دوران میں بجلی آگئی۔ میں نے ٹی وی آن کیا۔ تھوڑی سی کوشش سے میں ایک دو چینلز پر اپنی مطلوبہ خبر ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا۔

نیوز کاسٹر سنسنی خیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے صرف ایک روز بعد دارج داراب اپنی دلہن کو بڑی شان شوکت سے اپنے گھر لے جانے والے تھے، ہفتے کے روز ان کے ولیمے کی تقریب تھی۔ اس حادثے نے یہ سب کچھ درہم برہم کردیا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ دارج صاحب کی جان بچ گئی ہے۔ ان کا ایک محافظ اب بھی شدید زخمی ہے۔''

پھر نیوز کاسٹر نے اپنے فیلڈ رپورٹر سے رابطہ کیا اور بولی۔ ''آپ کا اس حادثے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ محض ایک حادثہ ہے یا اس کے پیچھے کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے؟''

فیلڈ رپورٹر نے کہا۔ ''چند روز پہلے کے حالات دیکھے جائیں تو پتا چلتا ہے کہ دارج داراب صاحب کی شادی کے حوالے سے فیملی کے اندر اور باہر کچھ اختلافات پائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں معروف مذہبی شخصیت مولانا حبیب اللہ کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ وہ اس شادی کے ناقدین اور مخالفین میں شامل تھے۔ بہرحال جہاں تک سازش کی بات ہے ابھی اس بارے میں کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میں اس وقت جائے حادثہ پر موجود ہوں۔ یہ دیکھیے ناظرین یہ وہ جگہ ہے جہاں سے لوڈر نے تیز رفتاری کے ساتھ جناب دارج صاحب کی گاڑی کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی اور......'' وہ مسلسل بولتا چلا جارہا تھا۔ میں نے ٹی وی آف کردیا۔

میرا دل بار بار یہی گواہی دے رہا تھا کہ دارج داراب کو زخمی کرنے والا یہ ''کارنامہ'' سجاول سیالکوٹی نے ہی انجام دیا ہے۔ لیکن اس سے کیا حاصل تھا؟ میرے خیال میں تو ایسا اقدام ایک بے وقوفی کے سوا اور کچھ نہیں تھا جو ہونا تھا، وہ ہوچکا تھا، وہ دارج کی دلہن بن چکی تھی۔ دارج کے زخمی ہوجانے سے ممکن تھا کہ عارضی طور پر تاجور کی رخصتی رک جاتی...... مگر کب تک؟ اطلاعات سے تو یہی لگتا تھا کہ وہ دو تین ہفتوں میں پھر اس قابل ہوجائے گا کہ اپنی منکوحہ کو اپنے گھر لے جاسکے اور اگر...... وہ اس حادثے میں مر بھی جاتا تو بھی تاجور نے جو جدائی میری جھولی میں ڈال دی تھی...... وہ تو ڈال دی تھی۔ اس نے اپنے فیصلہ کن اقدام سے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی کہ اب وہ میری نہیں ہے اور نہ ہونا چاہتی ہے۔

اسی دوران میں فخر میرے کمرے میں چلا آیا۔ وہ یورپ کی کڑاکے دار سردی سے یہاں پہنچا تھا لہٰذا یہاں کی سردی اسے زیادہ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس وقت بھی جین اور ہلکی سی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ شرٹ میں سے اس کا

کسرتی جسم چمکیلے فولاد کی طرح اپنی جھلک دکھاتا تھا اور میں جانتا تھا وہ فولاد ہے بھی۔ ایم ایم اے کی سخت فائٹس اور گلی کوچوں میں ہونے والی خونی لڑائیوں نے اسے سرتاپا ایک فائٹنگ مشین بنا دیا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور پھیل کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ دارج داراب کے زخمی ہونے کی خبر اس تک بھی پہنچ چکی تھی اور سچی بات تھی کہ یہ خبر سن کر ہم میں سے کسی کو دکھ نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ دل کی گہرائی میں کہیں خوشی نے جھلک دکھائی ہو تو بے جا نہ ہوگا۔

فخر بولا۔ ''پھر کیا اندازہ لگایا ہے تم نے اس حادثے کے بارے میں؟'' میں خاموش رہا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''کہیں، تمہارے سیالکوٹی دوست نے ہی تو حقِ دوستی ادا نہیں کیا؟''

یہی بات میرے دل میں بھی تھی لیکن میں خاموش رہا۔

میرے تاثرات دیکھ کر فخر کے لہجے میں مزید اعتماد آگیا، کہنے لگا۔ ''یہ اسی کا کام ہے۔ کوئی ایرا غیرا داراب فیملی کو ایسی چوٹ نہیں لگا سکتا تھا۔''

فخر بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ سجاول ایک بے حد دبنگ اور جارح شخص کا نام تھا اور جب اس کی جارحیت کا خیال ذہن میں آتا تھا تو فوراً یہ سوچ بھی حملہ آور ہوتی تھی کہ انیق اپنے کرتوت کی وجہ سے سجاول کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ میں مذاق مذاق میں اس سے کہا کرتا تھا کہ اپنے رویے کی وجہ سے کسی دن اس نے سجاول کے ہاتھوں ضائع ہو جانا ہے لیکن اب واقعی ایسی صورتِ حال بن گئی تھی کہ انیق اپنی من مانی کی وجہ سے کوئی شدید نقصان اٹھا سکتا تھا اور سجاول کے ساتھ بھی کچھ بہت برا ہو سکتا تھا۔

مجھے لگا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں انیق کو بتا دوں کہ میں زندہ ہوں مگر اس کا ردِعمل کیا ہوگا، یہ کچھ پتا نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ ایسے خطرناک لوگ ہوں جو اسے اپنے ہاتھوں میں کھلا رہے ہوں مگر جو کچھ بھی تھا اب یہ رسک تو مجھے لینا ہی تھا۔ ویسے بھی اب تاجور کی نسبت جو کچھ ہو چکا تھا، مجھے لگ رہا تھا کہ میں اپنے ماضی کی طرف لوٹ رہا ہوں اور جب ماضی کی طرف واپسی طے ہو گئی تھی تو پھر اپنی ''موت'' کا ڈھونگ رچائے رکھنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ ساری سنہری سوچیں، یکے بعد دیگرے واپس تاریکی کے غار میں اترتی چلی جا رہی تھیں۔ وہ خوفناک دھماکا، میری موت کا شہرہ...... میرے چہرے کی تبدیلی...... میری نئی شخصیت...... کوئی دور دراز پُرسکون پہاڑی بستی...... اس بستی میں ایک چھوٹا سا گھر...... اور اس گھر کی حسین شام، پکوان کا دھواں دیتی ہوئی اور دھیرے دھیرے ایک محبت بھری رات کی طرف بڑھتی ہوئی شام...... اور ایسی لاتعداد راتیں جن میں تاجور کی بے مثل خوب صورتی کا گداز رچا بسا تھا...... ہاں وہ سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ گہری تاریکیوں میں چلا گیا تھا۔

میں جانتا تھا کہ انیق یہاں راولپنڈی میں ہی کہیں موجود ہے لیکن اس سے کیسے ملا جاتا۔ اس کا پرانا سیل نمبر تو کئی ہفتوں سے بند تھا۔ میرے پاس اس کا واحد سراغ داؤد بھاؤ ہی تھا۔ وہی بتا سکتا تھا کہ انیق کہاں ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے۔ میں نے ایک بار پھر داؤد بھاؤ کے دونوں نمبروں پر ''ٹرائی'' شروع کر دی۔ وہی ڈھاک کے تین پات والا معاملہ تھا...... میرا خیال چچا حفیظ کی طرف چلا گیا۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق انیق چچا حفیظ کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس وقت مجھے یہی لگا تھا کہ چچا محفوظ پناہ گاہ میں چلے گئے ہیں اور ٹیکساری کے متلاشی ہرکارے ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، مگر اب انیق کے نئے کردار نے چچا کی طرف سے بھی تشویش لاحق کر دی تھی۔

انیق کا کریکٹر پیچیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک دو بار میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں انیق ہی تو وہ شخص نہیں جس نے دارج داراب کی گاڑی کو ٹکر ماری ہو مگر پھر مجھے یہ خیال رد کرنا پڑا تھا۔ پتا نہیں کیوں میری چھٹی حس بار بار سجاول کی طرف ہی اشارہ کرتی تھی۔ بہرحال یقین سے اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میں بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کھڑکیوں سے باہر راولپنڈی کی ایک خنک رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی اور مری کی طرف سے آنے والی ہواؤں نے درختوں کے پتوں کو ہلکورے دینے شروع کر دیے تھے۔ سگریٹ نکالنے کے لیے میں نے الماری کھولی تو سامنے ہی تاجور نظر آگئی۔ وہ خود نہیں اُس کی تصویر۔ یہ تصویر میں نے چند روز پہلے ہی فریم کرائی تھی۔ ریشمی زلفوں کی دو لٹیں اس کے گل رنگ رخسار پر جھولتی ہوئی، سیاہ آنکھوں میں ایک سادہ حسن کی خیرہ کن چمک، ایک ایسی دلکشی جو چہرے کے کسی نقش میں ڈھونڈی نہیں جا سکتی تھی مگر ہر نقش میں موجود تھی۔ میں نے فریم اوندھا کر کے رکھ دیا۔ فریم کے پیچھے ہی الماری کی وہ دراز تھی جس میں، میں نے وہ جیولری وغیرہ

سنبھال رکھی تھی جو تاجور کے لیے لایا تھا۔ میں نے دراز کھولی۔ جیولری پر ایک سپاٹ نگاہ ڈالی پھر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر اور سیاہ شاپر میں ڈال کر پہلوان حشمت کے حوالے کر دیا۔ وہ پوچھتا ہی رہ گیا کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اسے کھول کر نہ دیکھے لیکن امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لے (میرا ارادہ یہی تھا کہ یہ میں پہلوان کو سونپ دوں گا تا کہ وہ اپنے مالی حالات درست کر سکے) محبت کے شجر کٹ جاتے ہیں مگر جڑیں دل کی زمین میں پیوست رہتی ہیں۔ ہماری سوچیں بھی ان جڑوں سے لپٹی رہتی ہیں۔ میں سوچتا تھا کہ شاید میرا یہ نیک کام تاجور کی خیر خیریت کے لیے سودمند ثابت ہو۔

ایک گھنٹے بعد میں نے پھر داؤد بھاؤ کے نمبروں پر رابطے کی کوشش شروع کر دی۔ دفعتاً میری دھڑکن تیز ہوگئی۔ داؤد بھاؤ کے ایک نمبر پر بیل جانا شروع ہوگئی تھی۔ میں نے فون فوراً بند کر دیا۔ میں داؤد بھاؤ سے براہِ راست بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ داؤد کے لیے بھی میں ''مرحوم'' ہو چکا تھا (اور ابھی میں نے طے نہیں کیا تھا کہ میں نے اپنے حیات ہونے کا بھید کھولنا ہے یا نہیں) میں نے فوراً سجاول کو فون کیا اور اسے یہ اطلاع دی کہ داؤد بھاؤ کا ایک نمبر آن ہو چکا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ داؤد بھاؤ سے رابطہ کرے اور اس سے پوچھے کہ انیق کہاں ہے؟

قریباً دس منٹ بعد سجاول کا فون آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''داؤد بھاؤ کے نمبر پر بیل تو واقعی جا رہی ہے مگر وہ فون اٹھا نہیں رہا۔''

میں نے اس سے کہا۔ ''ٹرائی جاری رکھو۔ انیق کا ملنا ضروری ہے۔''

''پر کیوں ضروری ہے؟ اس کے بغیر کون سا کام رکا ہوا ہے ہمارا؟''

میں اُسے کیسے بتاتا کہ اس کے بغیر کام رکا تو نہیں ہوا، ہاں اس کی وجہ سے کام خراب ہو رہے ہیں اور اگر اس کی محبوب بیوی زخمی ہو کر اسپتال میں پڑی ہے تو اس کے پیچھے بھی انیق کے سائے ہی نظر آ رہے ہیں۔ میں اسے انیق کے حوالے سے خبردار بھی کرنا چاہ رہا تھا مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے کروں، کچھ بھی کرنے سے پہلے ایک بار انیق سے میرا ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

''تم بول کیوں نہیں رہے، چپ کیوں ہو گئے ہو؟'' سجاول کی آواز نے مجھے خیالوں سے چونکایا۔

میں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''سجاول! ہمارے اردگرد بہت کچھ عجیب ہو رہا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے، لالہ موسیٰ میں تمہارے گھر پر حملہ کرنے والے اور ذیشان کو اغوا کرنے کی کوشش کرنے والے کون لوگ تھے؟''

''یہی سوچ سوچ کر تو میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ دشمن تو بہت سے ہیں میرے...... لیکن یہ جو کام ہوا ہے بالکل وکھری ٹائپ کا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ کوئی گھر کا بھیدی ہے۔''

''اچھا ایسا کرتے ہیں سجاول، کہیں ملتے ہیں بلکہ ابھی ملتے ہیں۔''

''تو مل لو، یہیں اسپتال آجاؤ۔ خورسنہ بھی تمہیں یاد کر رہی تھی۔''

''نہیں اسپتال نہیں، کہیں اور بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ بالکل اکیلے میں۔''

سجاول نے ذرا توقف کر کے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ تمہارے دماغ میں کوئی خاص بات ہے۔''

''یہی سمجھ لو...... ذیشان کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ماں کے پاس ہی ہے۔ ایک منٹ کے لیے بھی اس سے دور نہیں ہو رہا۔''

''انہیں چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے آ سکتے ہو؟''

''ہاں...... کیوں نہیں...... یہاں کمرے کے باہر پولیس گارڈ ہے۔ میں نے اپنے بندے بھی آس پاس لگائے ہوئے ہیں۔''

''چلو انہیں الرٹ رہنے کا کہو اور بڑی سڑک پر آ جاؤ۔ پہلے گول چکر کے ساتھ ہی آپارہ ریسٹورنٹ ہے۔ اس کے ہال میں پہنچ رہا ہوں میں۔''

قریباً آدھ گھنٹے بعد میں اور سجاول اس فور اسٹار ریسٹورنٹ کے ڈائننگ ہال میں ایک نیم تاریک گوشے میں بیٹھے تھے۔ ہمارے سامنے گرین ٹی کے کپ دھرے تھے۔ یہ رات کے قریباً ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ اگلے روز چھٹی تھی اس لیے ریسٹورنٹ میں گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ میں نے سجاول کی بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا...... باقی باتوں کو چھوڑو۔ مجھے ایک بات صاف صاف بتا دو اور اگر دوست ہو تو جھوٹ نہ بولنا۔''

''کون سی بات؟'' سجاول نے بے پروائی سے کہا۔

''ابھی ڈھائی تین گھنٹے پہلے مری روڈ پر جو ایکسیڈنٹ ہوا ہے، وہ کس نے کیا ہے؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

اس نے کپ ٹیبل پر واپس رکھا اور میری طرف دیکھ کر ٹھہرے لہجے میں بولا۔ ''تو تمہارا خیال ہے...... کہ وہ میں نے کیا ہے؟''

''خیال تھا، لیکن اب یقین ہونے لگا ہے۔ یہ حرکت تمہاری ہی ہے۔''

''خود ہی سوال کر کے خود ہی جواب دینا ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس نے اطمینان سے گرین ٹی ... کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''مطلب یہ ہے کہ یہ تم نے کیا ہے مگر کیوں؟ کیا ضرورت پڑی تھی اتنی ہمدردی جتانے کی۔ کیا حاصل ہوا ہے اس سے تجھے؟ کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں بلکہ...... خود پر لعنت ملامت کرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔ تمہارے نزدیک محبت کا مطلب کچھ اور ہوگا، میرے نزدیک اور ہے۔ مجھے زبردستی، چھینی ہوئی محبت نہیں چاہیے۔ میں سچ کہتا ہوں سجاول، مجھے شرمندہ کیا ہے تم نے۔''

''اچھا اپنی بک بک بند کرو۔ کوئی کام کی بات ہے تو بتاؤ۔'' وہ گرین ٹی کے آدھے کپ کو شربت کی طرح غٹاغٹ چڑھا گیا۔

اس سے ماتھا پھوڑنا بیکار تھا۔ میں واش روم جانے کے بہانے اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ واش روم میں جا کر چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیے، لمبے سانس لے کر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی پھر رومال سے ہاتھ منہ پونچھتا ہوا واپس آ گیا۔ تب تک سجاول مزید گرین ٹی منگوا چکا تھا۔ جس طرح کا اس کا موڈ ہو رہا تھا شاید وہ ''کچھ اور'' پیتا مگر یہ ایک عوامی جگہ تھی اور یہاں اسے محتاط رہنا پڑ رہا تھا۔ جس طرح اس کے قوی ہیکل سراپا پر پینٹ شرٹ جچتی نہیں تھی، اسی طرح اس کے بالوں بھرے لمبے چوڑے ہاتھ میں گرین ٹی کا کپ بھی عجیب لگتا تھا۔

اس کے وسیع ماتھے پر سوچ کی پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ چائے کی ایک طویل چسکی لے کر بولا۔ ''میرے بندے تین چار ''مشکوک'' پکڑ کر ڈیرے پر لے گئے ہیں۔ کافی مارا کُٹی ہوئی ہے اُن سے۔ ایک کی تو دو چار ہڈیاں بھی ٹوٹ گئی ہیں، پر ابھی تک کوئی پکا کھرا ہاتھ نہیں لگا۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے گھر پر ہونے والے سنگدلانہ حملے کی بات کر رہا ہے۔ اس حملے کے شبے میں اس کے کارندے کچھ لوگوں کی کم بختی لے آئے تھے...... یقیناً ان سے کچھ اگلوانے کی کوشش میں ان کی کھال اُدھیڑ دی گئی ہو گی۔ میں سوچنے لگا کہ اگر سجاول کو بھنک بھی پڑ جائے کہ اس کے گھر پر ہونے والی فائرنگ میں انیق کا ہاتھ ہے تو اس کا غیظ و غضب کیا رنگ دکھائے، میں شدید تذبذب میں تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سجاول کو انیق کی طرف سے خبردار رہنے کا مشورہ دوں، اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ مشورہ کس طرح دوں۔ اس کے بعد سجاول اور انیق کا ٹکراؤ ہو جانا لازم تھا۔ میں نے ناراض لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''آئندہ کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب تم اور خورسنہ لالہ موسیٰ کے اس گھر میں تو نہیں رہو گے؟''

''ہاں گھر کا انتظام کر لیا ہے یونس نے۔ اب لالہ موسیٰ شہر کے اندر ہے۔ میرے خیال میں ٹھیک جگہ ہے۔''

''کیا یہ اچھا نہیں تھا کہ کسی اور شہر میں چلے جاتے؟''

''جن حرام زادوں نے حملہ کیا ہے وہ بھی یہی سوچیں گے کہ ہم نے یہ علاقہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لحاظ سے تو لالہ موسیٰ ہی زیادہ محفوظ ہے۔''

''بات میں وزن تو ہے مگر سجاول! مجھے لگتا ہے کہ خورسنہ اور ذیشان کے لیے تمہیں مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق واقعی یہ گھر کے کسی بھیدی کا کام ہے تو یہ بھیدی پھر بھی کام دکھا سکتا ہے۔ میری مانو تو کچھ عرصے کے لیے یہاں راولپنڈی ہی رک جاؤ، بڑا شہر ہے۔''

''اچھا دیکھ لیں گے یہ بھی، تم اپنی سناؤ۔ اب کیا ارادے ہیں۔ دیوداس ہی بنے رہنا ہے یا پھر کچھ حرکت شرکت بھی کرنی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شادی کے نام پر وہ ایک اندھے کنویں میں گر رہی ہے اور تم چپ کر کے اسے دیکھ رہے ہو۔ کیا اسی کو محبت کہتے ہیں؟''

''سجاول! یار یہ بات نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے، اس نے میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ اب اپنی باتوں سے اور نمک نہ چھڑکو۔ اس ایکسیڈنٹ کے بعد تاجور اور اس کے گھر والوں پر کیا بیت رہی ہو گی۔ سوچتا ہوں تو......'' مجھے بولتے بولتے چپ ہونا پڑا۔ سجاول کے سیل فون پر کال کے سگنل آ گئے تھے۔

''ہیلو کون؟'' سجاول اپنی مخصوص گھن گرج کے ساتھ بولا۔

دوسری طرف سے جو کچھ کہا گیا، اس نے سجاول کو قدرے پریشان کیا۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ''اچھا، میں تھوڑی دیر میں نکل رہا ہوں...... بلکہ...... ابھی نکل رہا ہوں۔ دس پندرہ منٹ میں پہنچتا ہوں۔''

www.urdusoftbooks.com

فون بند کر کے اس نے بتایا کہ یونس کا فون تھا۔
''اس نے کہا ہے کہ خورسنہ کو پھر درد ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے اس کے ایک دو ٹیسٹ لکھے ہیں جو ابھی کرانے ہیں۔''
''ٹھیک ہے، تو تم نکلو فوراً اگر کسی طرح میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا۔''
وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ ابھی گھر واپس جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ دل و دماغ میں عجیب سی مایوسی اور اداسی بھری ہوئی تھی۔ ہال میں کسی غمگین نغمے کی دُھن چلے ہو رہی تھی اور فضا میں عجیب سا حزن رچا ہوا تھا۔ میں نے سجاول کو عقب سے دیکھا، وہ ڈائننگ ہال سے نکل کر زیرزمین پارکنگ کی طرف جا رہا تھا اور تبھی اپنی میز پر بیٹھے بیٹھے میں بری طرح چونک گیا۔ یکلخت ہی میری رگوں میں خون کی گردش کئی گنا بڑھ گئی۔ میں نے انیق کو دیکھا، وہ ہال ہی کے کسی گوشے سے اٹھا تھا اور اب سجاول کے پیچھے باہر نکل رہا تھا۔ وہ میرے بالکل قریب سے ہو کر گزرا اس نے ایک ہلکی سی جیکٹ اور چست پتلون پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں مہنگے سے اسپورٹس شوز تھے۔ پتا نہیں کیوں اس کی قدرے پھولی ہوئی جیکٹ دیکھ کر مجھے کسی خطرے کا احساس ہوا۔ اس کا یوں سجاول کے پیچھے جانا بھی الارمنگ تھا (میرے پاس سے گزرتے ہوئے ایک اچٹتی سی نظر اس نے مجھ پر ڈالی تھی۔ ہال کے اس نیم روشن گوشے میں وہ مجھے پہچاننے میں سو فیصد ناکام رہا تھا)
یہ کیا کر رہا ہے؟ کیا کرنے والا ہے؟ میرے ذہن میں یہ چنگھاڑتا ہوا سوال ابھرا۔
میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور انیق کے پیچھے گیا۔ ہال سے باہر نکل کر میں نے دیکھا، سجاول کشادہ کوریڈور کے آخری سرے پر تھا اور انڈرگراؤنڈ پارکنگ میں داخل ہو رہا تھا۔ انیق سے اس کا فاصلہ بیس پچیس قدم تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ انیق نے ڈائننگ ہال میں سجاول پر نگاہ رکھی ہوئی تھی اور اس بات کا منتظر تھا کہ سجاول یہاں سے اٹھے۔ کیا وہ سجاول سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا، یا پھر ارادے زیادہ خطرناک تھے؟ اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی اور اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔
ہم انڈرگراؤنڈ پارکنگ میں پہنچے، صرف سات آٹھ گاڑیاں یہاں کھڑی تھیں۔ بس ایک چوکیدار دکھائی دے رہا تھا۔ سجاول تیز قدموں سے چلتا ایک ننانوے ماڈل ٹویوٹا کار کی طرف بڑھا۔ انیق ایک ستون کے قریب رک چکا تھا اور یہی وقت تھا جب میں نے ایک لرزہ خیز منظر دیکھا۔
میرے بدترین خدشات ٹھوس حقیقت کا روپ دھار گئے تھے۔ انیق نے اپنی جیکٹ میں سے کچھ نکالا اور اپنے ہاتھ سجاول کی طرف سیدھے کیے۔ اگلے ہی لمحے پارکنگ لاٹ ایک لرزہ خیز دھماکے سے گونج اٹھا۔ میں نے چند آخری قدم بھاگ کر طے کیے اور اُڑتا ہوا سا انیق پر جا پڑا۔ میں جانتا تھا کہ عام جسم رکھنے کے باوجود انیق کوئی معمولی حریف نہیں ہے۔ اس کا خاص ہتھیار اس کی غیرمعمولی پھرتی تھی جو مدِمقابل کو حیران کر دیتی تھی۔ میں اور انیق اوپر نیچے گرے۔ بہت اچھا ہوا تھا کہ میں نے گرتے ہوئے ایک ہاتھ اس کے مشین پسٹل پر ڈال دیا تھا۔ اس نے بے دریغ ٹریگر دبایا تھا لیکن بیرل کا رخ چونکہ میری طرف سے ہٹ چکا تھا، اس لیے پسٹل سے نکلنے والی تین گولیاں چھت کی جہازی سائز کی گول لائٹ میں لگیں۔ اس سے غالباً شارٹ سرکٹ ہوا اور پارکنگ لاٹ تاریکی میں ڈوب گیا۔ صرف زینوں کی طرف سے آنے والی مدھم روشنی میں گاڑیوں کے خدوخال دکھائی دے رہے تھے۔
انیق نے دانت پیس کر گالی بکی اور پسٹل کے وزنی دستے سے میرے جبڑے کو نشانہ بنانا چاہا۔ میں اس قسم کے ردِعمل کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ میں نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ ایک کلاسیکل گھونسا اس کے منہ پر رسید کیا۔ اس نے بلا کی تیزی دکھائی اور پلٹ کر میرے نیچے سے نکل گیا۔ یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں، وہ ایک بار پھر مجھے پسٹل سے نشانہ بنانا چاہ رہا تھا۔ میری ٹانگ کی ضرب بہت جچی تلی تھی اور بہت شدید بھی۔ ٹریگر دبنے سے پہلے ہی پسٹل انیق کے ہاتھ سے نکل گیا اور کسی گاڑی کی باڈی سے ٹکرا کر نامعلوم سمت میں لڑھک گیا۔
میں اور انیق ایک بار پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ چوکیدار کی پکارتی ہوئی آواز پارکنگ لاٹ میں گونج رہی تھی۔ ''پیچھے ہٹ جاؤ، ام گولی مار دے گا۔'' اس کی یہ وارننگ یقیناً انیق کے لیے ہی تھی۔ لیکن اس کی آواز ہی بتا رہی تھی کہ وہ گولی نہیں چلا سکتا۔ ویسے بھی میں اور انیق گتھم گتھا تھے۔ مجھے انیق کی ایک طوفانی ٹکر اپنی پسلیوں پر سہنا پڑی اور مجھے صحیح پتا چلا کہ وہ ''کس'' ''کیلے بر'' کا فائٹر ہے۔ اگر یہ ٹکر کسی عام شخص کو لگی ہوتی تو وہ ضرور فوراً خون تھوکنے لگتا۔ میں نے ایم ایم اے کی ایک مخصوص ضرب انیق کی کنپٹی پر لگائی۔ ضرب ٹھیک سے نہیں لگی پھر بھی وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔
یہی وقت تھا جب سجاول بھی دہاڑتا ہوا موقع پر پہنچ گیا۔
زمین پر گرنے کے بعد انیق کی نگاہ پھر اپنے مشین

پسٹل پر پڑ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کی طرف لپکا مگر تب تک سجاول اس کی راہ میں آچکا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ سجاول کا ایک بازو زخمی ہے۔ اس نے انیق کو دبوچا۔ وہ کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ یہی وقت تھا جب شارٹ سرکٹ کی وجہ سے کچھ مزید پٹاخے چھوٹے اور پارکنگ لاٹ مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔ میں نے انیق کے سائے کو کسی چھلاوے کی طرح گاڑیوں کے عقب میں اوجھل ہوتے دیکھا۔ عین اس وقت پولیس موبائلز کے تیز سائرن بالکل قریب سے سنائی دینے لگے۔ ''بھاگو پکڑو'' کی آوازیں بھی پارکنگ لاٹ کی طرف سے آرہی تھیں۔

میں نے پکار کر کہا۔ ''سجاول! نکل جاؤ یہاں سے۔''

میں خود بھی ایک نیم تاریک راہداری کی طرف دوڑا۔ کچھ ہی دیر بعد میں تاریک بھول بھلیوں سے گزر کر باہر سڑک پر آگیا۔ میں نے ایک سوزوکی ٹیکسی کو اشارہ کیا اور اس میں گھس کر ریسٹورنٹ سے دور ہوتا چلا گیا۔ ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ انیق کا نیا روپ سامنے آتا تھا اور وہ پہلے روپ سے برا ہوتا تھا۔ تاریکی کا فائدہ اٹھا کر میں اور سجاول ہنگامے والی جگہ سے نکل آئے تھے اور انیق تو تھا ہی ایک چھلاوا وہ ہم سے بھی پہلے نکل بھاگا تھا، مگر آج جو کچھ اس نے کیا تھا، وہ کسی صورت قابل معافی نہیں تھا۔ اس نے سجاول کو گولیوں سے چھلنی کرنے کی کوشش کی تھی، اگر میں بروقت مداخلت نہ کرتا تو شاید اب تک خورسند بیوہ ہو چکی ہوتی اور میں اپنے ایک نہایت قیمتی دوست سے محروم ہو چکا ہوتا۔

یہ سب کچھ ہونے سے رہ گیا تھا لیکن جو کچھ ہوا تھا، وہ بھی کم برا نہیں تھا۔ میرے اندازے کے مطابق سجاول کا بازو زخمی ہوا تھا اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس پر فائرنگ کرنے والا کون ہے۔ اب ان دونوں کے تصادم کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جونہی میں گھر پہنچا سجاول کا فون آگیا۔ (وہ گاڑی سمیت ریسٹورنٹ میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا) حسب توقع اس کی آواز میں شعلوں کی پھنکار تھی۔ وہ چھوٹتے ہی بولا۔ ''دیکھ لیا...... دیکھ لیا ناں اس کا کارنامہ؟ میں ہمیشہ تم سے یہی کہتا تھا کہ یہ آستین کا سانپ ہے، بس موقع کی تلاش میں ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں میری بیوی کو زخمی کر کے اسپتال میں ڈالنے والا اور میرے بچے کو اغوا کرنے والا بھی یہی سئور کا تخم ہے۔ وہ قیامت بھی اسی نے توڑی ہے۔''

''سجاول خود کو ٹھنڈا رکھو، جو بھی ہوگا سامنے آجائے گا۔''

''اب اور کیا سامنے آنا ہے؟ اس نے مجھ پر گولی چلائی ہے۔ اگر تم اسے روک نہ لیتے تو اس وقت میری لاش مردہ خانے میں پڑی ہوتی۔ یہ حرامی کوئی گہرا کھیل کھیلنے میں لگا ہوا ہے۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ کل کا سورج ڈوبنے سے پہلے یہ ایک لاش کی صورت میں نظر آئے گا۔''

''سجاول سوچنے کی بات ہے کہ اگر یہ سب کچھ اس نے کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟ تم اس کو مار ڈالو گے تو پھر اس کھیل کا پتا کیسے چلے گا جس کی تم بات کر رہے ہو؟''

''کھیل کا پتا بھی چلا لوں گا چند گھنٹوں میں۔'' سجاول کی آواز میں غضب ناک دہاڑ تھی۔

''یہ سب کچھ اتنی جلدی ہونے والا نہیں ہے سجاول، جو کچھ انیق نے کیا ہے اس کا مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہے جتنا تمہیں۔ ہم اس کے لیے اسے معاف نہیں کریں گے لیکن پہلے پتا تو چلے کہ اس کا ایسا گندہ کردار کیوں سامنے آیا ہے؟''

''اس کا کردار ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ بس تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اپنے اس اکاؤنٹ کو بھی دیکھو جو تم نے اس کے ساتھ مل کر کھلوایا ہوا تھا۔ مجھے تو لگتا ہے اس نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا ہوگا۔''

میں خاموش رہا۔ خاموشی ہی مناسب تھی۔

سجاول نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''شاہی! مجھے پورا یقین ہے جمعرات کے روز جو کچھ میرے گھر پر ہوا ہے، وہ بھی اسی نے کیا ہے، یہی وہ گھر کا بھیدی ہے ہم جس کی بات کر رہے تھے۔ یہ مجھے میری بیوی بچے سمیت جان سے مار دینا چاہتا تھا، کسی وقت تو لگتا ہے کہ یہ کرائے کا قاتل بنا ہوا ہے۔ کوئی لمبی رقم پکڑی ہوگی اس نے۔''

سجاول طیش کے عالم میں بولتا چلا جا رہا تھا اور میرا اپنا دماغ بھی ہزار میل فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

میں نے سجاول سے کہا کہ وہ ایک بار پھر داؤد بھاؤ سے رابطے کی کوشش کرے صرف وہی بتا سکتا ہے کہ وہ خبیث کیا کرتا پھر رہا ہے۔''

سجاول طیش میں تھا۔ اس نے داؤد بھاؤ کی شان میں بھی دو تین قصیدے پڑھے اور بولا۔ ''کیا پتا دونوں استاد شاگرد ہی ایک لائن پر چل پڑے ہوں۔''

''نہیں سجاول! ہر ایک کے بارے میں بدگمان ہونا ٹھیک نہیں۔ داؤد بھاؤ کچھ اور ٹائپ کا بندہ ہے۔ تم اس سے رابطے کی ٹرائی کرو۔''

"یہ تمہارا انکو شہزادہ بھی تو اور ٹائپ کا ہی تھا۔ اب دیکھو کیسے کیسے رنگ دکھا رہا ہے۔" سجاول کی آواز میں تکلیف کی جھلک بھی تھی اور میرے اندازے کے مطابق یہ اسی زخم کی تکلیف تھی جو اسے تھوڑی دیر پہلے پارکنگ لاٹ میں انیق کی گولی سے آیا تھا۔

میں نے اس حوالے سے پوچھا تو سجاول نے چند مغلظات بولنے کے بعد بتایا کہ بچ بچاؤ ہو گیا ہے۔ گولی کلائی کے گوشت کو اُدھیڑتی ہوئی گزر گئی ہے۔ گفتگو کے آخر میں سجاول کسی حد تک آمادہ ہو گیا کہ وہ دوبارہ داؤد بھاؤ کو کال ملانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس رات کا زیادہ تر حصہ بے قراری کے عالم میں ہی گزرا۔ انیق کی صورت رہ رہ کر نگاہوں میں گھومتی تھی۔ اس کا مجھ پر جھپٹنا، پھر سخت ضربیں لگانا اور میری ضربیں سہنا۔ مجھے یاد آیا کہ جب وہ میرے قریب تھا تو اس کے منہ سے الکحل کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ وہ تو پینے پلانے سے بہت دور تھا پھر اس طرف کیسے آ گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب وہ صحیح معنوں میں ایک گینگسٹر بن گیا ہے۔ ہر لذت کو جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کرنے والا ایک ایسا شخص جو اپنے مطلب تک پہنچنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مجھے تاجور سے اس کی خفیہ ملاقاتیں یاد آئیں اور وہ الفاظ میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلنے لگے جو اس نے تاجور سے کہے تھے۔

سجاول کا فون اگلے روز دس بجے کے لگ بھگ آیا۔ اس نے یہ خبر سنائی کہ بالآخر داؤد بھاؤ سے اس کا رابطہ ہو گیا ہے۔ دراصل ایک بڑے کیس میں اپنی ضمانت منسوخ ہونے کے بعد سے داؤد روپوش تھا۔

"انیق کے بارے میں کچھ پتا چلا؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں......" سجاول نے انیق کو پھر ایک بھاری بھرکم گالی دی۔

"کیا مطلب؟"

"داؤد کہتا ہے کہ وہ بھی اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ جب سے گوجرانوالہ کا واقعہ ہوا ہے، اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔ گینگ کے کسی دوسرے بندے سے بھی اس نے کوئی کنکشن نہیں کیا۔"

"اس سے کیا نتیجہ نکالا جائے؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے گینگ میں وڑ گیا ہو......" فقرے کے آخر میں سجاول نے پھر انیق کی ماں بہن ایک کی۔ اس کا طیش بجا تھا۔

☆☆☆

اگلے چار پانچ روز تک میں نے فخر کے ساتھ مل کر انیق کو ڈھونڈنے کی پوری کوشش کی، سجاول اور اس کے کوئی نصف درجن کارندے بھی اسی کام میں لگے ہوئے تھے مگر اس کا کوئی کھوج کھرا نہیں ملا۔

دوسری طرف وارج داراب کے بارے میں خبر تھی کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور کمر کی ہڈی میں بھی چوٹ آئی ہے۔ اسلام آباد کے ایک بڑے اسپتال میں وی آئی پی کی حیثیت سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ تاجور کی رخصتی ایک بار پھر ملتوی ہو گئی تھی۔ ہاں یہ پتا چلا تھا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سکھیرا گاؤں واپس روانہ ہونے سے پہلے وہ دو راتوں تک اسپتال میں وارج کی تیمارداری کرتی رہی ہے۔ تاہم اس خبر کی پوری طرح تصدیق نہیں ہو پائی تھی۔ ہاں یہ کنفرم تھا کہ وہ اسپتال پہنچی ہے۔

مجھے یہی لگتا تھا کہ رخصتی کا ہونا یا نہ ہونا اور اپنے شوہر سے تاجور کا ملنا یا نہ ملنا سب بے معنی باتیں ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ اپنی راہیں مجھ سے جدا کر چکی ہے اور زندگی بھر کا دکھ میری جھولی میں ڈال چکی ہے۔ میں نے آخری بار فردوس کو فون کر دیا تھا اور اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ اب وہ کبھی میری وجہ سے پریشان نہیں ہوگی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا لیکن حقیقت یہی تھی کہ میں اب اسے اس کی غلطی کی مزید سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس کی اور ہاشو کی نازیبا وڈیو واقعی اپنے "پن ہول کیمرے" سے صاف کر دی تھی۔

سجاول اب پوری طرح الرٹ تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ انیق کتنا بھی ہوشیار چالاک سہی اور اس کے دل و دماغ میں کوئی بھی فتور سہی وہ سجاول جیسے دبنگ کو آسانی سے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جہاں تک چچا حفیظ کا تعلق تھا، ان کی طرف سے ایک بڑی اچھی خبر مجھے مل گئی تھی۔ یہ خبر سجاول کے ذریعے ملی تھی۔ چچا، لاہور میں میرے وکیل دوست عبداللہ کے پاس حفاظت سے تھے۔ پتا یہی چلا تھا کہ انیق نے ان کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی تھی۔ انہیں ان کی بیماری کی پروا کیے بغیر ایک کمرے میں بند کر کے کہیں دفع ہو گیا تھا۔ وہ بڑی مشکلوں سے وہاں سے نکل پائے تھے۔ میرا دل تو چاہتا تھا کہ چچا سے ٹیلی فونک رابطہ کروں مگر عملی طور پر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی تہلکہ تھا جو تاجور کی واپسی اور اس کے نکاح کے بعد برپا ہوا تھا۔ اسی ہلچل کے نتیجے میں، میں نے فخر سے رابطہ کیا تھا

اور وہ لندن سے یہاں آ گیا تھا۔ اس نے ٹیکساری گینگ کے حوالے سے جو کلیو حاصل کیا تھا وہ غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ وانس وائے وہ شخص تھا جسے آج سے تین چار سال پہلے ہم دیوانوں کی طرح ڈھونڈتے رہے تھے۔ ٹیکساری گینگ کا بانی ڈیرک تھا۔ وانس وائے اس کا باکمال دستِ راست تھا۔ ڈیرک کے بیٹے یعنی میرے موجودہ دشمن جان ڈیرک نے ہمیشہ وانس وائے سے خار کھائی تھی۔ تاہم اپنی زندگی میں ڈیرک نے اپنے بیٹے اور اپنے دستِ راست میں کسی طرح کا تصادم نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے جان ڈیرک کو سمجھا کر رکھا تھا کہ وانس وائے ان کے کالے دھندوں کے لیے کتنا اہم اور ناگزیر ہے۔ بہرحال ڈیرک کی موت کے فوراً بعد وانس وائے اور جان ڈیرک کے سنگین اختلافات کھل کر سامنے آگئے تھے اور پھر ان کے درمیان ایک زوردار تصادم ہو گیا تھا۔ اس تصادم میں گینگ کے کچھ اہم لوگوں نے جان ڈیرک اور کچھ نے وانس وائے کا ساتھ دیا تھا۔ اس تصادم کی تفصیل میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ فی الحال میرے اور فخر کے ذہن نے ایک ہی بات پر فوکس کر رکھا تھا کہ ہم کسی طرح جلد از جلد وانس وائے اور اس کی نوعمر بیٹی تک رسائی حاصل کریں۔ فخر کی مصدقہ اطلاعات یہی تھیں کہ یہ وانس اور اس کی بیٹی تھائی لینڈ کے شہر بینکاک میں غیر متوقع طور پر زندہ موجود ہیں اور جان ڈیرک کی تحویل میں ہیں۔

آخر وہ دھندآلود سی صبح آگئی جب مجھے اور فخر کو پاکستان سے پرواز کر کے بینکاک پہنچنا تھا۔ سارے سفری کاغذات تیار تھے۔ میں اپنی وقاص والی شناخت کے ساتھ سفر کرنے والا تھا۔ اس نام کا پاسپورٹ بھی میں نے کراچی میں قیام کے دوران میں ہی تیار کروالیا تھا (یہ وہی دن تھے جب میں کرنل ڈاکٹر احرار سے اپنے چہرے میں کچھ کاسمیٹک تبدیلیاں کروا رہا تھا)

ہم اپنا مختصر سامان پیک کر رہے تھے اور میں ایک بار پھر خود کو چند سال پہلے کے اسی دور میں محسوس کر رہا تھا جب میں ایم ایم اے کے ایک چیمپئن سے مار دھاڑ کی دنیا میں داخل ہوا تھا اور یورپ کے گلی کوچوں میں خونی کھیل کھیلے تھے۔ میں نے فخری سے پوچھا۔ ”بینکاک میں ٹھہرنا کہاں ہے؟“

وہ بولا۔ ”ویسے تو وہاں ایک دو بہت قابلِ بھروسا بندے موجود ہیں لیکن میں نے درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں بکنگ کروائی ہے۔ ہم جتنا الگ تھلگ رہیں گے اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہوگا۔“

”پلاننگ کیا ہے؟ جاتے ساتھ ہی ایکشن لینا ہے یا پھر ’ریکی‘ وغیرہ ہوگی؟“

”جانِ جگر! ہم نے خودکشی نہیں فرمانی، ذرا دیکھ بھال کر قدم اٹھانا ہوگا۔ وہ خطروں کا شہر ہے اور ہمارا واسطہ خطرناک ترین لوگوں سے ہے۔“ فخر نے نفرت سے ایک طرف تھوکا اور سرسراتے لہجے میں بولا۔ ”ٹیسٹ ٹیوب شیطان۔ ایک جیسی شکلوں والی وہ قاتل مشینیں۔ یقین کرو شاہ زیب! کسی وقت تو دل چاہتا ہے کہ یہ سارے ہم شکل جانور ایک جگہ اکٹھے ہوں اور میں اپنے اس پیکرِ ناتواں پر ہزار ہزار پونڈ کے چار پانچ بم باندھ کر ان کے درمیان گھس جاؤں اور بلاسٹ کرلوں اپنی ذاتِ شریف کو۔“

وہ ڈیتھ اسکواڈ کی بات کر رہا تھا اور اس کے دلی جذبات کو سمجھنا میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔ فخر نے اب تک وانس وائے کے بارے میں جو معلومات اکٹھی کی تھیں، ان کے مطابق یہی کنفرم ہوا تھا کہ وانس وائے کو بینکاک کے ایک نواحی علاقے میں اس کی خوبرو بیٹی سمیت رکھا گیا ہے اور اس کی حفاظت ڈیتھ اسکواڈ کے لوگ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ڈیتھ اسکواڈ کے سرمنڈے شیطانوں سے ایک بار پھر ہمارا سامنا ہونے والا ہے۔

”تم نے ایک دن وانس وائے کی کسی تصویر کا ذکر کیا تھا؟“ میں نے کہا۔

”اوہ ہاں۔“ فخر چونک کر بولا اور اپنے سفری بیگ کو پھر سے کھولنے لگا۔ اس نے ایک اندرونی خانے میں رکھی ہوئی تین کارڈ سائز تصویریں نکالیں اور کہنے لگا۔ ”یہ زیادہ صاف تو نہیں ہیں لیکن وانس کو تم پہچان لوگے۔“

میں نے تصویریں دیکھیں۔ وہ واقعی غیر واضح تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ بہت دور سے ”زوم“ کر کے اتاری گئی ہیں۔ یہ کسی قلعہ نما جگہ کا احاطہ تھا۔ اونچی دیواریں، چند برجیاں اور مخروطی چھتیں دکھائی دیتی تھیں۔ دو تصویروں میں تو بس درختوں اور ایک دو ہیولوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ تاہم تیسری تصویر بہتر تھی۔ اونچی دیوار کے ساتھ ایک گراسی لان دکھائی دیتا تھا۔ نیم گنجے سر والا ایک درمیانی عمر کا شخص ایک نیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ یہ بیڈمنٹن یا پھر والی بال کا نیٹ تھا۔ اس نے ٹریک سوٹ پہن رکھا تھا، اس کی دائیں سائڈ نظر آرہی تھی۔ میری رگوں میں خون سنسنا اٹھا۔ دل نے پکار کر کہا کہ یہ وانس وائے ہی ہے۔ وہی جس کو آج بھی ٹیکساری گینگ کے کچھ لوگ شدت سے یاد کرتے تھے اور اسے اپنا

اصل باس سمجھتے تھے۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور ہو چکا تھا لیکن ڈیل ڈول اب بھی رعب دار تھا۔ اس کے ساتھ سنہری بالوں والی دس گیارہ سال کی ایک بچی تھی جس نے گود میں ایک بلی اٹھا رکھی تھی۔ لڑکی نیکر اور ہلکی پھلکی شرٹ میں تھی۔ اس کی شکل تصویر میں زیادہ واضح نہیں تھی۔

''یہی بچی ہے؟'' میں نے فخر سے پوچھا۔

فخر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جس وقت والس وائے منظر سے اوجھل ہوا تھا، اس بچی کی عمر شاید چھ سات سال ہوگی۔ اس کی ماں کے بارے میں تو یہی خیال ہے کہ اسے ڈیرک نے جان سے مار ڈالا تھا۔''

میں نے تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ اتاری کہاں سے گئی ہے؟''

''بس یہی سمجھو کہ ہمارا ایک ہونہار شوٹر اپنی جان پر کھیلا ہے۔''

''ہیلی کاپٹر کا کام لگ رہا ہے؟''

فخر نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے تصویریں اُسے واپس دے دیں جن کو اس نے احتیاط سے سنبھال لیا۔

اگر یہ واقعی والس وائے تھا تو پھر یہ ایک بہت بڑی خبر تھی اور اس سے بھی بڑی اور عجیب خبر یہ تھی کہ وہ ابھی تک اپنی بیٹی سمیت زندہ تھا۔ اسے زندہ کیوں رکھا گیا تھا۔ اس کا زندہ رہنا کسی طور بھی جان ڈیرک اور اس کے گینگ کے مفاد میں نہیں تھا۔

وہ بینکاک کی ایک جگمگاتی ہوئی شام تھی جب ہمارا بوئنگ طیارہ ائرپورٹ پر اترا۔ تھائی لینڈ کا دارالحکومت بینکاک، روشنیوں رنگوں اور دلربا نازنینوں کا شہر۔ جہاں ہر موڑ پر قاتلانِ ہوش وخرد اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ مستعد نظر آتے ہیں۔ جہاں عشرت کدوں میں شب و روز جسموں کے سودے ہوتے ہیں۔ جُوا خانوں میں دنیا کے مانے ہوئے جواری اپنے جوہر دکھاتے ہیں اور کرۂ ارض کے گوشے گوشے سے ہر قوم کے سیلانی اپنی جیبوں میں ڈالر اور یورو ٹھونس کر زندگی کا لطف اٹھانے کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس شہر سے میری کئی یادیں وابستہ تھیں۔ یہاں کے ان بھکشوؤں اور بدھوں سے بھی میرا واسطہ پڑ چکا تھا جو یوں تو چوبیس گھنٹے امن و آشتی کا پرچار کرتے ہیں لیکن جب خونریزی پر آتے ہیں تو بڑوں بڑوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

ہمارا قیام ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں تھا۔ میں اس ہوٹل میں ایک بار پہلے بھی ٹھہر چکا تھا۔ یہاں کی فضا بڑی مانوس سی تھی، ''سیکس ورکرز'' یہاں تتلیوں کی طرح منڈلاتی پھرتی تھیں اور ہر مسکراہٹ میں بس ایک ہی دعوت تھی۔ زندگی حسین ہے اور بس ''آج کی رات'' ہی ہے اس لیے آجاؤ۔

کانٹی نینٹل ڈنر کرنے کے بعد میں اور فخر نکل کھڑے ہوئے۔ ہماری منزل بینکاک کے مرکزی علاقے میں ایک مشہور کیسینو تھا جسے ''بلیک مون'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ فخر کو یہاں ایک وجے نامی انڈین سے ملنا تھا۔ وجے ٹیکساری گینگ کا ایک اہم رکن رہا تھا مگر جان ڈیرک کی طرف سے اس کی کچھ ایسی تذلیل ہوئی تھی کہ وہ اپنی وفاداریاں برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ درحقیقت یہی وجے نامی لڑکا تھا جس کی مدد سے فخر نے والس وائے کا سراغ حاصل کیا تھا۔ اب ہم بلیک مون میں اسی وجے سے ملنے جارہے تھے۔ وجے سے رات گیارہ بجے کا وقت طے تھا۔ جُوا خانے میں اس کی موجودگی کنفرم کرنے کے لیے فخر اسے مسلسل کال کررہا تھا لیکن رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

''کیا چکر ہے؟'' میں نے فخر سے پوچھا۔ ہم ایک ٹیکسی کار میں سفر کررہے تھے۔

''کچھ زیادہ پی گیا ہوگا۔ آج کل گلاس استعمال نہیں کرتا بوتل سے منہ لگاتا ہے۔''

''پھر ٹرائی کرو۔'' میں نے کہا۔

فخر پھر رابطے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹیکسی بینکاک کی جگمگاتی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی۔ سیاحوں کی ٹولیاں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ ہم فار ایسٹ میں نہیں یورپ میں گھوم رہے ہیں۔

اسی دوران میں ہم کیسینو کی شاندار سہ منزلہ عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ فخر نے کہا۔ ''ممکن ہے وہ اندر ہی ہو۔ ڈائننگ ہال میں بارہ نمبر میز اس کے لیے ہمیشہ ریزرو رہتی ہے۔ شاید وہیں بیٹھا ہو۔''

''تم کیوں نہیں جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں کوئی شناسا بھی موجود ہوسکتا ہے۔ تمہاری بات اور ہے، تمہیں تو شاید خود تمہارے والدین بھی نہ پہچان سکیں۔''

''او کے، تم اپنا فون ہاتھ میں رکھو۔ میں اندر جاتا ہوں۔''

میں ٹیکسی کار سے نکلا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کیسینو کی طرف بڑھا۔ آج ایک مدت بعد میں خود کو پھر اسی خاص موڈ میں محسوس کررہا تھا جو مجھے خطرات سے بے نیاز کرتا تھا اور

میرے اندر کچھ ایسے انگارے بھرتا تھا جن کی تپش سے میرے قرب و جوار جھلسنے لگتے تھے، یہ میرا جانا پہچانا ماضی تھا۔

میں براؤن پینٹ اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھا۔ میں کیسینو کے پُرشور ماحول میں داخل ہوا۔ دھواں، شراب، پُرمسرت قہقہے، آوازے، ہیجان خیز لباسوں میں چکراتی ہوئی لڑکیاں جو موسیقی کی تیز لہروں میں ڈوب ابھر رہی تھیں۔ فخر کی معلومات کے مطابق میں نے جلد ہی میز نمبر بارہ تلاش کر لی۔ میز خالی تھی مگر اس کے اردگرد کچھ لوگ جمع تھے۔ ان کے چہرے دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کچھ عجیب سی سنسنی محسوس کررہے ہیں۔ میں نے ذرا آگے جا کر دیکھا۔ میز پر ایک تھائی اور ایک دو انگلش اخبار پڑے تھے۔ یہ شام کے اخبارات تھے۔ ایک اخبار کی ہیڈ لائن اور تصویر دیکھ کر میں چونکا۔ ہیڈ لائن کچھ اس طرح تھی۔ ''بدنام انڈین گینگسٹر دجے پرکاش آج سہ پہر اپنے بیڈ روم میں مردہ حالت میں پایا گیا۔''

ذیلی سرخی اس طرح تھی۔ ''دجے کو بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ لاش بری طرح مسخ ہے۔ یہ گینگ وار کا شاخسانہ لگتا ہے۔ بینکاک پولیس تیزی سے مصروفِ تفتیش ہے۔''

یہ بڑی اہم لیکن بڑی مایوس کن خبر تھی۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آرہی تھی کہ دو گھنٹوں سے مسلسل کوشش کے باوجود فخر کا رابطہ اپنے اس انفارمر دوست سے کیوں نہیں ہو پایا۔ وہ بے چارہ عدم آباد سے فون کیسے سن سکتا تھا۔ میں نے واپس جانے کا سوچا۔ مجھے معلوم تھا کہ فخر کے لیے یہ اطلاع کافی حوصلہ شکن اور تشویشناک ثابت ہوگی۔ وہ شخص جو ٹیکساری گینگ کی اندرونی خبر فخر تک پہنچانے کا ذمے دار تھا، اس قدر بے دردی سے مار دیا گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اسے قتل کیے جانے کی کوئی اور وجہ ہو مگر وہ ''ذریعہ'' تو ختم ہو گیا تھا جو والٹس وائے تک پہنچنے میں ہماری مدد کر سکتا تھا۔

میں واپس جانے کے لیے مڑا تو ایک منظر دیکھ کر ذرا چونکا۔ واپسی کا دروازہ کچھ عجیب طرز کا تھا۔ اس کی شکل مخروطی تھی اور اس میں سے ذرا جھک کر گزرنا پڑتا تھا۔ یہ دراصل ایک تھائی حسینہ کا مجسمہ تھا۔ اس کی نیم عریاں ٹانگوں کو دروازے کی شکل دی گئی تھی۔ وہ بڑے طمطراق سے سینہ تانے کھڑی تھی۔ ایک ٹانگ سیدھی تھی، دوسری کو تھوڑا سا خم دے رکھا تھا۔ وہ بڑے مغرور انداز میں ہال کی طرف دیکھ رہی تھی اور جیسے خاموشی کی زبان میں کہہ رہی تھی۔ اگر باہر جانا ہو تو میری ٹانگ کے نیچے سے نکل کر جاؤ۔ کیسینو سے باہر نکلنے والے بلاتردد اس کی ٹانگ کے نیچے سے گزر رہے تھے۔

مجھے یہ سب کچھ عجیب اور توہین آمیز لگا۔ میں باہر نکلنے کے لیے اس دوسرے دروازے کی طرف بڑھا جو پاس ہی واقع تھا۔ وہاں سوجی سوجی آنکھوں والا ایک تنومند گارڈ کھڑا تھا۔ اس نے مجھے روکا اور مجسمے کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگلش میں بولا۔ ''وہ دروازہ۔''

''اِس دروازے سے کیوں نہیں؟'' میں نے بھی تنک کر پوچھا۔

''یہ وی آئی پیز کے لیے ہے، اُدھر جاؤ۔'' وہ غنڈوں کے انداز میں سرسراتے لہجے میں بولا۔

میں بھی تپا بیٹھا تھا۔ اس کے انداز نے مجھے اور بھڑکا دیا۔ میں اسے ایک ہاتھ سے دھکیلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ابھی میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا ہی تھا کہ وہ دہاڑا۔ ''او، سنا نہیں تم نے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے کالر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ میں نے بھنّا کر الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر جڑا۔ وہ دو تین قدم پیچھے ہٹا اور پھر تیر کی طرح میری طرف آیا۔ دو افراد تیزی سے ہم دونوں کے درمیان آگئے۔ وہ بھی اپنے حلیے سے گارڈ ہی دکھائی دیتے تھے۔ ان میں سے ایک سینئر تھا۔ اس نے میری طرف بڑھنے والے گارڈ کو بمشکل روکا اور تھائی زبان میں اس سے کچھ پوچھا۔ جونہی اس شخص نے جواب دیا، تینوں گارڈ بغیر کچھ کہے سنے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میرے اندر بھی بہت دنوں سے آگ جمع ہو رہی تھی۔ ایک دو چوٹیں کھا کر میں سنبھلا اور پھر...... ان کی شامت آگئی۔ بہت دنوں بعد میرے اندر وہی بے رحمی نمودار ہوئی تھی جو مارکٹائی میں میرے حریفوں کو دہشت زدہ کر دیا کرتی تھی۔

ایک دم کیسینو میں ہلچل نظر آئی۔ کئی آوازے بلند ہوئے۔ اردگرد موجود لڑکیاں چلّاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں۔ ایک گارڈ کے سینے پر میری زوردار ٹھوکر لگی اور وہ دو تین کرسیاں الٹاتا ہوا حسینہ کے نو دس فٹ اونچے مجسمے کے قدموں میں جا گرا۔ جب اپنے ساتھیوں کی درگت بنتے دیکھی تو دو اور گارڈ اس لڑائی میں کود پڑے۔ ان میں سے ایک کو تو فوراً اپنی کلائی کی ہڈی کا کڑاکا سنائی دے گیا۔ دوسرا جو چاقو نکالنے کے چکر میں تھا میرے کندھے کے اوپر سے ہوتا ہوا ایک طویل میز پر گرا اور کئی پیمانے اور بوتلیں چکنا چور کر گیا۔ ڈیڑھ دو منٹ کی اس تیز رفتار لڑائی میں

کیسینو کے زخمی گارڈز میں سے کوئی ایک بھی مجھے قابلِ ذکر چوٹ نہیں لگا سکا۔ اچانک کئی رائفل بردار باوردی افراد میرے اور لڑنے والوں کے درمیان آگئے۔ پہلے تو لگا کہ شاید پولیس والے ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ اس جوا خانے کی ہی پرائیویٹ سیکیورٹی تھی۔ مجھے کئی باوردی افراد نے اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا۔ تب لاؤڈ اسپیکر پر ایک آواز میرے کانوں میں گونجی کسی نے تھائی زبان میں اور تحکمانہ لہجے میں کچھ کہا۔

مجھ پر حملہ آور ہونے والے افراد اپنی چوٹیں سہلاتے اور خون پونچھتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے جس شخص کی کلائی ٹوٹی تھی، اس کا رنگ ہلدی ہو رہا تھا۔ اس کی ناک سے بھی خون نکسیر کی طرح چھوٹ رہا تھا۔ میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ جو شخص اسپیکر پر حکمیہ انداز میں بولا تھا، وہ بلندی پر واقع ایک گیلری میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس گیلری کے تین اطراف میں شیشہ تھا۔ وہ شخص وہاں سے سارے ہال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ یقیناً اس نے میری اور گارڈز کی لڑائی بھی دیکھی تھی۔

باوردی افراد میں سے ایک نے مجھ سے تھائی میں کچھ کہا۔ جب میں سمجھ نہیں پایا تو وہ شکستہ انگلش میں بولا۔ ”باس، تم کو اوپر گیلری میں بلا رہے ہیں۔ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

میں نے اکھڑپن سے کہا۔ ”وہ تمہارا باس ہوگا، میرا نہیں۔ اس سے کہو کہ نیچے آکر بات کرلے۔“

گیلری میں بیٹھے ہوئے شخص تک میری آواز نہیں پہنچی تھی لیکن شاید اس نے میرے انداز سے ہی بھانپ لیا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا اور پھر میں نے اسے نشست سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ کوئی دراز قد لڑکی تھی۔ جب وہ دونوں بارعب انداز میں شیشے کی بنی ہوئی سیڑھیوں پر پاؤں رکھتے نیچے آئے تو مجھے پتا چلا کہ منی اسکرٹ میں دراز قد لڑکی یقیناً وہی حسینہ ہے جس کا مجسمہ ہال کے خارجی دروازے پر نصب ہے۔ اس کے ساتھ چوڑے شانوں اور کسرتی جسم والا ایک تھائی تھا۔ اس کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کا چہرہ دہکتے ہوئے تنور کی طرح سرخ تھا۔ وہ میرے عین سامنے کھڑا ہوا اور انگلش میں بولا۔ ”لگتا ہے پاکستانی ہو۔ بہت گرمی ہے تمہارے اندر۔“

”تم نے تھوڑی سی دیکھی ہے۔ زیادہ ابھی تمہاری نظروں میں نہیں آئی۔“

اس نے مجھے سرتا پا دیکھ کر کہا۔ ''مکس مارشل آرٹ بھی کرتے ہو؟''

''بس کوشش کرتا ہوں۔''

''تو...... تھوڑی سی اور کوشش کرلو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی بتا دیتا ہوں۔'' اس نے کہا اور اپنی ساتھی حسینہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بھی مسکرائی اور ساتھ ہی بے باکی سے مجھے آنکھ ماری۔ وہ بڑی دبنگ قسم کی لڑکی تھی۔ مقامی خدوخال رکھنے کے باوجود اس میں کشش محسوس ہوتی تھی۔

نوجوان باس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''اتنا اچھا لڑتے ہو، لگتا ہے کہ مقابلوں میں بھی حصہ لیتے ہو گے؟''

''میں یہاں تمہیں انٹرویو دینے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اور نہ ہی تم جیسے ڈرائنگ روم بدمعاشوں کو انٹرویو دینا مجھے پسند ہے۔ میرا وقت ضائع مت کرو۔'' میں نے کہا اور اسی دروازے کی طرف قدم بڑھائے جہاں سے گزرنے سے مجھے روکا گیا تھا۔

''ٹھہرو نوجوان۔'' باس نے تحکم سے کہا۔

میں رک گیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ بولا۔ ''اب بات بڑھ گئی ہے سویٹ ہارٹ! تمہیں نکلنا تو اسی دروازے سے پڑے گا۔''

''اور میں اس دروازے سے نہیں نکلوں گا۔''

وہ اطمینان سے بولا۔ ''تو پھر مجھے اپنے اس ہال کی کرسیوں میزوں اور کراکری کا نقصان قبول نہیں۔ ایک ایک میز پر ہزاروں ڈالرز کی تو صرف کراکری ہی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''اِدھر لان میں آجاؤ۔ وہاں ہم نے زور آزمائی کرنے والوں کے لیے باقاعدہ RING بنا رکھا ہے۔''

''یعنی لڑنا چاہتے ہو مجھ سے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہاری اتنی اوقات تو نہیں مگر ابھی تھوڑی دیر پہلے تم سے جو کارکردگی ''سرزد'' ہوئی ہے، اس کی سزا دینے کو دل چاہتا ہے۔''

میں اس شخص کی شکل اور لب و لہجے پر غور کر رہا تھا۔ مجھے شک ہو رہا تھا کہ میں نے اسے ایم ایم اے کے انٹرنیشنل مقابلوں میں کہیں دیکھا ہے۔ لگ رہا تھا کہ شاید اس کی کوئی اہم فائٹ بھی میری نظر سے گزری ہے۔

میں نے اس کا نام پوچھا تو وہ بولا۔ ''نام میں کیا رکھا ہے سویٹ ہارٹ! اصل چیز تو کام ہوتا ہے۔ میں نے تمہارا کام دیکھا ہے نام نہیں دیکھا، تم بھی میرا کام دیکھ لو اور اگر کام پسند آجائے تو پھر میرے بتائے ہوئے دروازے میں سے نکل کر باہر چلے جانا۔''

''اگر جا سکو تو۔'' ہجوم میں سے کسی نے فقرہ کسا۔ (مطلب یہی تھا کہ شاید تم اس قابل ہی نہ رہو کہ اپنے پاؤں پر چل کر جا سکو)

میرے اندر کا فائٹر بھی آج جاگا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ میرا ماضی بتدریج مجھ میں واپس لوٹ رہا ہے۔ رگ پٹھوں میں ایک برق سی چل رہی تھی۔

قریباً دس منٹ بعد میں نوجوان وانگ کے ساتھ باہر ایک خوب صورت لان میں تھا۔ یہاں ایک جدید رِنگ کے اوپر گول شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اردگرد بہت سی کرسیاں اور صوفے وغیرہ رکھے تھے۔ یہ پورا حصہ برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ تھائی لینڈ میں موسم زیادہ سرد نہیں تھا۔ بلکہ بینکاک میں دوپہر کے وقت گرمی ہو جاتی تھی۔ میں نے اس وقت بھی سفید قمیص اور براؤن پتلون پہن رکھی تھی۔ لباس کی مناسبت سے ٹائی بھی لگا رکھی تھی۔ وانگ نے میری ٹائی کو پکڑ کر ہلکا سا کھینچا۔ مطلب یہ تھا کہ میں اسے اتار دوں۔

میں نے نہ صرف ٹائی اتار دی بلکہ جیکٹ اور قمیص بھی اتار دی۔ وانگ نے بھی اپنے بالائی جسم کو کپڑوں سے آزاد کر دیا۔ اس کے ایک کندھے پر ڈریگن کا بڑا سا ٹیٹو تھا۔ ڈریگن نے اپنے بل کھاتے جسم میں ایک عریاں لڑکی کو کسا ہوا تھا مگر لڑکی کے چہرے پر تکلیف کے بجائے خوشی کے آثار نظر آتے تھے۔ وانگ کے جسم کو دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک سخت حریف ثابت ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ پتا بھی چل گیا کہ وہ ایم ایم اے کے ''رِنگ'' سے دور نہیں ہے اور مسلسل پریکٹس کرتا رہتا ہے۔ میرا منفی پوائنٹ یہ تھا کہ میں چیمپئن ہونے کے باوجود طویل عرصے سے رِنگ اور فائٹنگ سے دور تھا۔

اچانک میری نظر رِنگ کے فرش پر پڑی اور میں چونک گیا۔ رِنگ کے فرش کو عجیب طریقے سے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ پورے فرش پر ایم ایم اے کے جانے پہچانے فائٹرز کی تصویریں تھیں۔ یہ تیس کے قریب تصویریں تو ہوں گی۔ یہ کسی طرح کا ''یگ زین'' تھا جو ''رِنگ'' کے فرش پر منڈھا ہوا تھا۔ تصویریں اسی پر پرنٹ تھیں۔

میں نے کہا۔ ''یہ کیا ہے؟''

وانگ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''یہ وہ سارے گھوڑے

ہیں جن پر میں نے سواری کی ہے۔"
"کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"ان سب کو ناکوں چنے چبوائے ہیں میں نے اور ہرایا ہے۔"
میں نے پھر تصویروں کو دھیان سے دیکھا۔ اپنی جیت کو یادگار بنانے کا یہ بڑا بھونڈا اور توہین آمیز طریقہ تھا۔ وہ اس رِنگ میں ان فائٹرز کو اپنے پاؤں تلے روندتا تھا اور خوشی محسوس کرتا تھا۔ ان میں سے کئی چہرے میرے جانے پہچانے تھے۔ اٹلی کا روسو، جاپان کا داکی کنگ، ہالینڈ کا جمی لف اور اسی طرح کے اور لوگ۔ اچانک میری حیرت کئی گنا بڑھ گئی۔ ایک طرف میری تصویر بھی موجود تھی۔
میں نے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"
وانگ مسکرایا اور اس کی چھوٹی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئیں۔ "ایسٹرن کنگ۔ نام سنا ہوگا تم نے۔ یورپی چیمپئن بھی بنا تھا۔"
"یہ تو بہت جانا پہچانا بندہ ہے۔"
"بندہ ہے نہیں...... بندہ تھا۔ مر چکا ہے۔ ٹائیں ٹائیں فش۔ لگتا ہے تمہاری معلومات زیادہ وسیع نہیں ہیں۔"
"اسے بھی ہرایا تھا تم نے؟" میں نے دریافت کیا۔
"تمہیں کوئی شک ہے؟"
میں نے گہری سانس لی۔ وہ شک کی بات کررہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا ہارنا تو دور کی بات ہے، میں اس تھائی لینڈر سے کبھی نہیں لڑا تھا۔ وہ بکواس کررہا تھا۔
ویسے اب مجھے تھوڑا تھوڑا اس کا حدود اربعہ یاد آرہا تھا۔ جرمنی میں ہونے والے ایک بڑے ایونٹ میں یہ شاید تھائی لینڈ کی ٹیم کا کپتان تھا۔
میں نے کہا۔ "مسٹر وانگ میں نے ایسٹرن کنگ کے بڑے چھوٹے قریباً سارے ہی مقابلے دیکھے ہیں۔ ایک دو مقابلوں کے سوا وہ کبھی ہارا نہیں تھا اور تمہارے ساتھ تو اس کا کوئی مقابلہ مجھے یاد نہیں آرہا۔"
"ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی پرائیویٹ مقابلہ ہو۔" وہ عیاری سے بولا۔
"ایسے مقابلوں کی بھی وڈیوز تو بنتی ہی ہیں اور میڈیا...... سوشل میڈیا پر بھی آتی ہیں۔"
اس نے اپنی ساتھی حسینہ کے سیاہ بالوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد میری طرف توجہ دی اور قدرے سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے ایک مرتبہ اسے مقابلے کا چیلنج کیا تھا اور اس نے قبول نہیں کیا تھا۔ میں اسے اس کی ہار ہی سمجھتا ہوں۔"
"بہت خوب، کسی کو ہرانے کا یہ بڑا آسان طریقہ ہے...... اور اب تم خود کو فاتح سمجھ کر اس کی تصویر کو بھی دوسروں کے ساتھ پاؤں تلے روندر ہے ہو؟"
"لیکن گھبراؤ مت۔ میں تمہاری تصویر یہاں نہیں لگاؤں گا۔ تمہاری یہ اوقات نہیں ہے۔" اس نے انگلیوں کے پٹاخے نکالتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جمپ لگا کر رِنگ میں داخل ہوگیا۔
میں نے بھی اپنی قمیص ایک طرف رکھی۔ ٹائی پتلون کی جیب میں ڈالی اور جست بھر کر رِنگ میں آگیا۔ وانگ نے جوتا پہن رکھا تھا مگر میں نے تسمے کھول کر اپنے بوٹ اتار دیے اور کچھ نہیں تو یہ نامی گرامی فائٹرز کم از کم میرے جوتوں تلے تو نہ آتے۔ اردگرد بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ جُوا خانے کے دونوں ہال تقریباً خالی ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ گئے تھے، کچھ کھڑے تھے اور بڑی مشتاق نگاہوں سے "رِنگ" کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں میں میرے لیے رحم کی جھلک تھی، جیسے وہ یقین کیے بیٹھے ہوں کہ اس تھائی لینڈر چیمپئن نے میری ایک دو ہڈیاں توڑ دینی ہیں۔ میں نے سوچا ان میں سے کئی ہوں گے جو مجھے ایسٹرن کی حیثیت سے بہت اچھی طرح جانتے ہوں گے، میرے پرستار ہوں گے لیکن وہ بے خبر تھے کہ میں آج رات ان کے درمیان موجود ہوں۔
اسی اثنا میں میرے موبائل پر کال کے سگنل آنے لگے۔ میں نے پینٹ کی جیب میں سے موبائل نکالا۔ حسب توقع یہ میرے دوست فخر کی کال ہی تھی۔ وہ بولا۔ "کیا بات ہے، اندر جاکر چپک ہی گئے ہو، کوئی لڑکی تو نہیں چٹ گئی؟"
"لڑکی تو نہیں ایک لڑکا چٹ گیا ہے۔ اس سے تھوڑی سی گفتگو کر کے آتا ہوں۔" میں نے "گفتگو" پر زور دیتے ہوئے کہا۔
وہ چونک گیا۔ "کوئی مار کٹائی والا معاملہ تو نہیں۔ اگر ہے...... تو اس خاکسار کو بے خبر نہ رکھنا۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ خاکسار اپنی جگہ پر ہی رہے اور انتظار کرے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"
"آپ جس کام کے لیے تشریف لے کر گئے تھے، اس کا کیا بنا؟" اس کا اشارہ اپنے انفارمر وجے کی طرف تھا۔

میں نے تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔ ”وہ یہاں نہیں ہے۔ میں ابھی آکر تمہیں بتاتا ہوں لیکن تم اندر نہیں آنا۔“ میں نے فون بند کردیا۔

تھوڑی ہی دیر میں باقاعدہ مقابلے کا ماحول پیدا ہو گیا۔ شائقین چاروں طرف موجود تھے۔ ان میں چند سفید فام بھی نظر آرہے تھے۔ ایک ہٹا کٹا امریکن ان میں نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ وہ اپنی بغل میں بیٹھی ہوئی مقامی لڑکی سے جس طرح کی حرکات کررہا تھا، وہ سکہ بند امریکن ہی کرتے ہیں۔

ایک پروفیشنل ریفری بھی ”رِنگ“ میں آچکا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے ہال میں جن گارڈز کی چھینٹی لگائی تھی، ان کے تعلقات شاید اس ریفری سے زیادہ اچھے نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر اس ستائش میں رحم کی جھلک بھی تھی۔ دوسروں کی طرح یقیناً اس کو بھی یقین تھا کہ میں نے حسینہ کی ٹانگوں کے نیچے سے نہ نکل کر بڑی غلطی کی ہے اور اب مجھے اس سے کہیں زیادہ توہین برداشت کرنا پڑے گی۔

مقابلہ شروع ہوا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وانگ ایک نہایت خطرناک فائٹر تھا لیکن میں پہلے منٹ میں ہی اس کی ایک اہم کمزوری سمجھ گیا۔ وہ اپنے بائیں پاؤں کا استعمال بہت کم کرتا تھا۔ اس کی وجہ کوئی پرانی چوٹ ہوسکتی تھی یا پھر کچھ فائٹر عادتاً بھی اپنی کسی ٹانگ یا بازو کو کم استعمال کرتے ہیں۔ اس کی اس کمزوری کو جانچنے کے بعد اس کے خلاف اپنا دفاع کرنا میرے لیے آسان ہوگیا۔ آؤٹ آف پریکٹس اور اپنی پوری فارم میں نہ ہونے کے باوجود میں نے اُسے تگنی کا ناچ نچادیا۔ میں زیادہ تر اپنا دفاع ہی کررہا تھا لیکن کبھی کبھی چوٹ بھی لگا جاتا تھا۔ وانگ کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ اُسے مجھ سے ایسی کارکردگی کی توقع ہرگز ہرگز نہیں تھی۔ جوں جوں اس کی حیرت بڑھ رہی تھی، اس کی جھلاہٹ میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔

دوسرا راؤنڈ شروع ہوا تو اس کی جھلاہٹ شدید غصے میں بدلنے لگی۔ فائٹر جب شدید غصے میں ہوتا ہے تو اس پر دو طرح کے اثرات پڑتے ہیں۔ ایک اثر منفی ہوتا ہے اور دوسرے کو کسی حد تک مثبت کہا جاسکتا ہے۔ فائٹر کے لیے منفی اثر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا ڈیفنس فراموش کردیتا ہے اور اکثر فاؤل کھیلتا ہے۔ مثبت اثر یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی ضرب میں اضافی توانائی آجاتی ہے۔ وانگ پر بھی منفی اور مثبت دونوں اثرات ظاہر ہورہے تھے۔

اس کے ایک طوفانی مُکّے سے بچ کر میں نے اس کی پسلیوں میں اپنے ننگے پاؤں کی کک رسید کی۔ اس نے غیر معمولی پھرتی سے میری ٹانگ دبوچ لی اور ہم اوپر نیچے گرے۔ اس کے سپورٹرز نے قیامت خیز شور بلند کیا لیکن وانگ کے فاؤل کو نوٹ کرتے ہوئے دراز قد ریفری نے اسے اور مجھے جدا کردیا۔

”مار ڈالوں گا تجھے۔“ وانگ خوفناک لہجے میں بولا اور تند بگولے کی طرح میری جانب آیا۔ اب وہ بے طرح ہانپ رہا تھا۔

اس نے مجھے گراؤنڈ کرنے کے لیے پورا زور لگایا مگر میں نے اس کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ اس ناکامی نے اس کی حیرت اور وحشت میں زبردست اضافہ کیا۔ شاید یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ایک گمنام فائٹر اس طرح سے اور یوں مسلسل اس کی مزاحمت کرسکتا ہے۔ اس کا غرور اس کے سیکڑوں حمایتیوں کے سامنے لرزنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ چنگھاڑ رہا تھا اور تڑپ تڑپ کر میری طرف آرہا تھا۔ اچانک اس کا ایک تہلکہ خیز گھونسا میرے جبڑے پر لگا اور مجھے تارے نظر آگئے۔ میں ڈگمگا کر رِنگ کی جالی سے ٹکرایا۔ اور تب میں نے سوچا کہ مجھے اس کھیل کو مزید طول نہیں دینا چاہیے۔ وحشت میں لگائی ہوئی حریف کی کوئی ضرب مجھے غیر متوقع نقصان بھی پہنچاسکتی تھی۔ جونہی مجھے موقع ملا، میں نے اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے بائیں پاؤں پر اپنے پاؤں کی جچی تلی چوٹ لگائی۔ وہ بُری طرح لڑکھڑایا اور اپنے بائیں گھٹنے پر گرا۔ میں نے لپک کر اسے دبوچ لیا اور گھوم کر اس کی پشت پر آگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ پاؤں چلائے مگر اب اس کے لیے دیر ہوچکی تھی۔ میں اُسے ”نیک لاک“ لگانے میں کامیاب رہا۔ یہ ایم ایم اے کے چند خطرناک داؤ میں سے ایک ہوتا ہے اور اگر ”پرفیکشن“ کے ساتھ لگایا جائے تو حریف کے پاس ہار ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ”رِنگ“ کے اردگرد ایک دم سناٹا چھا گیا تھا۔ وانگ کے پاس اس داؤ سے نکلنے کا چانس چار پانچ فیصد سے زیادہ نہیں تھا مگر وہ اپنا پورا زور لگا رہا تھا۔ میں اس کی گردن پر اپنی بائیں کہنی کا بوجھ ڈالتا گیا اور اس کا سر جھک گیا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ جس جگہ اس کا سر فرش سے لگا یہ تقریباً وہی جگہ تھی جہاں میری تصویر بھی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کو فرش پر دو تین رگڑے دیے۔ وہ اب بھی اندھا دھند مزاحمت کررہا تھا۔

میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''گردن ٹوٹ گئی تو کسی کام کا نہیں رہے گا۔ ہار مان لے۔''

اس نے جواب میں گالی دی اور رندھی ہوئی ناقابلِ شناخت آواز میں کچھ کہا۔

میں نے دباؤ بڑھا دیا۔ اس کی حالت پتلی ہونے لگی۔ میں نے اس کی ساتھی دراز قد تھائی حسینہ کی طرف دیکھا۔ وہ ''رنگ'' کے بالکل قریب آن کھڑی ہوئی تھی، اس کا چہرہ ہلدی ہو رہا تھا۔ کئی دیگر تماشائی بھی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔ ریفری گھٹنوں کے بل ہو گیا تھا اور ہماری چاروں جانب گھوم رہا تھا۔ آخر اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس کا ''نوجوان باس'' اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناقابلِ تلافی نقصان اٹھا بیٹھے گا۔

اس نے زوردار سیٹی بجائی اور اس کے ساتھ ہی پکارا۔ ''اسٹاپ اِٹ...... اسٹاپ اٹ۔'' اس نے اپنے دونوں بازو میرے اور وانگ کے درمیان گھسا دیے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دو تین معاون بھی ''رنگ'' میں داخل ہو گئے اور انہوں نے مجھے اور وانگ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔

وانگ اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا تھا اور مسلسل کھانستا جا رہا تھا۔ اس نے چند ابکائیاں بھی لیں۔ ریفری نے میرا ہاتھ کھڑا کر کے مقابلہ ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ تقریباً تمام کے تمام تماشائی ورطۂ حیرت میں تھے۔ میں رنگ سے نیچے اترا۔ اپنی شرٹ اٹھا کر پہنی۔ اسے پینٹ کے اندر کیا۔ جیب سے ٹائی نکال کر دوبارہ باندھی اور بوٹ بھی پہن لیے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ اس گھمسان کی لڑائی میں میرے سینے پر چند خراشوں کے سوا کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔

سب دم بخود مجھے دیکھتے رہے۔ چند افراد نے بے دلی سے تالیاں بھی بجائیں۔ میں اطمینان سے رنگ کی طرف مڑا۔ ایک نظر بدحال وانگ پر ڈالی۔ وہ اب بھی خون آلود چہرے اور جلتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں لان سے ہال کمرے کی طرف واپس مڑا۔ یکایک عقب سے بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی فائر ہوا۔ میں تیزی سے پلٹا۔ میں نے ایک ہٹے کٹے تھائی کو زخمی ٹانگ کے ساتھ گھاس پر گرتے دیکھا۔ تب میری نگاہ اسی تنومند امریکن پر پڑی جو کچھ دیر پہلے تک ایک لڑکی کو بغل میں لیے لگژری صوفے پر براجمان تھا۔ اب اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ رہا تھا۔ یقیناً اسی نے سانولے رنگ کے تھائی کو فائر کر کے زخمی کیا تھا۔

امریکن نے زخمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''چاقو لے لو اس باسٹرڈ سے۔''

اب مجھے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہو چکا تھا۔ سانولے رنگ کے تھائی شخص نے مجھ پر عقب سے چاقو کا وار کرنے کی نیت کی تھی۔ وہ میری طرف لپکا تھا مگر امریکن نے اس کا ارادہ بھانپ کر پھرتی دکھائی تھی۔ اس کی پنڈلی پر گولی ماری تھی اور اسے گرا دیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ زخمی ہونے والا شخص وانگ کا کوئی قریبی ساتھی ہی تھا اور اس کی شکست پر دل برداشتہ ہوا تھا۔

پینٹ کوٹ والے اس بھاری بھرکم امریکن نے رات کے وقت بھی گہرے رنگ کے گلاسز لگا رکھے تھے۔ وہ ٹھہرے قدموں سے چلتا ہوا میری طرف آیا اور میرا کندھا تھپکا۔ ''شاباش پاکستانی۔'' وہ بارعب آواز میں بولا۔

''تمہارا بھی شکریہ۔'' میں نے کہا۔

''تم نے واقعی سب کو حیران کر دیا۔ پہلے اندر ہال میں اور اب یہاں رنگ میں...... زبردست۔ وانگ کوئی معمولی فائٹر نہیں۔ اس وقت تھائی چیمپئن ہے اور کچھ پتا نہیں کہ ایک دو ماہ تک ایشین چیمپئن بھی بن جائے۔ تم نے بڑا اَپ سیٹ کیا ہے۔''

''لیکن یہ اَپ سیٹ کچھ لوگوں کو ہضم نہیں ہو سکا۔''

''ان کی ایسی کی تیسی۔ تم فکر نہ کرو۔ اگر تم پسند کرو تو میں تم سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔ یہ لو میرا کارڈ۔ اگر ہو سکے تو کل ہی مل لو۔ اگر تم چاہو تو میرے گارڈز تمہیں تمہارے ٹھکانے تک چھوڑ آتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''تمہارا نام؟''

''مجھے روڈلف کہتے ہیں، اور تمہیں؟''

''وقاص۔'' میں نے جواب دیا اور کہا۔ ''جہاں تک گارڈز کی بات ہے یہ کسی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہال میں دیکھا ہو گا، وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکے۔''

روڈلف کے چہرے پر ہلکی سی سرخی نظر آئی، تاہم وہ تحمل سے بولا۔ ''مجھے تمہارا یہ انداز پسند آیا۔ میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔''

اس امریکن کو دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً جاماجی میں ملنے والے مہربان امریکی پال کا خیال آیا۔ اس نے اپنے ہی ہم قوم لٹیروں کے خلاف بڑی دلیری سے ہماری مدد کی تھی اور جنگ کے کئی مشکل مرحلوں میں بے دریغ ہمارا ساتھ دیا تھا۔ شاید یہ روڈلف بھی اسی مزاج کا امریکی تھا۔

تاہم میری یہ سوچ غلط تھی۔ (اگلے ہی روز روڈلف کا ایک بالکل ہی مختلف روپ سامنے آگیا) بہرحال میں روڈلف سے رخصت ہو کر اس بلیک مون نامی وسیع و عریض کیسینو سے باہر نکل آیا۔

پارکنگ میں فخر زمان ابھی تک میرے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔ جونہی میں گاڑی میں داخل ہوا وہ شکوہ کناں ہو گیا۔ ''کہاں چلے گئے تھے یار۔ دل میں سیکڑوں طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ اگر تم پانچ منٹ اور نہ آتے تو میں تمہارے مشورے کو لات مار کر اندر آرہا تھا۔ کیا مسئلہ ہو گیا تھا؟''

''مسئلہ تو بہت بڑا ہے۔ تمہارا وہ مخبر جس پر تمہارا سارا دارومدار تھا، اب تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔''

''مدد نہیں کر سکے گا؟ کیوں؟''

''مُردے مدد نہیں کر سکتے۔ وہ قتل ہو چکا ہے۔ شاید ابھی تم تک خبر نہیں پہنچی۔''

فخر ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے اسے تفصیل بتائی...... اور پھر وہ سب کچھ بھی بتا دیا جو بعد میں ہوا تھا۔ حسینہ کی ٹانگوں والا مخروطی دروازہ، میری مزاحمت، پھر لڑائی اور آخر میں بھاری تن و توش والے امریکی کی مداخلت۔ وہ حیرت میں گم سنتا رہا۔ شاید اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنے مختصر وقت میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔

اس نے کہا۔ ''فائر کی مدھم سی آواز تو میں نے بھی سنی تھی مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ فائر کسی نے تمہیں بچانے کے لیے کیا ہوگا۔ ویری اسٹرینج...... اور اس سے بھی زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ وجے کمار اب زندہ نہیں۔''

یہ بات واقعی تشویشناک تھی، جس سراغ پر سارا دارومدار تھا، وہی ختم ہو گیا تھا۔ یہ وجے ہی تھا جو فخر کو اور مجھے والٹس وائے کے ٹھکانے کا بتا سکتا تھا اور ہمیں وہاں تک پہنچنے میں بھی مدد دے سکتا تھا۔ اس کا یوں مارے جانا بے شمار اندیشوں کو وجود دے رہا تھا۔

ہم نے شام کا ایک اخبار خریدا اور وجے کے قتل کی مکمل خبر تفصیل سے پڑھی۔ اس خبر میں سب سے چونکا دینے والی چیز طریقہ قتل تھا۔ بڑے بہیمانہ انداز سے مارا گیا تھا اُسے۔ چہرہ مسخ کر دیا گیا تھا۔ جسم چیر پھاڑ دیا گیا تھا اور جسم کے کئی اندرونی اعضا غائب تھے۔ دھیان سیدھا ڈیتھ اسکواڈ کے بدنام زمانہ زندہ روبوٹس کی طرف جاتا تھا۔ وہ درندے جو ظلم و ستم میں اپنی مثال آپ تھے۔ عورت ان کے لیے ایک کھلونے کی طرح تھی۔ وہ لوگوں کو بغیر کسی وجہ کے تفریحاً بھی قتل کر سکتے تھے۔ وہ کچا گوشت کھاتے تھے اور شراب میں خون ملا کر غٹاغٹ چڑھا جاتے تھے، ان کے انوکھے طرز زندگی اور ان کی بداعمالیوں پر کتاب لکھی جا سکتی تھی۔

اب میرے اور فخر کے لیے ضروری تھا کہ والٹس وائے اور اس کو اپنے نرغے میں رکھنے والے ان ہم شکل شیطانوں تک پہنچنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کریں۔ ہم واپس اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے رات کا زیادہ تر حصہ جاگتے ہوئے ہی گزارا۔ کوئی یاد آتا تھا اور دل کی رگیں ٹوٹنے لگتی تھیں...... پھر انیق کی صورت نگاہوں میں گھومتی تھی، اور اس کی دوستی کا لاشہ حالات کے چوراہے پر بے گوروکفن پڑا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے میرے اکاؤنٹ سے کم و بیش نو لاکھ پاکستانی روپیا اُڑایا تھا اور اکاؤنٹ خالی کر دیا تھا۔ یہ ایک بڑی رقم تھی مگر اس نے روپے پیسے کے معاملے میں بھی اپنی دوستی کی بہت کم قیمت لگائی تھی۔ وہ کہتا تو میں بہت کچھ اس پر قربان کر سکتا تھا۔

اگلے روز حسب توقع امریکن روڈلف کا فون آگیا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ میں اس کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ میں نے کہا۔ ''کہاں پہنچنا ہے؟''

وہ بولا۔ ''تم ابھی بلیک مون آجاؤ۔ وہاں پارکنگ سے باہر ہی سرخ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن موجود ہوگی۔ میرا مقامی اسسٹنٹ موگا سے تمہیں میرے پاس لے آئے گا۔ کسی طرح کا اندیشہ دل میں نہ لاؤ۔''

''اندیشوں سے میرا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ تم فکر مت کرو۔''

''دل والے ہو، میں ایسے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔''

پروگرام کے مطابق فخر کو میرے ساتھ رابطے میں رہنا تھا اور میرے آس پاس بھی رہنا تھا مگر میرے ساتھ نہیں جانا تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی کو توقع نہیں تھی کہ میں وہیں جا رہا ہوں، جہاں وجے زندہ ہونے کی صورت میں مجھے لے کر جاتا۔ یعنی بینکاک کے مضافات میں وہی خفیہ مقام جہاں ٹیکساری گینگ کے سرغنہ نے اپنے اہم ترین قیدی والٹس وائے کو اس کی بچی سمیت رکھا ہوا تھا۔

سرخ ویگن میں، میں نے قریباً دس میل کا فاصلہ طے کیا۔ پھر ہم سیاہی مائل درختوں سے گھرے ہوئے ایک فارم نما علاقے میں پہنچے اور تب مجھے سرخ مخروطی چھتوں والے اس قلعے کی جھلک نظر آئی جو میں فخر کے پاس موجود تصویروں میں دیکھ چکا تھا۔ میں بھونچکا رہ گیا۔ میں نے

اپنے میزبان موگا سے سے پوچھا۔ ''کیا مسٹر روڈلف سے یہیں پر ملاقات ہوگی؟''

''امید تو ہے کہ ہوگی۔'' وہ عجیب انداز سے مسکرایا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ مطلب یہی تھا کہ جہاں مجھے اور فخر کو بہت جتن کر کے پہنچنا تھا وہاں میں خود ہی لے جایا جارہا تھا۔ کبھی کبھی ایسے بھی دیواروں میں در بنتے ہیں، اونچی فصیلیں اور بلند چٹانیں راستہ دیتی ہیں۔ یہ بہت خاموش اور سنسان جگہ تھی۔ پتھر کی اونچی اونچی دیواریں، پام کے بلند درخت جن کے عقب سے پوری رات کا چاند جھلک دکھا رہا تھا۔ لکڑی کے موٹے موٹے محرابی دروازے تھے جن کے عقب سے زرد روشنی جھانکتی تھی۔ کچھ افراد بڑی خاموشی سے یہاں وہاں حرکت کرتے دکھائی دیے...... ایک آٹومیٹک دروازے سے گزر کر ہم ایک سجے سجائے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں تنومند روڈلف منہ میں سگار دبائے ایک لیپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ اس کی پیشانی پر سے بال اُڑے ہوئے تھے اور وہاں تفکر کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ اس نے میرے سلام کا سر کے اشارے سے جواب دیا اور مجھے بیٹھنے کا کہہ کر پھر سے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

کچھ دیر بعد لیپ ٹاپ بند کر کے اس نے گہری سانس بھری اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''ہمارے لیے کام کرنا پسند کرو گے؟''

''کس طرح کا کام؟''

''سمجھو کہ ریکوری منیجر۔ لوگوں سے اپنی رقمیں وغیرہ وصولنی ہوتی ہیں ہمیں۔ کچھ دھڑلے دار بندوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''یعنی بدمعاشی کرانا چاہتے ہو مجھ سے؟''

''نہیں، بدمعاشوں سے نمٹنا چاہتا ہوں۔''

''کام کیا ہے تم لوگوں کا؟''

''وہی امپورٹ ایکسپورٹ، لیکن تم کام سے زیادہ دام پر توجہ دو۔ دو کے ساتھ چار صفر جوڑ دو۔ یہ ڈالرز ماہانہ ملیں گے اور باقی ساری عیش و عشرت بھی۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''فی الحال تو کھانا پینا اور آرام کرنا ہوگا۔ موقع آنے پر تمہیں کوئی ٹاسک بھی دے دیا جائے گا۔''

انکار کا کوئی پروگرام ہی نہیں تھا۔ اس قلعہ نما عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر وانس وائے جیسا نایاب ہیرا یہاں موجود ہے تو پھر مجھے یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہیں جانا۔

آدھ پون گھنٹے کے اندر سب کچھ طے ہوگیا۔ میں نے روڈلف کو اپنے بارے میں وہی کچھ بتایا جو وہ سننا چاہتا تھا۔ میرا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ اگر کوئی آگے تھا تو وہ زندگی کی رنگینیاں تھیں اور اگر کوئی پیچھے تھا تو وہ قانون تھا۔ پاکستانی پولیس اور انٹرپول کے لوگ میرے لیے مڈل ایسٹ میں ٹاکم ٹوئیاں مار رہے تھے اور میں یہاں تھائی لینڈ میں چکن تھائی اور مٹن تھائی سمیت ہر طرح کی تھائی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

روڈلف مطمئن ہوگیا اور مجھے یہ ''جاب'' مل گئی۔

موگا سے نے مجھے میرا اپارٹمنٹ دکھایا۔ میں نے یورپ کے بہترین عشرت کدے دیکھ رکھے تھے اور یہ بھی کچھ ایسی ہی جگہ تھی۔ تفریح اور عیش و عشرت کا ہر سامان یہاں موجود تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک پری پیکر بھی نمودار ہوگئی۔ اس اپارٹمنٹ میں موجود استعمال کی دیگر اشیا کی طرح وہ بھی جیسے ایک استعمال کی شے ہی تھی، مگر وہ عام نہیں تھی۔ نہایت دلکش خدوخال کی مالک وہ ایک انگلش لڑکی تھی۔ ہلکے سنہری بال، نیلی آنکھیں اور جسم کسی نایاب نگینے کی طرح دمکتا ہوا۔ اس نے جو مختصر سا مہین لباس پہن رکھا تھا وہ جسم کو چھپانے کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ بتانے کے لیے تھا کہ بدن سرکش طوفانی لہروں کی طرح ہو تو کپڑا اسے چھپانے میں کس طرح ناکام رہتا ہے۔

اس کی مسکراہٹ قابلِ دید تھی۔ وہ بولی۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں؟''

میں نے کہا۔ ''فی الحال ایک لائٹر، ڈن ہل سگریٹ کا ایک پیکٹ اور تنہائی۔''

اس نے سرِ تسلیم خم کیا اور سنہری بالوں کو انداز سے لہراتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہاں باقاعدہ ایک بار روم موجود تھا۔ وہ سگریٹ اور لائٹر وغیرہ لے آئی اور دست بستہ کھڑی ہوگئی۔ میں نے کہا۔ ''میں نے تین چیزیں مانگی تھیں اور ان میں تنہائی بھی شامل تھی۔''

''اوکے۔'' اس نے ادا سے کہا اور بیڈ کے ساتھ ایک سبز بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پریس کر دیجیے گا۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے جانے کے بعد میں بیڈ پر نیم دراز ہوگیا۔ دل و دماغ میں انگارے سلگ رہے تھے۔ جس چہرے کو بھلانا چاہتا تھا وہی بار بار آنکھوں کے سامنے آتا تھا، جس آواز کو

فراموش کرنا چاہتا تھا، وہی مسلسل کانوں میں گونجتی تھی، وہ چلی گئی تھی، پرائی ہوگئی تھی مگر پھر بھی اپنی جگہ موجود تھی۔ جیسے کوئی لہلہاتا ہوا تناور درخت ہو جسے کاٹ دیا جائے مگر اس کی جڑیں زمین میں دور تک پیوست رہیں، دل کی زمین پر اس کے پیار کی جڑیں بھی تو لامتناہی گہرائی تک گئی ہوئی تھیں وہ کہاں ہوگی؟ کیا کررہی ہوگی؟ اس کے بارے میں مجھے پتا چلا تھا کہ اپنے شوہر دارج کے ایکسیڈنٹ کے بعد وہ اسپتال گئی اور ایک دوراتوں تک مسلسل اس کی تیمارداری کی تھی۔ اب وہ والدین کے ساتھ واپس سکھیرا گاؤں چلی گئی تھی لیکن کیا کہا جاسکتا تھا کہ کب وہ شوہر پرستی کی روایات نبھاتے ہوئے واپس اسلام آباد پہنچ جاتی اور اس کی خدمت گزاری شروع کردیتی۔

میں اُسے بھولنا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ پہلے بھی جب وہ سجاول کے ڈیرے سے واپس اپنے والدین کے پاس چلی گئی تھی، میں نے اسے بھولنے کی ایک بھرپور کوشش کی تھی اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔ میں نے خود کو الکحل اور جاناں کی زلفوں کے سائے میں گم کردیا تھا۔ خود فراموشی کی ایک عجیب سی کیفیت خود پر طاری کرلی تھی۔ کیا اب پھر میں کچھ ایسا ہی کروں۔ میرا دھیان آپوں آپ ساتھ والے کمرے میں موجود انگریز حسینہ کی طرف چلا گیا اور ان چمکتی بوتلوں کی طرف چلا گیا جن میں بہترین شرابیں بھری ہوئی تھیں۔ میرا ماضی لوٹ رہا تھا تو پھر یہ سب چیزیں اس ماضی کا حصہ ہی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میری بچت اسی صورت میں ہے کہ میں اپنے ماضی میں غرق ہوجاؤں۔

کچھ ہی دیر بعد میرا ہاتھ بے ساختہ اس سبز بٹن کی طرف بڑھ گیا جس کا ”ذکرِ خیر“ انگلش لڑکی نے کیا تھا۔

بٹن کا دبنا تھا کہ وہ وارد ہوگئی۔ اس کے دانت سچے موتیوں کی طرح چمکے، بولی۔ ”مجھے پتا تھا کہ مجھے بلایا جائے گا۔ میری ممی کہا کرتی تھیں کہ ایشیائی مردوں کو سفید فام لڑکیاں بہت مشتعل کرتی ہیں۔“

”تمہارا نام؟“

”میڈونا، لیکن گلوکارہ میڈونا کی طرح پلاسٹک یا کاسمیٹک سرجری سے اپنی عمر کم نہیں کی ہے۔ میں واقعی چوبیس سال کی ہوں۔“

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کہیں اسے میرے چہرے کی کاسمیٹک تبدیلیوں کے بارے میں شک تو نہیں ہوگیا تھا لیکن اس کے تاثرات کو غور سے دیکھنے کے بعد اطمینان ہوا۔ وہ عمومی انداز میں بات کررہی تھی۔

”کہاں سے آئی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

وہ شوخی سے بولی۔ ”فی الحال تو ساتھ والے کمرے سے آئی ہوں...... لیکن ویسے میرا تعلق اسکاٹ لینڈ سے ہے۔“ وہ اٹھلا کر میرے پہلو میں آن بیٹھی۔ اس کا مہین مختصر لباس اس کے جسم سے سرکتا چلا جارہا تھا۔ وہ جیسے مجھے یہ بتانے پر تلی ہوئی تھی کہ وہ واقعی چوبیس سال کی ہے اور مجھے پوری طرح مشتعل کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔

انسان خطا کا پتلا ہے۔ خطا انسان کے اندر اس کے خون کے ساتھ ہی دوڑتی رہتی ہے۔ اس خطا سے بچنے کا واحد ذریعہ بھی انسان کے اندر کی توانائی ہی ہوتی ہے۔ جاماجی کا بزرگ حاذق ذکری کہتا تھا انسان کے اندر کی یہ توانائی یا تو خدا اور معاشرے کے خوف سے آتی ہے یا پھر محبت سے۔ اور محبت کی ایک طاقتور ترین قسم وہ الوہی جذبہ ہے جو خدا نے آدم اور حوا کے درمیان پیدا کیا۔ میرے اندر بھی یہی محبت تھی جس نے توانائی بن کر مجھے شراب عورت اور جُوا سمیت ہر قسم کے عیبوں سے دور کردیا تھا۔ لیکن آج یہ نیم مردہ محبت بے یارومددگار حالات کے چوراہے پر پڑی تھی...... خطا توانا ہورہی تھی، مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔

لیکن پھر ایک دم جیسے وہ اپنے دونوں بازو پھیلا کر میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ ہاں یہ تاجور ہی تھی۔ اس کی تصوراتی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ”نہیں، میں آپ کو دوبارہ تاریکی کے اس گڑھے میں نہیں گرنے دوں گی۔“

”تم کس بل بوتے پر یہ بات کررہی ہو؟“ میں نے خاموشی کی زبان میں اس سے پوچھا۔ ”تم نے مجھے بے یارومددگار چھوڑ دیا۔ اب جو میری قسمت میں لکھا ہے، وہ مجھے مل جائے گا۔ اب ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔ مجھے زندگی کا زہر پینے دو اور مرنے دو۔ تم جاکر اپنے شوہر کے سرہانے بیٹھو۔ اس کی پیشانی دباؤ۔ اپنے قرب سے اس میں تندرستی کی روح پھونکو، تاکہ وہ تمہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے اور تم پوری پوری سہاگن بن سکو۔“

وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اپنے دونوں بازو پھیلائے میرا راستہ روکے کھڑی رہی۔ جیسے کہہ رہی ہو...... مجھے مار دو پھر آگے چلے جانا، بڑا بھرپور تصور تھا۔

میڈونا بڑی بے باک لڑکی تھی۔ وہ خود ہی بوتل اور گلاس لے آئی تھی اور اٹھلا کر مجھ سے ہم آغوش ہوگئی تھی۔ میرے گال پر بوسہ دے کر بولی۔ ”اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہیں جناب، میں یقین دلاتی ہوں یہاں کوئی خفیہ وڈیو یا آڈیو آلہ نہیں ہے۔“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس بند کمرے میں کوئی دیکھنے سننے والا نہیں تھا۔ ہم دونوں اکیلے تھے...... لیکن وہ ہمارے درمیان موجود تھی۔ میڈونا کو نظر نہیں آرہی تھی لیکن مجھے آرہی تھی۔ وہ اسی طرح دونوں بازو پھیلائے کھڑی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور میڈونا کو اس کے سارے لوازمات سمیت کمرے سے باہر نکال دیا۔

شاید آس امید کے بغیر بھی محبت زندہ رہتی ہے۔

شاید انہونیوں کی تمنا آخری دم تک مٹتی نہیں۔

شاید محبت واقعی ایسا دریا ہے کہ بارش کے روٹھ جانے کے باوجود پانی کم نہیں ہوتا۔

بینکاک کے ان بلند و بالا پام کے پیڑوں کے درمیان واقع اس قلعہ نما عمارت میں دو روزہ قیام کے دوران میں مجھے کافی کچھ معلوم ہوگیا۔ میں جس حصے میں موجود تھا، وہ اس عمارت کا بیرونی پورشن تھا۔ اندرونی حصے میں سخت حفاظتی انتظامات تھے اور یہ حصہ ڈیتھ اسکواڈ کے خطرناک ترین گماشتوں کی نگرانی میں تھا۔ قلعے کے عام گارڈز اور ملازمین کو اس دوسرے حصے کی طرف جانے کی بالکل اجازت نہیں تھی۔ اس حصے کو سات آٹھ فٹ اونچے آہنی جنگلے اور خاردار تاروں کے چھلوں نے گھیر رکھا تھا۔ اندر آنے جانے والے افراد کو سخت چیکنگ کے بعد گزرنے دیا جاتا تھا اور یہی وہ جگہ تھی جہاں ٹیکساری گینگ کا اہم ترین اور سینئر ترین رکن وائس وائے زندہ سلامت پایا جاتا تھا۔ مجھے اس تک پہنچنا تھا۔

میرے پاس واحد راستہ یہی تھا کہ میں کسی ایسے شخص کو ڈھونڈوں جو اس عمارت کے اندرونی حصے میں آتا جاتا ہو، پھر اس پر غلبہ حاصل کر کے اس سے معلومات حاصل کروں۔ ایک دم ذہن میں خیال آیا کہ شاید یہ میڈونا نامی لڑکی بھی اہم معلومات دے سکے۔ میں نے پرسوں رات اسے بھگا دیا تھا مگر آج رات میں نے اسے اپنے کمرے میں بیٹھنے دیا اور اس سے باتیں کرتا رہا۔ وہ اس جگہ پر قریباً تین سال سے موجود تھی۔ یہاں اس کا ایک بوائے فرینڈ بھی تھا۔ انکشاف ہوا کہ وہ انڈین ہے اور وہ بھی انہی لوگوں کے لیے کام کرتا ہے جن کے لیے میڈونا کرتی ہے۔ میڈونا کے بقول یہ عمارت کسی بہت مال دار امریکی کی ملکیت تھی اور یہاں بظاہر امپورٹ ایکسپورٹ کا کام ہی ہوتا تھا۔ میں نے میڈونا سے پوچھا۔ ''تمہارے انڈین بوائے فرینڈ کو پتا ہے کہ تم اس طرح دوسروں کے بیڈروم کی زینت بھی بنتی ہو؟''

وہ پھر دلکش انداز میں مسکرائی۔ ''یہاں سب کچھ چلتا ہے مسٹر وقاص! ویسے بھی وہ میرا بوائے فرینڈ ہے، میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں، آپ اسے یک طرفہ ٹریفک بھی کہہ سکتے ہیں۔''

مجھے میڈونا کے ایک رخسار پر چوٹ کا ہلکا سا نشان بھی دکھائی دیا۔ ایسا ایک کچھ دن پرانا نشان اس کی دائیں کلائی پر بھی تھا۔ میں نے اس بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔

''میرا بوائے فرینڈ بہت جلد غصے میں آجاتا ہے لیکن میں چونکہ اس سے محبت کرتی ہوں اس لیے کبھی کبھی اس کا سخت رویہ بھی برداشت کر لیتی ہوں۔ سنڈے کے روز اس نے مجھے ٹانگ ماردی تھی۔ میں کمرے کے دروازے سے ٹکرائی اور یہاں کلائی پر چوٹ آگئی۔ وہ ہر بات بے تکلفی سے کر جانے والی سکہ بند مغربی لڑکی تھی۔ اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ میں اس کی طرح روانی سے انگلش بول سکتا ہوں۔ اس کا رضی نامی انڈین بوائے فرینڈ زیادہ روانی سے نہیں بول سکتا تھا۔ وہ اس بات پر بھی حیران تھی کہ میں نے تھائی لینڈ کے مانے ہوئے چیمپئن وانگ کو رِنگ میں بری طرح رگیدا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''کبھی تمہیں آہنی جنگلے کے پار والا حصہ دیکھنے کا اتفاق ہوا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے نرم سنہری بالوں نے اس کے رخساروں پر بکھر کر خوب صورت منظر پیش کیا۔ وہ بولی۔ ''وہاں باس روڈلف کے علاوہ بس وہی خاص افراد جاتے ہیں جن کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔''

نجانے کیوں مجھے لگا کہ وہ اس بارے میں جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ مجھے بس اتنا ہی بتارہی تھی جتنے کی اُسے اجازت دی گئی تھی۔

''ٹیکساری گینگ کا نام سنا ہے تم نے؟''

وہ حیرت سے بولی۔ ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

وہ پھر بکواس کر رہی تھی اور جھوٹ بول رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے گالی دی اور کہا۔ ''ٹیکساری گینگ وہ ہوتا ہے جس کی تم چاکری کر رہی ہو اور اپنی خوب صورتی سے جس کے ممبروں کا دل بہلا رہی ہو۔

اگلے دو روز بھی میں نے اپنی آنکھیں اور کان پوری طرح کھلے رکھے۔ یہاں کا ماحول نہایت پُراسرار تھا اور سب سے زیادہ آہنی جنگلے اور خاردار تاروں کے اندر کا ماحول۔ وہاں سرخ رنگ کی مخروطی چھتیں تھیں۔ ناریل اور تاڑ کے بلند درخت تھے اور شاذونادر ہی کوئی حرکت دکھائی دیتی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس عمارت سے باہر کہیں نخر

زمان موجود ہوگا اور بے چینی سے میری کال کا انتظار کر رہا ہوگا مگر میں اس سے رابطے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا کہ اس چار دیواری میں کہیں چیونٹی بھی رینگتی ہے تو خبر رکھنے والوں کو خبر ہو جاتی ہے۔ میں نے جگہ جگہ سی سی ٹی وی کیمرے بھی دیکھے تھے مگر زیادہ تر کیمرے آہنی جنگلے کے اوپر اور آس پاس لگے تھے۔ ایسے زیادہ تر کیمروں کا رخ اندرونی حصے کی طرف ہی تھا۔

اس قلعہ نما عمارت میں وہ میری چوتھی یا پانچویں شب تھی جب مجھے وہ موقع مل گیا جس کا میں انتظار کر رہا تھا۔ میں آہنی جنگلے سے قریباً تیس میٹر کی دوری پر کیلے کے تین چار پھیلے ہوئے درختوں کے درمیان کھڑا تھا۔ میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا کہ یہ جگہ کسی طرف سے بھی سی سی ٹی وی کی زد میں نہیں ہے۔ میری گھڑی پر رات کے دس بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ میں نے نوٹ کیا کہ یہ وہی وقت ہوتا ہے جب اندرونی حصے سے تین پہیوں والی ایک اسٹائلش گاڑی نکلتی ہے اور کیلے کے ان درختوں کے قریب ایک دروازے کے سامنے پارک ہو جاتی ہے۔ میری اب تک کی معلومات کے مطابق یہ سفید وین نما گاڑی اشیائے خورد ونوش اور کچن کا سامان وغیرہ لے کر اندرونی حصے میں جاتی تھی۔ ایک دفعہ اسے ایک نیگرو چلا رہا تھا، ایک دفعہ کوئی اور شخص۔ میں آج پوری فارم میں تھا اور تہیہ کیے ہوئے تھا کہ آج شب کچھ کر گزرنا ہے۔

مقررہ وقت سے تھوڑی دیر بعد تین پہیوں والی یہ ڈلیوری وین جنگلے کے سیکیورٹی چیک پر نظر آئی۔ پھر اس کی ہیڈ لائٹ دھیرے دھیرے میرے قریب آتی چلی گئی۔ اب میں ایکشن میں آنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ وین چلانے والے کو وین کے اندر ہی دبوچوں گا اور اسے اندرونی حالات کے بارے میں اُگلنے پر مجبور کر دوں گا۔ اس وین کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں اور انہیں بھی شٹرز کے ذریعے بند کیا جا سکتا تھا۔ عقبی اسکرین ایسی گاڑیوں میں ہوتی ہی نہیں۔

گاڑی بے آواز چلتی ہوئی درختوں کے قریب پہنچ گئی۔ یہ بیٹری سے چلنے والی الیکٹرک گاڑی تھی۔ میں پرتول چکا تھا۔ جونہی گاڑی رکی اور اس کا انجن بند ہوا، میں جھپٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مجھ سے گاڑی کا فاصلہ دس فٹ کے قریب تھا۔ اس کی ایک کھڑکی کا شیشہ کھلا ہوا تھا۔ کوئی شخص ٹوٹی پھوٹی انگلش میں فون پر کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔ ''کہا ہے ناں کہ آج نہیں آ سکتا۔ اب چونچ بند کرو اپنی۔''

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جس پر وہ پھنکار کر بولا۔ ''زیادہ آگ لگی ہے تو جا چلی جا کسی اور کے پاس بلکہ بہتر ہے کوئی فائر بریگیڈ والا ہی ڈھونڈ لے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔ وہ انگلش بول رہا تھا مگر لہجہ اردو اسپیکنگ محسوس ہوتا تھا۔

اب وہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے ہی والا تھا۔ میں اپنی جگہ سے نکلا اور لپک کر گاڑی میں داخل ہو گیا۔ نیم تاریکی میں مجھے بس اتنا نظر آیا کہ وہ نوجوان تھا اور اس نے پی کیپ پہن رکھی تھی، میرا بھرپور گھونسا اس کی ٹھوڑی پر لگا اور کیپ اچھل کر دور جا گری۔ اس کی کمر سے باقاعدہ ہولسٹر بندھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ ہولسٹر تک پہنچاتا، میں نے پھل کاٹنے والی ایک نوک دار چھری اس کی شہ رگ پر رکھ دی۔ ''خبردار مار ڈالوں گا۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

اس نے میری چھری والی کلائی پکڑ لی تھی۔ یکایک اس نے تڑپ کر خود کو میری اور چھری کی زد سے نکالنا چاہا، وہ پھرتیلا تھا لیکن ''ایک بار اور بھی پیدا ہو جاتا'' تو ایسا نہ کر سکتا۔ میں نے اس کے منہ پر کہنی کی ضرب لگائی اور اسے نڈھال کر دیا۔ اس کا شاندار بریٹا پسٹل اب اس کے ہولسٹر سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

یہی وقت تھا جب میں نے اسے دھیان سے دیکھا۔ اور میرے چودہ طبق روشن ہو گئے...... میں نے اپنی آنکھیں سکیڑیں اور دوبارہ اسے غور سے دیکھا۔ ہاں گورے رنگ کا یہ نہایت خوبرو نوجوان میرے لیے اجنبی نہیں تھا...... یہ رضوان ٹی تھا۔ وہی رضوان جو ملنگی ڈیرے پر ہمارا ساتھی رہا تھا اور کٹھن حالات کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ ملنگی ڈیرے کی زمین دوز بھول بھلیوں میں ''ارم'' نام کی سائیکو ڈاکٹر نے اس پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ رضوان اپنی تمام تر مردانہ وجاہت کے ساتھ اس کا کھلونا بنا ہوا تھا اور ملنگی ڈیرے کی بلند دیواروں کے اندر ایک ڈری سہمی زندگی گزار رہا تھا۔ ہم نے اسے وہاں سے نکالا تھا، اسے اپنی آزادی اور اپنے حق کے لیے لڑنا سکھایا تھا۔ آخر سائیکو ڈاکٹر ارم کے جبر سے رضوان کی جان ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی تھی۔ رضوان سے میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب میں نے ارم کے قتل کے بعد اسے لیہ کے پاراہاؤس سے بحفاظت نکالا تھا اور لاہور روانہ کیا تھا۔

اور اب وہ لیہ اور پاکستان سے ہزاروں میل دور یہاں اس ڈلیوری وین میں میرے سامنے ''سیٹ'' پر نیم


Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس
MEDORA OF LONDON

دراز تھا۔ اس کی پی کیپ اچھل کر دور گر چکی تھی اور اس کے سرخ ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ میں نے بریٹا پسٹل کی نال اس کے سر سے لگا دی اور کرخت آواز میں سرگوشی کی۔ ''حرکت کرو گے تو جان سے جاؤ گے۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔''

میرے لہجے کی حرارت اور آہنگ نے اسے جوں کا توں لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے چند سیکنڈ کے لیے وین کی اندرونی لائٹ آن کی، ہاں وہ رضوان ہی تھا۔ پہلے سے ذرا موٹا ہو گیا تھا اور شیو بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹی چھوٹی مونچھیں بھی رکھ لی تھیں۔ میں اسے پہچان چکا تھا لیکن میرے چہرے کی کاسمیٹک تبدیلیوں کی وجہ سے وہ مجھے پہچاننے میں قطعی ناکام تھا۔ شاید وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس جگہ اس طرح میری اور اس کی ملاقات ہو سکتی ہے۔

میں نے بائیں ہاتھ سے اچھی طرح اس کی تلاشی لی۔ ہولسٹر کے سوا کوئی خطرناک چیز اس کے پاس موجود نہیں تھی۔ میں نے خالی ہولسٹر بھی پچھلی نشست پر پھینک دیا اور اسے سیدھا ہو کر بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بدستور ڈرائیونگ سیٹ پر ہی تھا۔ میں نے وین کی چابی اگنیشن میں سے نکال لی اور جیب میں ڈال لی۔ چابی نکالنے سے پہلے میں نے چاروں کھڑکیوں کے شٹر گرا دیے تھے۔ اب یہ وین ایک چھوٹے سے محفوظ کمرے کی طرح تھی۔

''تم جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ باس روڈلف تمہاری گردن توڑ دے گا۔'' رضوان دانت پیس کر بولا۔ اس کی بات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ یہاں ''نئے ملازم کی حیثیت سے میری موجودگی'' کے بارے میں جانتا ہے۔

میں نے کہا۔ ''میری گردن کی فکر نہ کرو۔ بس یہ فکر کرو کہ تم سے کوئی بے ساختہ چالاکی سرزد نہ ہو جائے۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہت بُرا نکلے گا اور ابھی نکلے گا۔''

وہ بس سکتہ زدہ سا مجھے تکتا رہ گیا۔ میں نے ایک بار پھر چند سیکنڈ کے لیے وین کی اندرونی لائٹ آن کی۔ وہ اشیائے خورد و نوش کی ترسیل کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اس کے عقب میں خانے سے بنے ہوئے تھے۔ سبزیوں اور پھلوں کے علاوہ گوشت کی ہلکی سی بُو بھی آ رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ ڈیتھ اسکواڈ کے ہم شکل گنجے شیطان کچا گوشت بھی بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور کچے گوشت سے ان بدبختوں کی رغبت صرف کھانے کی حد تک ہی نہیں تھی وہ اس کا ''دوسرا استعمال'' بھی کثرت سے کرتے تھے، ان کے اردگرد ہر وقت خوش بدن لڑکیوں کی ضرورت رہتی تھی۔ پھر میرا دھیان معروف اداکارہ روشا کی طرف چلا گیا۔ لاہور میں اسے ان ہی ہم شکل جانوروں نے اغوا کیا تھا۔ اس کی بدحالی میں نے گلبرگ کی اس کوٹھی نمبر 16 میں دیکھی تھی۔ شاید وہ دھماکے میں ہلاک نہ ہوتی تو بھی ان جانوروں کے ستم سے بچ نہ پاتی۔ آہ کچھ لوگ جنس کو کس قدر گھناؤنا اور کراہت آمیز بنا دیتے ہیں۔

''ہاں سپلائی دے آئے ہو کھانے کی؟'' میں نے رضوان سے پوچھا۔

''دے آیا ہوں لیکن......''

''بس اتنی بات کا جواب دو جتنی پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے انگلی اٹھا کر اسے روکا۔ ''سمجھو کہ یہ وین آج کی رات تمہارے لیے حوالات بن گئی ہے۔ جب تک میرے سارے سوالوں کے جواب نہیں دے لو گے، یہاں سے نکل نہیں سکو گے نہ کسی کو آگ لگا سکو گے، نہ کسی کی بجھا سکو گے۔ بائی دی وے، ابھی جس سے گفتگو فرما رہے تھے وہ محبوبہ تھی تمہاری؟''

''ہاں......لیکن......''

''پھر وہی لیکن، جتنا پوچھ رہا ہوں اتنا ہی بتاؤ۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ میں اپنی اصل آواز میں ہی بول رہا تھا لیکن رضوان کا ذہن میری آواز اور لب و لہجے کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔ اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ میں پاکستان سے ہزاروں میل دور یہاں اس کے سامنے پایا جاؤں گا۔ میرا ذہن گھڑ دوڑ کا میدان بنا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں خود کو رضوان پر آشکار کر دوں یا نہیں...... وہ یہاں موجود تھا اور میرے لیے بے حد کارآمد ثابت ہونے والا تھا۔ ویسے بھی جب میں اپنے ماضی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا تو پھر اپنا یہ روپ چھپائے رکھنے سے کیا فائدہ تھا۔ رضوان کا شمار میں اپنے قابلِ بھروسا ساتھیوں میں کر سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں اور کیسے موجود ہے؟ یہ سوال ضرور جواب طلب تھا مگر مجھے یقین تھا کہ جب میں اپنا آپ رضوان پر کھول دوں گا تو ان سوالوں کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر سوالوں کے جواب بھی مل جائیں گے۔

اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ اگلا قریباً آدھ گھنٹا اس وین کے اندر بہت تہلکہ خیز تھا۔ میں نے پستول رضوان کی کے سر سے ہٹا لیا اور اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ حیرت سے گنگ سنتا رہا اور بیچ بیچ میں سوالات بھی کرتا رہا۔ باتوں کے دوران میں اسے ایک دم کرنٹ سا لگا۔ تڑپ کر بولا۔ ''ایک گڑبڑ ہو گئی ہے جی۔''

''کیا ہوا؟''

''مجھے پورے گیارہ بجے باس روڈلف کو رپورٹ کرنا تھی۔ اب ساڑھے گیارہ ہونے والے ہیں۔ یہاں ٹائم کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ابھی کوئی مجھے دیکھنے کے لیے یہاں پہنچ جائے۔'' اس نے دو لمحے توقف کیا، پھر بولا۔ ''آپ فوراً اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچ جائیں۔ میں بھی نکل جاتا ہوں۔ کل کسی وقت آپ سے فون پر رابطہ کروں گا۔ آپ مجھے اپنا نمبر دے دیں۔''

میں نے اُسے نمبر لکھوایا اور یاد دہانی کرائی کہ وہ مجھے وقاص کے نام سے ہی پکارے گا۔

رضوان کو اس کا بریٹا پسٹل واپس کر کے میں احتیاط کے ساتھ اس تین پہیوں والی گاڑی سے نکلا اور اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔

انسان کوشش کرتا ہے، قدرت راستے کھولتی ہے۔ رضوان کا اس جگہ مل جانا بھی ایک تائیدِ غیبی کی طرح ہی تھا۔ ابھی مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ یہاں بینکاک میں کیسے اور کیونکر پہنچا ہے۔ اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ بہت بدل چکا ہے، ڈاکٹر ارم کی موت کے بعد چھوٹا گرو وغیرہ اس کی تلاش میں تھے۔ ڈر ڈر کر مرنے کے بجائے اس نے حالات کا سامنا کرنا مناسب سمجھا اور ملنگی ڈیرے کے تین خطرناک ''ملنگوں'' سے اس کی زوردار ٹکر ہوئی۔ بعدازاں وہ یہاں بینکاک چلا آیا۔

رات کو جب میں بستر پر دراز ہوا تو سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی میڈونا ایک بار پھر مستعد خدمت گار کی طرح میرے سر پر آن کھڑی ہوئی۔ ''کوئی چیز درکار ہو تو مجھے بتائیں۔'' وہ اپنے کلیوں جیسے دانت چمکا کر بولی۔

میں نے کہا۔ ''نہیں، تم جاسکتی ہو۔''

وہ سر جھکا کر کسی ایسی ماڈل کی طرح گھومی جو ریمپ پر اپنے جسم کو ہر زاویے سے دکھانا چاہتی ہے۔ ''لائٹ آف کرجاؤں؟'' اس نے رک کر پوچھا۔

''کرجاؤ۔'' میں نے کہا، پھر ذرا توقف سے بولا۔ ''جب تم لوگوں کے بیڈرومز میں جا کر ان سے پوچھتی ہو کہ کوئی چیز تو درکار نہیں...... تو تمہارا بوائے فرینڈ کیا محسوس کرتا ہوگا؟''

اس نے کہا۔ ''میں نے بتایا ہے ناں کہ وہ میرا بوائے فرینڈ ہے، میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں۔ بہت ''رف'' ہے لیکن مجھے پھر بھی اچھا لگتا ہے۔''

ایک دم میرے دماغ میں پھلجھڑی سی چھوٹی۔ ابھی کچھ دیر پہلے باہر ڈین میں رضوان بھی تو کسی لڑکی سے بڑے آتشیں لہجے میں بات کررہا تھا۔ کہیں وہ یہی انگلش لڑکی تو نہیں تھی؟ میں نے میڈونا سے پوچھا۔ ''کیا نام بتایا تھا تم نے اپنے انڈین بوائے فرینڈ کا؟''

''رضی...... ویسے پورا نام تو کافی مشکل ہے۔'' اس نے اپنی چھوٹی سی انگلش ناک چڑھا کر کہا۔

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جسے انڈین کہہ رہی تھی، وہ پاکستانی تھا اور رضوان تھا۔ وہ مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا۔ اگر میڈونا اس پر فدا ہوئی تھی تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ میڈونا، سوئچ بورڈ کے پاس کھڑی کچھ دیر میرے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر لائٹ آف کر کے چلی گئی۔

مجھے میڈونا کے جسم کی چوٹیں یاد آئیں۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کا محبوب ذرا سخت مزاج ہے۔ کسی وقت اس سے مار پیٹ بھی کر گزرتا ہے، تو کیا رضی یعنی رضوان اب ایسا ہو گیا تھا۔ اس میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ خاموش طبع نہیں رہا تھا، سہما ہوا نہیں رہا تھا۔ اس کی چال ڈھال میں ایک اعتماد اور طمطراق آ گیا تھا۔ تو کیا ان تبدیلیوں میں ایک تبدیلی یہ بھی شامل تھی کہ وہ عورت ذات کے حوالے سے کچھ کرخت ہو گیا تھا۔ شاید یہ تبدیلی اس رویّے کا ردِعمل تھی جو ڈاکٹر ارم نے اس سے روا رکھا تھا۔ اس نے خوبرو رضوان کے ساتھ ایک زرخرید غلام کا سا سلوک کیا تھا۔ وہ اسے اپنے اشاروں پر نچاتی تھی اور اس کے جسم پر اپنی دیوانی محبت کی کرخت نشانیاں چھوڑتی تھی۔ وہ مناظر بھی میرے ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے جب ڈاکٹر ارم نے رضوان کو اس کی بہن کے حوالے سے بے بس کر کے واپس اپنے پاس آنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ اس کے گلے میں رسی ڈال کر اس سے جانوروں کا سا سلوک کرتی رہی تھی۔ اس کو توڑتی رہی تھی۔

رات کو سونے سے پہلے دیر تک رضوان کے بارے میں سوچتا رہا اور ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا جو رضوان سے ملاقات کے بعد یہاں پیش آسکتے تھے۔ وہ یہاں کا بھیدی تھا۔ وہ بہت معاون ثابت ہوسکتا تھا۔

اگلے روز فون پر میری اور رضوان کی مختصر بات ہوئی۔ پھر اس نے باس روڈلف سے مجھ سے ملنے کی اجازت لے لی۔ یہ اجازت اس نے اس حوالے سے لی کہ وہ میرا ہم وطن اور ہم زبان ہے...... لہٰذا ہم دونوں میں اچھی ''کوآرڈی نیشن'' پیدا ہوسکتی ہے۔

شام کی چائے کے وقت ہم دونوں کمرے میں تھے

اور رازداری کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ کھڑکیوں سے باہر اس وسیع قلعہ نما عمارت کے نشیب و فراز دکھائی دے رہے تھے۔ دور تک پھیلے ہوئے سبزہ زار، پتھریلی دیواریں، خاموش کھڑے پام اور ان کے درمیان سنسناتی ہوئی اسراریت، یہ جگہ رنگوں اور روشنیوں سے بھرے ہوئے بینکاک سے بس چند میل کے فاصلے پر تھی مگر کسی جزیرے کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

رضوان نے مجھے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میرے اندازوں کے عین مطابق ہی تھا۔ ملتان میں ملنگی ڈیرے کے زہریلے "ملنگوں" سے ایک زبردست مڈبھیڑ کے بعد رضوان کراچی چلا گیا تھا مگر چھوٹا گرو اور اس کے چیلے وہاں بھی اس کی بُو سونگھ رہے تھے۔ وہ "پردے والی سرکار" کے قتل میں رضوان کو بھی حصے دار سمجھتے تھے۔ یہیں پر رضوان کی ملاقات اس غیر ملکی گینگسٹر موگا سے ہوئی تھی اور وہ اس کے ساتھ بینکاک چلا آیا۔ موگا سے اور باس روڈلف کے ساتھ کام کرتے ہوئے اسے چار پانچ ماہ ہوئے تھے جب اسے پتا چلا کہ وہ انڈر ورلڈ کے ایک خطرناک گروہ ٹیکساری گینگ کا حصہ بن چکا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ گینگ سے وابستہ مقامی لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ یہ اس کے لیے ایک بڑا انکشاف تھا لیکن جو کچھ بھی تھا اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔

میں نے بھی اپنی رُوداد کی چیدہ چیدہ باتیں رضوان کے گوش گزار کر دیں اور اسے مختصراً بتا دیا کہ کیا حالات تھے جن کی وجہ سے مجھے مردہ تصور کر لیا گیا اور کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر میں نے اپنا بھیس بدلا۔ میں نے اسے دیگر ساتھیوں انیق، سجاول، پہلوان حشمت اور تاجور وغیرہ کے بارے میں بھی ضروری باتیں بتائیں۔ تاہم انیق اور تاجور کے حوالے سے کسی منفی بات کا ذکر نہیں کیا۔

گفتگو طویل ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے رضوان سے کہا۔ "اب مجھے بتاؤ کہ جنگلے اور خاردار تاروں کے اس پار کیا ہے؟"

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "مجھے صرف اتنا پتا ہے جی کہ..... کوئی بہت خاص بندہ وہاں سخت حفاظت میں رکھا گیا ہے۔ یوں تو اس کی ہر ضرورت اور سہولت کا خیال رکھا جاتا ہے مگر اسے ایک خاص جگہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ وہ کبھی بیمار بھی ہوتا ہے تو یہیں پر اس کے لیے ایک گورے ڈاکٹر کو بلا لیا جاتا ہے۔"

"وہ اکیلا ہے یا ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"ایک لڑکی اس کے ساتھ ہے۔ کہا یہی جاتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ اس کی عمر دس گیارہ سال کے قریب ہے۔ کبھی کبھار جب میں کھانے کی سپلائی لے کر اندر جاتا ہوں تو دیواروں کے پیچھے سے لڑکی کی چہکار یا اس شخص کی بھاری آواز سنائی دے جاتی ہے۔ ہم اس شخص کو یہاں بڑا آدمی کہتے ہیں۔ پچھلے سارے عرصے میں بس دو چار بار ہی ایسا ہوا ہوگا جب مجھے بڑے آدمی یا اس کی بچی کی جھلک نظر آئی ہو۔"

"اندر کوئی گارڈز وغیرہ بھی ہوتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اصل میں جی میری وین کچن کے دروازے تک ہی جاتی ہے اور وہاں سے واپس آ جاتی ہے۔ اس آنے جانے میں مجھے بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ صفاچٹ سروں والے پانچ چھ بندے ہیں جو ہر وقت بڑے آدمی اور اس کی بچی کی نگرانی کرتے ہیں۔ کچھ عجیب شیطانی قسم کی شکلیں ہیں اُن کی۔ دیکھ کر جھرجھری سی آ جاتی ہے۔ کسی وقت تو لگتا ہے کہ ان کے چہروں کے نقش بھی ایک جیسے ہیں۔ میں نے کئی بار موگا سے بھی پوچھا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ مگر وہ کھل کر نہیں بتاتا۔ شاید اسے بھی ٹھیک سے پتا نہیں۔ کہتا ہے کہ یہ گینگ کے اسپیشل یونٹ کے لوگ ہیں۔ ان کے قریب جانا بھی خطرناک ہے۔"

"خطرناک سے کیا مراد ہے؟"

رضوان اُلجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "وضاحت تو وہ بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکا یا شاید کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر ان ہم شکل بندوں کی عادتیں اور حرکتیں عام لوگوں سے مختلف ہیں۔ آنکھوں میں عیاری اور شرلوت ناچتی رہتی ہے۔ شراب پانی کی طرح پیتے ہیں بلکہ پانی تو شاید پیتے ہی نہیں ہیں۔ ان کے اردگرد ہر وقت خوش شکل عورتیں موجود رہتی ہیں۔ یہ کچا گوشت اور قیمہ وغیرہ کھا جاتے ہیں۔ کسی وقت شوقیہ بھی آپس میں جھگڑتے ہیں اور تفریحاً ایک دوسرے کو خوناں خون کر دیتے ہیں۔ یہ بلا کے نشانے باز بھی ہیں۔"

پھر رضوان نے ایک واقعہ سنایا کہ کس طرح ایک اتوار کو جب وہ سپلائی دینے جنگلے کے پار گیا تو اس نے دیکھا کہ اندر ایک گراسی لان میں وہ منڈے ہوئے سروں والے شیطان ایک خانساماں کے سر پر سیب رکھ کر پستول سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور خوف کے سبب خانساماں کے کپڑے گیلے ہو جانے پر خوشی سے چلا رہے تھے۔

میں نے رضوان کو بتایا۔ "یہ اسپیشل یونٹ والی بات بالکل درست ہے۔ یہ لوگ ٹیکساری گینگ کے بدنام زمانہ ڈیتھ اسکواڈ کا حصہ ہیں۔"

''اس کا مطلب ہے، آپ ان کو پہلے سے جانتے ہیں؟''

''ان کو اور ٹیکساری گینگ کو جتنا میں جانتا ہوں، کم ہی لوگ جانتے ہوں گے۔ یہی لوگ تھے رضوان، جنہوں نے مجھے ایم ایم اے کے ایک کھلاڑی سے مجرم اور قاتل بننے پر مجبور کر دیا اور شاید یہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے میں اب بھی اپنی اصل شناخت کو چھپا کر پھر رہا ہوں۔ میری اور ان کی دشمنی بہت پرانی ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب اس دشمنی کو منطقی انجام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔''

''وہ کس طرح شاہ زیب صاحب؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس شخص کو رہا کرا کے جسے تم بڑا آدمی یعنی بگ مین کہتے ہو اور جسے ان لوگوں نے یہاں قید کر رکھا ہے۔''

''گستاخی معاف، اس کے رہا ہونے سے کیا ہوگا؟''

''یہ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا ہے رضوان کہ ہم ''بڑے آدمی'' اور اس کی بچی کو کس طرح یہاں سے صحیح سلامت نکال سکتے ہیں۔''

وہ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اس کی فراخ پیشانی پر اُلجھن کی پرچھائیاں تھیں، پھر جیسے ایک دم اسے کوئی خیال آیا۔ موضوع بدل کر بولا۔ ''آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی بات کر سکتا ہوں؟''

''کرو۔'' میں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہماری بہن تاجور اب کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ دونوں کا تعلق ملنگی ڈیرے پر ہی بہت واضح ہو گیا تھا۔ میں اکثر سوچتا رہا ہوں کہ آپ دونوں ایک ہوئے یا نہیں اور اگر نہیں ہوئے تو کب ہوں گے؟''

میں نے اصل بات چھپاتے ہوئے کہا۔ ''شاید وہ سب کچھ اتنا سنجیدہ نہیں تھا جتنا تم سمجھ رہے ہو، وہ ایک...... ہلکا پھلکا تعلق تھا۔''

وہ گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ ''مجھے اس طرح آپ سے سوال جواب کرنے کا کوئی حق نہیں...... لیکن...... گستاخی معاف، مجھے لگتا ہے کہ آپ اس حوالے سے کچھ چھپا رہے ہیں۔''

''چلو، اس بارے میں پھر بات کریں گے۔''

''ویسے تاجور بہن ٹھیک تو ہیں ناں؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا اور اسے بتایا کہ وہ لالہ موسیٰ کے قریب کسی گاؤں میں ہے۔

وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ ''ان کے چہرے کی خاص روشنی اور مسکراہٹ مجھے آج بھی یاد ہے۔ کوئی ایسی بات ہے ان میں جو انہیں دوسروں سے بہت...... بہت جدا کرتی ہے۔ شاید آپ کو پتا نہ ہو کہ جب آپ اور وہ ملنگی ڈیرے پر تھے تو وہاں ایک انگریز صحافی بھی تھا مائیکل نام کا۔ اس نے جھوٹ موٹ ''پردے والی سرکار'' کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی۔ دراصل وہ وہاں ملنگی ڈیرے کے روز و شب جاننے کے لیے ٹھہرا ہوا تھا۔ بعد میں اس نے ملنگی ڈیرے کے اندرونی حالات کے بارے میں ایک طویل مضمون لکھا تھا اور بتایا تھا کہ وہاں کیا کیا کھیلے ہوتے تھے اور کس طرح جھاڑ پھونک کے نام پر مریضوں کو ایلو پیتھک دوائیں دے کر ان سے پیسا بٹورا جاتا تھا۔ ملنگی ڈیرے کے دیگر حالات لکھتے ہوئے اور وہاں کے مناظر بیان کرتے ہوئے اس نے ایک جگہ تاجور بہن کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے......

ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ جنگلوں میں بہت سے پرندے ایسے ہوتے ہیں جن کی بے مثال چہکار سننے والا کوئی نہیں ہوتا اور ویرانوں میں بہت سے پھول ایسے مہکتے ہیں جن کی خوب صورتی کی داد دینے والا کوئی نہیں آتا۔ پاکستان کے ایک دیہی علاقے سے تعلق رکھنے والی ایک دوشیزہ تاجور کی مثال بھی ایسی ہی تھی، وہ ایک سادہ اور جادوئی حسن کی مالک تھی۔ ایک ایسی خوب صورتی جو بے وجہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور انمٹ اثر چھوڑتی ہے۔ مجھے نہیں پتا کہ وہ ملنگی ڈیرے پر کیسے اور کیونکر پہنچی اور نہ ہی میں نے جاننے کی کوشش کی مگر آتے جاتے جب بھی میری نظر اس کے پاکیزہ روشن چہرے پر پڑی میرے دل میں اس کی بے مثال خوب صورتی کے لیے ایک احترام جاگا...... اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ دنیا میں حسن کو ناپنے کے جو پیمانے اور طریقے رائج ہیں وہ کتنے بھونڈے اور ناقابلِ بھروسا ہیں۔''

میں خاموشی سے رضوان کی طرف دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جواب میں اس سے کیا کہوں۔

وہ بولا۔ ''انگلش اخبار کا وہ تراشہ میں نے ابھی تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ موقع ملا تو آپ کو دکھاؤں گا اور بُرا نہ مانیے گا شاہ زیب...... سوری وقاص صاحب، میں نے تصور میں آپ دونوں کو اکثر ایک جوڑی کی صورت میں دیکھا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ ایک دن میرا یہ تصور حقیقت کا روپ دھار جائے۔''

دل میں ٹیس سی اٹھی۔ میں اس ''بے خبر'' کو کیسے بتاتا کہ اب یہ ساری بے معنی باتیں ہیں۔ پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔

رضوان کے جانے کے بعد میں نے لائٹ آف کی اور بستر پر دراز ہو کر سوچتا رہا۔ وہ سادہ سے چہرے والی شاید واقعی جادوئی حسن کی مالک تھی۔ اسی لیے تو اسے قدم قدم پر اپنے دیوانوں سے واسطہ پڑا تھا۔ یہاں تک کہ میرا انیق جیسا دوست بھی ایک موقع پر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا اور پھر وہ سب کچھ ہو گیا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تاجور سے دھیان ہٹانے کے لیے میں خود کو اتنا معروف کر لینا چاہتا تھا کہ تن بدن کا ہوش نہ رہے۔ پھر خود بخود ہی اس کے اسباب پیدا ہو گئے۔ مجھے یہاں بھرتی کرنے والوں نے مجھے ایک ٹاسک سونپ دیا اور وہ یہ تھا کہ میں یہاں کے کچھ تھائی شوٹرز کو کک باکسنگ میں ٹرینڈ کروں۔ ایک اونچی چھت والے وسیع و عریض ہال میں قریباً دو درجن چھٹے ہوئے بدمعاش میرے حوالے کر دیے گئے اور میں انہیں مار دھاڑ کے گر سکھانے لگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے یہ کام وہی وجے نامی شخص کرتا تھا جس نے فخر کے لیے مخبری کرتا تھی مگر پھر اپنے کمرے میں سفاکانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔

گاہے بگاہے رضوان سے بھی ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ واقعی سرتاپا بدل چکا تھا۔ اس کے اندر خوف کی جگہ ایک ایسی بے خوفی نے لے لی تھی جو واقعی متاثر کرتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس قدر خطرناک لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کے باوجود میرا مطمح نظر سمجھتے ہوئے وہ وائس وائے تک پہنچنے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔

یہ اس قلعہ نما عمارت میں میری ساتویں آٹھویں رات کا واقعہ ہے۔ ہم دونوں اپنے محفوظ میٹنگ روم یعنی میرے کمرے میں موجود تھے۔ میں نے کہا۔ ''یار! جب سے یہاں آیا ہوں فخر سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ میرے لیے بہت پریشان ہوگا۔''

''لیکن میں نے آپ کو بتایا ہے ناں کہ یہاں سے فون کرنے میں رسک ہے۔ ابھی آپ کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ مجھے اس کا نمبر دیں، میں کسی بہانے یہاں سے باہر نکلوں گا اور اس سے رابطہ کر لوں گا۔''

میں نے رضوان کو فخر کا نمبر دے دیا۔ جی تو یہ بھی چاہتا تھا کہ سجاول سے رابطہ کروں اور اس سے پاکستان کے حالات پوچھوں۔ یہ جاننے کی کوشش کروں کہ وارج دارا ب اور اس کی نئی نویلی دلہن کس حال میں ہیں لیکن یہ سب دل کو خون کرنے والی باتیں ہی تو تھیں اور میں اب ان باتوں کے حصار سے نکلنا چاہتا تھا۔

رضوان نے کہا۔ ''کل دوپہر میں کچن میں سپلائی دینے کے لیے گیا تو ہیڈ بٹلر سے بات کرنے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک کھڑکی میں سے اندر والی عمارت کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میں نے بڑے آدمی کی ایک جھلک دیکھی۔ وہ اونچے جنگلے والے لان میں آرام کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کی بیٹی ایک روش پر اسکیٹ چلا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ کھا رہی تھی۔ شکل سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے اور فخر کو ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اپنے اس بدترین دشمن کو جان ڈیرک جیسے کمینے نے اب تک زندہ کیوں رکھا ہوا ہے۔ ہمارا تو خیال تھا کہ اسے پہلی فرصت میں دردناک طریقے سے مار کر اس کی لاش کے ٹکڑے کسی گٹر میں بہا دیے جائیں گے۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس شخص سے گینگ کو کوئی غرض ہو۔ میں نے ایک دفعہ میڈونا سے یہ بھی سنا تھا کہ گینگ کا چیف جان ڈیرک ہٹ کا بہت پکا اور دیوانگی کی حد تک ضدی ہے۔ ایک بار جو بات اس کے دماغ میں سما جائے وہ نکلتی نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے اس بدترین دشمن کو زندہ رکھ کر اذیت دے رہا ہو۔''

''کس طرح کی اذیت؟ آثار سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ وہ یہاں اس پُرسکون جگہ پر نارمل زندگی گزار رہا ہے۔ قید کی صعوبت تو ہے مگر اور کچھ خاص نہیں۔'' ایک دم میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ میں نے رضوان سے کہا۔ ''تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ میڈونا کافی کچھ جانتی ہے لیکن چکنے گھڑے کی طرح ہے، بتاتی کچھ نہیں۔ وہ تم پر لٹو بھی ہے۔ اگر تم اس پر اپنا ہاتھ ذرا ہولا رکھو، میرا مطلب ہے تھوڑی سی محبت برتو تو وہ کافی کچھ اُگل سکتی ہے۔''

وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں اس کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''اس سے سخت رویہ کیوں رکھتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''بس جناب! کسی وقت اس سے چڑ سی ہو جاتی ہے۔ جس طرح بلی زبردستی ٹانگوں میں گھستی چلی جاتی ہے اور ٹھوکر کھا کر بھی باز نہیں آتی، کچھ یہی حال اس لڑکی کا ہے۔''

''لیکن کافی خوب صورت انگریزنی ہے۔ کہیں کسی اور کا بدلہ تو نہیں لے رہے ہو اس سے؟''

اس نے پھیکی ہنسی کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ لیکن اس کے تاثرات یہی بتاتے تھے کہ اس کے دل کی گہرائی میں ابھی تک اپنے ماضی کی بے بسی، اذیت اور توہین کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

میں نے اس حوالے سے اُسے سمجھانے بجھانے کی

کوشش کی اور اس کا نتیجہ جلد ہی نکل آیا۔ صرف 72 گھنٹے بعد رضوان سے میری جو ملاقات ہوئی، وہ خاصی معلومات افزا تھی۔ پہلی خبر تو اس نے یہی دی کہ اس نے فخر سے رابطہ کرلیا ہے اور میری جانب سے اسے پوری تسلی دے دی ہے۔ دوسری بات اس نے یہ بتائی کہ کل رات میڈونا نے اس سے کھل کر باتیں کی ہیں۔ وہ بولا۔ ''دراصل جناب! یہ میڈونا اس جگہ کی سب سے پرانی خدمت گار ہے۔ یہ یہاں کے تقریباً ہر بیڈ روم کو رونق بخش چکی ہے۔ اس کے سینے میں بہت سے راز دفن ہیں۔ مجھے پہلے بھی اس بات کا اندازہ تھا مگر پرسوں آپ کے کہنے پر میں نے اس بارے میں خاص توجہ دی۔ کل اور پرسوں میڈونا سے میری طویل گفتگو ہوئی ہے اور اس نے اپنی معلومات کے مطابق ایک بڑا انکشاف کیا ہے۔''

''کس بارے میں؟'' میں نے پوچھا۔

''والس وائے اور اس کی بیٹی کے بارے میں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا لیکن جو کچھ وہ بتا رہی ہے، پورے اعتماد سے بتا رہی ہے اور جب ہم ٹیکساری کے چیف جان ڈیرک کے خطرناک کردار کے بارے میں سوچتے ہیں تو پھر یہ انکشاف زیادہ حیران کن بھی نہیں لگتا۔''

اس نے چند لمحے توقف کر کے الفاظ کا انتخاب کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میڈونا کے مطابق جان ڈیرک اپنی دشمنی میں دیوانگی کی حد تک چلا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک پرانا بدلہ چکانے کے لیے والس وائے کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس بدلے کا تعلق والس کے علاوہ اس کی بیٹی سے بھی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

رضوان نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کو پتا ہی ہے یہ گینگسٹر جب آپس میں لڑتے ہیں تو جانوروں کی طرح ہو جاتے ہیں، ہر حد تک چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر کبھی والس وائے کے بھائی نے ایک گھناؤنا جرم کیا۔ اس نے جان ڈیرک کی جوان بیٹی کی عزت خراب کر دی اور یہ مکروہ کام جان ڈیرک کے سامنے کیا۔ بعدازاں جان ڈیرک اس گھیرے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس نے خود سے عہد کیا کہ وہ والس وائے سے بدلہ لے گا اور اسی طریقے سے لے گا۔ وہ اس کی جوان بیٹی کو اس کے سامنے برباد کرے گا۔ اب دیکھیں جناب! انسان دشمنی کے اندھے گڑھوں میں گرتا ہے تو کتنی دور تک چلا جاتا ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ چیف جان ڈیرک نے والس وائے کو اب تک زندہ کیوں رکھا ہوا ہے؟''

میں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''جب والس وائے کو جان ڈیرک نے زیر کرلیا اور اپنے بس میں کرلیا تو اس کو بے پناہ اذیت سے گزارا۔ اس کی بیوی کو مار ڈالا۔ بھائی کے علاوہ اس کے دو قریبی دوستوں کو قتل کردیا مگر اس کا انتقام پورا نہیں ہوا۔ والس وائے کی کوئی جوان بیٹی نہیں تھی۔ اس کی بیٹی ڈیزی کی عمر صرف چھ سات سال تھی۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے جان ڈیرک کے لیے ضروری تھا کہ وہ چند سال انتظار کرتا تاکہ والس کی بیٹی جوان ہوتی اور وہ اسے اس کی آنکھوں کے سامنے بے آبرو کر کے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرتا۔ والس وائے کے اب تک زندہ رہنے کی اصل وجہ یہی ہے جناب۔''

میں سناٹے کے عالم میں سن رہا تھا۔ اگر یہ سب کچھ درست تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر جان ڈیرک کا بدترین دشمن والس وائے اب تک زندہ تھا تو اس کی وجہ انتقام کا غیر معمولی جذبہ ہی تھا۔ والس وائے کو مارنے سے پہلے جان ڈیرک اسے بھی اس اذیت سے گزارنا چاہتا تھا جس سے وہ خود گزرا تھا۔ وہ اس کی بیٹی کے بالغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے رضوان سے پوچھا۔ ''میڈونا کیا کہتی ہے۔ کیا والس وائے کو اس صورتِ حال کا علم ہے؟''

''یقیناً ہوگا اور نہیں بھی ہوگا تو شک ضرور ہوگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ دو تین بار، بیٹی سمیت یہاں سے فرار ہونے کی ناکام کوشش کرچکا ہے۔ ایک بار اس نے خودکشی کی کوشش بھی کی تھی۔ اس موقع پر اس کی بیٹی نے رو رو کر اپنی حالت خراب کرلی۔ اس کے بعد خودکشی کی کوشش والا تو کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ اب فرار کی کوشش بھی اس کے لیے ممکن نہیں کیونکہ ٹیکساری گینگ کے یہ خطرناک ترین گنجے گارڈز اس پر ہر وقت اپنی عقابی نظر رکھتے ہیں۔''

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اب تک اپنے زندہ رہنے کی وجہ کچھ اور سمجھ رہا ہو۔''

''بالکل، یہ بھی ہوسکتا ہے۔ آپ خود ہی کہہ رہے تھے کہ ان گینگسٹرز کے اَن گنت چکر ہوتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کو بلیک میل کیا جاتا ہے...... لیکن میرا خیال ہے...... اصل بات وہی ہے شاہ زیب صاحب! جو میڈونا نے کل رات مجھے بتائی ہے۔''

☆☆☆

پروگرام کے مطابق میں اور رضوان کارروائی کے لیے بالکل تیار تھے۔ رات ساڑھے آٹھ اور نو کے درمیان رضوان کو ناشتے اور بیکری کا دیگر سامان لے کر آہنی جنگلے کی دوسری جانب ممنوعہ علاقے میں داخل ہونا تھا۔ گیٹ پر ڈلیوری وین کو پوری طرح چیک کیا جاتا تھا، مگر ایک بات ہمارے حق میں جارہی تھی۔ گاڑی کو نیچے سے چیک کرنے والا VEHICLE METAL DETECTOR پچھلے تین چار روز سے خراب تھا۔ اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رضوان نے مشورہ دیا تھا کہ میں وین کے پیندے سے چپک کر اندر چلا جاؤں۔ یہ بھی ایک حسبِ حال بات تھی کہ تین پہیوں والی اس الیکٹرانک وین کی اونچائی زمین سے کچھ زیادہ تھی۔ اس کے نیچے گھس کر ’’سیکیورٹی گیٹ‘‘ پار کرنے کا آئیڈیا قابلِ عمل تھا۔ کل رات میں اکیلا ہی کیلے کے اس جھنڈ کے پاس پہنچا تھا اور وین کے نیچے جاکر ٹھیک سے ریہرسل کر لی تھی۔ اب ساری تیاری مکمل تھی۔ رضوان نے مجھے اپنا شاندار بریٹا پسٹل مع دو عدد فالتو میگزین فراہم کر دیا تھا۔ ایک دندانے دار لمبا چاقو بھی میرے لباس میں موجود تھا اور میرا سب سے اہم ہتھیار تو ہر وقت میرے پاس ہی رہتا تھا، میرا ایم ایم اے کا ہنر۔

میں نے کہا۔ ’’رضوان ایک بات تو ذہن سے نکل گئی اور وہ کافی اہم بات ہے۔‘‘ وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ ’’سیکیورٹی گیٹ تک اور پھر آگے کچن تک قریباً ڈیڑھ سو میٹر کا فاصلہ تو ہے ہی۔ اگر اس راستے میں کہیں کوئی اسپیڈ بریکر ہوا تو میری ریڑھ کی ہڈی کے دو تین ٹکڑے ضرور ہو جائیں گے۔‘‘

وہ مسکرایا۔ ’’جناب، یہ خدشہ شام کو میرے ذہن میں بھی آیا تھا۔ میں پوری تسلی کر آیا ہوں۔ کم از کم یہاں سے کچن تک تو کوئی بریکر نہیں ہے۔‘‘

پلان فائنل ہو چکا تھا اور یہ بڑا خطرناک تھا۔ خاص طور سے میرے لیے۔ رضوان کو وین میں نقص ڈال کر کچن کے قریب ہی موجود رہنا تھا جبکہ مجھے ایک چار دیواری پار کر کے اندرونی حصے میں گھسنا تھا۔ ایک حرکت کرتا ہوا سی سی ٹی وی کیمرا یہاں موجود تھا۔ رضوان نے اس کی حرکت کی ٹائمنگ دیکھ لی تھی۔ کیمرا اپنا نیم دائرہ قریباً پانچ سیکنڈ میں مکمل کرتا تھا، مجھے اسی پانچ یا چھ سیکنڈ کے اندر دیوار سے کود کر اندر پہنچنا تھا۔

رات نیم گرم اور تاریک تھی۔ سینے میں پُرجوش دھڑکن کا شور تھا۔ میں عرصے بعد خود کو پوری فارم میں محسوس کر رہا تھا۔ مرنے مارنے والا وہی آتشیں موڈ تھا جو مجھے یورپ میں خطرناک گینگسٹرز کے سامنے لا کھڑا کرتا تھا۔ ہاں یہی میرا ماضی تھا۔ کسی نے بڑی سنگ دلی سے مجھے اس ماضی کی طرف دھکیل دیا تھا، اور خود اپنا رخ اپنے سماج کی طرف اور اپنی نئی زندگی کی طرف پھیر لیا تھا۔ اب مجھے انگاروں پر چلنا تھا اور جب انگاروں پر ہی چلنا تھا تو پھر میں آہستہ کیوں چلتا۔ اب میں دوڑنا چاہتا تھا۔ آر یا پار۔

مقررہ وقت پر میں کیلے کے درختوں کی طرف چلا گیا اور خود کو الیکٹرک وین کے نیچے ایڈجسٹ کر لیا۔ کچھ ہی دیر بعد وین کو ہچکولا لگا۔ رضوان ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ بالکل ہلکی سی آواز کے ساتھ وین اسٹارٹ ہوئی اور سیکیورٹی گیٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔ مشکل ترین لمحات قریب آرہے تھے۔

وین گیٹ پر رکی اور مسلح گارڈز اس کا جائزہ لینے لگے۔ اس کے دروازے کھولے گئے۔ آگے پیچھے سے دیکھا گیا۔ اندرونی لائٹس جلائی گئیں اور BOXES وغیرہ کھول کر دیکھے گئے۔ ’’آج جلدی آگئے ہو؟‘‘ ایک گارڈ کی بھاری بھرکم آواز میرے کانوں تک پہنچی۔

رضوان نے بے تکلف لہجے میں کہا۔ ’’ڈیئر، تمہاری گھڑی خراب ہے۔ میں پورے تین منٹ لیٹ ہوں۔ وین اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔‘‘

دوسرے گارڈ نے رضوان کی بات کی تائید کی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ کھول کر اُسے جانے کی اجازت دی۔ پہلا مرحلہ طے ہو گیا تھا اور اگلا زیادہ مشکل تھا۔ وین چالیس پچاس میٹر چلنے کے بعد ایک نیم روشن جگہ پر رکی۔ وین کے رکتے ہی میں پیندے سے علیحدہ ہوا اور خود کو تیزی سے رول کرتا ہوا گارڈینا کی ایک، پانچ چھ فٹ اونچی باڑ کے عقب میں چلا گیا۔ میری نظر بلندی پر موجود حرکت کرتے ہوئے کیمرے پر تھی۔ جونہی اس کیمرے کا رخ دوسری جانب ہوتا، مجھے اپنی جگہ سے اٹھنا تھا اور قریباً آٹھ فٹ اونچی ایک دیوار پار کرنا تھی۔ ہاں یہی دیوار تھی جس کی دوسری جانب ڈیتھ اسکواڈ کے ہم شکل شیطان پائے جاتے تھے۔ میں اس دیوار کو دیکھ رہا تھا اور جانتا نہیں تھا کہ اس کے پار جا کر میں ایک ایسا دلخراش منظر دیکھنے والا ہوں جو تا دیر میرے ذہن سے محو نہیں ہو سکے گا۔

خونریزی اور بربریت کے خلاف
صف آرا نوجوان کی کھلی جنگ
باقی واقعات آیندہ ماہ پڑھیے

گلی میں اس وقت گرد اڑ رہی تھی۔

ایک ٹرک دھول اڑاتا ہوا گزرا تھا۔ وہ ٹرک اس وقت آگے جا کر رک گیا جہاں ایک مکان تھا جس میں کچھ کام ہو رہا تھا۔ وہ ٹرک سیمنٹ کی بوریاں لے کر آیا تھا۔

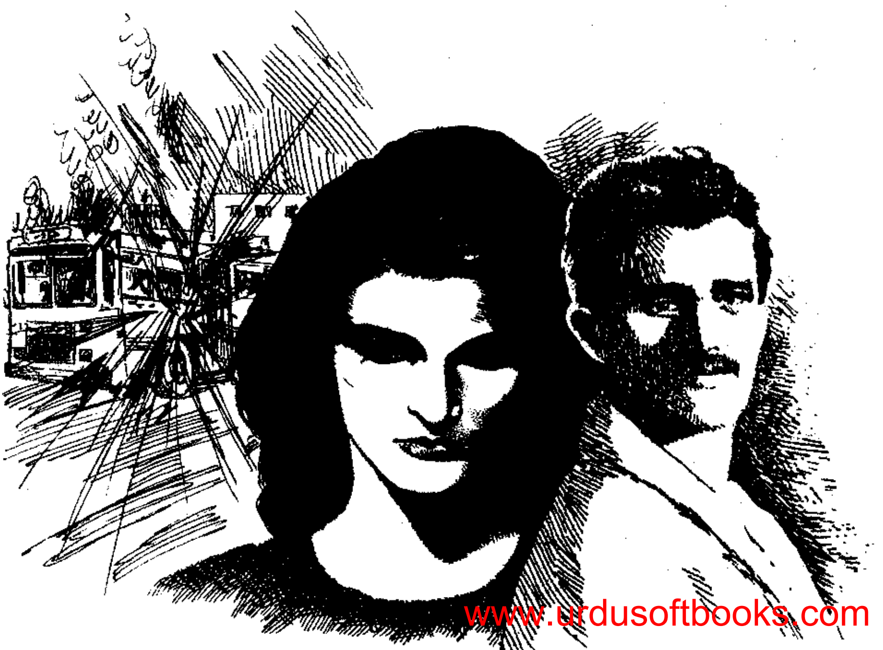
ماریہ اپنے مکان کے چبوترے پر بیٹھی اپنی ہی عمر کی ایک لڑکی کے ساتھ لوڈو کھیل رہی تھی۔ اڑنے والی دھول نے اس کا موڈ خراب کر دیا۔ اس نے ٹرک چلانے والے کو دو تین موٹی سی گالیاں دے ڈالیں پھر اپنی دوست سے بولی۔ ”یار تو

شعلۂ زن

منظر امام

وقت کرتا ہے پرورش برسوں... حادثہ یک دم نہیں ہوتا... حادثات کی طرح انسان کی کامیابی... ناکامی بھی اچانک سامنے نہیں آتی... وقت کے ان گنت ماہ و سال اور محنت کے پہاڑ سر کر کے اس مقام تک پہنچا جاتا ہے... جہاں کامیابی کھڑی مسکرا رہی ہوتی ہے... ایک ایسی ہی سیدھی سادی لڑکی کا سفر... جو اپنے گھر... محلے... شہر اور ملک کی شناخت کا سبب بن رہی تھی...

اچانک رخ بدلتی کہانی جس کا انجام لرزا دینے والا تھا......



ذرا میرے ساتھ آنا۔"

"کیوں؟"

"میں اس ٹرک والے کو سبق تو سکھا دوں۔ یہ لوگ اپنے باپ کا راج سمجھتے ہیں۔ ان کی ایسی کی تیسی......"

اس کی دوست نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کیا پاگل ہو گئی ہے؟ کس کس سے لڑتی رہے گی؟"

"سب سے لڑوں گی۔" ماریہ نے ایک پتھر اٹھا لیا تھا۔ "تو چل رہی ہے یا نہیں۔ ورنہ میں اکیلی جا رہی ہوں۔"

"اچھا بھئی چلتی ہوں نہ جانے کیا کرے گی۔"

ٹرک کا ڈرائیور اور اس کا کلینر ایک طرف بیٹھ کر سگریٹ پی رہے تھے جبکہ مزدور سیمنٹ کی بوریاں اتارنے میں مصروف تھے۔ ماریہ ان کے سامنے جا کر تن کر کھڑی ہو گئی۔ "اے تم لوگ اندھے ہو گیا؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

وہ دونوں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ "شرم نہیں آتی۔ اس طرح مٹی اڑاتے ہوئے جاتے ہیں۔ یہ گلی ہے، کوئی میدان نہیں ہے۔"

"اوہ، اس کے تیور تو بہت خطرناک ہیں بھائی۔" ڈرائیور نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

"چل نا۔" ماریہ کی دوست نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تیری اماں آواز دے رہی ہے۔"

ماریہ نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پتھر ایک طرف پھینک دیا۔

ڈرائیور اور کلینر ہنسنے لگے۔ "استاد یہ لڑکی تو بہت زبردست ہے۔"

"ہاں یار۔" ڈرائیور نے ایک گہری سانس لی۔ "دیکھ لینا میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ کوئی گل کھلائے گی۔"

دروازے پر کھڑی ہوئی ماریہ کی ماں اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

"ارے کہاں رہ گئی تھی؟ اس کی ماں نے پوچھا۔ "کب سے آوازیں دے رہی ہوں؟"

"چاچی، ماریہ ٹرک والے سے لڑنے گئی تھی۔" اس کی دوست نے بتا دیا۔

"لڑنے گئی تھی؟" ماں حیرت زدہ رہ گئی۔

"ہاں اماں۔ میں تو اس کا سر پھاڑ دیتی۔" ماریہ نے کہا۔ "ہماری گلی چھوٹی سی ہے۔ اس میں بچے کھیلتے ہیں۔ وہ ڈرائیور اتنی تیزی سے ٹرک اڑاتا ہوا لے گیا جیسے کسی میدان میں ہو۔ بس یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں اس سے لڑنے پہنچ گئی۔ یہ تو زینت مجھے اپنے ساتھ لے آئی ورنہ....."

"یا اللہ، یہ لڑکی تو آفت ڈھا دے گی۔ ہر ایک سے جھگڑا کرتی پھرتی ہے۔"

"ہر ایک سے نہیں، اماں۔" ماریہ نے تصحیح کی۔ "صرف اس سے جو غلط کام کرتا ہو۔"

ماریہ کی ماں اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھر کے اندر لے گئی۔

☆☆☆

یہ ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ یہاں زندگی بہت سست رفتاری سے گزرتی تھی۔ عام طور پر مزدور لوگ آباد تھے۔ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ کمروں کی چھتیں ٹین کی ہوا کرتیں۔ جو گرمیوں میں پورے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیتیں۔

اس محلے میں رہنے والوں کے دکھ سکھ بھی ایک جیسے تھے۔ اگر محلے میں کسی کو کسی سے شکایت ہوتی تو سارا محلہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک طرح کی پنچایت بیٹھ جایا کرتی۔

اس محلے میں زندگی آسان بھی تھی اور دشوار بھی۔

آسان اس لیے تھی کہ سب ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ غم اور خوشی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے۔ ہر ایک کا کندھا دوسرے کے لیے حاضر تھا اور دشوار اس لیے تھی سب غریب لوگ تھے۔ ان کے مردوں کو کبھی مزدوری ملتی کبھی نہیں ملتی۔ کچھ عورتیں گھر میں سلائی کر لیا کرتیں۔ ماریہ اسی محلے کی لڑکی تھی۔ اس کی عمر ابھی صرف بارہ برس کی تھی۔

اس گھر میں اس کے ماں باپ کے علاوہ ایک چھوٹا بھائی تھا۔ بہت مختصر سا خاندان تھا لیکن اس مختصر خاندان کو پالنا بھی ماریہ کے باپ کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ ماریہ کے باپ نے اگرچہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود ایک روشن خیال انسان تھا۔

ماریہ کی پیدائش پر سب سے زیادہ وہی خوش ہوا تھا۔ اس نے اپنے خاندان والوں سے کہہ دیا تھا۔ "دیکھو یہ بچی اللہ کی نعمت ہے۔ اس لیے جو بھی میرے گھر آئے وہ ہنستا مسکراتا ہوا آئے۔"

اس کی برادری میں زیادہ تعلیم کا رواج بھی نہیں تھا لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی ماریہ کو اعلیٰ تعلیم دلوائے گا۔

لیکن اس کی ماریہ کسی اور مزاج کی لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ اس کو لڑکوں کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا تھا۔ ان کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنا اور مار پیٹ کرنا۔ وہ کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے ماں باپ اس کی حرکتیں دیکھ کر پریشان ہو جاتے۔

محلے سے اس کی شکایتیں آیا کرتیں۔ ”ارے بھائی افضل، اپنی بیٹی کو سنبھال کے رکھ۔ اس نے تو حد کر دی۔ اس طرح لڑتی ہے جیسے فلموں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ میں تو کل اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔“

”بات کیا ہوئی تھی؟“

”وہ دھوبی کریم کا بیٹا ہے نا، کیا نام ہے اس کا وہی جو اسکول کی لڑکیوں کو آتے جاتے چھیڑتا رہتا ہے۔“

”ہاں، ہاں سمجھ گیا تم کس کی بات کر رہے ہو لیکن میری ماریہ نے کیا کیا؟“

”اس نے اس لڑکے کی دھنائی کر دی۔“ چاچا رحیم نے بتایا۔ ”اس کم بخت نے ایک لڑکی کا دوپٹہ پکڑ لیا تھا۔ وہ بے چاری رونے لگی تھی۔ تیری بیٹی اس طرف سے گزر رہی تھی۔ اس نے ذرا سی دیر میں اس لڑکے کو مار مار کر دنبہ بنا دیا۔ پورا محلہ یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔“

”ایک بات بتاؤ چاچا۔ کیا میری بیٹی نے اچھا کیا یا بُرا کیا؟“

”سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے بہت اچھا کیا۔“ رحیم نے کہا۔ ”ورنہ اس لڑکے کو کوئی لگام دینے والا ہی نہیں تھا۔ تیری بیٹی نے اس کی ساری بدمعاشی نکال دی۔“

”رحیم چاچا اس کام پر اس کو شاباش تو دو۔ کوئی تو ایسا ہے جس نے اس بدمعاش کو لگام دی ہے۔“ ماریہ کے باپ کا لہجہ فخریہ تھا۔

”پھر بھی ایسے کام لڑکیوں کے تو نہیں ہوتے۔“

”اگر لڑکے چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں تو پھر کون کرے، کون ان بدمعاشوں کو لگام دے۔“

شکایت کرنے والا چپ ہو کر رہ گیا۔

محلے میں اس قسم کے جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ ایک بار ماریہ کے باپ افضل کا جھگڑا محلے کے کچھ نوجوانوں سے ہو گیا۔ بات ذرا سی تھی لیکن بڑھتی چلی گئی۔ ان نوجوانوں نے افضل کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ محلے ہی کے کچھ لوگ افضل کو اٹھا کر گھر لے آئے تھے۔

اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر ماریہ کا خون کھول گیا تھا۔ افضل کو احساس ہو گیا تھا کہ اس کی بیٹی کو باپ کا اس طرح پٹنا اچھا نہیں لگا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ماریہ کا خون کھول رہا ہے اور وہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرے گی۔ اس نے ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دیکھ بیٹا، جو ہوا سو ہوا۔ اب تو کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں سے لڑنا شروع کر دے۔“

”ارے نہیں بابا وہ غنڈے ہیں، میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”وعدہ کر؟“

”ہاں بابا، وعدہ کرتی ہوں۔“ ماریہ نے کہا۔ وہ لوگ بہت غنڈے قسم کے ہیں۔ میں ایک لڑکی ہوں۔ میں ان کا کیا بگاڑ سکتی ہوں بس بابا، آئندہ سے ان لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ ان کے کسی کام میں دخل نہ دینا۔ وہ کچھ بھی کرتے رہیں۔“

ماریہ نے اپنی طرف سے اطمینان تو دلا دیا تھا لیکن اس کے سینے میں جو آگ بھڑک رہی تھی، وہ ٹھنڈی ہونے والی نہیں تھی۔ اس کا باپ دو تین دن آرام کرنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

ماریہ اپنے وعدے پر قائم رہی لیکن یہ وعدہ اس وقت تک برقرار رہا جب تک ان لڑکوں نے خود اس سے چھیڑ خانی نہیں کی۔ اس کی ماں نے اسے دوا لینے بازار کی طرف بھیجا تھا۔ وہیں بازار میں ان لڑکوں سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے ان لڑکوں سے کترا کر نکلنا چاہا تھا کہ ان میں سے دو اس کے سامنے آ گئے۔

”اوہو، ٹارزن کی بیٹی۔ ذرا ہمارے ساتھ بھی بیٹھ جایا کر۔ سنا ہے کہ تو بہت زبردست فائٹر ہے۔“

ماریہ کو اپنا وعدہ یاد تھا۔ اس نے ایک بار پھر راستہ بدلنا چاہا لیکن وہ پھر اس کے سامنے آ گئے۔ اس وقت علاقے کے کچھ لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ ماریہ اور ان لڑکوں کو دیکھ رہے تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان لڑکوں کو لگام دے سکتے۔ یہ چھ لڑکوں کا ایک گروپ تھا۔ جو اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتا تھا۔

ان میں سے ایک نے پھر کہا۔ ”ٹارزن کی بیٹی، کبھی کبھی ہماری طرف بھی دیکھ لیا کر۔“

”میرا دیکھنا تمہیں بہت مہنگا پڑ جائے گا۔“ ماریہ نے ایک بار پھر کترا کر جانا چاہا۔

ایک نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا پھر ایک بجلی سی چمک اٹھی۔ ماریہ نے اس کے چہرے پر گھونسا جڑ دیا تھا۔ اتنا زوردار گھونسا تھا کہ وہ منہ دبائے چیختا ہوا ایک طرف گر پڑا۔ اِدھر اُدھر دوسرے لڑکے ماریہ پر ٹوٹ پڑے۔ ماریہ اب وحشیوں کی طرح لڑ رہی تھی۔ اس نے سامان کا تھیلا ایک طرف ڈال دیا تھا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ اس نے ان پر گھونسوں اور ککس کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ وہ جنونیوں کی طرح

لڑ رہی تھی۔ اگرچہ وہ چار لڑکے تھے لیکن ماریہ نے ذرا سی دیر میں انہیں مار مار کر ڈھیر کر دیا تھا۔

محلے کے لوگ اس فائٹ کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

ان لڑکوں نے اسی میں عافیت سمجھی تھی کہ خود ہی وہاں سے نکل جائیں۔ ایک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ پھر ایک طرف سے تالیاں بجانے کی آواز آئی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط جسم والا شخص تھا۔ ماریہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ اس علاقے میں پہلی بار دکھائی دیا تھا۔

ماریہ نے اپنے شاپرز اٹھا لیے تھے۔ وہ شخص ماریہ کے پاس آ گیا۔ ”بیٹا میرا نام قاسم ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”تم کہاں رہتی ہو؟“

”کیوں؟“ ماریہ نے دریافت کیا۔

”تم نے ابھی جو فائٹ کی ہے، وہ اسٹریٹ فائٹنگ کا اعلیٰ نمونہ ہے لیکن اس میں نظم و ضبط نہیں ہے۔ تم غصے میں لڑ رہی تھیں جبکہ فائٹر کو اپنا دماغ پُرسکون رکھنا چاہیے۔ میں تم سے بہت متاثر ہوا ہوں۔“

”انکل آپ کون ہیں؟“ ماریہ نے پوچھا۔

”بیٹا میں انسٹرکٹر ہوں۔ باکسنگ کی کوچنگ کرتا ہوں۔ تم میں جو صلاحیتیں میں نے دیکھی ہیں، وہ کمال کی ہیں۔ تم مجھے اپنے گھر والوں سے ملواؤ۔ میں تمہیں باکسنگ سکھانا چاہتا ہوں۔ میرا انسٹی ٹیوٹ ہے۔ تم وہاں آ جاؤ اسی لیے میں تمہارے گھر کا پتا پوچھ رہا ہوں کہ تمہارے گارجین سے اس بارے میں بات کر سکوں۔“

”میرے بابا یہ نہیں مانیں گے۔“

”میں ان کو منا لوں گا۔“ اس نے کہا۔ ”تم میں ورلڈ کلاس باکسر بننے کی پوری صلاحیت دیکھ رہا ہوں۔ تم مجھے اپنے گھر لے چلو۔“

ماریہ نے کچھ سوچ کر اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اس آدمی کی گاڑی بھی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اپنی گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے ماریہ کی فائٹ دیکھنے رک گیا۔

ماریہ کے باپ افضل نے بہت حیرت سے اس آدمی کو دیکھا تھا۔ جب اس نے بتایا کہ اس نے ماریہ میں چھپی ہوئی صلاحیت دیکھ لی ہے اور وہ اسے ٹرین کرنا چاہتا ہے تو اس نے انکار میں گردن ہلا دی۔ ”ارے نہیں صاحب۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ہم کہاں ان چکروں میں پڑیں گے؟“

”دیکھیں اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ اپنی بیٹی پر ظلم کریں گے۔ کیا آپ کو یہ اچھا لگے گا کہ دو کوڑی کا کوئی غنڈا اس کو تنگ کر کے گھر واپس چلا جائے۔ نہیں اب لڑکیوں کو جاگنا ہوگا۔ انہیں سبق سکھانا ہوگا۔ ورنہ اس قسم کی حرکتیں بڑھتی جائیں گی۔ اپنا دفاع کرنا ہر لڑکی کا حق ہے اور آپ کی بیٹی تو اپنے ساتھ دوسری لڑکیوں کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کو اجازت دے دیں۔ یہ باکسنگ کی دنیا میں پاکستان کا نام روشن کرے گی۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن لوگ کیا کہیں گے؟“

”اسی بات نے ہم لوگوں کو کسی قابل نہیں رکھا ہے۔ ہم اگر اپنے حق اور سچائی کے لیے لڑنا بھی چاہیں تو یہ سوچ کر رک جاتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ یقین کریں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اگر آپ کی بیٹی کامیاب ہو گئی تو کامیابی سب کی زبان بند کر دیتی ہے۔ پھر مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایسوں پر فخر کیا جاتا ہے جنہوں نے گھرانے...... محلے اور ملک کا نام روشن کیا ہو۔ آپ اپنی بیٹی کو میرے ادارے میں لے کر آ جائیں۔ اس کے سارے اخراجات میں اٹھانے کو تیار ہوں۔“

”آپ کی باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔“ افضل نے کہا۔ ”لیکن ہماری برادری میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ڈر تو یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔“

”لوگ تو باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ یاد رکھیں کامیابی کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ناکامی پر انگلیاں اٹھتی ہیں اور کامیابی پر فخر کیا جاتا ہے کہ فلاں کا تعلق ہماری برادری سے ہے۔ یا فلاں ہمارے خاندان کی لڑکی ہے۔ اس کی تعریف میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور وہی لوگ سب سے زیادہ تعریفیں کرتے ہیں جو پہلے سو سو کیڑے نکال رہے تھے۔ اسی لیے اس کی پروا نہ کریں۔ آپ نے جس انداز سے اپنی بیٹی کی پرورش کی ہے، اس انداز کو پروان چڑھائیں۔ اس بچی کو ملک اور قوم کا سرمایہ بننے دیں۔“

کچھ سوچ کے افضل نے ہامی بھر لی تھی۔

دو چار... دنوں کے بعد ماریہ کی ٹریننگ شروع ہو گئی۔ خود قاسم ہی اسے ٹریننگ دے رہا تھا۔ اس نے ماریہ کو باکسنگ کے ابتدائی اصول بتائے۔

”دیکھو بیٹی۔ سب سے پہلی بات ہے باڈی لینگویج۔ تمہاری باڈی لینگویج خود اعتمادی کی ہونی چاہیے۔ ایسا محسوس نہ ہو کہ تم مخالف کو دیکھ کر نروس ہو رہی ہو۔ پوری خود اعتمادی ہونی چاہیے۔ تم جب رِنگ میں آؤ۔ تو یہ سوچ کر آؤ کہ تمہیں رِنگ سے جیت کر جانا ہے اور پورے اعتماد کے ساتھ فائٹ کرو سمجھیں۔“

”یس سر، سمجھ گئی۔ مجھے کسی سے مرعوب نہیں ہونا ہے۔“

”شاباش، اگر تم نے یہ انداز برقرار رکھا تو سمجھو کہ آدھی

جنگ جیت گئیں۔"

دوسرے دن سے ماریہ نے پنچنگ بیگ کے ساتھ اپنی تربیت شروع کر دی۔

پہلے سست۔ پھر تیز اور تیز۔ قاسم سامنے بیٹھا اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ لڑکی پیدائشی باکسر ہے۔ قدرت نے اس کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اس کو ملک کا نام روشن کرنا ہے۔

اس کے بعد ماریہ کا دوسرا سبق شروع ہوا۔

یہ سبق سیلف ڈیفنس کا تھا۔ مخالف کے وار سے اپنے آپ کو بچانا۔

"بیٹا کامیاب باکسر وہی نہیں ہوتا جو بڑھ چڑھ کر حملے کرتا ہے بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو ڈیفنس کے طریقے بھی آتے ہوں جو مخالف کے اسٹائل کو بھانپ کر خود کو بچانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔"

اس کے بعد اس نے ماریہ کو ڈیفنس کے طریقے بتائے۔ ماریہ ان تمام تکنیک کی پریکٹس کرتی رہی۔

بہت اچھی تربیت ہو رہی تھی اس کی۔ قاسم کو اس سے بہت امیدیں تھیں۔ اس کو اندازہ تھا کہ اگلے برس بینکاک میں ہونے والے ایشین باکسنگ چیمپئن شپ میں ماریہ کی کارکردگی شاندار ہوگی۔

ماریہ کی برادری والوں کو جب معلوم ہوا کہ برادری کی ایک لڑکی نے باقاعدہ باکسنگ سیکھنی شروع کر دی ہے تو سب اس کے گھر جمع ہو گئے۔ سب ہی کو اعتراض تھا۔

"افضل، یہ تم نے کیا کر دیا۔ کیا بنانا چاہتے ہو اپنی بیٹی کو؟"

"پاکستان کی ایک بہادر بیٹی۔" افضل نے جواب دیا۔

"تم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کے مزاج میں شروع ہی سے بغاوت تھی۔ وہ لڑنا جانتی تھی۔ قدرت نے اس کے پیدا ہوتے ہی یہ ہنر اس کو دے دیا تھا۔ ہم سب اس کی طرف سے پریشان تھے۔ سوچتے رہتے تھے کہ اس لڑکی کا کیا ہوگا۔ کون اس سے شادی کرے گا۔ کون رشتہ لے کر آئے گا۔ لیکن پھر قاسم صاحب مل گئے انہوں نے ماریہ کے مزاج کو سمجھ کر ایک وہ دے دیا کیا کہتے ہیں اس کو ڈسپلن۔ اب وہ گلیوں اور محلوں میں نہیں لڑتی۔ اب اس نے اپنا ایک مقصد بنا لیا ہے۔ اسی لیے رات دن کی محنت کر رہی ہے۔ ٹریننگ کر رہی ہے۔ تم لوگ خود سوچو۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتی ہے تو کیا یہ برادری والوں کے لیے خوشی کی بات نہیں ہوگی کہ ان کی برادری کی ایک لڑکی نے اپنے ملک کا نام روشن کیا ہے۔"

افضل کی ان دلیلوں کے باوجود برادری والوں کی ناراضگی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ بک بک کرتے ہوئے چلے گئے تھے۔

اسی رات افضل کی بیوی ماریہ کی ماں نے بھی افضل کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے تو میں بھی ماریہ کے اس شوق کے خلاف تھی لیکن جب سے وہ محلے کی لڑکیوں کی محافظ بنی ہے، میں اس کے حق میں ہو گئی ہوں۔ اب کسی کی مجال نہیں ہے کہ محلے کی کسی لڑکی کے ساتھ بدتمیزی کر سکے۔"

"یہی تو بات ہے۔" افضل بھی خوش ہو گیا تھا۔ "اب اس میں خدا کی طرف سے دی گئی ایسی صلاحیت ہے تو ہم کیسے روک سکتے ہیں؟"

"مجھے تو بس ایک ہی ڈر ہے کہ بڑی ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے رشتے کا کیا ہوگا؟"

افضل کو قاسم کی بات یاد آ گئی جس نے کہا تھا کہ کامیابی خود ہی راہیں کھول دیتی ہے۔ کامیاب ہونے کے بعد لوگ اسی پر فخر کرتے ہیں جس کو کل تک برا بھلا کہتے تھے۔ دوسری طرف ماریہ کی سخت ٹریننگ جاری تھی۔

قاسم ٹریننگ حاصل کرنے والی لڑکیوں کو باکسنگ کے رموز پر لیکچر بھی دیا کرتا۔ اس نے ایک دن بتایا۔

"دیکھو لڑکیو! ٹیکنیکلی طور پر باکسرز کی تین قسمیں ہوا کرتی ہیں۔"

"باکسر تو ایک ہی جیسا ہوتا ہے سر۔" ماریہ نے کہا۔

"نہیں، ان کے تین اسٹائل ہوتے ہیں۔ اس کو باکسنگ کا اسکول آف تھاٹ سمجھ لو! ایک ہوتے ہیں۔ swarmer۔ اس کیٹیگری میں ہنری آرم اسٹرونگ اور فلائڈ پیٹرسن آتے ہیں۔ دوسرے ہوتے ہیں۔ out boxer۔ یہ مخالف کے درمیان فاصلہ رکھتے ہیں۔ جیسے محمد علی اور لیری ہومز۔ اس کے علاوہ ایک ہوتے ہیں۔ slagger۔ یہ بے رحمانہ اور جارحانہ باکسنگ ہوتی ہے۔ بہت تیز۔ میں تم لوگوں کو اسی اسٹائل پر ٹرین کر رہا ہوں۔"

"وہ کیوں سر؟"

"وہ اس لیے کہ ہمیں کسی گنتی میں نہیں لایا جاتا۔ کبھی کبھی پوائنٹس دینے میں بھی بے ایمانی کی جاتی ہے۔ تو جب تم اپنے کسی مخالف کو ناک آؤٹ کر کے رنگ میں نہ لٹا دو۔ جب تک کسی کو تمہاری فتح نظر نہیں آئے گی۔"

قاسم کی بات سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ان لڑکیوں نے اپنی ٹریننگ اور سخت کر دی تھی۔

ایک بار ایشین گیمز کے سلیکٹر ان لڑکیوں کو دیکھنے کے

لیے آئے۔ انہیں ماریہ کا اسٹائل بہت پسند آیا تھا۔

انہوں نے کہا۔ ”قاسم صاحب اس لڑکی کا upright stance اور uppercut بہت شان دار ہے۔“

”جی جناب۔ مجھے اس پر فخر ہے۔“ قاسم نے کہا۔

”مجھے امید ہے کہ یہ لڑکی بینکاک میں ہونے والے مقابلوں میں گولڈ میڈل لے کر آئے گی۔“

ایک شام ٹریننگ سینٹر سے واپسی میں ماریہ کو امجد کھڑا ہوا مل گیا۔ وہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں مل کر احمقانہ قسم کے کھیل کھیلا کرتے تھے۔ امجد کئی مہینوں سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اب وہ دونوں بچپن کی حد سے نکل کر جوانی کی سرحد میں قدم رکھ چکے تھے۔ جب جذبے بھی جوان ہونے لگتے ہیں اور ایک سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ماریہ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”ارے تم کب آئے؟“

”کل ہی آیا ہوں۔ پانچ برس کے بعد۔“ امجد نے کہا۔

”تو پھر تم گھر کیوں نہیں گئے۔ اماں بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گی۔“

”نہیں بھائی، اب مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”وہ کیوں؟“

”نہ جانے تم کب ناراض ہو کر ایک دو گھونسے مار دو۔ اپنا تو کام ہو جائے گا۔“

ماریہ ہنس پڑی۔ اس نے امجد کا بازو تھام لیا۔ ”اب آؤ، اندر آؤ۔“

وہ امجد کو کھینچتے ہوئے اندر لے آئی۔ ”اماں، یہ دیکھو کون آیا ہے؟“

ماریہ کی ماں نے بھی امجد کا استقبال کیا تھا۔

امجد اور ماریہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ دونوں نے پرانے دوستوں کے بارے میں بتایا۔ کون کیا کر رہا ہے۔ کون کہاں ہے۔ امجد شہر میں ایم بی اے کر رہا تھا۔ ماریہ نے اپنی کامیابیاں بتائیں۔

”تم بتاؤ۔ کیا تم نے بھی مجھے یاد کیا تھا؟“ امجد نے پوچھا۔

”دیکھو امجد۔ میں نے جس انداز کی زندگی گزاری ہے اس میں اس قسم کے جذبوں کی گنجائش تو نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود میں تمہیں یاد کرتی رہی ہوں۔“

”اور میں بھی تمہیں بہت مس کرتا رہا ہوں۔“

”اب تم میرے سینٹر آیا کرو گے۔“ ماریہ نے کہا۔ ”تم دیکھنا کہ میری ٹریننگ کیا ہوتی ہے؟“

”ہاں، میں نے تمہارے بارے میں پڑھا ہے۔ تمہارے کوچز کو تم سے بہت امیدیں ہیں۔“

”میں اگلے ہفتے بینکاک جا رہی ہوں۔ یہ میری زندگی کا پہلا سفر ہوگا۔ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔“

”پاگل ہو گئی ہو۔ میں کیسے جا سکتا ہوں۔ میں ٹی وی پر تمہارے مقابلے دیکھ کر دعائیں کیا کروں گا۔“

بینکاک جانے کے لیے ٹیم کا اعلان ہو گیا۔ ماریہ کو لڑکیوں کی ٹیم کا کپتان بنا دیا گیا تھا۔ اس دن قاسم بہت خوش تھا۔

ماریہ نے اس کے پاس جا کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ ”سر جو کچھ بھی ہوا ہے، وہ آپ ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر آپ میری سرپرستی نہیں کرتے تو میں اسی طرح گلیوں اور سڑکوں پر فائٹ ہی کرتی رہتی۔“

”قدرت کی ایک پلاننگ ہوتی ہے بیٹی۔ کیا ضروری تھا کہ اس وقت میں بھی اس طرف سے گزرتا اور تمہیں لڑتے ہوئے دیکھتا۔ قدرت کی منشا یہی تھی کہ وہ مجھے اس جگہ لے جائے جہاں تم تھیں اور میں دیکھ لوں۔ اب میری دعائیں تمہارے اور پوری ٹیم کے ساتھ ہیں۔ جاؤ اللہ نگہبان ہو۔“

ائرپورٹ پر ماریہ کے گھر والوں اور برادری والوں کے ساتھ امجد بھی ایک بوکے لیے کھڑا تھا۔ ماریہ کے برادری والے اسے رخصت کرنے آئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ ماریہ کی ٹیم کو ہوٹل سے ائرپورٹ جانا تھا۔

چھ لڑکیاں تھیں۔ جو مختلف کیٹیگری کی فائٹ میں حصہ لے رہی تھیں۔

بس اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہوئی۔ اس نے تھوڑا ہی سفر کیا ہوگا کہ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اس بس کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک طاقتور بم اس کے نیچے نصب کیا گیا تھا۔ سب ہی ہلاک ہو گئے تھے۔

دوسرے دن ایک تنظیم کی طرف سے اعلان ہوا کہ یہ کارروائی اس کی تھی۔ کیونکہ یہ لڑکیاں مرد تماشائیوں کے درمیان اپنا ہنر دکھانے جا رہی تھیں۔

اس محلے میں اب بھی لڑکیوں کو چھیڑا جاتا ہے لیکن ماریہ جیسی اب کوئی نہیں ہے جو آگے بڑھ کر ان غنڈوں سے جھگڑا کر سکے۔



رضاکار مقتول

وسیم بن اشرف

وقت و حالات کے پنڈولم میں ہر شخص کو جھولنا پڑتا ہے... کچھ اسی طرح کے حالات و واقعات سے گزرتی کہانی... ان دونوں کو ایک دوسرے سے بے حد محبت تھی مگر غلط فہمی کی لمبی خلش دونوں کے درمیان بڑھتی جارہی تھی... چالاکی و عیاری سے کی گئی شاندار منصوبہ بندی کی پُرتجسس کارروائی...

دوسری جنگ عظیم کے زمانے کا ایک قصہ......

''منصوبہ بے داغ ہونا چاہیے۔''

''کوشش پوری کی ہے۔''

''وہاٹ نان سینس؟ کوشش؟ یہ لفظ استعمال کرنے والوں کا حشر تمہیں بخوبی معلوم ہے، صرف یس یا پھر نو۔''

''اوہ سوری! ایس آل اِز او کے۔''

''تم نے کوئی کمی، کوتاہی، غفلت، بھول یا کوئی ایسا نکتہ یا سراغ تو نہیں چھوڑا کہ شک ہم پر جائے؟''

''ایسا بظاہر کچھ نہیں ہے، ایک دفعہ میرا پورا پلان سن اور سمجھ لو، جہاں محسوس کرو کہ جھول ہے وہاں مجھے گائیڈ کرو، ساتھی ہونے کے ناتے اتنا تو کر ہی سکتے ہو؟''

''ہاں کیوں نہیں؟ لیکن یہ بات ذہن نشین کرلو ہم دونوں میں سے کسی ایک پر شبہ یا پکڑے جانا ہم دونوں کی موت اور منصوبہ سازوں کے لیے بڑا دھچکا ہوگا۔''

''سو فیصد امید ہے ایسا نہیں ہوگا۔ تم میرا پلان تو سنو پھر اپنی رائے دینا۔''

وہ ایک ویران عمارت کے تہ خانہ میں بیٹھے تھے۔ انتہائی

محتاط تھے، صرف شمع جلا رکھی تھی، دونوں نے کچھ کاغذات میز پر پھیلائے اور پھر دھیمے لہجے میں گفتگو کرنے لگے۔

"او کے سب ٹھیک ہے، ہمیں اپنے راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنا ہے اور قیادت کے سامنے سرخرو ہونا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میرا کردار ایسا ہوگا کہ کسی کو شائبہ تک بھی نہیں ہوگا۔"

"تمہاری بقا، بھلائی اور اجتماعی مفاد اسی میں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر کب پلان پر کام شروع کروں؟"

"کل سے ہی کمربستہ ہو جاؤ، تاخیر کسی نئی مصیبت کو جنم نہ دے دے۔"

دونوں نے ایک بار پھر پلان پر پوری حاضر دماغی سے غور و خوض کیا اور جب مطمئن ہو گئے، تو شمع کی ٹمٹماتی لو میں ان کے سرخ و سفید چہروں پر نظر آنے والا تناؤ قدرے کم ہو گیا۔

"تو چلا جائے پھر؟"

"ہاں نکلتے ہیں۔"

دونوں ایک ایک کر کے نکلے، خفیہ راستوں سے ہوتے سڑک پر آ گئے اور پیدل ہی مخالف سمتوں میں چل دیے۔

☆☆☆

کالگن نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا ہی تھا کہ اس کے نائب، میک آلیور نے منہ بنا کر کہا۔ "لیجیے آ گئی مصیبت۔"

کالگن نے گھوم کر دیکھا۔ دروازے میں ایک دراز قد عورت کھڑی تھی۔ اس کے قیمتی لباس اور انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھے گھرانے کی تعلیم یافتہ عورت ہے، تاہم قدرے پریشان نظر آ رہی تھی۔ ان دونوں کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی اور نپے تلے قدم اٹھاتی میز کے قریب آ گئی۔

"مسٹر کالگن، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں...... مجھے آپ کے دفتر جانا چاہیے تھا، لیکن اس خوف سے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہے، میں وہاں نہیں گئی۔ مجھے معلوم تھا آپ یہاں موجود ہوں گے......"

کالگن نے اس کی کانپتی ہوئی آواز سے اندازہ لگایا، وہ بہت دہشت زدہ ہے اور بمشکل اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے ہے۔

"بیٹھ جائیے، مادام۔" کالگن نے تیسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میک آلیور گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں چلتا ہوں، دفتر میں بیٹھوں گا۔" اس نے عورت کو گھور کر دیکھا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

کالگن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا شریک کار ہے، اپنی شادی کے مسئلے پر بات کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی آمد نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔"

"مسٹر کالگن، میرا کام انتہائی اہم ہے اور چونکہ آپ کی شہرت سے آگاہ ہوں، اس لیے اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے سیدھی آپ کے پاس چلی آئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔"

کالگن نے نیا سگریٹ سلگایا۔ "تفصیل سے بتائیے مادام۔"

عورت نے چند لمحے سوچنے کے بعد رُندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا نام مسز زیروس ہے۔ گزشتہ سال سیاحت کے دوران میں میری ملاقات ایک غیر ملکی شخص سے ہوئی، تعلقات بڑھے اور میں نے اس سے شادی کر لی۔ بڑی محبت ہے مجھے اُس سے۔"

"معلوم ہوتا ہے اس نے آپ سے بے وفائی کی اور اب کسی اور عورت کے تعاقب میں ہے؟" کالگن نے لقمہ دیا۔

"کاش! ایسا ہوتا۔ میں اپنے شوہر کی بے وفائی برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ معاملہ تو بے وفائی سے زیادہ المناک ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا شوہر جاسوس ہے اور ہمارے ملک کے فوجی راز حاصل کر کے جرمنوں کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے۔"

کالگن نے ہاتھ سے پیالی رکھ دی۔ اس کی بھویں تن گئیں۔ "معاملہ دلچسپ ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا۔

"یقین کیجیے، میرا آرام اور چین برباد ہو گیا ہے۔" عورت نے روتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، کہاں جاؤں، کس سے ذکر کروں۔ چند ماہ پیشتر میری ایک سہیلی نے آپ کے چند کارنامے سنائے تھے اس لیے چلی آئی۔ میں آپ کو منہ مانگی فیس ادا کروں گی۔ خدارا مجھے اس عذاب سے نجات دلائیے۔" اس کی خوبصورت نیلی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ کالگن کو متاثر ہونے میں دیر نہ لگی۔

"مادام، اگر آپ چاہتی ہیں کہ مفید نتائج برآمد ہوں، تو سب کچھ سچ سچ بتا دیجیے۔"

"میں کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی۔" مسز زیروس نے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے چھ ماہ پیشتر احساس ہوا کہ میرے شوہر کا رویّہ پُراسرار اور ناقابلِ فہم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ خاموش رہتا ہے جیسے کسی ذہنی اذیت یا غم میں مبتلا ہے۔ میں نے کئی بار اس سے اس کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہر بار ٹال جاتا۔ صبح ناشتا کرتے ہی گھر سے نکلتا اور رات گئے لوٹتا۔ کبھی کبھی آدھی

رات کو بستر سے اٹھ کر چپکے سے باہر چلا جاتا۔ ہٹلر کے اعلانِ جنگ سے چند ہفتے پہلے ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ مجھے سویا ہوا سمجھ کر گھر سے نکلا، لیکن کھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میرا شوہر کہاں جاتا ہے، اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر یا پیچھے دیکھے بغیر جا رہا تھا۔ آخرکار ویسٹ اینڈ کے ایک چھوٹے سے کلب میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دروازے سے لگ کر دیکھا، وہ ایک دوسرے شخص سے رازدارانہ باتیں کر رہا تھا۔ میں دوسرے آدمی کو پہچانتی تھی۔ وہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ملازم تھا۔ ان دونوں کو یوں ملتے دیکھ کر فوراً یہ خیال آیا کہ میرا شوہر جاسوس ہے۔ نہ جانے وہ کب تک وہاں رہا، میں الٹے پاؤں گھر واپس آ گئی، لیکن مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ میرے دل و دماغ پر دہشت طاری تھی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کروں۔ میں نے اپنے شوہر سے کچھ نہ کہا۔ مگر چپکے چپکے اس کی پُراسرار حرکتوں اور آمد و رفت پر نگاہ رکھنے لگی۔ اس دوران میں مجھے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ اگر پولیس کو جا کر بتا دیتی تو میرا شوہر یقیناً جیل میں ہوتا، لیکن اس محبت کے باعث جو مجھے اپنے شوہر سے ہے، میں نے پولیس کی مدد حاصل نہیں کی مگر اب معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔''

مسز زیروس ویران نظروں سے چھت کی طرف تکنے لگی۔ کالکن خاموشی سے سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

''آپ کو یاد ہوگا مسٹر کالکن، گزشتہ ہفتے اخباروں میں یہ سنسنی خیز خبر شائع ہوئی تھی کہ ریجنٹ پارک میں کھڑی ہوئی ایک کار میں سے چند اہم ترین سرکاری کاغذ چرا لیے گئے ہیں۔ ان کا تعلق برطانیہ کی خفیہ سروس سے تھا۔ چوری کا سراغ لگانے میں پولیس ناکام رہی ہے، لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ پرسوں رات میں نے یہ تمام کاغذات اپنے گھر میں دیکھے۔ میرے شوہر نے اپنے کمرے میں کتابوں کی الماری کے پیچھے چرمی تھیلے میں انہیں بند کر رکھا تھا۔''

''پھر آپ نے کیا کیا؟'' کالکن نے پوچھا۔

''کاغذات کو دیکھتے ہی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ شام کو جب میرا شوہر گھر آیا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کاغذات کہاں سے آئے اور ویسٹ اینڈ کلب میں آدھی رات وہ کس سے ملنے جاتا ہے؟ میری باتیں سن کر اس کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے حسبِ معمول مجھے بہکانے کی کوشش کی مگر میں نے سختی سے کہا ''دیکھو، تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ، بے شک مجھے تم سے محبت ہے، لیکن وطن تم سے بھی پیارا ہے۔ اگر تم سچ سچ نہ بتاؤ گے تو بخدا ابھی اسکاٹ لینڈ یارڈ کو فون کر دوں گی۔'' وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور میرے پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ ذرا صبر کرو، میں سب کچھ بتا دوں گا۔ تم نہیں جانتیں میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بس اتنا کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صبح بیدار ہوئی، تو وہ گھر میں نہ تھا۔ میں نے فوراً اس کے کمرے کی تلاشی لی، تھیلا غائب تھا۔ وہ اس روز گھر نہ آیا، البتہ شام کی ڈاک میں اس کے قلم سے لکھا ہوا ایک خط ملا۔''

مسز زیروس نے اپنا پرس کھول کر کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ نکالا اور کالکن کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر لکھا تھا۔

''تم نے دھمکی دی ہے کہ پولیس کو سب کچھ بتا دو گی۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اگر تم نے پولیس کو مطلع کیا تو میں وہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا جس سے تم آگاہ ہو۔''

کالکن نے پرزہ تہ کر کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور کہا۔ ''اس میں لکھا ہے۔ میں وہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا جس سے تم آگاہ ہو۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟''

''اس کی مراد خودکشی سے ہے۔'' مسز زیروس روتے ہوئے بولی ... ''مجھے یقین ہے وہ اپنے آپ کو ختم کر دے گا۔ آج صبح گھر سے نکلی تو محسوس ہوا کہ وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔ شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا میں پولیس اسٹیشن جاتی ہوں یا نہیں۔ یکایک خیال آیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اپنے شوہر کا پیچھا کر کے پتا کرنا چاہیے کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ چنانچہ موقع پا کر میں ایک دکان میں گھسی اور پچھلے دروازے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ بعد میں یہ ٹیکسی اس دکان کے صدر دروازے کے سامنے دوسری طرف فٹ پاتھ پر رکوالی۔ میرا شوہر کچھ فاصلے پر ایک کھمبے کے ساتھ کھڑا میرے باہر آنے کا منتظر تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہ دکان کے اندر داخل ہوا لیکن فوراً باہر آ گیا۔ اس کے مضطرب چہرے سے میں نے اندازہ کیا کہ مجھے وہاں نہ پا کر ہراساں ہے۔ اس نے ٹیکسی پکڑی، میں اپنی ٹیکسی میں اس کے پیچھے پیچھے گئی...... سینٹ جان وڈ کے علاقے میں ایک خالی اور الگ تھلگ مکان کے پاس اس نے ٹیکسی رکوائی اور دروازے پر لگا ہوا قفل کھول کر اندر چلا گیا۔''

''خوب! بہت خوب۔'' کالکن نے مسکرا کر کہا۔ ''داستان نہایت دلچسپ ہے مسز زیروس لیکن یہ تو بتایئے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''میں چاہتی ہوں آپ سینٹ جان وڈ کے اس مکان میں جائیں۔ مجھے امید ہے وہ اہم سرکاری کاغذات اسی مکان میں کہیں چھپائے گئے ہیں۔ آپ انہیں وہاں سے حاصل کر کے

حکومت کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد آپ میرے شوہر سے تمام حالات دریافت کر کے اسے غیر ملکی جاسوسوں کے پنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کریں۔"

مسز زیروس نے پرس کھول کر ایک لفافہ نکالا اور کہنے لگی۔ "اس میں دو سو پچاس پونڈ کے کرنسی نوٹ ہیں۔ یہ آپ کی پیشگی فیس ہے، اور یہ ہے وہ کاغذ جس پر سینٹ جان وڈ کے مکان کا پتا لکھا ہوا ہے۔" کالگن کی طرف ۔۔۔ وہ خاموشی سے دیکھنے لگی۔

کالگن نے لفافہ جیب میں رکھا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ۔ "فکر نہ کیجیے مادام، میری خدمات حاضر ہیں۔"

☆☆☆

شام کے سات بجے کالگن اپنے دفتر میں داخل ہوا۔ بلیک آؤٹ اور کہر کے باعث اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے کوٹ اتار کر ایک طرف پھینکا، ہیٹ کھونٹی پر لٹکایا اور عادت کے مطابق دونوں ٹانگیں میز پر پھیلا کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کی سیکریٹری کمرے میں داخل ہوئی۔

"ایک شخص آپ سے ملنے آیا ہے۔ اپنا نام زیروس بتاتا ہے اور بضد ہے کہ اسی وقت ملنا ہے۔"

کالگن نے میز سے ٹانگیں ہٹا لیں اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اسے آنے دو۔"

چند منٹ بعد زیروس داخل ہوا اور کالگن کی میز کے قریب آ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ وہ پست قامت آدمی تھا۔ پھولے ہوئے چہرے پر موٹے شیشوں کی عینک لگی تھی جس کے پیچھے نیلے رنگ کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں متحرک تھیں۔ جسم کے مقابلے میں اس کا سر خاصا بڑا اور وزنی تھا۔ کالگن اسے ایک نظر دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا۔

"فرمائیے مسٹر زیروس، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

زیروس نے دانت پیس کر کہا "مسٹر کالگن، آج میری بیوی آپ سے ملنے آئی تھی اس نے آپ سے کیا کہا؟ کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"میں پرائیویٹ سراغرساں ہوں۔"

"میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ میری بیوی کو اتنا سمجھا دیں کہ وہ اپنی سرگرمیوں سے باز آ جائے، ورنہ جو کہہ چکا ہوں، اس پر عمل کروں گا۔ سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" کالگن نے جواب دیا۔ "اور کچھ۔"

"بس۔" زیروس نے کہا۔ "اور یہ کہ تم سراغرساں کے بجائے نرے اُلّو نظر آتے ہو۔"

وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ کالگن بولا "تم نے ٹھیک کہا مسٹر زیروس، میں احمق ہوں لیکن تم مجھ سے بھی بڑے احمق ہو۔" اس نے قہقہہ لگا کر گھنٹی بجائی۔ سیکریٹری کمرے میں داخل ہوئی۔

"للی۔" اس شریف آدمی کو باہر جانے کا راستہ دکھاؤ، بیچارہ اتنے موٹے شیشوں کی عینک لگائے ہوئے ہے کہ اس بلیک آؤٹ میں کہیں لڑھک گیا تو ہڈی پسلی برابر ہو جائے گی بلکہ بہتر یہ ہے کہ فون کر کے کوئی ٹیکسی منگوا لو۔"

"شکریہ۔" زیروس نے جھلا کر کہا۔ "باہر ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے۔"

اس کے جاتے ہی کالگن نے ڈیسک ٹیلی فون پر اپنے نائب، میک آلیور سے کہا۔

"میک، ایک شخص ابھی ابھی میرے کمرے سے باہر گیا ہے، اس نے اوورکوٹ پہن رکھا ہے۔ گلے میں سرخ رومال اور آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک ہے۔ باہر ایک ٹیکسی اس کے انتظار میں ہے، ذرا دوڑ کر اس کا نمبر تو نوٹ کر لو۔"

تین منٹ بعد میک آلیور کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ "جناب، باہر کوئی ٹیکسی نہیں تھی۔ وہ شخص یہاں سے نکل کر سڑک پر پیدل ہی جا رہا تھا کہ میرے دیکھتے دیکھتے مخالف جانب سے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور وہ اس میں بیٹھ کر چلا گیا۔ ٹیکسی خاصے فاصلے پر تھی۔ بلیک آؤٹ ہونے کے باعث میں اس کا نمبر نوٹ نہ کر سکا۔"

کالگن نے سر ہلایا۔ "اچھا، تو وہاں ٹیکسی موجود نہ تھی اور دوسری سمت سے بعد میں ٹیکسی پہنچی۔ خوب! لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ٹیکسی ہی تھی؟"

میک آلیور، صاحب کی بے وقوفی پر ہنسا۔ "جناب اس کے اوپر لفظ "ٹیکسی۔" روشن حروف میں چمک رہا تھا اور جب وہ شخص گاڑی میں بیٹھ گیا، تو ٹیکسی ڈرائیور نے لفظ "ٹیکسی" کے روشن حروف بجھا دیے۔"

"اچھا، تم دفان ہو جاؤ۔" اس نے سگریٹ سلگا کر پیر دوبارہ میز پر رکھ لیے اور دھوئیں کے چھلے بنانے لگا۔ یکا یک اس نے اپنی نوٹ بک جیب سے نکالی، مسز زیروس کا فون نمبر تلاش کیا اور ڈائل گھمانے لگا۔ دوسری جانب گھنٹی بج رہی تھی لیکن کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ اس نے بار بار ڈائل کیا اور پندرہ منٹ بعد جا کر کہیں کامیابی ہوئی۔

"مسز زیروس، آپ کا خاوند تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھے اور آپ کو مشورہ دیا ہے کہ ہم اپنے کام سے کام رکھیں اور اس کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ آپ کا خیال صحیح ہے کہ جب آپ صبح میرے پاس آئیں، وہ

آپ کا تعاقب کر رہا تھا۔"

"پھر کیا سوچا آپ نے؟ میں تو صبح سے سخت پریشان ہوں اور مارے خوف کے گھر سے بھی نہیں نکلی۔"

"آپ کی پریشانی بجا ہے، ویسے میں سوچ رہا ہوں اب ہمیں حرکت میں آجانا چاہیے۔ آپ کا شوہر خاصا "سخت" آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ یقیناً فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے، بہرحال میں چند منٹ کے اندر اندر آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں، پھر ہم دونوں سینٹ جان وڈ کے پُراسرار مکان میں چلیں گے۔"

"بہت بہتر، میں آپ کی منتظر ہوں۔"

کالکن نے فون بند کر کے میک آلیور کو بلایا، اسے چند ہدایات دیں اور سیٹی بجاتا ہوا دفتر سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

آٹھ بجے کالکن نے اپنی کار سینٹ جان وڈ کے علاقے میں لے جا کر روک دی۔ ہر طرف دہشت ناک سناٹا اور گھپ اندھیرا تھا۔

"مسز زیروس، میرا خیال ہے وہ سامنے والا مکان ہے جس کی سفید چھت نظر آ رہی ہے۔ جاسوسوں کے لیے ایسا ماحول اور موسم بڑا مفید ہوتا ہے۔"

"آہ! مسٹر کالکن، ایسا نہ کہیے، میرا دل دھڑک رہا ہے۔" مسز زیروس نے کانپتی آواز میں کہا۔ اس نے کار سے نکل کر کالکن کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مکان کے گرد ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کالکن اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا اور درختوں کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے چھوٹی سی ٹارچ روشن کی اور جیب سے چند اوزار نکال کر قفل کھولنے کی کوشش کی۔ مسز زیروس سہمی ہوئی نظروں سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ دو منٹ بعد قفل جھٹکے سے کھل گیا۔

"آیئے مسز زیروس۔" کالکن نے مدھم آواز میں کہا۔

انہوں نے اپنے آپ کو ایک ہال کمرے میں پایا، سجے ہوئے فرنیچر پر گرد کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ ہال کے دوسرے سرے پر ایک اور کھلا دروازہ ٹارچ کی روشنی میں نظر آیا۔ کالکن دبے پاؤں اس طرف بڑھا اور دروازے میں سے جھانکا، پھر اندر داخل ہو کر جلدی سے کھڑکیوں پر پردے کھینچ دیے اور بجلی کا بٹن دبا دیا۔ اس کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"مسز زیروس، یہاں آیئے۔" اس نے آہستہ سے آواز دی۔ عورت ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوئی، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بے اختیار رونے لگی۔

آتش دان کے سامنے قالین پر خون میں نہائی ہوئی زیروس کی لاش پڑی تھی۔ اس کی بائیں کنپٹی میں خاصا بڑا سوراخ تھا۔ گولی دوسری جانب سے نکل گئی تھی۔ زیروس کے دائیں ہاتھ میں پستول ابھی تک موجود تھا۔ کالکن نے مسز زیروس کی طرف دیکھا اور افسوس کے کلمات کہے۔

"اُف خدایا! آخر اس نے خودکشی کر ہی لی۔" عورت نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"آپ فکر نہ کیجیے مسز زیروس' نہایت سکون سے اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔ مجھے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ کاغذات یہیں کہیں تو نہیں۔" وہ تیزی سے کمرے کا سامان الٹنے پلٹنے لگا۔ ایک گوشے میں پڑے ہوئے پلنگ کا گدا اٹھاتے ہی چرمی تھیلا نظر آیا۔ اس میں کاغذات موجود تھے۔

"کاغذات تو مل گئے۔" کالکن نے کہا "سوال یہ ہے کہ ان کا کیا کیا جائے؟"

"آپ یہ کاغذات گورنمنٹ کے حوالے کر کے اسے تمام واقعات سے آگاہ کر دیجیے۔" مسز زیروس نے مشورہ دیا۔

کالکن نے آتش دان کے قریب کھڑے ہو کر سگریٹ سلگایا اور معنی خیز انداز میں لاش کی طرف تکنے لگا۔ چند لمحے بعد بیرونی ہال کی طرف سے قدموں کی آواز آئی۔ میک آلیور کمرے میں داخل ہوا۔ کالکن نے پوچھا۔

"اُسے پکڑ لیا گیا۔"

"جی ہاں، پولیس والے اسے اسکاٹ لینڈ یارڈ لے گئے ہیں۔" مسز زیروس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میں سمجھی نہیں مسٹر کالکن، کون پکڑا گیا؟"

کالکن نے ہنستے ہوئے کہا "مسز زیروس، تم خوب جانتی ہو کون پکڑا گیا ہوگا۔ میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ آج تک تم جیسی باکمال ایکٹریس میری نظروں سے نہیں گزری۔ تم نے نہایت چالاکی سے اصل واقعات کو الٹ کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کی، مگر مات کھا گئیں۔ یہ تمہارا بدنصیب خاوند جو مرا پڑا ہے، جاسوس نہیں ہے بلکہ جاسوس تم اور تمہارا وہ غیر ملکی دوست ہے جسے پولیس پکڑ کر لے جا چکی ہے۔ تم دونوں نے کاغذات چرائے اور اتفاق سے تمہارے شوہر کو ان کا پتا چل گیا۔ اس نے تمہیں سمجھایا کہ یہ کاغذات فوراً گورنمنٹ کو واپس کر دو، ورنہ وہ پولیس کو اطلاع دے دے گا۔ خاوند کے اس رویے پر تم عجب مشکل میں پھنس گئیں۔ اس سے نمٹنے کے لیے تم نے بہت اچھا منصوبہ تیار کیا۔ تم جانتی تھیں کہ تمہارا شوہر تم سے محبت کرتا ہے اور وہ کبھی پولیس کو اطلاع نہیں دے گا۔ تم نے اسے دھمکایا کہ اگر وہ پولیس کے پاس گیا تو تم کہہ دو گی یہ کاغذات خود اسی شخص نے چرائے ہیں۔

کیونکہ یہ غیر ملکی ہے۔ پولیس والے تمہارے مقابلے میں غیر ملکی شخص کی بات نہ مانتے۔ تم نے اپنے شوہر کو یہاں تک ڈرایا کہ تم مجھ سے مل کر مشورہ طلب کرو گی چنانچہ تم میرے دفتر آئیں اور تمہارے شوہر نے تعاقب کیا۔ تم یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ بھی میرے دفتر میں آ کر مجھ سے مل سکتا ہے، اس لیے کہ اگر وہ واقعی جاسوس ہوتا تو اتنی احمقانہ حرکت بھی نہ کرتا۔ تم نے مجھے اپنے شوہر کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ پرچہ بھی دکھایا جس میں بقول تمہارے ”خودکشی“ کی دھمکی دی گئی تھی، حالانکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ ثابت کر سکتا ہے کہ کاغذات تم نے چُرائے ہیں۔

”تم اپنے شوہر کی اس کمزوری سے آگاہ تھیں، اس کی نظر بے حد کمزور ہے اور اس بلیک آؤٹ میں جب وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے گا تو ٹیکسی کو باہر رکنے کے لیے ضرور کہے گا۔ تم میرے دفتر کے آس پاس گھومتی رہیں اور جب وہ ٹیکسی سے اتر کر میرے دفتر میں آیا، تو تم نے وہ ٹیکسی کرایہ دے کر رخصت کر دی۔ وہ مجھ سے مل کر باہر نکلا تو ٹیکسی غائب تھی۔ وہ کسی اور ٹیکسی کی تلاش میں پیدل چل پڑا۔ یکایک سامنے سے ایک ٹیکسی آ کر اس کے قریب رک گئی۔ اس کی کمزور نظر کا خیال کرتے ہوئے بلیک آؤٹ کے باوجود ٹیکسی کا نشان روشن کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ بے جھجک اس ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے Taxi کے حروف بجھا دیے۔ بے چارے زیروس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ تم ٹیکسی کے اندر پستول لیے بیٹھی تھیں اور تمہارا غیر ملکی دوست گاڑی چلا رہا تھا۔ تم نے اپنے شوہر کی کنپٹی میں گولی ماردی اور پھر فوراً گھر چلی گئیں اور تمہارا دوست لاش کو ”خودکشی“ کی صورت دے کر اسی مکان میں چھوڑ گیا۔ البتہ اس نے ایک بات پر غور نہ کیا کہ کوئی شخص خودکشی کرنے کے لیے اتنا تردد نہیں کرتا کہ دائیں ہاتھ میں پستول لے کر اپنی بائیں کنپٹی کو نشانہ بنائے۔ تم نے سوچا میں اس مکان میں ضرور آؤں گا اور تمہارے شوہر کی لاش دیکھتے ہی فوراً سمجھ جاؤں گا کہ اس نے ”خودکشی“ کر لی ہے، پھر یہیں سے مجھے وہ کاغذات بھی مل جائیں گے جنھیں لے کر میں اسکاٹ لینڈ یارڈ جاؤں گا اور زیروس پر جاسوسی کا الزام دھرتے ہوئے انھیں اطلاع دوں گا کہ اس نے اپنے آپ کو گولی ماری ہے، کیونکہ اس کی بیوی نے اپنے ملک سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک پرائیویٹ سراغ رساں کو کاغذات حاصل کرنے کے کام پر لگا دیا تھا، چنانچہ حکومت تمہاری بے حد شکر گزار ہو گی۔ تم اور تمہارا دوست بعد ازاں اس اطمینان سے دشمنوں کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے رہتے اور کسی کو تم جیسی محبِ وطن خاتون پر شک نہ گزرتا۔ اور ہاں، ایک بات اور ہے۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ مارے خوف کے آج دن بھر گھر سے نہ نکلیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ میں ٹیلی فون کرتا رہا اور پندرہ منٹ تک کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔ غالباً یہ وہی وقت تھا جب تم بے گناہ شوہر کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فرض ادا کر رہی تھیں۔“

مسز زیروس مسکرائی۔ اب وہ بالکل پُرسکون تھی۔ ”مسٹر کالکن، آپ نے جو تھیوری بیان کی، وہ بڑی دلچسپ ہے، لیکن کاغذات چُرانے کے بعد انہیں دوبارہ یہیں چھوڑ کر اصل مالکوں کے حوالے کر دینے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟“

کالکن نے قہقہہ لگایا۔ ”مسز زیروس، میں اتنا بے وقوف نہیں جتنا صورت شکل سے نظر آتا ہوں۔“ وہ میک آلیور سے مخاطب ہوا۔ ”میرا خیال ہے پولیس نے ان کاغذات کی فوٹو کاپیاں اس شخص سے برآمد کر لی ہوں گی۔“

میک نے اثبات میں سر ہلایا۔ مسز زیروس اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”تم جیت گئے مسٹر کالکن۔ اور اب میں صرف اتنی درخواست کروں گی کہ مجھے میرے دوست سے ملنے کی اجازت دی جائے۔“

کالکن نے دوسرا قہقہہ لگایا۔ ”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اُسے ابھی تک پولیس نے نہیں پکڑا۔ میک آلیور نے جو کچھ بیان کیا، وہ تو ایک چال تھی۔ البتہ اب ہم اس کے گھر جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ مجھے، آپ کو، اور پولیس والوں کو دیکھ کر خاصا خوش ہو گا۔ فوٹو کاپیاں اس کے گھر سے یقیناً دستیاب ہو جائیں گی۔

☆☆☆

رات کے نو بجے میک آلیور اور کالکن آمنے سامنے بیٹھے اس کارنامے پر تبصرہ کر رہے تھے کہ دفعتاً نائب نے کہا۔

”ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ تم کہتے ہو اس مسئلے کا سارا حل لفظ ٹیکسی کے روشن حروف میں پوشیدہ تھا۔ آخر کیسے؟“

”تم نرے گاؤدی ہو۔“ کالکن نے کہا۔ ”ارے احمق، تم نے ٹریفک پولیس کے قواعد نہیں پڑھے؟ بلیک آؤٹ کی راتوں میں ٹیکسیوں پر ”لفظ ٹیکسی“ روشن کرنے کی سختی سے ممانعت ہے۔ تم نے خود ہی تو مجھے بتایا تھا کہ زیروس کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور جب وہ اس میں بیٹھا، تو ڈرائیور نے فوراً یہ لفظ بجھا دیا۔ آخر کیوں؟ محض اس لیے کہ وہ زیروس کو اس نشان سے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ بدنصیب آدمی ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے دیکھ لیتا کہ اس کی بیوی پستول لیے پچھلی سیٹ پر براجمان ہے تو اس کی جان بچ جاتی مگر افسوس.....“

شکار

اعتزاز سلیم وصلی

شکاری... شکار کھیلنے کے لیے نکلتا ہے تو اس کے ذہن و دل میں صرف کامیابی کا نشہ چڑھا ہوتا ہے... ایسے ہی شکاریوں کے گرد گھومتی سنسنی خیز کہانی... ہر شکاری اپنے اپنے شکار کی تاک میں تھا... ایک مخصوص وقت... دن اور تاریخ کو جیتے جاگتے... خوش و خرم انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے...

ایک سفاک وستم گر قاتل کی قاتلانہ کارروائیاں......



"تم نہیں رکو گے؟"
"بالکل۔"
"یہ پاگل پن ہے۔"
"میں جانتا ہوں۔"
"یار تم سمجھ کیوں نہیں رہے۔" وہ جھنجلا گیا۔
"کیونکہ میں سمجھنا نہیں چاہتا۔" وہ ضدی تھا، بچپن سے۔
"دیکھ، تُو میرا بھائی ہے مان جا میری بات۔" اس کے

لہجے میں بے بسی محسوس کی جاسکتی تھی۔

''مگر یار اس میں غلط کیا ہے؟''

''غلط کیا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔ ''تم ایک لڑکی سے ملنے جاؤ گے، ایک ہندو لڑکی سے جس کا تم سے صرف اتنا رشتہ ہے کہ وہ تمہاری فیس بک کی دوست ہے، بس اس کے سوا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''مجھے جاننا ہے بھی نہیں، وہ میرا پیار ہے، میری خاطر اگر وہ یوایے ای سے یہاں آرہی ہے تو میں یہ چند گھنٹے کا سفر کیوں نہ کروں؟''

''اگر کسی مصیبت میں پڑ گیا تو؟''

''تو تُو کس لیے یہاں موجود ہے؟ آجانا میری مدد کرنے۔'' وہ مسکرایا۔

''مما پاپا سے اجازت لی؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''ہاں، کالج سے فری ہوں رزلٹ آنے تک اس لیے آسانی سے مل گئی اجازت۔''

''جا بھائی، جی اپنی زندگی۔'' اس نے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ گرمجوشی سے اس سے لپٹ گیا۔ ''تو نے کبھی بھائی کی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔''

''اور مما پاپا نے؟''

''انہوں نے والدین کی۔'' وہ اُداسی سے بولا۔ دونوں صوفے پر بیٹھ کر سفر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

اکتیس دسمبر 2006

شہر سے تین گھنٹے کے سفر پر وہ جگہ سیاحوں کے لیے جنت تھی۔ برف باری کے موسم میں یہاں کے خوبصورت نظارے ملک کے مختلف شہروں سے آنے والے لوگوں کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں کو بھی کھینچ لاتے۔ نئے سال کے موقع پر یہاں اکثر رش میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس علاقے کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والا وہ ہوٹل واقعی دیکھنے کے قابل تھا۔ جمال ہوٹل، جسے یہاں تعمیر کرنے اور شہر کے ہوٹلز سے بڑھ کر سہولیات دینے کا آئیڈیا ایک زرخیز ذہن کی پیداوار تھا۔ ایسا شاندار ہوٹل شاید ہی پورے ملک میں کہیں ہو۔ یہ ایک سیاست داں کی ملکیت تھا۔ ہوٹل کی سروس بہتر بنانے کے لیے یہاں باقاعدہ موبائل نیٹ ورک سرد سز اور وائی فائی جیسی کئی سہولیات ایک معاہدے کے تحت..... لائی گئی تھیں۔ اس ہوٹل کو یہاں بنانے کا آئیڈیا سوچنے میں جتنا آسان تھا، عمل کرنے میں اتنا ہی مشکل۔ مگر پیسے کی طاقت نے ناممکن کو ممکن میں بدل دیا۔ اس موسم میں یہ ہوٹل ہر سال کی طرح ایڈوانس بک ہو چکا تھا۔ اس کے ایک کمرے کا رات رہنے کا کرایہ ایک عام سرکاری ملازم کی پورے مہینے کی تنخواہ کے برابر تھا۔

کمرا نمبر ایک سو چار میں اس وقت طارق اپنی سیکریٹری کے ساتھ موجود تھا۔ طارق دوسرے شہر کا ایک مشہور بزنس مین تھا۔ چالیس سے کچھ اوپر طارق غیر شادی شدہ تھا۔ ویسے بھی وہ آزاد طبیعت کا شخص تھا جو بیوی نام کی قید سے دور رہنا چاہتا تھا۔ البتہ اس سیکریٹری ندا نے جس طرح اس کی راتوں پر قبضہ جمایا ہوا تھا اس حساب سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ جلد ترقی پا کر بیوی کی سیٹ سنبھال لے گی۔ بارہ بجے کے بعد نئے سال کی آمد کا شور اٹھا۔ ہر طرف خوب ہنگامہ برپا تھا۔ طارق نے لباس کی قید سے آزاد ندا کو اپنی باہوں میں سمیٹا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد جب وہ تھک کر سونے کی تیاری کر رہے تھے تو اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

''اس وقت کون آگیا؟'' وہ بڑبڑایا۔ پاس پڑا گاؤن سمیٹ کر اس نے جسم کے گرد لپیٹا اور دروازے کے سوراخ سے جھانکا۔ سامنے کوئی نہیں تھا۔ ''یہ دستک کس نے دی ہے؟'' وہ حیران ہوا۔ ''کوئی شرارت کر رہا ہے شاید۔'' ابھی وہ واپس مڑنے ہی لگا تھا کہ دوبارہ دستک سنائی دی۔ اس نے مڑ کر تیزی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے کوئی موجود تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ رنگ کا نقاب تھا۔ طارق نے منہ کھولا مگر نقاب پوش کے خنجر نے اسے کچھ بولنے کا وقت نہیں دیا۔ خنجر کا وار سیدھا گردن میں لگا۔ گردن سے خون ابل پڑا۔ تبھی ندا نے اسے آواز دی۔

''کون ہے، کیا ہوا ہے وہاں؟'' وہ چادر لپیٹ کر باہر نکلی۔ خنجر کا اگلا نشانہ وہ بنی۔ اس کی چیخ کمرے میں گونجی۔ نقاب پوش جانتا تھا کہ کمرا ساؤنڈ پروف ہے۔ اس نے دونوں لاشوں کو گھسیٹ کر واش روم میں ڈال دیا۔ خنجر وہیں پھینک دیا۔ اس کے ہاتھ میں باریک دستانے تھے جو یہاں آنے والے اکثر سردی سے بچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس نے لباس پر موجود خون کے چھینٹے صاف کیے اور نارمل انداز میں باہر کی طرف چل دیا جہاں نئے سال کی خوشی میں ہر طرف شور اٹھ رہا تھا۔

☆☆☆

نئے سال کا پہلا دن لوگ اس دعا کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سال کا آغاز اچھا ہو اور اس آغاز کی طرح ہی پورا سال گزرے مگر ہوٹل منیجر ذیشان کے لیے یہ نئے سال کا آغاز

بالکل اچھا نہیں تھا۔ ایک سو چار نمبر کمرے کے واش روم سے ملنے والی لاشوں نے پورے ہوٹل میں سنسنی پھیلادی۔ کسی نے بے رحمی سے طارق اور اس کی سیکریٹری کو قتل کر دیا تھا۔ شہر سے آنے والی پولیس پارٹی نے ذیشان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ سوالات کے جوابات دے کر اب وہ تھکن اتارنے کے لیے کافی کا کپ منہ سے لگائے ہوئے تھا۔ ''پتا نہیں، جمال انکل کاری ایکشن کیسا ہوگا۔'' اس نے سوچا۔ شام ہوتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہوگیا مگر ہوٹل میں ٹھنڈ زیادہ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ہیٹر کی وجہ سے کمرے کا درجۂ حرارت مناسب تھا۔ ذیشان ستائیس سال کا خوبصورت شخصیت کا مالک تھا۔ اس ہوٹل کا مالک جمال احمد اس کا رشتے دار تھا۔ اس ہوٹل کا مکمل کنٹرول ذیشان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ پُرجوش اور محنتی نوجوان تھا اس لیے جمال صاحب اسے پسند کرتے تھے۔ کافی ختم کرتے ہی اس نے کال ملائی۔ ''جمال انکل۔'' وہ انہیں انکل ہی کہتا تھا۔

''ہاں بتاؤ، کیا بنا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، سیکیورٹی کیمرے کی ریکارڈنگ میں قاتل کی کمرے تک آنے جانے کی ویڈیو موجود ہے مگر کچھ حاصل نہیں ہوا، اس کا چہرہ نقاب میں ہے اور چال بدلی ہوئی۔ جسامت عام لوگوں جیسی ہی ہے۔''

''پولیس ہوٹل میں موجود لوگوں کو زیادہ تنگ تو نہیں کر رہی؟''

''کافی حد تک ڈسٹرب کیا ہے پولیس نے۔''

''چلو میں آئی جی کو کہہ کر انہیں منع کر دیتا ہوں۔'' جمال نے یہ کہہ کر کال بند کر دی۔ ذیشان نے سکون کا سانس لیا اور آرام دہ چیئر کی پشت پر آنکھیں بند کر کے سر ٹکا لیا۔ ابھی دس منٹ ہی گزرے تھے کہ پولیس پارٹی کا انچارج جہانزیب کمرے میں آدھمکا۔

''جی جہانزیب صاحب، آئیں بیٹھیں۔'' چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجا کر اس نے کہا۔

''ذیشان صاحب، لگتا ہے قاتل کوئی جن تھا، اتنی آسانی سے دو قتل کیے اور غائب ہوگیا۔'' جہانزیب کے لہجے میں بھی تھکن تھی۔ سارا دن مختلف لوگوں سے پوچھ گچھ میں گزر گیا تھا۔

''کچھ سراغ ملا؟'' ذیشان نے پوچھا۔

''نہیں اور اب اوپر سے حکم آیا ہے کہ لوگوں پر زیادہ سختی نہ کروں، کسی کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔'' وہ جیسے ذیشان کو سنا رہا ہو۔

''ہاں کیونکہ اپر کلاس کے یہ لوگ ذرا نازک طبیعت کے ہوتے ہیں پھر ایسی واردات اور پوچھ گچھ سے تنگ آ کر ہمارے کسٹمر بکنگ کینسل بھی کرا سکتے ہیں۔'' ذیشان نے کہا۔

''مرنے والا بھی آپ کا ہی کسٹمر تھا۔''

''تھا۔ مگر میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ باقی کے کسٹمرز کو پریشان نہ کریں۔ ہوٹل کی ریپوٹیشن پہلے بہت خراب ہو چکی ہے۔''

''ان حالات میں جب قاتل نہ پکڑا گیا تو مزید بھی خراب ہو سکتی ہے۔'' جہانزیب کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

''آئی ایم سوری مگر ہم مزید اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ پولیس بار بار ہمارے معزز مہمانوں کے روم کا دروازہ اوپن کروائے اور ان کے آرام میں دخل دے۔''

''میں اجازت چاہوں گا، اب تب ہی قاتل تلاش کریں گے جب مہمان واپس جا چکے ہوں۔'' جہانزیب کھڑا ہوا۔

''ضرور۔'' ذیشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جہانزیب تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر کی طرف چل دیا۔ ''چلو اس مصیبت سے تو جان چھوٹی۔'' اس نے سر جھٹکا اور کام میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

نعیم احمد کو ماں باپ کی وفات کے بعد ماموں نے سنبھالا اور پال کر بڑا کیا۔ چوبیس سال کے نعیم کو کبھی ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ ماموں ممانی نے اس کے خوب لاڈ اٹھائے۔ ان کی اپنی اولادیں۔۔۔ بیٹی رباب اور بیٹا شعیب نعیم سے بڑے تھے۔ شعیب پولیس میں تھا جبکہ رباب شادی کر کے دوسرے شہر جا چکی تھی۔ نعیم ایم اے کر رہا تھا۔ اسے پڑھنے سے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی مگر ماموں کی خواہش کی وجہ سے ایم اے انگلش کر رہا تھا۔ نعیم ملک کے عام نوجوانوں جیسا ہی تھا۔ عقل میں تھوڑا کچا، جلد باز اور جذباتی۔ ایگزامز کے بعد وہ فری تھا۔ انہی دنوں اس کی ملاقات فیس بک پر یو اے ای میں رہنے والی ایک انڈین لڑکی کرن ورما سے ہوئی۔ کرن پچیس سال کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ دونوں میں دوستی کے بعد محبت نے جنم لیا، اب نعیم اس کا دیوانہ ہو چکا تھا۔ ویڈیو کال اور چیٹ پر دن رات اس سے باتوں میں مصروف رہتا۔ شعیب سے یہ سب پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے نعیم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ عشق کا بھوت نعیم کے سر پر سوار ہو چکا تھا۔ اب کرن پاکستان آ رہی تھی۔ شعیب پریشان تھا کہ کہیں نعیم کسی مشکل میں نہ پھنس جائے۔ اس نے ایک بار

پھر نعیم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر رزلٹ پہلے سے مختلف نہ نکلا۔ وہ مما پاپا کو بتانے کا سوچ رہا تھا لیکن نعیم کی جذباتی طبیعت کی وجہ سے رک گیا۔ اس شام نعیم پیکنگ میں مصروف تھا جب شعیب کی آمد ہوئی۔ ”ہوگئی تیاری اپنی ہیر سے ملنے کی؟“

”طنز کر رہا ہے؟“

”نہیں، رانجھا صاحب کی بے چینی دیکھ رہا ہوں۔“

”ہاں ہوگئی تیاری۔“

”ویسے ایک بات بتا، اسے گھمانے پھرانے میں کافی خرچہ ہوگا، اتنے پیسے کہاں سے لائے گا؟“ شعیب نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

نعیم مسکرایا اور آگے بڑھ کر اپنے موبائل سے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل اسے دکھائی۔ ”یہ دیکھ۔“ نعیم کے بینک اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ سے اوپر رقم تھی۔

”یہ کہاں سے آئے؟“ وہ حیران ہوا۔

”ڈیڈ نے میری تعلیم کے لیے کافی رقم رکھی تھی بینک میں مگر ماموں نے استعمال نہیں کرنے دی، اب کام آئے گی۔“

”اس انڈین حسینہ پہ لٹانے کے لیے، ہیں ناں؟“

”یار تیرا مسئلہ کیا ہے اس کے ساتھ؟“ نعیم تپ گیا۔

”میرا مسئلہ اس کے ساتھ نہیں، تیرے ساتھ ہے، تو پھنس جائے گا کسی مصیبت میں۔“

”نہیں پھنسوں گا، زیادہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔“

”کیسے ضرورت نہیں؟ تم ایک لڑکی کے ساتھ دن رات تنہا رہو گے، سنبھال سکو گے خود کو؟“

”مجھے پتا ہے تو جلتا ہے مجھ سے، ماموں تجھ سے زیادہ مجھے اہمیت دیتے ہیں اس لیے۔“ نعیم کی بات سن کر وہ تڑپ اٹھا۔

”یہ تم کہہ رہے ہو نعیم؟ سوچ کر بولتے تو شاید بچپن سے اب تک میری محبت بھی دماغ میں آجاتی۔“ وہ نعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ اس نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیا۔

”بس بس زیادہ بھائی چارہ یاد مت دلواؤ، میں جا رہا ہوں کرن سے ملنے اور مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔“ وہ باہر کی طرف چل دیا۔

شعیب بے بسی سے لب کاٹتا اسے دیکھ رہا تھا۔ نعیم جذباتی تھا مگر وہ کرن کی محبت میں اس قدر پاگل ہوجائے گا، یہ شعیب نے سوچا نہ تھا۔

☆☆☆

اکتیس دسمبر 2007ء

جمال ہوٹل میں ہر سال کی طرح رش بہت زیادہ تھا۔ شہر سے آئے سیاح اس بار دو ماہ قبل ہی اپنے لیے روم بک کروا چکے تھے۔ پچھلے سال ہونے والی واردات اب لوگوں کے دماغ میں گم شدہ یاد کے مانند تھی۔ دسمبر کے اینڈ پر ہونے والی برف باری دیکھ کر ذیشان خوش ہوگیا۔ ”اس بار خوب جمے گا کاروبار۔“ اس نے سوچا۔ پاس پڑا فون اٹھا کر اس نے کان سے لگایا۔ ”صوفیہ کو بھیجو۔“ چند منٹ بعد صوفیہ اس کے سامنے تھی۔ ”روم ون او فور کی بکنگ ہوگئی؟“ اس نے پوچھا۔

”یس سر، اس بار ظہیر احمد اور ان کی وائف ہیں اس روم میں۔“

”ٹھیک، کچھ مسئلہ تو نہیں؟“

”نو سر۔“

ذیشان نے سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سوچ میں گم ہوگیا۔

☆☆☆

روم نمبر ایک سو چار میں گیارہ بچاس پر اندھیرا چھا گیا۔ ظہیر احمد اپنی نئی نویلی بیوی کے ساتھ ہنی مون منانے نکلا تھا۔ اندھیرا چھاتے ہی اس نے عینی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

”بس دس منٹ اور، پھر ہماری زندگی کا نیا سال شروع ہو جائے گا۔ تمہارے سنگ۔“ عینی ہنسی۔

”دس منٹ صبر نہیں ہوسکتا پھر؟“

”نہیں۔“ ظہیر اسے اپنے قریب لے آیا۔ دس منٹ بعد ہوٹل سے باہر شور اٹھا۔ ”ہیپی نیو ائر۔“ کی آوازیں ہر سمت سے آنے لگیں۔ گھڑی کے ہندسے تبدیل ہوتے ہی ظہیر جوش سے بولا۔ ”نیا سال مبارک ہو میری جان۔“ ابھی نئے سال کی خوشی مناتے انہیں تیس منٹ ہی گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”کون آگیا اس وقت۔“ ظہیر حیرت سے بولا۔ باہر جا کر اس نے سوراخ سے جھانکا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ ”ہونہہ، ہوگا کوئی کنوارہ بیچارہ، سال کی پہلی رات دوسروں کو تنگ کر کے گزارنا چاہتا ہے۔“ وہ بڑبڑایا اور واپس مڑنے لگا۔ دوبارہ دستک کی آواز سن کر وہ غصے سے واپس مڑا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑے نقاب پوش نے پھرتی سے اسے دھکا دیا۔ ظہیر لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔

”کک.....کون ہو تم؟“ وہ ہکلایا مگر سامنے والا اس کے سوال کا جواب دینے نہیں آیا تھا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی مگر ہوا میں اڑ کر آنے والا خنجر زیادہ تیز تھا جو اس کے کھلے منہ میں داخل ہوگیا۔ گرم خون ابل پڑا۔ قالین پر گرنے کے

چند سیکنڈ بعد ہی ظہیر مر چکا تھا۔ عینی کچھ اندازہ نہ کر سکی باہر کیا ہوا ہے۔ وہ نائٹی میں ملبوس باہر آئی۔ سامنے کھڑے نقاب پوش اور ظہیر کی لاش کو دیکھ کر اس کے منہ سے ایک ساتھ کئی چیخیں نکلیں۔ نقاب پوش سکون سے آگے بڑھا اور ظہیر کے منہ سے خنجر نکال لیا۔ خون آلود خنجر کا اگلا نشانہ عینی بنی۔ دل کے وسط میں پیوست ہونے والے خنجر نے اسے زیادہ مہلت نہیں دی۔ نقاب پوش ایسے کام کر رہا تھا جیسے اس کے لیے یہ سب معمول کا حصہ ہو۔ اس نے عینی اور ظہیر کی لاشیں اٹھا کر واش روم میں ڈال دیں۔ خنجر پاس ہی پھینک دیا۔ اپنی جیکٹ پر لگنے والے خون کے دھبے صاف کیے اور نارمل رفتار سے چلتا ہوا باہر کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

"نئے سال کی پہلی رات، وہی قاتل، پرانا طریقہ اور وہی روم نمبر۔" جہانزیب، ذیشان کے سامنے بیٹھا تھا۔ "اگر پچھلی بار مجھ پر دباؤ نہ ہوتا تو دو بے گناہ قتل ہونے سے بچ جاتے۔" اس کے لہجے میں غصہ تھا۔

"ہم نے منع نہیں کیا آپ کو مگر مہمانوں کے آرام میں خلل ڈالنے کی اجازت نہ ہم نے پچھلے سال دی تھی نہ اب دیں گے۔" ذیشان، جمال کی پاور سے واقف تھا۔ اس لیے جہانزیب جیسے پولیس والے اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

"مجھے پچھلے دونوں سال کا ریکارڈ چاہیے، مہمانوں کی مکمل لسٹ۔"

"مل جائے گی۔" ذیشان نے فون اٹھا کر صوفیہ کو بلایا۔ اس کے آتے ہی حکم دیا۔ "میرا لیپ ٹاپ لاؤ۔" وہ مڑی اور ذیشان کے کمرے سے لیپ ٹاپ اٹھا لائی۔ "جہانزیب صاحب کو پچھلے دو سال کا ریکارڈ دکھاؤ۔" جمال ہوٹل کی بکنگ آن لائن ہوتی تھی اس لیے اس کا تمام ریکارڈ ان کی ویب سائٹ پر موجود تھا۔ صوفیہ کی انگلیاں جدید لیپ ٹاپ پر ناچنے لگیں۔ دو منٹ بعد 2006ء کا ریکارڈ ان کے سامنے تھا۔ جہانزیب نے مکمل ڈیٹا پرنٹ کی صورت میں حاصل کیا۔ وہ آفس میں ہی بیٹھ کر کام نمٹانے لگا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے فائل سے سر اٹھایا۔

"یہ ہیں وہ لوگ جو پچھلے سال بھی ہوٹل میں تھے اور اس سال بھی۔" اس نے لسٹ سامنے رکھی۔ ان کی تعداد پچاس سے اوپر تھی۔

"یہ کافی تعداد میں ہیں، ان میں اکثر تو پچھلے پانچ سال سے مستقل ہمارے کسٹمر ہیں۔" ذیشان نے لسٹ پر نظر دوڑائی۔

"او کے، اب ہم اگر ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیں جو مستقل کسٹمر ہیں تو باقی تعداد کتنی بچے گی۔" جہانزیب نے صوفیہ کی طرف سر گھمایا۔ اس کی انگلیاں ایک بار پھر حرکت میں آئیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کے سامنے دس لوگوں کی لسٹ تھی جن میں دو غیر ملکی بھی شامل تھے۔ "مجھے ان سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے، دوپہر تین بجے اسی کمرے میں ہوں گے یہ سب کے سب۔" ذیشان نے کہا۔ جہانزیب اٹھ کر روم نمبر ایک سو چار میں چلا گیا جہاں سے لاشیں اٹھوائی جا چکی تھیں۔ اس کے جاتے ہی ذیشان نے کال ملائی۔ "جمال انکل، وہ انسپکٹر بہت تنگ کر رہا ہے۔ برا اثر پڑے گا ہوٹل کی ریپوٹیشن پر۔"

"اس کی تو میں......" جمال کے منہ سے گالیاں نکلیں۔

"کتے مر گئے ہیں تو ہمارا کیا قصور، اب یہ.... ہمیں کیوں تنگ کر رہا ہے؟"

"کچھ کرنا ہوگا انکل ورنہ یہ ہوٹل بند کروا دے گا۔"

"میں بات کرتا ہوں اس کے افسر سے، یہ ہٹا دے گا کمینے کو۔" اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جہانزیب کو انویسٹی گیشن سے ہٹا کر زوہیب حسن کو بھیجا گیا۔ زوہیب روایتی پولیس والا تھا۔ چالیس سے اوپر عمر اور بڑھا ہوا پیٹ جس میں حرام کی کمائی کافی مقدار میں شامل تھی۔ اس نے دو دن میں ہی کیس کو حل نہ ہونے والے کیسز کے کھاتے میں ڈال کر فائل بند کر دی۔ ہوٹل کے اردگرد زندگی معمول پر آنے لگی۔

☆☆☆

ابوظہبی کے اس ریسٹورنٹ میں ماڈرن لباس میں ملبوس وہ لڑکی اپنے حال میں مگن بیٹھی تھی۔ کولڈ ڈرنک اس کے ہونٹوں سے لگ کر بار بار واپس آ جاتی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس کی عمر پچاس سے اوپر تھی مگر وہ قابل رشک صحت کا مالک تھا۔ چہرے پر زخم کا نشان اس کی شخصیت کی کشش میں کمی کا باعث تھا۔ وہ لڑکی کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کرن، اس بار کام مکمل کرنا ہے۔"

"یس ڈیڈ، اس بار خاتمہ ہو جائے گا اور ڈاکومنٹس بھی واپس مل جائیں گے۔" کرن نام کی لڑکی دھیرے سے بولی۔

"پچھلے دو سال سے ناکامی ہمارا مقدر ہے مگر اب ایسا نہ ہو، مجھے اوپر بھی جواب دینا ہے۔" وہ کرن کو گھور رہا تھا۔

"پچھلی دونوں ناکامیوں میں میری کوئی غلطی؟ قسمت

نے ساتھ نہیں دیا۔"

"اس بار یہ بہانہ نہیں چلے گا، مجھے ہر حال میں اسے مارنا ہے اور ڈاکومنٹس واپس حاصل کرنے ہیں، وہ بہت بڑا خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔"

"ابھی تک کچھ کر تو نہیں سکا وہ۔"

"وہ کرے گا، ضرور کرے گا، اتنی محنت کر کے اگر وہ ہمارے سیٹ اَپ میں داخل ہوسکتا ہے، ڈاکومنٹس اڑا سکتا ہے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔" ورما نام کے اس آدمی کے لہجے میں خوف تھا۔

"مگر اس کام کے لیے میں ہی کیوں سلیکٹ ہوئی ہوں؟"

"کیونکہ وہ تمہیں نہیں پہچانتا باقی وہ گروہ کے ہر شخص سے اچھی طرح واقف ہے۔" ورما نے سمجھانے کے انداز میں بتایا۔ "کب فلائٹ ہے تمہاری؟"

"چوبیس دسمبر کو۔"

"اوکے، وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی جمال ہوٹل کے آس پاس ہی ہوگا۔" ورما نے ویٹر کو اشارہ کیا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ پاکستانی لڑکے کا کیا قصہ ہے؟"

"اوہ ڈیڈ، آپ سے کچھ نہیں چھپایا جا سکتا۔" کرن ہنسی۔ "وہ میری پلاننگ کا حصہ ہے، میں گروپ میں کسی کو ساتھ لے کر نہیں جا سکتی تھی، اس لیے پکڑا ہے اسے۔" کرن کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سنبھل کر، معصوم لگتا ہے مگر گڑبڑ نہ کردے۔"

"نہیں کرے گا، ڈونٹ وری۔" کرن نے تسلی دی۔

ورما سوچتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اگر یہ کام ہو گیا تو ہم جیسے دار بن جائیں گے۔"

"واؤ۔" کرن کے لہجے میں خوشی تھی۔

☆☆☆

تین سال پہلے۔

انڈیا کے شہر ممبئی کے وسط میں ایک خوبصورت بنگلا۔

وہ تعداد میں تین تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں شراب کی بوتلیں تھیں اور وہ بات بات پر بلند آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ "شرما جی، اس مشن کی کامیابی نے سرکار کو بھی خوش کر دیا ہے اس بار ہمیں ڈبل فیس ملی ہے۔" گھنگریالے بالوں والا نوجوان خوشی سے بولا۔

"خوش ہونا ہی تھا سرکار نے، یہ ضروری ڈاکومنٹس ہیں جو ہم نے حاصل کیے ہیں۔ اب قیمت وصول کریں گے ان کی۔" شرما نے گھونٹ بھرا۔

"آخر ان ڈاکومنٹس میں ہے کیا؟" تیسرا جو خاموش بیٹھا تھا، بول پڑا۔

"پڑوسی ملک کے کچھ راز جو ایٹمی پاور کے متعلق ان کی مستقبل کی پلاننگ کی تفصیل بتا رہے ہیں۔" شرما نے بتایا۔

"پھر ہمارے ہاتھ کیسے لگے؟"

"آسانی سے نہیں لگے، ورما اور اس کی بیٹی کافی دنوں سے پاکستان میں ہی تھے، انہوں نے مکمل کیا ہے یہ مشن۔" شرما کے لہجے میں خوشی تھی۔

"فیس تو مل گئی، ابھی تک ڈاکومنٹس دیے کیوں نہیں؟" گھنگریالے بالوں والا الجھن میں تھا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔ سرکار کے لیے یہ چیز اہمیت رکھتی ہے۔ میں نے بہانہ بنا دیا ہے کہ ابھی کچھ ڈاکومنٹس باقی ہیں، ان کی الگ قیمت وصول کروں گا۔" شرما ہنسا۔

تینوں گلاس ٹکرا کر ایک سانس میں پی گئے۔ ٹھیک اسی وقت کوئی اندر آیا۔ "ارے ٹھاکر تم؟" شرما کھڑا ہو گیا۔

"ٹھاکر نہیں، نجم علی۔" اس کے ہاتھ میں پسٹل دکھائی دیا۔

"کیا مطلب؟" شرما حیرت سے بولا مگر نجم نے پسٹل کا رخ بدل کر کے گھنگریالے بالوں والے نوجوان کے سر میں گولی اتار دی جو قریب پڑا ریوالور اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ پسٹل کی دوسری گولی ان کے تیسرے ساتھی کے سر میں لگی۔

"تم غدار......" شرما نے دانت پیسے۔

"ہاہاہا۔" نجم بلند آواز میں ہنسا۔ "غدار نہیں، میرا بھی تمہاری طرح کوئی دین نہیں، صرف پیسے کا پجاری ہوں، چل ڈاکومنٹس میرے حوالے کر۔"

"بھارت سرکار ایک پاکستانی سے سودا نہیں کرے گی ان ڈاکومنٹس کا۔" شرما نے اسے ڈرایا۔

"بھارت سے کرے گا کون؟ پاکستان ضرور کرے گا ایک پاکستانی سے۔" نجم کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ تھی۔ "جلدی کر...... ٹائم ویسٹ مت کر۔"

"تو ڈاکومنٹس لے کر بھی مار دے گا اس لیے تجھے دینے سے بہتر ہے مر جاؤں۔" شرما کے لہجے میں ضد تھی۔ اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے جیب کی طرف جا رہا تھا۔ نجم غافل نہیں تھا۔ اس نے تاک کر نشانہ مارا۔ شرما کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دوسری گولی کا نشانہ اس کا دوسرا ہاتھ بنا۔

"تڑپ تڑپ کر مرنے اور آسان موت میں فرق ہے شرما جی۔" اس کی اگلی گولی شرما کے گھٹنے پر لگی۔ وہ نیچے گر گیا۔

تکلیف سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"جلدی بتا۔" نجم نے آگے بڑھ کر زخمی گھٹنے پر پاؤں رکھا۔

وہ چیخ پڑا۔ "بتاتا ہوں۔" اور تیزی سے بولنے لگا۔

پانچ منٹ بعد نجم ڈاکومنٹس ایک بیگ میں ڈالے باہر نکل رہا تھا۔ شرما کے ماتھے پر لگنے والی گولی نے اسے تمام تکلیفوں سے آزاد کر دیا تھا۔

☆☆☆

"ویلکم ٹو پاکستان۔" ائرپورٹ پر نعیم اسے لینے آیا تھا۔

"واؤ......! میں تو سمجھی نہیں آؤ گے۔" کرن نے ہاتھ ملایا۔

"تم اتنی دور سے میرے لیے آئی ہو تو میں کیوں نہ آتا۔" وہ مسکرایا۔ "اب کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"قریب ہی ہوٹل میں۔" دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر نعیم نے پوچھا۔

"کتنے دن رہنے کا پروگرام ہے؟"

"جتنے دن تم کہو گے۔" وہ گہری نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکنا مشکل تھا۔ نعیم کی دھڑکن کی رفتار بڑھنے لگی۔

"چلو آج یہاں نکل جائیں گے گھومنے۔" اس نے کرن کے سراپا سے نظریں چرائیں۔

"جمال ہوٹل کس سائیڈ پر ہے؟" کرن نے پوچھا۔

"ارے واہ، ہمارا جمال ہوٹل تو باہر بھی مشہور ہے۔" وہ ہنسا۔

"ہاں سنا ہے وہ علاقہ بہت خوبصورت ہے۔"

"بالکل، آج اکتیس ہے کل چلیں گے وہاں۔" نعیم نے جواب دیا۔ باتوں میں سفر کٹ گیا۔ دونوں ہوٹل میں پہنچ گئے جہاں نعیم نے اپنے اور کرن کے لیے الگ الگ روم بک کروا رکھے تھے۔

☆☆☆

اکتیس دسمبر 2008

پچھلے دو سال سے ہونے والے واقعے کا اثر اس سال بھی کچھ زیادہ دکھائی نہیں دیا۔ روم اسی طرح بک تھے۔ ہوٹل انتظامیہ نے بہترین انتظام کیا تھا۔ آن لائن بکنگ کر کے آنے والے خوش دکھائی دیے۔ سہولیات کے لحاظ سے یہ ہوٹل مکمل تھا۔ روم نمبر ایک سو چار میں اس بار بھی جوڑا ٹھہرا ہوا تھا۔ حیدر علی اپنی بیوی کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ دونوں میاں بیوی تیس سے کچھ اوپر تھے۔ جسمانی لحاظ سے مضبوط جسامت کا مالک حیدر چہرے سے بدمعاش دکھائی دیتا تھا مگر حقیقت میں وہ انتہائی سادہ اور شریف انسان تھا۔ بارہ بجتے ہی جیسے ہی نیو ائر کا شور اٹھا۔ اس نے پیار سے اپنی شریکِ حیات نازیہ کو بانہوں میں بھر لیا۔ اس رات قاتل ٹھیک ایک گھنٹے بعد کمرے کے باہر موجود تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ چہرے پر حسبِ معمول نقاب چڑھا ہوا تھا۔ حیدر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کون؟"

"روم سروس۔"

"مگر میں نے کوئی آرڈر نہیں کیا۔" اس کی آواز میں حیرت تھی۔

"اوہ، غلطی ہوگئی شاید، حیدر صاحب آپ ہی ہیں ناں؟" سوال مکمل ہونے سے پہلے حیدر نے دروازہ کھول دیا۔ یہی اس کی غلطی تھی۔ نقاب پوش کی پھرتی حیرت انگیز تھی۔ حیدر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا گرا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

"کک......کون ہو تم؟" یہ سوال نقاب پوش کے لیے نیا نہ تھا۔ ایسے محسوس ہوا جیسے وہ مسکرایا ہو۔ خنجر اس کے ہاتھ میں چمکنے لگا۔ پہلا وار دل پر لگا۔ اس کے بعد حیدر نے چند سیکنڈ ہی سانس لی تھی بس۔ دروازے سے برآمد ہونے والی نازیہ یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کی موت آسان ہو گئی۔ اس بار بھی دونوں لاشیں واش روم میں پڑی دکھائی دیں۔ منظر بالکل پہلے جیسا تھا۔

☆☆☆

زوہیب حسن سخت سردی میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا مگر میاں بیوی کے قتل نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اب کی بار بات میڈیا سے چھپی نہ رہ سکی۔ جمال اور اس کے ہوٹل کا نام خوب اچھالا گیا۔ تین سال میں چھ قتل ہو چکے تھے، وہ بھی ایک ہی انداز سے، ایک ہی تاریخ کو اور ایک ہی کمرے میں۔ زوہیب نے تفتیش کا آغاز وہیں سے کیا جہاں جہانزیب نے چھوڑا تھا۔ مگر قاتل پکڑنا اتنا آسان نہ تھا۔ کیمرا ریکارڈنگ میں وہ ہوٹل میں داخل ہوتا دکھائی دیا تھا لیکن باہر جاتا دکھائی نہ دیا۔ تمام لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی مگر یہ امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے جو ایڈونچر کے نام پر بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کیس پولیس اور ہوٹل مینجمنٹ کے لیے اچھا خاصا سر درد بن چکا تھا۔ ذیشان اور زوہیب سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ آج جمال بھی معروفیات .... سے وقت نکال کر ہوٹل میں موجود تھا۔

"جہانزیب کو ہٹوا کر میں نے غلطی کی ہے شاید۔" اس

نے سوچا اور ان دونوں کی طرف منہ کر کے بولا۔ ''ذیشان اور زوہیب صاحب اب کی بار یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو اگلے سیزن میں ہمارے ہوٹل میں شاید ایک کسٹمر بھی نہ آئے۔''

''سر میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔'' زوہیب نے اپنی بڑھی ہوئی توند کو سیدھا کیا اور اکڑ کر بیٹھ گیا۔

''پوری کوشش سے کیا مراد ہے زوہیب صاحب، تین سال میں چھ قتل؟ یہ ہوٹل ہے یا ایکشن اور مار دھاڑ سے بھرپور فلم جہاں ایک ہی رات میں، ایک ہی کمرے میں آسانی سے کوئی قتل کر کے غائب ہو جاتا ہے؟'' جمال شدید غصے میں تھا۔

''مجھے ہوٹل کے ملازمین میں سے کوئی ملوث لگتا ہے۔'' زوہیب نے خیال ظاہر کیا۔

''ایسا ممکن نہیں، ہمارے لیے وہ رات شدید مصروفیت کی ہوتی ہے۔ کسی کی ایک سیکنڈ کی بھی غیر حاضری قبول نہیں کی جاتی۔'' ذیشان نے نفی میں سر ہلایا۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کیا کہتی ہے؟'' جمال نے پوچھا۔

''سب کی ایک جیسی ہی ہیں بس موت کے وقت کا فرق ہے۔'' زوہیب نے بتایا۔

''کوئی جنونی قاتل ہے جو اس طرح قتل کر رہا ہے۔'' ذیشان نے ہاتھ رگڑے۔ اس شام بھی ہوٹل میں بھرپور ہنگامہ رہا۔ پولیس کے نوجوان ہر کسی کو شاملِ تفتیش کر رہے تھے مگر نتیجہ صفر ہی تھا۔ قاتل ایک بار پھر غائب تھا۔ ''شاید اس کی گرفتاری کے لیے ایک سال مزید انتظار کرنا پڑے۔'' ذیشان ہنسا۔ زوہیب اور اس کی ٹیم اگلے ایک ماہ تک ہوٹل میں آتی جاتی رہی مگر اکتیس دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب کے بعد ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا اور نہ ہی ہونا تھا۔ قاتل خاموش تھا۔ اگلے سال ایک اور شکار کے لیے مگر اس بار آنے والا شکار اناڑی نہ تھا۔ وہ اس سے بڑا کھلاڑی تھا۔

☆☆☆

تیس دسمبر 2009

ہوٹل میں اس بار گرلز اور بوائز کالج کے دو ٹرپ ٹھہرے ہوئے تھے۔ سارا دن ہنگامہ ہوتا اور رات تک رہتا تھا۔ نئے سال کو ویلکم کرنے کے لیے لوگ پُرجوش تھے اور ہوٹل انتظامیہ پریشان۔ کیونکہ پچھلے تین سال کی روایت کے مطابق دو اور لوگ نامعلوم قاتل کا نشانہ بننے والے تھے۔ ذیشان نے روم نمبر ایک سو چار کو جمال اور زوہیب کی ہدایت کے مطابق سیل کر دیا۔ اس بار وہاں کوئی نہیں ٹھہرا تھا۔ اس کے بالکل سامنے روم نمبر ایک سو پانچ میں کرن ورما اور نعیم ٹھہرے ہوئے تھے۔ دونوں خوب گھوم پھر رہے تھے۔ موسم حسبِ معمول ٹھنڈا تھا۔ بارش تابڑ توڑ برس رہی تھی۔ نعیم اور کرن کمرے میں موجود تھے۔ ان کے چہرے کا تاثر بتا رہا تھا کہ وہ ''بے تکلفی'' کی تمام حدیں پار کر چکے ہیں۔ کرن اس وقت اس سے کہہ رہی تھی۔ ''تم یہیں رکو، میں ہوٹل میں گھوم لوں۔'' نعیم ویسے بھی تھک چکا تھا۔ وہ لیٹ گیا اور کرن باہر چلی گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کی تلاش ہے۔ کمرے سے باہر آ کر اس نے اردگرد نظر دوڑائی اور باہر کی طرف چل دی۔ استقبالیہ پر صوفیہ جدید کمپیوٹر پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ ''ایکسکیوزمی'' کرن قریب جا کر بولی۔

''یس میم۔'' صوفیہ اس کی طرف مڑی۔ ''مجھے نجم نام کے ایک شخص کے بارے میں پوچھنا ہے، کیا وہ یہاں موجود ہیں، ایکچوئلی وہ میرے فرینڈ ہیں اور مجھ سے ان کا سیل نمبر گم ہو گیا ہے؟''

''میں چیک کر کے بتاتی ہوں۔'' صوفیہ کی انگلیاں حرکت میں آگئیں۔ ''نو میم، اس نام کا کوئی بھی شخص کم از کم اس بار ہمارے پاس نہیں آیا۔'' چند منٹ بعد کرن کو جواب ملا۔

''لگتا ہے کسی اور نام سے ٹھہرا ہوا ہے۔'' وہ پچھلے دو سال سے نجم کے پیچھے تھی مگر وہ ایک بار بھی اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ کرن دو بار ناکام لوٹ چکی تھی۔ اب ناکامی کا مطلب موت تھا۔ شرما کے بعد ان کے گروپ کا لیڈر حکومت کا ہی آدمی تھا جو سخت مزاج اور بے رحمی کی وجہ سے مشہور تھا۔ ان کی آخری اطلاع کے مطابق نجم سال کے آخری دن اس ہوٹل میں گزارتا ہے۔ کرن کو اسے ڈھونڈنا تھا ہر حال میں۔ وہ واپس لوٹ گئی جہاں نعیم نام کا بیوقوف اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''اب وقت آگیا ہے اسے استعمال کرنے کا۔'' کرن بڑبڑائی۔ کمرے میں واپس آ کر وہ نعیم کے پاس بیٹھ گئی جو آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ چند لمحے خاموش گزرے۔ کرن اپنی سوچ میں گم تھی۔

''کس سوچ میں ہو؟'' نعیم نے آنکھیں کھولی۔

''تم جانتے ہو میں پاکستان کیوں آئی؟'' اس نے نعیم کے سوال کو نظرانداز کیا۔

''ہاں، مجھ سے ملنے۔''

''وہ تو ہے مگر مجھے ایک بہت ضروری کام بھی کرنا ہے۔''

''کیا؟''

''تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟''

"جو کہو، جان بھی دے سکتا ہوں۔" پچھلی چند راتوں کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

"اور جان لے بھی سکتے ہو؟"

اس بار نعیم کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"کیوں، کیا ہوا؟ ڈر گئے؟" کرن ہنسی۔

"ہاں، لے بھی سکتا ہوں۔" نعیم ٹھوس انداز میں بولا۔

"اوکے، تو سنو۔" کرن شروع ہو گئی۔ "اس ہوٹل میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس نے پاپا کو نہ صرف بزنس میں دھوکا دیا تھا بلکہ ان کے ضروری ڈاکومنٹس بھی لے گیا۔ اب وہ واپس حاصل کرنے ہیں اور اس شخص سے بدلہ بھی لینا ہے اور ضروری ڈاکومنٹس کیا تم میرا ساتھ دو گے؟" کرن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"جب کہو جہاں کہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔" نعیم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کرن اس سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

شعیب اسپیشل برانچ کے آفیسر کے پاس کھڑا کافی دیر سے یہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس کو بلانے کا مقصد کیا ہے۔ وہ کال ملا کر کسی سے بات کر رہے تھے۔ دس منٹ بعد انہوں نے کال بند کی۔ اے ڈی صاحب محکمے کے محنتی اور ایماندار شخص تھے۔ شعیب ذاتی طور پر انہیں پسند کرتا تھا۔

"کیا تم جانتے ہو میں نے تمہیں آج یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"نو سر، یہی سوچ رہا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کام تو پاکستانی خفیہ ایجنسیز کا ہے اور میں نہیں جانتا یہ ہمیں کیوں سپرد کیا گیا ہے پر میں یہ جانتا ہوں کہ ملکی سلامتی کے لیے یہ بہت ضروری مشن ہے جس کو مکمل کرنے کے لیے مجھے صرف تم ہی مناسب لگے ہو۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا سر آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکوں۔" شعیب نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"چلو بیٹھو میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔" انہوں نے اسے اشارہ کیا۔ شعیب بیٹھ گیا۔ "آج سے تقریباً دس سال پہلے پڑوسی ملک بھارت نے اپنی روایتی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو استعمال کیا اور ایک اسپیشل گروپ بنایا جس کا مقصد صرف اور صرف پاکستان کے خلاف کام کرنا تھا۔ شرما نام کا ایک شخص ان کا لیڈر تھا۔ یہ حکومت کے ماتحت نہیں تھے بس پیسے لے کر مشن نمٹاتے تھے۔ ان کا کام پاکستان میں دہشت گردی پھیلانا اور ملکی سلامتی کو نقصان پہنچانا تھا۔ یہ باقاعدہ ٹرینڈ نہیں مگر کسی حد تک لڑائی بھڑائی کی تکنیکس جانتے تھے۔ ان کے کچھ لوگ یہاں مارے بھی گئے مگر انہوں نے اپنا مقصد جاری رکھا۔ اس گروپ کی سب سے خطرناک واردات ایٹمی پاور کی پلاننگ سے متعلق ضروری ڈاکومنٹس کی چوری تھی جو انہوں نے ہمارے ایٹمی پاور کے سیکریٹری کے گھر سے چرائے تھے۔ اس مشن میں جو دو ایجنٹس آئے ان کے ناموں سے ہم واقف نہیں، ہاں یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک لڑکی تھی۔ ملکی انٹیلی جنس کے ایجنٹس نے یہ ڈاکومنٹس واپس حاصل کرنے کی کوشش تیز کر دی مگر ناکام رہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ ڈاکومنٹس بھارتی حکومت کے پاس جاتے ایک پاکستانی مجرم جس کا نام نجم ہے اس نے شرما کو مار کر وہ ڈاکومنٹس حاصل کیے اور پاکستان پہنچ گیا۔ نجم کافی دن سے بھارت میں مقیم تھا۔ وہ اس گروپ میں کیسے داخل ہوا اور ان سے کیوں غداری کی اس بات سے ہم بے خبر ہیں البتہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ نجم کے پاس موجود ڈاکومنٹس کے لیے پاکستانی اور بھارتی حکومتیں ایک بڑی قیمت دے سکتی ہیں۔ ہمیں اب نجم تک سب سے پہلے پہنچنا ہے کیونکہ اسپیشل گروپ کے نئے لیڈر نے اس کے پیچھے اپنے ایجنٹس لگا دیے ہیں۔" شعیب غور سے سب سن رہا تھا۔ اے ڈی صاحب کی بات مکمل ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"مگر سر نجم تین سال سے وہ ڈاکومنٹس اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہے، اس بات کی سمجھ نہیں آئی؟"

"ہاں یہ بھی پوائنٹ سمجھنے والا ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "میری ذاتی رائے یہ ہے کہ نجم کو ابھی تک موقع نہیں ملا، اسے گروپ کے لوگوں سے بھی خطرہ ہے اور پاکستانی ایجنٹس سے بھی، وہ اپنی حفاظت یقینی بنا کر ہی ان ڈاکومنٹس کا سودا کرے گا۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

"اس کی لوکیشن کا کوئی آئیڈیا؟"

"ہاں، پچھلے دو سال سے وہ جمال ہوٹل اور اس ایریا میں دیکھا جا رہا ہے، سال کے آخری دن وہ وہیں گزارتا ہے، اس کا حلیہ تبدیل ہوا ہوگا اور نام بھی، یہ ہے اس کی تصویر جو کچھ سال پرانی ہے۔" انہوں نے تیس سال سے کچھ اوپر عمر کے ایک شخص کی تصویر دکھائی۔ وہ کسی پہاڑ پر کھڑا دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ تصویر بے خبری میں اتاری گئی ہے۔

"اور ایک بات اور سنو۔" اے ڈی صاحب نے ایک اور فائل باہر نکالی۔ "جمال ہوٹل کے کمرا نمبر ایک سو چار میں پچھلے تین سال میں چھ قتل ہو چکے ہیں، کوئی نامعلوم شخص ہے جو

تاحال پکڑا نہیں جاسکا۔"

"مجرم؟"

"ممکن ہے، تم آج ہی روانہ ہوجاؤ، ہوٹل میں تمہارے نام کا کمرا بک ہے۔" انہوں نے اجازت دی۔ شعیب باہر چلا آیا۔ تیس دسمبر کی دوپہر اس شہر میں نرم دھوپ بھلی لگ رہی تھی۔

"پتا نہیں وہاں کیسا موسم ہوگا۔" اس نے جمال ہوٹل کے بارے میں سوچا۔ گھر واپس آکر اس نے مما کو بتایا اور اپنا سامان پیک کرنے کا کہا۔ وہاں اسے اپنی شناخت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لیے وہ ایک عام شخص کے طور پر جارہا تھا۔ شعیب پُرجوش تھا۔ یہ اس کی جاب کا اہم مشن تھا جسے مکمل کر کے وہ اے ڈی صاحب کی نظروں میں کامیاب ہونا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا روم نمبر ایک سو چار کے پاس آیا۔ ہوٹل میں شام اتر رہی تھی۔ ایک سو چار پر کلوزڈ لکھا دیکھ کر وہ مسکرایا۔ پچھلے تین سال کے واقعات اس کے دماغ میں تازہ ہوئے۔ وہ سنسنی محسوس کررہا تھا۔ "ایک دن بعد اس روم میں کوئی نہیں ہوگا، مطلب تین سال سے لگاتار ہونے والے قتل اس بار نہیں ہوں گے۔" اس نے خود سے کہا۔

"کیوں نہیں ہوں گے؟" وہ جیسے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"آخری واردات باقی ہے۔" اس نے روم نمبر 105 کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ پھیل گئے۔ آنے والے وقت کا سوچ کر جسم میں جوش سے بھری لہریں دوڑنے لگیں۔ خنجر کا لمس اور خون کی پیاس اس کا انتظار کررہی تھی۔ وہ تیار تھا مگر مقابل بھی اناڑی نہ تھے۔ اس بار مقابلہ ٹکر کا تھا۔

☆☆☆

وہ ذہین تھا اور وہ یہ بات جانتا تھا۔ نجم علی خان، سخت جان اور منفی ذہانت کا مالک شخص۔ وہ غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ پہاڑ پر آنے والے سیاحوں کے گائڈ کے طور پر کام کر کے اس کا باپ علی خان بس اتنا کما پاتا کہ گھر میں دو وقت کا کھانا بن جاتا۔ قناعت پسند آدمی تھا جتنا ملتا صبر شکر سے گزارا کرلیتا۔ باپ کے برعکس بیٹا کچھ کرنا چاہتا تھا اور اس "کچھ" میں ڈھیر سارے پیسے شامل تھے، بے پناہ دولت، جس سے وہ دنیا کی ہر چیز خرید سکے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا اور اپنی قابلیت کی وجہ سے بی ایس سی میں ٹاپ پوزیشن حاصل کی۔ رزلٹ کے صرف دو دن بعد گھر کا خرچہ اٹھانے والا علی خان چل بسا۔ اب اسے گھر سنبھالنا تھا اور جو طریقہ اس نے سوچا تھا اسی پر عمل کیا۔ آنے والے سیاحوں سے پیسے چھیننا اور ان کا سامان چوری کرنا، یہ کام اس علاقے میں صرف وہی کرتا تھا ورنہ باقی سارا علاقہ نہ صرف مہمانوں کی عزت کرتا بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق ان کی خدمت کرتا تھا۔ نجم نے جلد ہی ترقی کی۔ اسلحہ اسمگلنگ میں شامل ہوگیا۔ اس کام میں وہ اپنے علاقے کے ایک شخص شامیر خان کا ساتھی تھا۔ دونوں نے خوب پیسے کمائے۔ پھر ایک دن لین دین کے جھگڑے کی وجہ سے اس نے شامیر کی گردن کاٹ دی اور علاقے سے بھاگ نکلا۔ اس کے بعد اس نے مختلف کام کیے۔ کبھی پیسے کے لیے قتل، کبھی ڈکیتی اور کبھی منشیات کا کاروبار۔ اس کی بہت سے لوگوں سے دشمنی تھی جو اس کے خون کے پیاسے تھے۔ ساتھ ساتھ اسے پولیس سے بھی خطرہ تھا۔ جب پاکستان میں رہنا ناممکن ہوا تو وہ پڑوسی ملک بھاگ نکلا۔ پیسے بہت تھے۔ انڈیا میں بھی پاکستان کی طرح کافی لوگ ایسے تھے جو پیسے کے لیے کچھ بھی کرسکتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں نے نجم کو بھیس بدلنے میں مدد دی۔ تین سال وہ انڈیا میں بلراج ٹھاکر کے نام سے رہا۔ اس کے بعد جب پاکستان کے خلاف اسپیشل گروپ بنا تب اسے بھی شامل کیا گیا۔ شرما اس کا دوست تھا۔ دونوں نے مل کر کام کیا لیکن ڈاکومنٹس کی چوری والے معاملے میں نجم ایک بار پھر لالچ کا شکار ہوگیا۔ اس نے اسپیشل یونٹ سے غداری کی اور ڈاکومنٹس لے کر پاکستان آگیا۔ اپنے علاقے کی خوبصورتی اس کی کمزوری تھی۔ اس لیے ہر سال کے آخر میں جب پہاڑ برف سے ڈھک جاتے تو وہ جمال ہوٹل چلا جاتا۔ اس وقت بھی وہ ہوٹل کے ہی ایک کمرے میں موجود تھا۔ بلراج ٹھاکر کے برعکس نجم علی کے سر پر لمبے بال اور چہرے پر ہلکی داڑھی تھی۔ کمرے کے بیڈ پر ایک حسینہ بیٹھی تھی جس نے اس سخت موسم میں بھی بہت کم لباس پہنا تھا۔ اسے نجم دل بہلانے کے لیے شہر سے لایا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا باہر جھانک رہا تھا جہاں کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔

"اتنی دیر سے کیا کررہے ہو وہاں، واصف؟" حسینہ نے جس کا نام روبی تھا، نجم کو اس کے فرضی نام سے پکارا۔

"لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔" نجم نے جواب دیا۔

"تو اتنے دور کیوں کھڑے ہو اس قاتل موسم میں؟"

"سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"پتا ہے تمہیں۔ پچھلے تین سال سے ہر اکتیس دسمبر کو

یہاں دو قتل ہوتے ہیں۔"

"کک......کیا؟" روبی کے لہجے میں خوف تھا۔

"ہاں، میں سوچ رہا ہوں اس بار ہوں گے یا نہیں؟" آخری الفاظ جیسے اس نے خود سے کہے ہوں۔

"پھر ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔" روبی پاس آ کر بولی۔

"ارے ڈرو مت، روم نمبر ایک سو چار میں ہوتے ہیں۔ اس بار انہوں نے اسے بند کر دیا ہے۔" وہ ہنسا۔

"یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔" وہ خوف زدہ تھی۔

"یہاں نہیں ہوں گے۔" وہ یقین سے بولا۔ روبی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے نجم سے خوف آتا تھا۔ عجیب وحشی مرد تھا وہ۔ "ظالم، پتا نہیں کس جہنم میں لے آیا مجھے۔" وہ پیشہ ور تھی۔ پیسے کے لالچ میں آ گئی۔ اب ڈر رہی تھی۔

☆☆☆

شعیب تیس دسمبر کی شام کو وہاں پہنچ گیا تھا۔ بادلوں نے آسمان ڈھک رکھا تھا۔ "خوبصورت جگہ ہے۔" اس نے سوچا۔ وہ یہاں خون کی بو محسوس کر رہا تھا۔ جلد کچھ ہونے والا تھا، بہت برا۔ انہی سوچوں میں گھرا استقبالیہ سے اپنا روم پوچھ کر بیگ اٹھائے چل دیا۔ اپنے خیالوں میں گم وہ لفٹ سے دوسری منزل پر آیا۔ لفٹ کھول کر ابھی باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اسے سامنے کوئی دکھائی دیا۔ یہ نعیم تھا۔ اسے یہاں دیکھ کر شعیب کا سر گھوم گیا۔ "یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ "کیا انڈین حسینہ بھی یہاں موجود ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ وہ فی الحال نعیم کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ لفٹ سے نکلا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں آ کر اس نے بیگ ایک سائڈ پر رکھا اور جیب سے موبائل نکال کر نعیم کو کال ملائی۔

"کیسے ہو بھائی؟" دونوں لڑائی والے دن کے بعد پہلی بار بات کر رہے تھے۔

"ٹھیک۔" نعیم نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"کہاں گھوم رہا ہے اس انڈین حسینہ کے ساتھ؟" شعیب نے کرن کا نام لیا۔

"جمال ہوٹل آئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ، اچھا۔" شعیب نے حیرت کا اظہار کیا۔ "اچھا میری بات سنو، جمال ہوٹل میں پچھلے تین سالوں میں چند قتل ہوئے ہیں، وہ بھی اکتیس دسمبر کی رات کو، کیس معما کی شکل اختیار کر گیا ہے اس لیے محتاط رہنا۔" اس نے تفصیل بتائی۔

نعیم چونک گیا۔ "کب اور کیسے؟"

"پچھلے تین سے سال اکتیس اور یکم کی درمیانی شب کو، ہر بار ایک جوڑا اس کا نشانہ بنا ہے، روم نمبر کون سا ہے تمہارا اور کرن کا؟"

"ایک سو پانچ۔"

"اوہ، تمام قتل ایک سو چار میں ہوئے ہیں اور اس بار شاید روم کلوزڈ ہو۔" اس نے بتایا۔

"آپ کہاں ہیں؟" وہ مشکوک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"کام پر، شاید جمال ہوٹل بھی آؤں۔" اس نے جواب دیا۔

"اوکے، آپ آنا، میں کرن سے ملواؤں گا۔" نعیم کے لہجے میں شوق تھا۔

"لگتا ہے بھائی میاں پر جادو چل گیا ہے حسینہ کا؟" شعیب دل ہی دل میں ہنسا اور بولا۔ "کوشش کروں گا، تم محتاط رہنا، اب میں بند کر رہا ہوں کال۔" اس نے چند مزید ہدایات دے کر کال بند کر دی۔

"اب اس نجم کو تلاش کیسے کروں؟" اس نے اپنا لیپ ٹاپ باہر نکالا۔ آن کرتے ہی فولڈرز میں رکھی نجم کی تصویریں اوپن ہو گئیں۔ یہ ایک ہی تصویر مختلف انداز میں ایڈٹ ہوئی تھی۔ کہیں پر نجم کے چہرے پر داڑھی اور کہیں وہ کلین شیو دکھائی دے رہا تھا۔ شعیب نے چند طریقے اور آزمائے۔ "اب جس حلیے میں ہوا پکڑا جائے گا۔" اس نے سوچا۔ وہ اٹھ کر بیگ کی طرف آیا۔ اس میں ایک براؤن کلر کی جیکٹ پڑی تھی۔ اسے الٹا کر پہننے سے کلر چینج ہو سکتا تھا۔ وہ باہر کی طرف چل دیا۔ اسے سب سے پہلے نجم تک پہنچنا تھا، ہر حال میں۔

☆☆☆

اکتیس دسمبر کی صبح تیز ٹھنڈی ہواؤں نے موسم خطرناک بنا دیا تھا مگر شہر سے اتنی دور آنے والے لوگوں نے کمروں تک اپنی تفریح محدود نہیں کی۔ سردی سے بچنے کے لیے جیکٹس اور کوٹ پہن کر سب باہر نکل آئے۔ ان میں کرن اور نعیم بھی شامل تھے۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے باہر کی طرف چل دیے۔ اونچے پہاڑوں پر ہواؤں کا شور عجب سنسنی پھیلا رہا تھا۔ کالجوں سے آئے لڑکیوں اور لڑکوں کا ٹرپ شور مچا رہا تھا۔

"میں اسے ادھر تلاش کرتی ہوں۔" کرن نے ایک جانب اشارہ کیا۔ "تم دوسری جانب تلاش کرو۔" نعیم اثبات میں سر ہلا کر دوسری جانب بڑھ گیا۔ اس طرف لوگ چہل قدمی کر رہے تھے۔ نعیم مخصوص چہرے کی تلاش میں تھا۔ اس نے لوگوں کو کھوجتی نظروں سے گھورنا شروع کر دیا۔ وہ پُرجوش تھا۔

کرن کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ اِدھر اُدھر گھوم کر اسے ڈھونڈتا رہا مگر ناکامی ہوئی۔ آخر تھک کر وہ اپنے کمرے میں آگیا۔

دوسری جانب کرن نے بھی اپنی تلاش جاری رکھی۔ نعیم کی نسبت وہ تیزی سے سرچ کر رہی تھی۔ وہ ان کاموں میں ماہر تھی۔ کالج کے لڑکوں نے اسے چھیڑنے کے لیے آوازیں بلند کیں۔ وہ توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ایک گھنٹا اچھی طرح گھوم پھر کے دیکھ لیا مگر نجم کہیں دکھائی نہ دیا۔ ''ہوسکتا ہے اس بار آیا ہی نہ ہو۔'' اس نے مایوسی سے سوچا۔ وہ وِرما سے رابطہ کرنے کا سوچ کر واپس ہوٹل میں آگئی۔ استقبالیہ کے قریب کھڑے ایک جوڑے نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ لڑکی ڈری ہوئی محسوس ہو رہی تھی جبکہ مرد کسی بات پر اس پر بگڑ رہا تھا۔ کرن ان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک مرد نے اپنا چہرہ اس کی طرف گھمایا۔ وہ چونک گئی۔ غیرارادی طور پر وہ اسے گھورنے لگی۔ مرد نے بھی عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ تیز قدم اٹھاتی کمرے کی طرف چل دی۔ ڈور کھول کر اندر داخل ہوتے ہی نعیم کی آواز سنائی دی۔ ''یار وہ کہیں نہیں ملا۔''

''مجھے شک ہے اس نے حلیہ تبدیل کیا ہوا ہے۔'' کرن نے تیزی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں، ذرا میرا اسیل فون اٹھاؤ۔'' یہ جدید ماڈل کا سیل تھا جس میں ہر قسم کا سوفٹ ویئر تھا۔ کرن نے نجم کی تصویر نکالی اور اسے فوٹو ایڈیٹر میں لگا کر ایڈیٹ کرنے لگی۔ پانچ منٹ بعد وہ جوش سے بولی۔ ''وہی ہے۔'' اور تصویر نعیم کے سامنے کر دی۔

''ہاں انہیں تو میں نے بھی دیکھا ہے اس کے ساتھ لڑکی بھی تھی۔''

''اس کے ساتھ لڑکی کون تھی؟'' اس نے جیسے خود سے پوچھا۔ ''اب اس کا روم نمبر معلوم کرنا ہوگا کسی طرح۔'' کرن نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''میں معلوم کرتا ہوں۔'' نعیم باہر کی طرف بڑھا۔

''نہیں، تم رہنے دو میں خود معلوم کرتی ہوں۔'' وہ دوبارہ باہر کی جانب بڑھ گئی۔ استقبالیہ پر بیٹھی صوفیہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ کرن پاس آکر بولی۔ ''یہ جو میاں بیوی لڑ رہے تھے ان کا نام اور روم نمبر معلوم کیا جاسکتا ہے؟ مجھے شک ہے یہ نجم علی کے دوست ہیں، میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''یس میم۔'' صوفیہ مسکرائی اور دوبارہ کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہوگئی۔ ''واصف صاحب ہیں، روم نمبر ففٹی ون میں۔'' اس نے بتایا۔

''اوکے شکریہ۔'' وہ واپس لوٹ گئی۔ اپنے روم میں پہنچ کر اس نے نعیم سے کہا۔ ''وقت آگیا ہے کہ اب تم میری ہیلپ کرو۔''

''میں تیار ہوں۔''

''اس کا نام واصف علی ہے اور وہ روم نمبر ففٹی ون میں ہے۔''

''کرنا کیا ہوگا؟''

''اسے مار کر ڈاکومنٹس حاصل کرنے ہیں۔''

''میں جاؤں گا یا ہم دونوں؟''

''ٹھہرو، میں سمجھاتی ہوں۔''

''ہوٹل میں کسی قسم کا اسلحہ نہیں کسی کے پاس، کیونکہ سخت پابندی ہے۔ باقاعدہ چیکنگ ہوئی تھی ہماری، مگر میں لے آئی ہوں۔'' کرن نے اپنا بیگ اٹھایا۔ اس بیگ کی دو پاکٹس ایک ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ انہیں کھولنے کے بعد ان کے اندر ایک چھوٹی سی زپ تھی جسے کھولنے پر خفیہ پاکٹ باہر آتی تھی۔ اس کے اندر پلاسٹک کے ایک ڈبے میں پسٹل پڑا تھا۔ یہ سائز میں قدرے چھوٹا تھا۔ اس کی ساخت لیڈی پسٹل سے ملتی جلتی تھی۔

''واؤ، تم تو چالاک نکلیں۔'' نعیم نے تعریفی لہجے میں کہا۔

کرن اس کی تعریف نظر انداز کر کے بولی۔ ''نجم کے پاس ایسا کچھ ہوا بھی تو اسے استعمال کرنے کا وقت نہیں ملے گا، ہمیں کسی طرح اس کے کمرے میں داخل ہونا ہے۔ پہلے تم جاؤ گے پھر میں۔'' نعیم نے سر ہلایا۔ ''اب سنو، اسے مارنے سے پہلے ڈاکومنٹس حاصل کرنے ہیں ہمیں، اس کے ساتھ لڑکی پر بھی قابو پانا پڑے گا۔'' کرن اسے پورا پلان سمجھا رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر سمجھ رہا تھا۔ عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ ایسا کام کرنے جا رہا تھا جس کے متعلق اس نے چند دن پہلے سوچا بھی نہیں ہوگا۔ عورت چیز ہی ایسی ہے کہ مرد سے کچھ بھی کروا سکتی ہے۔ مگر دونوں جانتے نہیں تھے، شکار سے پہلے شکاری سے نمٹنا پڑے گا۔

☆☆☆

کمرے میں موجود اس شخص کی انگلیاں کی بورڈ کو تنگ کر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی بوریت محسوس کر رہی تھی۔ ''لگتا ہے تم اس کام سے اکتا چکی ہو؟'' اس نے سر گھما کر پوچھا۔

''نو سر۔'' وہ سیدھی ہوگئی۔

"ہم، میں کسی اور کو بھی شامل کر سکتا تھا اس کام میں مگر پتا ہے تمہیں کیوں شامل کیا؟"

لڑکی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "تم میرے ساتھ کافی برس سے ہو، میں چاہتا ہوں ہم اتنی دولت اکٹھی کریں کہ اس ملک سے نکل کر کسی بھی دوسرے ملک میں جا کر ہم مل کر اک نئی زندگی کا آغاز کریں جہاں ہمارے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود ہو۔" آخری الفاظ کہہ کر وہ لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر اس کے لیے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں کیا کمی ہے، اچھی جاب ہے اور ہم یہاں بھی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔" وہ اکتا گئی تھی۔

"ضرورت ہے میری جان، بہت ضرورت ہے، جاب سے کیا حاصل ہوتا ہے، ہر ماہ بعد چند ہزار، چند لاکھ مگر اس کام کے بعد ہمیں ہر سیکنڈ اور ہر منٹ کے ہزاروں روپے ملیں گے۔" لالچ انسان کے ساتھ ازل سے تھا اور دولت کا لالچ تو اکثر رشتوں کو بھی بھلا دیتا ہے۔ "میں اندازہ لگا چکا ہوں، یہ دنیا کی مہنگی ترین ویب سائٹ ہوگی جس کے مالک کو ایک دن میں پچاس لاکھ ملیں گے، پہلے مہینے میں یہ پیسے ڈبل بھی ہو سکتے ہیں۔" اس نے لڑکی کو بتایا۔ لڑکی کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔ شاندار مستقبل کے سپنے دونوں کی آنکھوں میں تھے۔

☆☆☆

شعیب اپنے کمرے میں تھا۔ سال کا آخری سورج ڈوب رہا تھا۔ اس نے صرف ایک گھنٹے میں نجم کو تلاش کر لیا تھا۔ اب اسے رات ہونے کا انتظار تھا۔ اس نے اپنے موبائل سے فیس بک آن کی۔ یہ فیک اکاؤنٹ تھا جو فرضی نام سے تھا۔ میسنجر سے آڈیو کال ملانے سے پہلے اس نے ایک نمبر پر میسج کر دیا تھا۔ جس اکاؤنٹ کو کال کی تھی وہ آن لائن ہو گیا۔ چند منٹ بعد ہی دونوں بات کرنے لگے۔ دوسری جانب اے ڈی صاحب تھے۔

"کیا رپورٹ ہے؟"

"میں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔"

"ویری گڈ!" ان کی پُرجوش آواز سنائی دی۔

"سر اسے زندہ گرفتار کرنا ضروری ہے؟"

"نو، ضروری نہیں، ہاں کوشش ضرور کرنا لیکن پہلا مقصد ڈاکومنٹس کا حصول ہو۔"

"او کے سر۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"اور میری بات سنو، ممکن ہے نجم ہی پچھلے چند سال میں ہونے والی اموات کا ذمے دار ہو۔ اس لیے محتاط رہنا، نیا سال

تبدیلی

"اس لڑکی کی خاطر تم نے پینا پلانا، سگریٹ نوشی اور جوا چھوڑ دیا؟"

"ہاں۔"

"اور اس لڑکی کی خاطر تم نے دوسری تمام بُری عادتیں ترک کر دیں؟"

"ہاں۔"

"تو پھر تم نے اُس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"میں نے سوچا جب میں اتنا سدھر گیا ہوں تو پھر شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

ساہیوال سے ساحر کمال کا انکشاف

شروع ہونے سے پہلے اسے چھاپ لو، ہمارے کچھ اور لوگ بھی یہاں موجود ہیں، ان سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے سر، انشاء اللہ کامیابی ہماری ہوگی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"انشاء اللہ، بیسٹ آف لک۔" انہوں نے یہ کہہ کر کال بند کر دی۔ وہ ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ وہ روم نمبر ایک سو چار دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کی نگرانی ہو رہی تھی۔ سورج تیزی سے غروب ہو رہا تھا۔ چند لمحات بعد ہی اندھیرا چھا گیا۔ کھیل شروع ہونے میں اب چند گھنٹے باقی تھے۔

☆☆☆

روم نمبر ایک سو پانچ کے سامنے سے وہ تین بار گزرا۔ دونوں اندر ہی تھے۔ "نیو ائیر نائٹ منا لو، پھر میں آؤں گا۔" وہ ہنسا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری سے خنجر نکالا۔ اس پر ہاتھ رکھ کر دھار کو محسوس کیا۔ "کاٹے گا، خون نکلے گا۔" اپنے لفظوں سے وہ خود لطف اندوز ہو رہا تھا۔ نیو ائیر نائٹ شروع ہونے والی تھی۔ شکار کی تلاش میں وہ نکلنے والا تھا۔

☆☆☆

کرن اور نعیم کی تیاری مکمل تھی۔ دونوں نے بارہ بجے کے بعد نکلنے کا فیصلہ کیا۔ گیارہ بجتے ہی نعیم نے پیاسی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کرن کیا بتا رات کے بعد کیا ہو؟"

"ہم کامیاب ہوں گے۔" اس نے نعیم کو گھورا۔

"وہ الگ بات، مستقبل سے کوئی واقف نہیں، اگلے سیکنڈ میں کیا ہوگا کوئی نہیں جانتا۔"

"میں اس وقت یہ فلاسفی باتیں نہیں سننا چاہتی۔" وہ اکتا کر بولی۔

"مگر میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" کرن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نعیم نے الفاظ کے بجائے عمل کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کرن کو اپنی جانب گھسیٹ لیا۔ اگلے چند لمحات میں لذت اور ہوس کا یہ کھیل شروع ہوگیا۔ کرن اسے روکنا چاہتی تھی مگر خود بھی جذبات کی لہر میں بہہ گئی۔ ہوش تب آیا جب ہر طرف ہپی نیوائر کا شور سنائی دیا۔ وہ چونک کر الگ ہوئے۔ کرن اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ نعیم مسکرا رہا تھا۔

"چلو اب تیاری پکڑو، وقت ضائع مت کرو۔" دونوں ایک ساتھ اٹھے۔ چہرے پر نقاب چڑھائے اور باہر نکلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر جاتے، دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک اٹھے۔

"اس وقت کون ہوسکتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے کوئی نہیں تھا۔ وہ واپس مڑی۔ اس کی چھٹی حس خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی۔ اس کے واپس مڑنے کے چند سیکنڈ بعد ہی دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ کرن نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

☆☆☆

ہپی نیو ائیر کے شور کے ساتھ ہی شعیب کمرے سے نکل آیا۔ اس نے چہرہ چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے کوٹ کی جیب میں خنجر تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا ہوا نجم کے کمرے کی جانب بڑھا۔ وہ تمام معلومات لے چکا تھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ اندر سے کسی کی ڈری ڈری آواز سنائی دی۔ کوئی لڑکی واصف یعنی نجم کو دروازہ کھولنے سے روک رہی تھی۔ "کون ہے باہر؟" نجم کی آواز سنائی دی۔

"پولیس۔" شعیب ایکشن کا فیصلہ کر چکا تھا۔ "ہمیں تمہارے روم کی تلاشی لینی ہے۔" وہ آواز کو بارعب بناتے ہوئے بولا۔ نجم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو، جب تک شناخت نہ ہو جائے میں اندر نہیں آنے دوں گا۔" اس نے غصے سے جواب دیا۔

"تم اپنی پوزیشن خراب کرلو گے، ہوٹل انتظامیہ بھی ہمارے ساتھ ہے، دروازہ نہ کھولا گیا تو ہم دوسری کی استعمال کرسکتے ہیں۔" شعیب کا جواب سخت تھا۔ نجم کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے سوراخ سے باہر جھانکا۔ وہاں ایک ہی آدمی کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں کھولتا ہوں دروازہ۔" اس کے ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ شعیب کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے پانی والا جگ شعیب کے سر پر آزمانا چاہا مگر وہ عین وقت پر جھکائی دے گیا۔ جگ کندھے پر پڑا اور اس کی کرچیاں اردگرد بکھر گئیں۔ شعیب کراہ کر جھکا۔ نجم نے پھرتی سے گھٹنا اس کے منہ پر مارا۔ وہ پلٹ کر گرا۔ نجم نے تیزی سے دروازہ لاک کیا اور شعیب پر پل پڑا۔ چند لمحوں کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس پر حاوی ہو جائے گا لیکن پھر شعیب کا داؤ چل گیا۔ اس نے نجم کو خود سے دور پھینکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ناک سے بہنے والا خون اس کے چہرے کو خوفناک بنا رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اچھلا اور دونوں پیر جوڑ کر نجم کے منہ پر مارے۔ پیچھے سے کوئی چیختا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔ یہ نجم کی ساتھی لڑکی تھی جو اسے قاتل سمجھ رہی تھی۔ اس نے شعیب کو دھکا دینا چاہا مگر شعیب گھوم گیا اور اس کو سر سے پکڑ کر دروازے میں دے مارا۔ وہ چند سیکنڈ میں ہوش سے بیگانہ ہوگئی۔ نجم سنبھل چکا تھا۔ وہ اٹھ کر شعیب کے سامنے آیا۔ شعیب اچھل کر اسے لات مارنا چاہتا تھا مگر نجم نیچے جھک گیا۔ اسے تب غلطی کا احساس ہوا جب شعیب کی دوسری ٹانگ حرکت میں آئی اور اس کے منہ پر لگی۔ وہ کراہ کر گرا۔ شعیب نے لباس میں چھپایا خنجر باہر نکالا۔ نجم منہ سے بہتا خون صاف کر رہا تھا۔

"بہت ایکشن ہوگیا نجم صاحب، اب کوئی کام کی بات کریں۔" وہ طنزیہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"کون نجم؟"

"یادداشت جلد واپس آجائے گی بس تھوڑا انتظار کرو۔" شعیب آگے بڑھا۔

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟"

"میں کون ہوں اسے چھوڑو، ہاں میں چاہتا کیا ہوں یہ ضرور پوچھو۔" شعیب نے بیڈ پر پڑی چادر پھاڑی اور اسے رسی کی شکل دینے لگا۔ نجم چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دم خم ختم ہو چکا تھا۔ شعیب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔

"ڈاکومنٹس کہاں ہیں؟" اس نے نجم کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کون سے ڈاکومنٹس؟"

"لگتا ہے یادداشت واپس لانی پڑے گی۔" شعیب کے لہجے میں غصہ آگیا۔ اس نے جیب سے ٹیپ نکالا اور نجم کے منہ پر لگا دیا۔ خنجر والا ہاتھ حرکت کرتا ہوا کان کی طرف آیا اور کٹ لگا کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔

☆☆☆

کرن تیزی سے واپس مڑی اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ وہ سامنے موجود تھا۔ تین سال میں چھ لوگوں کو قتل کرنے والا۔ اس کے انداز میں آج بھی کوئی جلدی اور عجلت نہ تھی۔ وہ معمول کے مطابق کھڑا تھا۔ چہرے پر نقاب چڑھائے، گہری نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" کرن نے غصے سے پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ اس کا ہاتھ یکدم جیب سے باہر آیا۔ کرن کی نظروں نے چمک محسوس کی۔ خنجر کا وار تیزی سے اس کے پیٹ کی جانب بڑھا۔ اگر اسے چند سیکنڈ کی دیر ہو جاتی تو انتڑیاں باہر ہوتیں۔ وہ تیزی سے ایک جانب جھک گئی۔ خنجر بس چھوتا ہوا آگے نکل گیا۔ اگلے ہی لمحے کرن کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ کرن کی ٹانگ اس کی ناف میں لگی۔ نقاب پوش کے لیے یہ صورتِ حال مختلف تھی۔ ایسے لگا جیسے اس کے حواس جواب دے گئے ہیں۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ اتنے میں نعیم بھی حیرت کے جھٹکوں سے سنبھل چکا تھا۔ کرن کی پھرتی دیکھ کر نقاب پوش گھبرا گیا۔ اس نے الٹے سیدھے ہاتھ پیر چلائے جنہیں کرن نے بلاک کیا اور خود تیزی سے جھکی اور نقاب پوش کو اٹھا کر دروازے میں دے مارا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ بھیانک تھی۔ نعیم نے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کر دیا۔ نقاب پوش بے حس و حرکت پڑا تھا۔

"یہ کون ہے؟" نعیم نے حیرت سے کرن کی جانب دیکھا۔

"میرا خیال ہے یہ نجم ہے اور اسے ہم پر شک ہو گیا ہے۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔ نعیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نقاب اتار دیا۔

"یہ تو......" اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کرن بھی حیران نظر آنے لگی۔

"اس کی ہم سے کیا دشمنی؟" دونوں سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ "بھائی شعیب نے بتایا تھا کہ پچھلے تین سال میں روم نمبر ایک سو چار میں چھ قتل ہوئے ہیں اور قاتل پکڑا نہیں گیا، تو تمام قتل اس نے کیے تھے۔" وہ نقاب پوش کی طرف اشارہ کر کے بولا جس کا نقاب اُتر چکا تھا۔ وہ ذیشان تھا۔ اس ہوٹل کا منیجر، تمام انتظامات کرنے والا، ہوٹل کے مالک جمال کا بھانجا۔

"مگر یہ سب کیوں کر رہا تھا یہ؟" نعیم کے ذہن میں یہ سوال گھومنے لگا۔

"یہ جاننا ہمارا کام نہیں، چلو باندھو اسے اور ہمیں اپنے کام پر نکلنا ہے۔" کرن نے اپنے بیگ سے ڈوری برآمد کر لی تھی۔ اس نے ذیشان کے ہاتھ پیر باندھے اور منہ پر ٹیپ لگا دیا۔ "چلو نکلو۔" اس نے پسٹل جیب میں ڈال لیا تھا۔ وہ دونوں نجم کے کمرے کی جانب بڑھے جہاں حیرت کے مزید جھٹکے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

☆☆☆

ذیشان کے کمرے میں موجود صوفیہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ پچھلے تین سال میں ذیشان بمشکل تیس یا چالیس منٹ میں اپنا کام نمٹا کر واپس لوٹ آتا تھا مگر آج کافی دیر ہو چکی تھی۔ نیو ائیر نائٹ منانے کے بعد لوگ اپنے رومز میں واپس لوٹ رہے تھے۔ اس نے دوبارہ گھڑی دیکھی۔ ذیشان کو گئے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے پاس پڑا ذیشان کا لیپ ٹاپ آن کیا۔ اس کا پاس ورڈ وہ جانتی تھی۔ چند لمحے اس سے چھیڑ خانی کے بعد وہ روم نمبر ایک سو پانچ میں موجود خفیہ کیمروں سے لنک ملانے میں کامیاب ہو گئی۔ سامنے روم نمبر ایک سو پانچ کا منظر تھا جہاں ذیشان بندھا پڑا تھا۔ صوفیہ کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

"او مائی گاڈ!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اب میں کروں؟" اس نے خود سے پوچھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اٹھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی دوسرے فلور کی جانب بڑھ گئی۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ ماسٹر کی سے ایک سو پانچ کا ڈور کھول رہی تھی۔ ڈور کھلتے ہی وہ اندر داخل ہوئی اور تیزی سے ذیشان کی جانب بڑھی جو ہوش میں آ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پیر کھولے، منہ سے ٹیپ اتاری اور قریب ہی پڑے پانی کے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور ذیشان کے منہ سے لگا دیا۔ وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔ اس کی سانسوں کی رفتار اپنے معمول پر آنے لگی تھی۔

"تم یہاں کیسے؟" اس نے صوفیہ سے پوچھا۔

"ریکارڈنگ کیمروں سے دیکھا ہے۔" اس نے بتایا۔

"مگر یہ سب کیسے؟"

"میری غلطی ہے، میں ان کو جج نہیں کر سکا، لڑکی تیز تھی اس نے قابو پا لیا مجھ پر۔" ذیشان اٹھتے ہوئے بولا۔

"اب؟" صوفیہ پریشان تھی۔

"مارنا ہوگا دونوں کو، ورنہ بھانڈا پھوٹ جائے گا۔" وہ کمرے سے باہر آیا۔

"وہ گئے کس طرف ہیں؟" صوفیہ نے پوچھا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں، اتنی دیر میں ہوٹل سے باہر تو نہیں جا سکتے۔" وہ سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ سر کا حصہ دروازے سے ٹکرایا تھا اور اب بھی درد کر رہا تھا۔ اس نے صوفیہ سے موبائل مانگا۔ موبائل ہاتھ میں آتے ہی اس نے گیٹ پر موجود چوکیدار کا نمبر ملایا۔

"خان، ہوٹل سے باہر کتنے لوگ ہیں اور ابھی کوئی نکلا ہے؟"

"دو تین لڑکے گھوم رہے ہیں صاحب اور ابھی کوئی نہیں گیا۔" خان کی بات سن کر اس نے گہری سانس لی۔

"کیسے ڈھونڈوں؟" وہ بڑبڑایا۔

"یہ لڑکی واصف کا پوچھ رہی تھی مجھ سے۔" صوفیہ کو اچانک یاد آیا۔

"کب؟" وہ چونکا۔

"آج صبح۔" اس نے بتایا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" صوفیہ سے روم نمبر پوچھ کر وہ ایک طرف دوڑا۔

☆☆☆

نجم تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ شعیب اس کے جسم کے مختلف حصوں کو خنجر سے کاٹ رہا تھا۔ آخر تکلیف سے نڈھال نجم نے اثبات میں زور زور سے سر ہلایا۔ شعیب نے ٹیپ اس کے منہ سے ہٹایا۔ "ڈاکومنٹس۔ وہ ادھر۔" ابھی وہ اشارہ کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔

"یہ کون آ گیا؟" شعیب بڑبڑاتے ہوئے اٹھا۔ اس نے دوبارہ ٹیپ نجم کے منہ پر لگا دی۔ وہ پُرامید نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا شاید کوئی اسے اذیت سے نجات دلوانے آ گیا ہے۔ شعیب نے کی ہول سے باہر جھانکا۔ سامنے کھڑے نعیم کو دیکھ کر وہ حیرت کے سمندر میں گم ہو گیا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ نعیم سے اس حالت میں اس سے ملے گا۔ "اسے کیسے پتا چلا میں یہاں ہوں؟" وہ سوچ رہا تھا۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ "خبردار، ہلنا مت۔" نعیم کے پیچھے کرن برآمد ہوئی۔

"خنجر پھینک دو۔" شعیب نے ہاتھ کھڑے کر کے خنجر پھینک دیا۔

نعیم کا سر گھوم گیا۔ "شعیب تم یہاں؟"

شعیب اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "تو یہ ہے وہ انڈین جس کی محبت میں جناب مجھ سے لڑ رہے تھے؟" کرن سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کرن پستول نیچے کر لو، یہ میرے بھائی ہیں۔" نعیم نے اشارہ کیا مگر کرن کی اگلی حرکت حیرت انگیز تھی۔ شاید وہ شعیب کی باڈی لینگویج سے سمجھ چکی تھی کہ وہ اس کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نے تیزی سے گھوم کر پستول کا زوردار وار نعیم کے سر میں مارا۔ وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ شعیب اس کی طرف "نعیم" کہتا ہوا لپکا۔

"نہ نہ، حرکت مت کرو تم۔" کرن نے پستول دوبارہ اس پہ تان لیا۔ "پیچھے مڑو اور چلو۔" شعیب نے اس کی ہدایات پر عمل کیا۔ سامنے نجم کو بندھا دیکھ کر کرن سمجھ چکی تھی۔

"ڈاکومنٹس حاصل کیے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں۔" شعیب نے مختصر جواب دیا۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ کرن اس سے نظریں ہٹائے بغیر نجم کی طرف بڑھی۔ اچانک وہ لڑکھڑائی۔ اس کا پیر بے ہوش پڑی روبی سے ٹکرا گیا تھا۔ اتنا وقت شعیب کے لیے کافی تھا۔ وہ چیتے کی سی پھرتی سے کرن پر جا پڑا۔ پستول کرن کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ اسے سنبھلنے میں چند سیکنڈ لگے۔ شعیب کی چلائی گئی لات سے بچنے کے لیے وہ جھکی اور بجلی کی تیزی سے اس نے اپنا بایاں ہاتھ شعیب کے منہ پر مارا۔ شعیب تھوڑا پیچھے ہٹا اور اگلے ہی لمحے وہ ہوا میں اچھلا۔ دونوں ٹانگوں کو سمیٹ کر پیر جوڑ لیے اور دوبارہ حملے کے لیے تیار کھڑی کرن کے منہ پر مارے۔ وہ اچھلی اور پیچھے بندھے پڑے نجم سے جا ٹکرائی۔ اس کے بعد شعیب نے اسے سنبھلنے نہ دیا۔ سر پر لگنے والی ٹھوکر نے اسے ہوش کی دنیا سے غافل کر دیا تھا۔ شعیب نے اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ لڑکی کی چالاکی بھانپ چکا تھا۔ اس نے نیچے بیٹھ کر کرن کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اس کی مخصوص رگ مسل دی۔ اب یہ دو تین گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہ آتی۔ یہ سب کرتے ہی اس نے اے ڈی صاحب کو مخصوص اشارہ بھیج دیا اور خود نجم کی طرف متوجہ ہو گیا جو خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ "اب بتاتا ہے یا مزید علاج کروں؟" وہ سر ہلانے لگا۔ ٹیپ منہ سے اتارتے ہی وہ بولا۔ "ڈاکومنٹس یہاں نہیں میرے پاس۔"

"جھوٹ، تیرے جیسے کمینے کسی پر اعتبار نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہیں، یقین کرو میری بات کا، تین سال سے یہاں سے وہاں انہیں لیے پھر رہا ہوں، اب جان چھڑانے کے لیے ایک دوست کو دے آیا ہوں۔"

''لگتا ہے تو نہیں مانے گا، ٹھہر۔'' شعیب نے قریب پڑا خنجر دوبارہ اٹھالیا۔

''یقین کرو میری بات کا، میں قسم کھاتا ہوں۔'' شعیب کو اس کے لہجے میں سچائی محسوس ہوئی۔

''تو اعتبار کے قابل نہیں مگر چل میں کرتا ہوں تجھ پر اعتبار، دوست کا پتا بتا۔'' نجم نے شہر کے ایک علاقے کا نام بتایا اور ایڈریس بتانے لگا اور آخر میں کہا۔

''ڈاکومنٹس اتنی آسانی سے نہیں ملیں گے، تمہیں، مجھے ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔'' شعیب نے کچھ سوچا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کوئی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے اندر داخل ہونے کے چند سیکنڈ بعد نعیم کو گولی ماردی۔ آنے والا ذیشان تھا۔ شعیب حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نعیم کے سر سے بہنے والا خون فرش کو رنگین کررہا تھا۔

☆☆☆

وہ تعداد میں چار تھے۔ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ایک کار میں موجود۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ''کیا لگتا ہے سر، کر لے گا مشن مکمل؟'' فرنٹ پر بیٹھا نوجوان بولا۔ اپنی حرکات وحلیے سے وہ سب کسی اسپیشل پولیس والے لگتے تھے۔

''ہاں امید تو بہت ہے، اے ڈی صاحب نے اس کے حوالے کیا ہے تو کچھ سوچ کر کیا ہوگا۔'' اسی لمحے اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔ ساتھ ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ نئے سال کی پہلی رات اب خاموش ہو چکی تھی۔ سردی سے بچنے کے لیے سب نے جیکٹس پہن رکھی تھیں۔ ہوٹل کے گیٹ پر موجود چوکیدار نے انہیں روکا مگر لیڈر کے ہاتھ میں موجود کارڈ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ ان کی منزل روم نمبر اکیاون تھی۔ ابھی وہ اپنی منزل سے چند قدم ہی پیچھے تھے کہ انہیں فائر کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ڈور کھولتے ہی انہیں حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ کمرے میں سات افراد موجود تھے۔ تین بے ہوش پڑے تھے اور ہوٹل کا منیجر ذیشان ہاتھ میں ریوالور لیے شعیب کی طرف منہ کر کے کھڑا تھا۔ نیچے پڑے ایک نوجوان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ انہیں حالات کنٹرول کرنے میں بس پانچ منٹ لگے۔

☆☆☆

شعیب اے ڈی صاحب کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر دکھ کے تاثرات تھے۔ ''مکمل تفصیل بتاؤ۔'' اے ڈی صاحب البتہ خوش نظر آرہے تھے۔

''اب تمام حالات سامنے آچکے ہیں سر، کرن ورما، اسی گروپ کے ایک ممبر ورما کی بیٹی تھی جنہوں نے یہ ڈاکومنٹس حاصل کیے۔ نجم نے ان کے رنگ میں بھنگ ڈالا اور ڈاکومنٹس لے کر پاکستان آگیا۔ اس کی بدقسمتی کہ وہ بار بار جمال ہوٹل کے قریب دیکھا گیا اور انڈین گروپ کے ساتھ ساتھ ہم بھی وہاں پہنچ گئے، انڈین گروپ کی ایجنٹ کرن ورما اسی مشن پر تھی، اس کام کے لیے اسے نعیم کا ساتھ ملا جو اس کے عشق میں ہر غلط کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ یہاں تک تو سب ترتیب سے چل رہا تھا مگر اچانک انٹری ہوئی ذیشان کی۔ ذیشان دراصل جمال کی نوکری سے تنگ تھا۔ اگرچہ تنخواہ اچھی اور سہولیات تھیں مگر لالچ نے اسے اندھا کر رکھا تھا۔ وہ صوفیہ کے ساتھ مل کر ایک ایسی ویب سائٹ بنا رہا تھا جس پر چند سال بعد حقیقی جنسی واقعات کے بعد ہونے والے قتل کی ویڈیوز ڈالی جاتیں۔ اس طرح کی ویب سائٹس پر آج کل ایک دن کی آمدنی کروڑوں کے حساب سے ہوتی ہے اور لذت کے ساتھ ساتھ ایڈونچر کے شوقین ایسی ویب سائٹس کی باقاعدہ ممبرز شپ حاصل کرتے ہیں۔ جمال ہوٹل کے روم نمبر ایک سو چار اور پانچ میں ذیشان نے خفیہ کیمرے لگا رکھے تھے جو تمام واقعات کو ریکارڈ کرتے رہے۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو ایک ماہ میں اتنی رقم کما لیتا جتنی جمال ہوٹل کی سالانہ آمدنی ہے۔ صوفیہ ویب پیج بنانے میں ماہر تھی۔ کوئی چاہ کر بھی انہیں ٹریس نہ کر پاتا۔ یوں ڈاکومنٹس والے مسئلے کے ساتھ جمال ہوٹل کا کیس بھی شامل ہو گیا۔ ذیشان کی بدقسمتی اس بار اس نے کرن اور نعیم کو چنا۔ کرن لڑائی کی اتنی تکنیکس تو جانتی تھی کہ ذیشان جیسے اناڑی پر قابو پا سکتی تھی اور اس نے یہ کیا بھی مگر ذیشان نے بھی بیک اپ صوفیہ کی شکل میں رکھا تھا۔ نجم کے کمرے میں ایک کے بعد ایک انٹری ہوئی اور ہماری فورس سے پہلے ذیشان نے اپنا کام کر دکھایا۔ اس نے نعیم کو گولی ماردی۔'' یہ کہہ کر شعیب رکا۔ اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔ ''وہ کرن کو بھی مارنے والا تھا مگر میں نے اس کی توجہ اپنی جانب رکھی۔ اور ہم ان سب کو گرفتار کرنے میں کامیاب رہے۔ نجم اور اس کے دوست سے ڈاکومنٹس حاصل کرنا آسان ثابت ہوا۔'' اس نے اپنی بات ختم کی۔

''ہم...... گڈ جاب! مجھے نعیم کی موت کا افسوس ہے مگر یہ اس کی اپنی بیوقوفی تھی۔ وہ ایک ملک دشمن کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔'' اے ڈی صاحب نے کہا۔ ذیشان، صوفیہ اور کرن گرفتار کیے جا چکے تھے۔ شعیب ان سے اجازت لے کر باہر آگیا۔

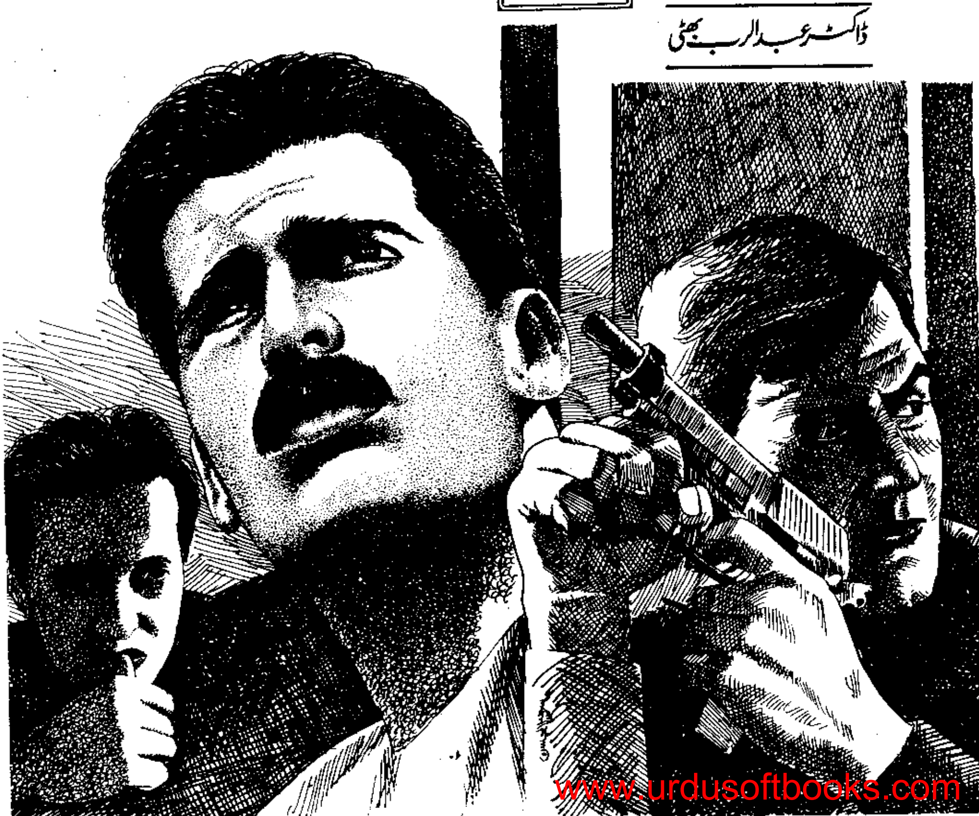
مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھناؤنے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہو رہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگا رنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

آوارہ گرد

قسط نمبر: 48

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی





گذشتہ اقساط کا خلاصہ

شہزاد احمد خان شہزی نے ہوش سنبھالا تو اسے اپنی ماں کی ایک ہلکی سی جھلک یاد تھی۔ باپ اس کی نظروں کے سامنے تھا مگر سوتیلی ماں کے ساتھ۔ اس کا باپ بیوی کے کہنے پر اسے اطفال گھر چھوڑ گیا جو یتیم خانے کی ایک جدید شکل تھی، جہاں بوڑھے بچے سب ہی رہتے تھے۔ ان میں ایک لڑکی عابدہ بھی تھی، شہزی کو اس سے انسیت ہوگئی تھی۔ بچے اور بوڑھوں کے سنگم میں چلنے والا یہ اطفال گھر ایک خداترس آدمی، حاجی محمد اسحاق کی زیرنگرانی چلتا تھا۔ پھر شہزی کی دوستی ایک بوڑھے سرمد بابا سے ہوگئی جن کی حقیقت جان کر شہزی کو بے حد حیرت ہوئی کیونکہ وہ بوڑھا لاوارث نہیں بلکہ ایک کروڑ پتی شخص تھا۔ اس کے اکلوتے بے حس بیٹے نے اپنی بیوی کے کہنے پر سب کچھ اپنے نام کروا کر اسے اطفال گھر میں پھینک دیا تھا۔ اطفال گھر پر رفتہ رفتہ جرائم پیشہ عناصر کا عمل دخل بڑھنے لگتا ہے۔ شہزی کا ایک دوست اول خیر چوہدری ممتاز خان کے حریف گروپ جس کی سربراہ ایک جوان خاتون زہرہ بیگم ہے، سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں وہ چھوٹے استاد کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بڑا استاد کھیل دادا ہے جو زہرہ بانو کا خاص دست راست اور اس کا یکطرفہ چاہنے والا بھی تھا۔ زہرہ بانو درحقیقت ممتاز خان کی سوتیلی بہن ہے۔ دونوں بھائی بہنوں کے بیچ زمین کا تنازع عرصے سے چل رہا تھا۔ کھیل دادا، شہزی سے خار کھانے لگتا ہے۔ اس کی وجہ زہرہ بانو کا شہزی کی طرف خاص التفات ہے۔ بیگم صاحبہ کے حریف، چوہدری ممتاز خان کو شہزی ہر محاذ پر شکست دیتا چلا آرہا تھا، زہرہ بانو، لئیق شاہ نامی ایک نوجوان سے محبت کرتی تھی جو درحقیقت شہزی کا ہم شکل ہی نہیں، اس کا بچھڑا ہوا بھائی تھا۔ شہزی کی جنگ پھیلتے پھیلتے ملک دشمن عناصر تک پہنچ جاتی ہے۔ ساتھ ہی شہزی کو اپنے ماں باپ کی بھی تلاش ہے۔ وزیر جان جو اس کا سوتیلا باپ ہے، اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ وہ ایک جرائم پیشہ گینگ ''اسپیکٹرم'' کا زونل چیف تھا، جبکہ چوہدری ممتاز خان اس کا حلیف۔ رینجرز فورس کے میجر ریاض ان ملک دشمن عناصر کی کھوج میں تھے لیکن دشمنوں کو سیاسی اور عوامی حمایت حاصل تھی۔ لوہے کو لوہے سے کاٹنے کے لیے شہزی کو اعزازی طور پر بھرتی کرلیا جاتا ہے اور اس کی تربیت بھی پاور کے ایک خاص تربیتی کیمپ میں شروع ہوجاتی ہے، عارفہ علاج کے سلسلے میں امریکا جاتے ہوئے عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اسپیکٹرم کا سربراہ لولوش، شہزی کا دشمن بن چکا ہے، وہ جے بی سی (جیوش برلنس کیونٹی) کی ملی بھگت سے عابدہ کو امریکی سی آئی اے کے چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔ اس سازش میں بالواسطہ عارفہ بھی شریک ہوتی ہے۔ باسکل ہولارڈ، ایک یہودی نژاد کٹر مسلم دشمن اور جے بی سی کے خفیہ دنیائے مسلم کے خلاف سازشوں میں ان کا دست راست ہے۔ باسکل ہولارڈ کی فورس ٹائیگر فینگ شہزی کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ باسکل ہولارڈ کی لاڈلی بیٹی انجیلا، لولوش کی بیوی ہے۔ اڈیسہ کمپنی کے شیئرز کے سلسلے میں عارفہ اور سرمد بابا کے درمیان چپقلش آخری نہج پر پہنچ جاتی ہے، جسے لولوش اپنی ملکیت سمجھتا ہے، ایک نودولتیا سیٹھ نوید سانچے والا مذکورہ شیئرز کے سلسلے میں ایک طرف تو لولوش کا ٹاؤٹ ہے اور دوسری طرف وہ عارفہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ اس دوران شہزی اپنے ماں باپ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ اس کا باپ تاج دین شاہ، درحقیقت وطن عزیز کا ایک گمنام بہادر غازی سپاہی تھا۔ وہ بھارت کی خفیہ ایجنسی کی قید میں تھا۔ بھارتی خفیہ ایجنسی بلیوتلسی کا ایک افسر کرنل سی جی بھجوانی شہزی کا خاص ٹارگٹ ہے۔ شہزی کے ہاتھوں بیک وقت اسپیکٹرم اور بلیوتلسی کو ذلت آمیز شکست ہوتی ہے اور وہ دونوں آپس میں خفیہ گٹھ جوڑ کرلیتے ہیں۔ شہزی، کھیل دادا اور زہرہ بانو کی شادی کرنے کی بات چلانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں کھیل دادا کا شہزی سے نہ صرف دل صاف ہوجاتا ہے بلکہ وہ بھی اول خیر کی طرح اس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ باسکل ہولارڈ، امریکا میں عابدہ کا کیس دہشت گردی کی عدالت میں منتقل کرنے کی سازش میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ امریکا میں مقیم ایک بین الاقوامی مبصر اور رپورٹر آنسہ خالدہ، عابدہ کے سلسلے میں شہزی کی مدد کرتی ہے۔ وہی شہزی کو مطلع کرتی ہے کہ باسکل ہولارڈ، سی آئی اے میں ٹائیگر فینگ کے دو ایجنٹ اس کو اغوا کرنے کے لیے خفیہ طور پر امریکا سے پاکستان روانہ کرنے والا ہے۔ شہزی ان کے شکنجے میں آجاتا ہے، ٹائیگر فینگ کے مذکورہ دونوں ایجنٹ اسے پاکستان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاز راں کمپنی اڈیسہ کے شیئرز کے سلسلے میں لولوش برما (رنگون) میں مقیم تھا۔ اس کا دست راست سے جی کوہارا، شہزی کو ٹائیگر فینگ سے چھین لیتا ہے اور اپنی ایک لگژری بوٹ میں قیدی بنا لیتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور قیدی، بشام جھلگری سے ہوتی ہے جو کبھی اسپیکٹرم کا ایک ریسرچ آفیسر تھا جو بعد میں تنظیم سے کٹ کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ بشام اسے پاکستان میں موئن جو دڑو سے برآمد ہونے والے طلسم نور ہیرے کے راز سے آگاہ کرتا ہے جو چوری ہوچکا ہے اور لولوش اور سی جی بھجوانی کے ایک مشترکہ معاہدے کے تحت سے جی کوہارا کی بوٹ میں بلیوتلسی کے چندرناتھ، شیام اور کورنیلا آتے ہیں۔ وہ شہزی کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر بلیوتلسی کے ہیڈکوارٹر لے جاتے ہیں، وہاں پہلی بار بلیوتلسی کے چیف سی جی بھجوانی کو شہزی اپنی نظروں کے سامنے دیکھتا ہے، کیونکہ یہ وہی درندہ صفت شخص تھا جس نے اس کے باپ پر اس قدر تشدد کے پہاڑ توڑے تھے کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ اب پاکستان میں شہزی کے باپ کی حیثیت ڈکلیئر ہوگئی تھی کہ وہ ایک محب وطن گمنام سپاہی تھا، تاج دین شاہ کو ایک تقریب میں اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے شہزی کی اہمیت بھی کم نہ تھی، یوں بھجوانی اپنے منصوبے کے مطابق اس کی رہائی کے بدلے شہزی کے ساتھیوں، زہرہ بانو اور اول خیر وغیرہ سے پاکستان میں گرفتار شدہ اپنے جاسوس سندر داس کو آزاد کروانا چاہتا تھا۔ ایک موقع پر شہزی، اس برمی قصاب، سے جی کوہارا اور اس کے ساتھی بھومک کو بے بس کردیتا ہے، وہاں سوشیلا کے ایل ایڈوانی سے اپنی بہن، بہنوئی اور اس کے دو معصوم بچوں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے شہزی کی ساتھی بن جاتی ہے۔ دونوں ایک خونی معرکے کے بعد وہاں سے فرار ہوجاتے ہیں۔ پولیس ان دونوں کے تعاقب میں تھی مگر شہزی اور سوشی کا سفر جاری رہتا ہے۔ حالات کی مستقل پرفریبیوں کے باوجود وہ اس چھوٹی سی بستی میں تھے کہ کوہارا اور چندرناتھ حملہ کردیتے ہیں۔ خونی معرکے کے بعد شہزی اور سوشیلا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ شہزی کا پہلا ٹارگٹ صرف سی جی بھجوانی تھا۔ اسے اس تک پہنچنا تھا۔ ممبئی ان کی منزل تھی۔ موہن اور ان دونوں کو ایک ریسٹورنٹ میں ملنا تھا مگر اس کی آمد سے پہلے ہی وہاں ایک ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔ کچھ لوفر ٹائپ لڑکے ایک رینا نامی لڑکی کو تنگ کررہے تھے۔ شہزی کافی دیر سے یہ برداشت کررہا تھا۔ بالآخر اس کا خون جوش میں آیا اور ان غنڈوں کی اچھی خاصی مرمت کرڈالی۔ رینا اس کی مشکور تھی۔ اسی اثنا میں رینا کے باڈی گارڈ وہاں آجاتے ہیں اور یہ روح فرسا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ ایل کے ایڈوانی کی پوتی ہے۔ ان کے ساتھ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکنے والا معاملہ ہوگیا تھا۔ شہزی، رینا کو اپنے پاکستانی ہونے اور اپنے مقاصد کے بارے میں بتا کر قائل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ رینا، شہزی کی مدد کرتی ہے اور وہ اپنے ٹارگٹ بلیوتلسی تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہاں کی سیکیورٹی سے مقابلے کے بعد بلیوتلسی کے ہیڈکوارٹر میں تباہی مچا دیتا ہے اور سی جی بھجوانی کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ شہزی نے ایک بوڑھے کا روپ دھارا ہوا

تھا۔ سی جی بھوانی، شہزی کے گن کے نشانے پر تھا مگر اسے مار نہیں سکتا کہ شہزی کے ساتھی اول خیر، شکیلہ اور کھیل دادا اس کے قبضے میں تھے اور کالا پانی "انڈیمان" پہنچا دیے گئے تھے۔ کالا پانی کا نام سن کر شہزی گنگ رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں جانا ناممکنات میں تھا۔ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے سی جی بھوانی کو ٹارچر کرتا ہے۔ بھوانی مدد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس اثنا میں کوریلا فون پر بتاتی ہے کہ تینوں کو "کلی منجارو" پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ نام سن کر شہزی مزید پریشان ہو جاتا ہے۔ اچانک بلراج سنگھ حملہ آور ہوتا ہے۔ مقابلے میں سی جی بھوانی مارا جاتا ہے۔ پھر شہزی کی ملاقات نانا شکور سے ہوتی ہے، جو ممبئی کا ایک بڑا اسمگلر تھا۔ نانا شکور شہزی کی مدد کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور پھر شہزی، سوشیلا اور نانا شکور کے ہمراہ کلی منجارو کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ نانا شکور کی سربراہی میں رات کی تاریکی میں سفر جاری تھا۔ چاکی کے گھنے دلدلی جنگل کی حدود شروع ہو چکی تھی کہ اچانک جنگلی وحشی زہر یلے تیروں سے حملہ کر دیتے ہیں۔ شہزی اپنی گن سے جوابی فائرنگ کر کے کچھ جنگلی وحشیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر تاریکی کی وجہ سے نانا شکور دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس سناٹے میں اب شہزی اور زخمی سوشیلا کا سفر جاری تھا کہ وہ ایک نیم صحرائی علاقے میں پہنچ جاتا ہے جہاں حد نگاہ کالی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوشیلا کو جیپ میں چھوڑ کر خود ایک قریبی پہاڑی کا رخ کرتا ہے تاکہ راستوں کا تعین کر سکے۔ واپسی کے لیے پلٹتا ہے تو ٹھٹک کر رک جاتا ہے۔ کیونکہ ہر طرف رینگتے ہوئے کالے سیاہ رنگ کے موٹے اور بڑے ڈنک والے بچھو نظر آئے۔ یہ سیاہ پہاڑی بچھو تھے جنھیں دیکھ کر شہزی کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ بچھوؤں سے بچ نکلنے کے لیے وہ اندھادھند دوڑ پڑتا ہے۔ ڈھلوان پر دوڑتے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے اور چٹانی پتھر سے ٹکرا کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر خود کو ایک لانچ میں پاتا ہے۔ وہ لانچ میجر کیم کھلا اور اس کی بیٹی سونگ کھلا کی تھی۔ وہ نایاب کالے بچھوؤں کے شکاری تھے اور بچھوؤں کا کاروبار کرتے تھے۔ اچانک سونگ کھلا کی نظر بے ہوش شہزی پر پڑتی ہے اور اسے ان بچھوؤں سے بچا لیتی ہے۔ شہزی خود کو ایک ہندو ظاہر کر کے فرضی کہانی سنا کر باپ بیٹی کو اعتماد میں لے لیتا ہے۔ اس اثنا میں برمی مسلم گروپ کا مجاہد تولا ان پر حملہ کر دیتا ہے۔ شہزی کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیم کھلا کو بے گناہ اور مظلوم برمی مسلمانوں کے قتل کا ٹاسک ملا ہوا ہے تو وہ کیم کھلا اور اس کے ساتھیوں کو جہنم واصل کر دیتا ہے، پھر نارتھ انڈیمان کے ساحل کا رخ کرتا ہے۔ جہاں کلی منجارین سے ٹاکرا ہو جاتا ہے۔ شہزی گھات لگا کر ان کے ایک ساتھی دیال داس کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا بھیس بھر کر ان میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ اس سارے چکر میں جنرل کے ایل ایڈوانی کا ہاتھ ہے اور اس کا نائب بلراج سنگھ بھی موجود ہے۔ جنرل ایڈوانی یہاں اپنے خاص مشن کی تکمیل اور ٹھکانے کو مضبوط بنانے کے لیے ڈارک کیسل نام کی عمارت تعمیر کروا رہا تھا جس کے پیچھے بیرونی طاقتیں تھیں۔ ایڈوانی نے اپنے مکروہ مفادات کے لیے کلی منجارین سے مل کر جاوا قبیلے کے سردار کو مار کر پورے جاوا قبیلے کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ ایڈوانی اور بلراج شہزی کو دیال داس کے بہروپ میں پہچان نہ سکے اور وہ چالاکی سے اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر شہزی منصوبے کے تحت بلراج سنگھ کو جہنم واصل کرتا ہے۔ ایڈوانی ڈارک کیسل سے موٹر بوٹ کے ذریعے فرار کی کوشش کرتا ہے۔ شہزی ساتھیوں سمیت ایڈوانی کا پیچھا کرتا ہے اور اسے سمندر برد کر کے طلسم نور ہیرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے پھر ہندوستانی مچھیروں کے روپ میں پاکستان کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں دونوں ملکوں کے کوسٹ گارڈز سے نمٹتے اپنی سرزمین پاکستان پہنچتے ہی زہرہ بانو سے رابطہ کرتا ہے۔ ملتان جانے سے پہلے لاڑکانہ پہنچ کر بشام کی بیوہ ارم سے ملتا ہے۔ وہاں کا زمیندار شاہ نواز خان جو پہلے بھی ہیرا چوری کر چکا تھا اب دوبارہ حاصل کرنے کے چکر میں بشام کی بیوہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شہزی وغیرہ کی آمد پر شاہ نواز خان دھوکے سے بشام کے قتل اور اس کی بیوہ ارم کے اغوا کے جرم کی رپورٹ کرا دیتا ہے۔ پولیس اول خیر اور کھیل دادا کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ شہزی کو شاہ نواز خان اپنا قیدی بنا کر لے جاتا ہے۔ اچانک رات کے سناٹے میں خطرناک ڈاکو پریل چانڈیو حویلی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ واپسی میں شاہ نواز کی بیٹی سونہڑیں بھی ساتھ ہوتی ہے جو اس کی محبوبہ ہے۔ جاتے ہوئے پریل، شہزی کو بھی اپنے اڈے پر لے جاتا ہے۔ اسی رات پریل کا نائب لائق ماچھی لالچ میں آکر سازش کرتا ہے اور پریل کو غائب کرا کر خود سردار بن بیٹھتا ہے اور سونہڑیں کو تاوان کے لیے قبضے میں کر لیتا ہے۔ شہزی، لائق ماچھی کے ساتھی عارب خان کو قابو کر لیتا ہے۔ عارب بتاتا ہے کہ پریل کو بے ہوش کر کے ایک گہرے گڑھے میں ڈال دیا ہے صبح تک جنگلی کتے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ شہزی، پریل کو بچا لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پریل، شہزی کا احسان مند ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہزی کے ساتھیوں اور سونہڑیں کو چھڑانے کے لیے تھانے پر حملہ کر دیتا مگر رینجرز کی اینٹی ڈکیت فورس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مقابلے میں پریل اور اس کے ساتھی مارے جاتے ہیں۔ شہزی اور اس کے ساتھی رینجرز کی تحویل میں چلے جاتے ہیں۔ شہزی، میجر وسیم کو اپنے بارے میں تمام حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ میجر وسیم، شہزی پر اعتماد کرتے ہوئے بھاری نفری کے ساتھ شاہ نواز کے خفیہ ڈیرے پر ریڈ کر کے طلسم نور ہیرا برآمد کر لیتے ہیں۔ اس مہم کے بعد شہزی اپنے ساتھیوں سمیت بیگم ولا کا رخ کرتا ہے جہاں شہزی کے والدین اور زہرہ کی نگاہیں منتظر تھیں۔ پاکستان پہنچ کر شہزی کو پتا چلتا ہے کہ عارفہ، نوید سانجھے والا کی قید میں ہے عارفہ کو رہائی دلا کر نوید کو قانون کے شکنجے میں دے دیتا ہے پھر زہرہ کے تعاون اور ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں عابدہ کی رہائی کے لیے کھیل دادا اور شکیلہ کے ساتھ نئے مشن پر امریکا روانا ہوتا ہے۔ طیارہ ابھی پاکستانی حدود میں تھا کہ شہزی کو ایک شناسا آواز نے چونکا دیا۔ یہ وزیر جان تھا۔ اور بینکاک ائرپورٹ سے شہزی کو ہیروئن اسمگلنگ کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ مگر شہزی، وزیر جان کو چکما دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ایک تھائی لڑکی ساپچی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہاں ایک شاپنگ مال میں کچھ دہشت گرد حملہ آور ہوتے ہیں اور لوگوں کو یرغمال بنا کر اپنے قیدی چھڑانا چاہتے ہیں۔ ان کا سرغنہ، شہزی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ جو کاساپا کوکا آدمی ہے۔ ایک مقام پر وزیر جان سے ٹاکرا ہو جاتا ہے۔ وزیر خان بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا ہے شہزی کار میں اس کا پیچھا کرتا ہے۔ ایک برج پر شہزی، وزیر جان کی کار کو ٹکر مارتا ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے کاریں گہرے پانی میں جا گرتی ہیں۔ اس طرح وزیر جان کو تہ آب کر کے اپنے ازلی دشمن سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ وزیر جان کے خاتمے کے بعد کاساپا کوکے ہرکارے شہزی کو بے ہوش کر کے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ کاساپا کو، شہزی کی بہادری کا قائل ہو جاتا ہے اور خالص سونے کا گوتم بدھ کا مجسمہ جو پہلے ہی بینکاک میوزیم سے چرا لیا گیا تھا، اب اسے امریکا پہنچانا تھا۔ اور اس کے لیے کاساپا کو شہزی کا انتخاب کرتا ہے اور امریکی ایجنٹ روڈلف کے ساتھ امریکا روانہ ہوتا تھا کہ اسپیکٹرم کے ایجنٹوں سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ شہزی، روڈلف کے ساتھ کیٹ اور بروجیٹ کو زخمی کر کے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

میری کاسپاکو کے ساتھ فون پر گفتگو کے آخری انداز سے شاید ان تینوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان کے باس نے مجھے آخر میں کیا جواب دیا ہوگا! نیز ممکن تھا کہ کاسپاکو نے انہیں بھی اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کردیا ہو کہ یہ لوگ وہی کریں جن کا انہیں حکم دیا جاچکا تھا۔

صورتِ حال ایک دم مخدوش ہوگئی تھی۔ میں اپنے سفری کاغذات کسی قیمت پر بھی ان کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کاسپاکو اس سلسلے میں میری کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا، جبکہ مجھے آخر تک یہی خوش فہمی رہی تھی کہ میں کاسپاکو ایک بار پھر بلف کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

''کاغذات ہمارے حوالے کردو۔''

ان تینوں پستول بدست ہرکاروں میں سے دراز قامت والے آدمی نے مجھ سے تحکمانہ کہا۔ اس کے لہجے میں درشتی پائی جاتی تھی۔ میری نظریں ان کے چہروں پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں مجھے جارحانہ عزائم کی چمک صاف نظر آرہی تھی۔ روڈلف بھی میرے ساتھ خاموش کھڑا تھا۔

''اوکے...... باس کا اگر یہی حکم ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' میں نے شانے اُچکا کر بظاہر بے بسی سے کہا۔ ''لیکن تم لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ ان حالات میں جبکہ میں وہ مجسمہ دوبارہ حاصل کرنے کی منصوبہ بندی پر عمل کرنے والا ہوں، تمہیں باس کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں میری پلاننگ واضح ہے۔ مجسمہ ابھی تک گوموبورا کے جزیرے میں ہی طیارے کے اندر پڑا ہے۔ وہ کوئی کھلونا نہیں ہے کہ اسے بہ آسانی پولیس جیب میں ڈال کر اپنے ساتھ لے جائے گی۔ اس کے لیے کرین کا بندوبست کیا جارہا ہے، جو ایک کارگو ٹرک اور پھر وہاں سے جزیرے تک کسی لانچ میں رکھ کر پہنچایا جائے گا۔ تب تک ہم......''

''ہمیں چکر دینے کی کوشش مت کرو مسٹر شہزاد!'' دراز قامت آدمی نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔ اس کی گھورتی تیز نظریں جیسے میرے پورے وجود کا ایکسرا کر رہی تھیں۔

''اور...... تمہاری اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ...... اگر ایسا کچھ ہوتا تو تم یہاں منیلا تک کا سفر نہیں کرتے۔ باس نئے سرے سے پلاننگ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب ایک سیکنڈ کا بھی وقت ضائع کیے بغیر وہ کاغذات ہمارے حوالے کردو اور خود کو بھی۔''

میں سمجھ گیا کہ کاسپاکو نے ذہنی طور پر تسلیم کرلیا تھا کہ وہ گوتم بدھ کے بیش قیمت مجسمے سے محروم ہوچکا ہے۔ لہٰذا اب وہ صرف مجھ سے اپنی وہ خطیر رقم نکلوانا چاہتا تھا جو ملٹی پل ویزا کے لیے اس نے ویسٹرن بینکوں میں داؤ پر لگا رکھی تھی۔ اس کے بعد وہ مجھے کم از کم زندہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔

''اوکے! ایسا ہی ہے تو یہی سہی۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا اور پھر اپنی پشت اس کی جانب کرکے، تھوڑا اس کے قریب ہوکر کھڑا ہوگیا اور بولا۔ ''کاغذات کا پاؤچ میری پشت پر ایک بیلٹ سے بندھا ہوا ہے۔ پلیز! تم تھوڑی زحمت کرلو، کیونکہ میرا وہاں تک ہاتھ نہیں جائے گا۔''

چونکہ میری پشت اس کی طرف تھی اور میں نہتا بھی تھا۔ پھر وہ خود تو آگے نہیں بڑھا البتہ اپنے ایک ساتھی سے کچھ کہا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر کردیے تھے۔ بظاہر یہی لگ رہا تھا کہ وہ آسانی سے میری جیکٹ اور شرٹ اُوپر کرکے پاؤچ اُچک لے گا ایسا صرف نظر ہی نہیں آرہا تھا بلکہ ایسا تھا بھی۔ تاہم میں نے بھی نصف حد تک اپنی گردن ان کی جانب موڑے رکھی تھی، ان تینوں کی جھلک اور حرکات میں محسوس کرسکتا تھا۔ ایسے میں میرا ذہن ان پر اچانک ہلّا بولنے کی اکائیاں گن چکا تھا کہ مجھے کس طرح حملہ آور ہونا ہے کہ یہ تینوں بیک وقت اس کی زد میں آجائیں۔ کیونکہ یہ مسلح تھے۔

جیسے ہی ان کے ایک ساتھی کے ہاتھوں کا لمس میں نے اپنی پشت پر محسوس کیا، میں اپنی جگہ پھرکی کے مانند کھڑے کھڑے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوما اور میرے بائیں بازو کا لفٹ ہک اس کے سینے پر زور سے پڑا۔ یہ وار پوری طاقت اور شدت سے کرنے کا متقاضی تھا، کیونکہ میں نے صرف اسے ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے دو مزید ہرکاروں کو بھی نشانہ بنانا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے لفٹ ہک کو پوری طاقت فراہم کرنے کے لیے اپنے دائیں ہاتھ کا زور بھی بائیں ہاتھ کی کلائی پکڑ کے صرف کرڈالا تھا۔ وار کے نتائج پل کے پل میں خاطر خواہ برآمد ہوئے۔

یہ بھرپور ضرب لگتے ہی وہ ہرکارہ اپنی جگہ سے چند انچ اُچھل کر اپنے دونوں ساتھیوں پر جاپڑا۔ میری یہ حرکت ان کے لیے غیر متوقع نہ ہونے کے باوجود کام کرگئی تھی، وجہ اس میں غیر معمولی پھرتی اور اکائیوں کے شمار کا درست ہونا تھا۔ یوں وہ تینوں ہی بیک وقت گرے اور پستولیں بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئیں۔ اب میں انہیں کہاں چھوڑنے والا تھا۔ سینے پر بھرپور ضرب کھانے والا ہرکارہ تو موقع پر

ہی ڈھیر ہو گیا۔ میں نے البتہ دراز قامت کو دبوچ لیا جبکہ روڈلف نے درمیانی قامت کے گنجے کو۔

دراز قامت نے لیٹے لیٹے مجھے لات رسید کرنے کی کوشش چاہی تھی کہ وہ بجائے مجھے لگنے کے۔ میرے دونوں ہاتھوں میں آ گئی، جسے دبوچ کر میں اپنی ایک ٹانگ اس کے جسم کے اُوپر سے گھوم کر مروڑ ڈالی اور ''کڑاکے'' کی ہلکی آواز کمرے میں اُبھری۔ ساتھ ہی دراز قامت کی لرزہ خیز چیخ بھی...... اذیت کے مارے وہ فرش پر اُلٹا ہو گیا اور پھر میں اپنی جگہ سے اُچھلا تو میری ٹانگیں اس کی گدی پر پڑیں۔ اس کا سر پیشانی سمیت بڑے زور سے پختہ فرش پر لگا اور پھٹ گیا۔ وہ وہیں بے حس و حرکت ہو گیا۔

ایسے میں میرے روم روم میں لہو مثلِ پارا گردش کرنے لگتا تھا۔ میں تیزی سے تیسرے شکار کو چھاپنے کے لیے متوجہ ہوا جس کے ساتھ روڈلف نبرد آزما تھا مگر روڈلف کچھ زخمی ہونے کے باعث مدِمقابل کے سامنے کچھ ''ماٹھا'' پڑتا نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ تیسرا شکار اس کی دست بُرد سے نہ صرف یہ آسانی نکل چکا تھا بلکہ روڈلف کے زخمی بازو پر گھونسا رسید کرنے اور اسے خود سے پرے دھکیلنے کے بعد چند ماہ کے بچے کی طرح کرولنگ کرتا ہوا، قریب دھرے پڑے پستول کو اُچکنے کے لیے تیزی سے بڑھ رہا تھا اور پھر جیسے ہی اس کا ایک ہاتھ پستول کے دستے پر پڑا اسے اُٹھانے کی حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی۔

میں اپنی جگہ سے جست لگا کے اس کی پشت پر پڑا تھا۔ اس کے حلق سے چیخ برآمد ہو گئی۔ کیونکہ میری ایک ٹانگ اس کی ریڑھ کی ہڈی پر اور دوسری ٹانگ اس کے سر پر پڑی تھی۔ میرے اس ڈبل اسالٹ وار نے اُسے بھی نڈھال کر دیا۔ روڈلف اپنے بازو کا زخم سہلانے میں لگا ہوا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ اسے بھلا کر حرکت میں آیا اور اس نے میرے تیسرے مضروب شکار کے قریب پڑا پستول اُٹھا لیا۔

اسی وقت وہی عورت کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

ہمیں دیکھ کر اس نے اپنا پورا منہ کھول کے چیخ ماری اور پلٹ کر بھاگنے ہی لگی تھی کہ میں نے ایک ہی چھلانگ میں اسے کسی چیتے کی طرح جھپٹ لیا۔ وہ فلپائنی عورت درمیانی عمر کی تھی اور اسے دبوچتے ہی مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ عام سی عورت تھی اور شاید ملازمہ ٹائپ کی تھی۔

''ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔'' میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ ''یہ تینوں کرمنلز ہیں اور ہمیں گن پوائنٹ پر یہاں لائے تھے۔ تم انگلش سمجھ رہی ہو ناں......؟''

اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے میری طرف تکتے ہوئے اپنے سر کو ہولے سے جنبش دی۔ گویا وہ سمجھ رہی تھی پھر میں نے اس سے پوچھا۔

''اب تم اپنے بارے میں بتاؤ تم کون ہو؟ ویسے مجھے تم ان کی ساتھی تو نہیں لگتیں؟''

''میں ان کی ملازمہ ہوں، میرا نام لیوی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تم یہاں کب سے مقیم ہو اور یہ کس کی پراپرٹی ہے؟ اور کون کون یہاں رہتا ہے؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے اگلا سوال کیا۔

''مجھے یہاں زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ایک ماہ ہی ہوا ہے۔'' لیوی نے جواب دیا۔ ''میں ان کے لیے گھریلو ملازمہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ یہاں صرف ایک ہی شخص رہتا تھا۔'' اس نے فرش پر ڈھیر پڑے اس ہرکارے کی طرف اشارہ کیا جو اُن کی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

''یہی ایک آدمی یہاں رہتا تھا۔''

''ہوم م......'' میں نے ہونٹ بھینچ کر ایک ہنکارا بھرا پھر بولا۔

''اب میری بات غور سے سنو مس لیوی! یا جو بھی تم ہو...... یہ اچھی بات ہے کہ تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ لوگ خطرناک مجرم ہیں۔ میرا تمہیں مشورہ ہے کہ اس واقعے کو ایک بھیانک خواب سمجھ کے بھلا دینا۔ جیسے تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں...... مطلب یہ کہ کسی سے اس کا ذکر بھی مت کرنا۔ ورنہ تم ایک خطرناک عالمی گینگ کی زد میں آ جاؤ گی جسے ختم کرنا ان کے لیے ایک مکھی مارنے سے زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟''

اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے مزید گہرے ہو گئے۔ اس نے فوراً اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ تاہم اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک ہاؤس میڈ ہوں۔ کرائے پر گھروں میں کام کرتی ہوں۔ میں اس واقعے کو ہی نہیں بلکہ اس گھر کو بھی بھول جاؤں گی۔''

''گڈ! اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔ باقی یہاں پولیس خود آ کر سب سنبھال لے گی، تم اب جا سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ اس نے تھوڑی مہلت مانگی، وہ اپنا مختصر سامان سمیٹنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی اجازت دے دی۔ جب وہ مکان سے چلی گئی تو میں اور روڈلف بھی باہر آ گئے۔

لیوی تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی قریب کہیں غائب ہو گئی تو روڈلف نے کہا۔

"بڈی اتم نے اس بے چاری کو اچھا خاصا خوف زدہ کردیا۔"

"ہاں! یہ ضروری تھا۔ اس کے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی۔" میں نے اردگرد نظریں گھمائیں۔

"اب کیا ارادہ ہے، بڈی؟"

"میری اب کاسیاکو سے پوری طرح ٹھن چکی ہے۔"

"تب پھر میرا مشورہ بھی ہوگا کہ اس کی رقم اس کے حوالے کردینی چاہیے، ورنہ وہ ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہے گا۔ کم ازکم ایک جھگڑا تو نمٹے۔ ورنہ وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ ہم نے اسے دھوکا دیا اور اس کی ایک خطیر رقم ہتھیا کر اپنا اُلو بھی سیدھا کرلیا۔"

"میں یہی کرنے لگا ہوں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں کسی جگہ بیٹھ کر یہ کام کرنا ہوگا۔ جہاں فون کرنے کی سہولت بھی میسر ہو۔"

"دو کنگسٹن ہوٹل چلتے ہیں۔ اوپیرا اسٹریٹ میں واقع ہے، ائرپورٹ سے نزدیک بھی ہے۔" روڈلف نے کہا۔

یہاں سے نکلنے سے پہلے روڈلف نے واش روم جا کر کیبنٹ سے فرسٹ ایڈ کا سامان تلاش کیا اور میری مدد سے اس کے بازو کی پٹی کردی۔ چند منٹوں بعد ہی ہم نکلنے کے لیے تیار تھے۔

ہم نے ٹیکسی کروائی اور مذکورہ ہوٹل پہنچ گئے۔ یہاں آسانی سے ہمیں فرسٹ فلور پر ایک کمرا مل گیا۔ سکون کی کچھ گھڑیاں میسر آئیں تو ہم باتوں میں مشغول ہوگئے۔

روڈلف نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تین بار سنگاپور، دو بار تھائی لینڈ ایک بار پہلے بھی فلپائن آچکا ہے۔ تنظیم ہی کے سلسلے میں جب ڈی کارلو اس کے سربراہ ہوتے تھے تو وہ سری لنکا سے لے کر انڈیا، حتیٰ کہ چین اور تبت تک کا سفر کرچکا ہے جبکہ بیشتر مغربی ممالک بھی وہ جاچکا تھا۔ اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسپیکٹرم میں اس کا شمار سب سے زیادہ سفر کرنے والے کارکن میں ہوتا تھا۔

وہ اپنے شعبے کا نائب بھی تھا۔ بہت جلد وہ پوری تنظیم یعنی مسٹر ڈی کارلو کا بھی نائب ہونے والا تھا کہ لولوش نے شب خون مارا اور وہ نجانے کیا چکر چلا کر ڈی کارلو کا نائب بن بیٹھا اور اس نے تیزی کے ساتھ تنظیم میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنا شروع کردیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہی مسٹر ڈی کارلو کا حادثاتی انتقال ہوگیا اور لولوش نے اس تنظیم کو "ہائی جیک" کرلیا اور خود اس کا سربراہ بن بیٹھا۔

حالات کچھ ایسے رہے تھے کہ روڈلف سے میں ابھی تک اس بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کرسکا تھا۔ چلتے چلتے ہی یا برسبیل تذکرہ ہی وہ کچھ بتا دیتا تھا، اس نے یہ بھی بتایا کہ لولوش کی ماں افریقہ کے کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جو جادو ٹونے کرتا تھا۔

خود بھی اس کا تعلق وچ خاندان سے تھا۔ قبیلے کی تباہی کے بعد اس کی ماں برازیل آگئی تھی اور وہاں برمودا کے ایک غریب محنت کش سے اس نے شادی کرلی اور وہیں لولوش کی پیدائش ہوئی، وہ باپ سے زیادہ ماں کے قریب رہا، اگرچہ اس میں اس کی ماں کا بھی دخل رہا تھا۔ وہاں بھی ... اس کا یہی کام رہا۔

جلد ہی لوگوں میں عقدہ کھلا کہ لولوش کی ماں ایک وچ ڈاکٹر ہے۔ جادو ٹونے کرنے والوں کو ان دنوں جان سے مار دیا جاتا تھا یا پھر شہر سے بے دخل کردیا جاتا تھا۔ اس کی ماں کے ساتھ بھی یہی ہوا تو وہ اپنے بیٹے (لولوش) کو لے کر برمودا کے ایک جزیرے میں رہنے لگی اور پھر وہیں اس کا انتقال ہوا۔

تب تک لولوش اپنی ماں کے توسط سے ہی برمودا کے ایک جزیرے کا شہزادہ اور بادشاہ کہلانے لگا۔ تب تک اس کی "وچ" ماں وہاں ایک بڑے قبیلے کو اپنے حلقہ اثر میں لے چکی تھی۔

بڑی پُراسرار شخصیت تھی لولوش کی...... بقول روڈلف کے، میں نے صرف اس کا ابھی ایک ہی روپ دیکھا ہے۔ یعنی ایک خطرناک عالمی گینگسٹر، ورنہ وہ اس سے بھی آگے کی "شے" ہے۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے لولوش کا دوسرا روپ کسی جادوگر کا ہے؟" جانے کیوں مجھے روڈلف سے یہ سوال کرتے ہوئے ہنسی سی آگئی تھی۔ اس نے منہ بنالیا بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں یار! یہ میں نے کب کہا مگر آج کے سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں ایسی باتوں پر کون یقین کرتا ہے۔"

"کرنے والے کرتے ہیں بڈی!" وہ مدبرانہ لہجے میں بولا۔ "دوسرے ملکوں کی مثال چھوڑو، امریکا میں ہی جانے کتنے وچ خاندان آج بھی موجود ہیں، بے شک خود کو گمنام رکھتے ہیں مگر درپردہ وہ جادو ٹونے اور شیطانی عملیات کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی تو وہاں ایک پُراسرار سوسائٹی بنی ہوئی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں اور لوگ جوق در جوق ان کی اس پُراسرار تنظیم کے ممبر بن رہے ہیں، بعد میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی

گئی۔

’’پوری دنیا میں اس شیطانی گروہ کی خبریں نشر کی گئی تھیں۔ بظاہر یہ تتر بتر ہو گئے، مگر یہ پھر خفیہ رہتے ہوئے یکجا ہو جاتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی اپنا ہم خیال بناتے رہتے ہیں۔ وہ عام لوگوں میں کھلے ملے رہتے ہیں، پتا ہی نہیں لگنے دیتے اپنے بارے میں، بظاہر خوش باش، سلجھے ہوئے مہذب اور پڑھے لکھے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ حقیقت میں کیا ہیں؟‘‘

’’یہ بتاؤ...... تم عابدہ سے متعلق کیا جانتے ہو؟‘‘ میں نے جیسے قدرے بیزار ہو کے موضوع بدلا تو روڈلف معنی خیز مسکراہٹ سے بولا۔

’’میں جانتا ہوں کہ تم ان باتوں پر یقین نہیں کرو گے۔‘‘ اس نے اس موضوع سے میری بیزاری کو شاید محسوس کر لیا تھا۔

’’لیکن بڈی! اگر تم نے لولوش سے دو دو ہاتھ کرنے ہیں ناں...... تو تمہارے لیے اس کا فقط ایک ہی روپ سے آگاہ ہونا مناسب نہیں۔ وہ مردود خبیث، شیطان کا پیروکار ہے۔ اس نے اپنی ماں کا بھی ایک بہت بڑا اور شاندار مقبرہ بنا رکھا ہے برمودا میں، سنا ہے وہ اب بھی اپنی ماں کی روح کے ساتھ ہم کلام رہتا ہے، جو اس کی رہنمائی کرتی ہے، وہ آج بھی اپنے بیشتر پُراسرار قسم کے خفیہ منصوبوں میں مصروف رہتا ہے جس میں سے ایک منصوبہ اس کی ماں کی کوئی وصیت کو بھی پورا کرنا ہے، جس کے بارے میں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا وصیت ہے؟ خیر...... چھوڑو...... تمہاری گرل فرینڈ عابدہ کے ساتھ اس نے کچھ اچھا نہیں کیا۔‘‘

وہ اتنا کہہ کر رکا۔ میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ میں یک ٹک اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

’’میں شاید تمہیں یہ تو بتا ہی چکا ہوں کہ کسی خاص مقصد کے تحت عابدہ کو باسکل ہولارڈ اور پھر جیل میں ڈالنے کے بعد عابدہ کو یہودیوں کی ایک تنظیم جے۔ بی۔ سی۔ یعنی جیوش بزنس کیمونٹی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ ایسا خفیہ طور پر کیا گیا ہے جبکہ کوکوران کی جیل میں ایک قیدی کی حیثیت سے عابدہ کا سارا ریکارڈ جوں کا توں موجود ہے۔ سنا ہے کہ کوئی لیڈی رپورٹر عابدہ کے لیے جدوجہد میں مصروف تھی، کیونکہ وہ خود بھی ایک مسلم عورت تھی۔ اس نے پتا چلا لیا تھا کہ عابدہ کو کوران کی جیل سے پُراسرار طور پر غائب کر دیا گیا ہے۔ لیکن پھر نجانے کیا ہوا کہ اچانک وہ خاتون جس کا نام آنسہ خالدہ تھا، خاموش ہو کے بیٹھ گئی۔‘‘

’’وہ خاموش ہو کے نہیں بیٹھی۔‘‘ میں نے فوراً اپنی اندرونی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ’’اُسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غائب کر دیا گیا ہے۔‘‘

’’اوہو...... یہی ہونا تھا بالآخر۔‘‘ روڈلف کے منہ سے نکلا۔

’’یہ بتاؤ، جے۔ بی۔ سی۔ کا سربراہ کون ہے؟‘‘

’’سوری بڈی! اس کا مجھے علم نہیں۔‘‘ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔ ’’یہ باتیں ہوتی رہیں گی، فکر مت کرو بڈی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پہلے موجودہ مسئلے سے جان چھڑاؤ تاکہ امریکا جلد سے جلد روانہ ہوا جائے، ورنہ یہ کم بخت کاسپا کو ہمارا راستہ کھوٹا کرتا رہے گا۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں یہ کم بخت خود ہی اپنی ساری فوج سمیت یہاں نہ آن دھمکے۔ اسے اپنا پیسہ واپس مل جائے گا تو شاید اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔‘‘

اس کی بات صحیح تھی۔ ہم نے پہلے روم سروس فون کر کے کچھ کھانے پینے کو منگوایا اس دوران میں نے بھی روڈلف کو ضرورت کی حد تک اپنے اور پاکستان میں موجود اپنے بہی خواہوں، ساتھیوں اور دشمنوں کے بارے میں بھی بتایا نیز اسپیکٹرم کا انڈیا کی خفیہ ایجنسی ’’را‘‘ کے ذیلی ونگ بلیوٹنسی سے گٹھ جوڑ اور بعد میں میرے ہاتھوں بلیوٹنسی کی تباہی، جسے سن کر روڈلف ششدر رہ گیا۔

عابدہ کے کیس سے وہ بھی واقف تھا مگر یہ اُسے معلوم نہ تھا کہ اسپیکٹرم نے پاکستان میں بھی وزیر جان اور چوہدری ممتاز وغیرہ کے ذریعے اپنا جال پھیلا رکھا تھا۔ جو بعد میں میرے ہاتھوں ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

’’بڈی! کم تو تم بھی نہیں ہو مگر میرا پھر یہی مشورہ ہوگا کہ لولوش کو کوئی عام آدمی سمجھنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ اس موذی کو ختم کرنا چاہتے ہو تو تمہیں پہلے اس کی جڑیں کھنگالنا ہوں گی۔ اسے کھود کر کاٹنا ہوگا۔ تب ہی تم لولوش کا کچھ بگاڑ سکتے ہو۔‘‘ روڈلف نے کہا اور پھر گرما گرم کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے مزید بولا۔

’’جب تمہاری گرل فرینڈ عابدہ کا معاملہ امریکا میں منظرِ عام پر آیا تھا تو عارفہ نامی عورت کا بھی ذکر سنا گیا تھا۔ اگر وہ بقول تمہارے...... راہِ راست پر آ گئی ہے تو پھر تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کم از کم تمہیں فنانشل سپورٹ حاصل ہے۔ ایک اور خاتون جس کا تم نے ابھی ذکر کیا، زہرہ بانو...... یہ دو تمہاری بہترین سپورٹر ہیں۔ لیکن

عارفہ کی بات اور ہے، جو بیرونِ ملک کہیں بھی تمہارے قدم جمانے میں تمہاری اچھی مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تم پہلے زہرہ بانو کے بجائے عارفہ سے ہی رابطہ کرو۔"

میرے بارے میں جاننے کے بعد روڈلف مجھے وہی "صائب" مشورے دے رہا تھا جو میرے ذہن میں بھی تھے۔ اس کی تائید سے مجھے مکمل تشفی ہوتی تھی۔ تاہم کچھ سوچتے ہوئے میں نے مشورہ طلب لہجے میں کہا۔

"لیکن میں اس ہوٹل سے فون نہیں کرنا چاہتا۔ کسی اور مقام سے اگر یہ سہولت حاصل ہو جائے تو کیسا رہے گا......؟"

"ہاں! یہ بات میں بھی سوچ رہا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "ایسا کرتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ذرا فریش ہو کے باہر نکلتے ہیں۔ پھر بتاتا ہوں کہ کہاں چل کر فون کیا جائے۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منیلا کے بین الاقوامی ائرپورٹ سے نکلتے ہی ہم مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ گویا یہ سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی بات ہوگئی تھی۔

ہمیں فریش ہونے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ جبکہ پاکستان فون کرنے کے لیے میں بھی بے چین تھا۔ میرے ساتھی بھی پریشان ہو رہے ہوں گے میری وجہ سے...... اور مجھے کپیل دادا اور شکیلہ کے بارے میں بھی معلوم کرنا تھا۔

دو گھنٹے بعد ہم دونوں کنکشن ہوٹل سے نکلے اور سڑک پر آ گئے۔ لنچ ہم نے ہوٹل میں ہی کر لیا تھا، کچھ تکان سی اُتارنے کے بعد ہم باہر نکلے تو منیلا کے آسمان پر سنہری دھوپ چمک رہی تھی۔ گویا سہ پہر ہو چلی تھی۔

روڈلف اور میں منیلا کی سڑکوں پر مٹرگشت کرنے لگے۔ قریبی ویسٹرن یونین برانچ سے ہم نے کچھ پیسے نکلوائے جہاں منی ایکسچینج کی سہولت بھی موجود تھی، چنانچہ ان پیسوں کو فلپائنی "پیسو" میں منتقل کرلیا گیا۔

میرا سارا زور پاکستان فون کرنے پر لگا رہا اور روڈلف کا آوارہ گردی پر۔ حالانکہ وہ یہاں ایک دوبار پہلے بھی آچکا تھا لیکن بعد میں عقدہ کھلا کہ وہ ایسا کیوں چاہ رہا تھا۔

یہ بھی کہ اس ہوٹل چند گھنٹوں بعد ہی کیوں چھوڑ دیا تھا۔ ہاں! یہ اسی کا مشورہ تھا کہ اب یہاں سے نکل کر کسی اور علاقے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ اس نے آخر میں کہا۔

"بڈی! کبھی کبھی تم بہت جلد بازی سے کام لیتے ہو۔" ایک سڑک کراس کرنے کے بعد وہ مجھے لیے ایک بس اسٹینڈ کے پاس کھڑا ہوگیا۔

"میں احتیاط کے لوازمات کو ملحوظ رکھنا چاہتا ہوں، بالخصوص کاسپاکو کے ان تینوں ہرکاروں سے مڈبھیڑ ہونے کے بعد تو ہمیں اپنے سائے سے بھی محتاط ہونا چاہیے۔ کیونکہ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بدبخت کے آدمی چند چھوٹے بڑے ایشیائی ممالک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یا وہ یہاں تک فوری رسائی رکھتا ہے۔"

"تو اب کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم اس وقت جنوبی علاقے میں ہیں، میں تمہیں شمالی علاقے میں لے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں دیکھنا تمہیں اجنبیت کا احساس قطعاً نہیں ہوگا۔" میں اس کی بات پر چونکے بنا نہ رہا سکا، خفیف سی مسکراہٹ سے مستفسر ہوا۔

"وہاں بھلا میرے کون سے جاننے والے رہتے ہیں؟ جو مجھے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیں گے؟"

"تمہاری مسلم کمیونٹی زیادہ تر وہیں آباد ہیں، بڈی!" اس نے کہا۔

"ارے......! کیا واقعی؟" مجھے ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

"ہو گئے ناں خوش بڈی!" وہ میری طرف دیکھ کر چہکا۔ "ایسے گھومنے کے مواقع کبھی کبھی ہی ملتے ہیں۔ کام کے ساتھ طعام بھی ضروری ہے (طعام سے اس کی مراد آوارہ گردی کرنا ہی تھا)۔ چلو، وہاں سارے کام آسانی سے ہوجائیں گے اور خطرے کا خدشہ بھی کم ہوگا۔"

مجھے اس کی بات پر صاد کرنا پڑا۔ پھر اسی کی خواہش پر ہم نے بس کا سفر کیا تھا۔ بسوں کے سلسلے میں یہاں بھی وہی معاملہ تھا۔ مسافروں کے لیے سیٹوں سے زیادہ کھڑے ہونے کی جگہ زیادہ کشادہ کررکھی تھی۔ چھت سے لٹکے ہوئے بےشمار لہراتے ہوئے چرمی بیلٹ اس بات کا ثبوت تھے کہ جنہیں سیٹیں نہیں ملتی تھیں وہ ان کے سہارے لٹک کر (کھڑے ہوکر) سفر کرتے تھے۔ وہ مجھے منیلا کے شمالی حصے میں لے آیا۔

یہاں مسجدوں اور اسی طرح کے چند اسلامی تعلیمی اداروں کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ فلپائن کی زبان اور کلچر اپنی جگہ، جہاں (جنوبی حصے میں) امریکی کلچر چھایا ہوا تھا۔ کلب، بار، موسیقی و رقص و سرود بھی کچھ دیکھنے میں آتا تھا۔ ان کا تعلیمی نظام بھی امریکی تھا۔ اسی



English
Beautify
your skin,
naturally
English
Neem
Soap Bar
Natural
الصابون بار
facebook.com/snscares

طرح امریکی میڈیا کا بھی (جنوبی حصے میں) اثر دیکھنے میں آتا تھا۔

منیلا کی نوجوان نسل امریکی انداز و ڈھنگ میں ''گوڈے گوڈے'' تک ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن جہاں......

فلپائن میں مسلمانوں کی اکثریت جنوبی علاقوں میں تھی۔ وہاں البتہ مسلم کلچر اپنے تہذیب و تمدن کا پرچار کامیابی سے کیے ہوئے تھا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ جنوب کے علاقوں میں رہنے والی مسلم کمیونٹی میں مزاحمت کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مغربی کلچر، مذہب اور رواجوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی ٹھوس اور حقیقت پر مبنی وجہ یہی ہے کہ اسلام بجائے خود ایک طاقتور اور فعال مذہب ہے اور اس کے ماننے والے کسی دوسرے مذہب کے کلچر کو بہت مشکل سے اپناتے ہیں اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو وہ اس میں سرتاپا غرق نہیں ہو جاتے۔ اسی سبب جنوبی فلپائن، شمالی فلپائن سے بہت مختلف ہے۔

یہاں ہر چیز پر اسلامی تہذیب کے آثار نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسلام کا غلبہ بھی یہاں دیکھنے میں آتا تھا۔ مسلمان خواہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں، وہ اپنے عقیدے کے مطابق ہی زندگی بسر کرنے پر زور دیتے ہیں یہاں بھی مجھے یہی کچھ نظر آرہا تھا۔

روڈلف کی اس اعلیٰ ظرفی کا میں دل سے معترف ہونے لگا تھا۔ اس نے بھی ہمارے مسلم کلچر کے بہترین اسلاف اور ان کی صاف ستھری تعلیمات کی تعریف۔۔ کی تھی۔ یہی نہیں اس نے اپنے بارے میں ایک انوکھا انکشاف کر کے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے بتایا کہ اس کی گرینڈ ما (دادی) اسلام سے بے حد متاثر تھی۔

وہ کہتی تھی کہ جیسے ہی میں نے اسلام قبول کیا میرے نفس کی پراگندگی از خود دھلتی چلی گئی۔ میں جن نفسیاتی اور اپنے مغربی سماج کی خرابیوں کا شکار ہو کر جس بے سکونی کی حالت میں سکون کی متلاشی تھی، وہ مجھے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اس کے بارے میں جاننے کے دوران ہی دور ہوتی محسوس ہونے لگی۔ میرے لیے روڈلف کی سب سے بڑی حیرت کی بات یہ رہی جب اس نے یہ بتایا کہ اس کا گرینڈ پا (دادا) خود ایک پادری تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے طلاق لے لی تھی بعد میں، ظاہر ہے وجہ اس کی بیوی (روڈلف کی گرینڈ ما) کے مسلم ہونے کی تھی۔

اس وقت میرے باپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ عیسائی تعلیم اس نے اپنے باپ سے حاصل کی تھی اور وہ کٹر کیتھولیک کرسچن تھا مگر جذباتی طور سے ماں سے اس کی زیادہ ''اٹیچمنٹ'' تھی، یوں وہ ماں کے ساتھ ہی الگ ہو گیا لیکن باپ کی دی ہوئی تعلیم سے آخر تک منحرف نہیں ہوا۔

جب اس کی شادی ہوئی تو روڈلف کی ماں کو اس کی دادی نے اسلامی تعلیمات دینے کی کوشش چاہی تھی مگر وہ اپنے شوہر اور پادری سسر کے زیر اثر رہی۔ انہی دنوں روڈلف کی پیدائش ہوئی تو دادی نے اسے اسلام کی تعلیم سے روشناس کروانا چاہا اور کافی حد تک روڈلف متاثر بھی ہوا لیکن وہ بھی اپنے کرسچن ماں باپ اور دادا کے زیر اثر رہا لیکن اس کے دل میں اپنی دادی کے اسلام سے متعلق بتائے ہوئے وعظ ابھی تک تازہ تھے۔ بدقسمتی سے اس کی دادی کا انہی دنوں انتقال ہو گیا اور روڈلف گھر سے تلاشِ معاش کے لیے نکل گیا۔ یوں اس کا اپنے گھر سے ہی نہیں بلکہ اپنے ماں باپ اور دادا سے بھی رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن اور خوش رہنے لگا۔

پھر اس نے ماریا نامی لڑکی سے شادی کر لی جس سے دو بچے ہوئے اور یوں وہ اپنی گھریلو زندگی میں مگن ہو گیا۔ روڈلف کے بارے میں یہ حقائق جان کر مجھے ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔

بہرحال یہاں ہم نے دانستہ طور پر ایک عام سے ہوٹل میں رہائش اختیار کی اور وہیں مجھے ٹیلی فون کال کرنے کی سہولت میسر آگئی۔

میں نے فی الفور سب سے پہلے زہرہ بانو کو فون کھڑکا دیا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا...... میں جب بھی زہرہ بانو سے رابطہ کرتا تو میرا دل جانے انجانے خدشات اور نامعلوم سی بے چینی میں گھرنے لگتا تھا۔ یہ ایک فطری عمل ہوتا ہے، وہ انسان جو گھر سے دور اور غریب الوطنی کی حالت میں ہو ایسی ہی کیفیات سے دوچار ہوتا ہے، اس حقیقت سے انکار کوئی نہیں کر سکتا۔

بہت سی باتیں میرے دل و دماغ میں گردش کرتی رہتی تھیں۔ پاکستان میں میرے دشمن ابھی موجود تھے۔ ان سے وہاں میرے بہی خواہوں کو عمومی نوعیت کے خطرات سہی، کیونکہ ایک تو خود زہرہ بانو بھی کم نہ تھی، پھر وہاں میرا یار بے بدل اول خیر موجود تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اس وقت اپنے تمام دشمنوں کی توجہ اپنی جانب رکھی ہوئی تھی۔

''خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے...... شہزی! کیا میں واقعی تمہیں سن رہی ہوں ناں؟'' میری آواز سنتے ہی زہرہ بانو کی دوسری جانب سے حیرت میں ڈوبی آواز ابھری۔

''زہرہ بانو! یہ میں ہی ہوں اور تم سب لوگوں کی دعاؤں اور اللہ کے غیر معمولی فضائل کے ساتھ بالکل خیریت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب سب سے پہلے تم اپنی اور سب کی خیریت سے مجھے فوراً آگاہ کرو اور کبیل دادا اور شکیلہ کی بھی خیریت بتاؤ۔''

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' زہرہ بانو نے ایک بار پھر دعائیہ کلمات کہے اور جذبات سے لبریز لہجے میں بولی۔ ''شہزی! ہم سب بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ہیں۔ کبیل دادا اور شکیلہ بھی خیریت سے ہیں اور تمہاری ہدایت کے عین مطابق وہ امریکا میں خود کو فی الحال محدود کیے ہوئے ہیں مگر وہ تمہارے آنے کے بے چینی سے منتظر ہیں بلکہ حالیہ رابطے کے دوران میں کبیل دادا نے اصرار کیا ہے شہزی سے اس کی بات کرواؤ۔''

''مجھے ان کا نمبر دینا میں ان سے بات کرلوں گا اور بتاؤ؟'' میں نے فوراً دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ''امریکا سے آنسہ خالدہ یا اس کی دوست سوزی نے کوئی رابطہ کیا؟''

''نہیں، وہاں سے ابھی تک کسی نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا ہے۔'' اس نے بتایا اور مجھے مایوسی ہوئی۔ ''مگر تم تو اپنے بارے میں بتاؤ کہ کہاں ہو؟ کیا ابھی تک تھائی لینڈ میں ہو؟''

میں نے مختصراً صرف چند ضروری باتیں بتائیں اور رقم کے سلسلے میں بات کی۔ میری بات پر وہ خاموش سی ہوگئی، پھر بولی۔

''اتنی بڑی رقم کا بندوبست ہو تو جائے گا...... مگر...... کچھ وقت لگے گا۔''

یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ زہرہ بانو کے لیے اتنی بڑی رقم کا بندوبست کرنا ناممکن تو شاید نہ ہو مگر وقت طلب کام ضرور ہوگا۔ لہٰذا میں نے فوراً کہا۔ ''موجودہ صورت حالات میں مجھے عارفہ سے بھی رابطہ کرنا ہوگا، میرا خیال ہے میں پہلے اس سے بات......''

''شہزی!'' اچانک دوسری جانب سے زہرہ بانو نے میری بات کاٹی۔ ''عارفہ بھی اب تمہارے بارے میں کم فکر مند نہیں رہتی۔ وہ تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے اکثر یہاں آتی رہتی ہے، اتفاق سے وہ بھی آئی ہوئی ہے اور تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ بات کراؤں......؟''

''فوراً کراؤ۔'' میں نے کہا۔

تھوڑی دیر گزری تو عارفہ کی آواز اُبھری۔ ''شہزی! کیسے ہو؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟'' میں نے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، تمہاری خیریت جان کر اور تم سے بات کر کے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے شہزی!'' وہ مسرت سے لبریز ہو کے بولی۔

''تم نے مجھ سے پھر کوئی رابطہ ہی نہیں کیا؟ تم دیارِ غیر میں کیسے گزارا کر رہے ہو؟ مجھے اس بات کی سخت فکر تھی اور زہرہ بتا رہی ہے تمہیں مجھ سے کوئی بات کرنی ہے، رقم وغیرہ کا مسئلہ ہے تو بتاؤ مجھے ابھی، لیکن میرا خیال ہے کہ زہرہ بہن ابھی تمہیں فوری طور پر رقم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔'' میں جواب میں بولا اور پھر اسے بھی پیسوں سے متعلق مختصراً آگاہ کر دیا۔

''اس طرف سے تو تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔'' وہ ایک دم جوش سے بولی۔ ''میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں کسی بھی وقت ایک خطیر رقم کی ضرورت پڑ سکتی ہے شہزی! بہرحال، ساری باتیں چھوڑ کر مجھے بتاؤ تمہیں کتنی رقم کی ضرورت ہے بلکہ جتنی کی بھی ضرورت ہے بے دھڑک مجھے بتا دو......'' وہ جوش میں کہتی چلی گئی۔ مجھے اس کے جذبے نے بے حد متاثر کیا تھا۔

ایک بُرا انسان راہِ راست پر آنے کے بعد اچھوں سے بھی اچھا بن جاتا ہے۔ تاہم عارفہ کا معاملہ تھوڑا مختلف اس لیے بھی تھا کہ وہ اپنی ایک غلطی کا ازالہ بھی کرنا چاہتی تھی اور اس کے لیے میں اتنا اہم نہیں بلکہ عابدہ اور اس کی رہائی اہم تھی۔ کیونکہ عابدہ اس کی محسن تھی اور اس کے کام آئی تھی لیکن اپنی اسی محسنہ کے خلاف اس نے ایسا قدم اُٹھایا تھا جس کے سبب عابدہ گویا اس نہ ختم ہونے والی خطرناک صورت حالات کا شکار ہو کر امریکا میں پھنس چکی تھی۔

لہٰذا اب عارفہ کے راہِ راست پر آنے کے بعد عارفہ کو یہ خلش ہر وقت بے چین کیے رکھتی تھی کہ اس کی قصوروار وہی ہے اور اب اسی کو مدد کرنا ہے۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''عارفہ! تمہارے جذبے کو میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور تمہارا مجھ پر یہ احسان ہوگا کہ......''

''کیسی باتیں کر رہے ہو شہزی؟'' اس نے اچانک میری بات کاٹ دی۔ ''میں پہلے ہی تم سے اس قدر شرمندہ ہوں اور تم مجھے مزید شرمندہ کرنا چاہتے ہو؟ میں بھلا تم پر کیا احسان کر رہی ہوں؟ احسان تو مجھ پر عابدہ اور تم نے کیا ہے۔ عابدہ میری بیماری کے دوران میرے کام آئی اور تم

دونوں نے ایک لمبی جدائی برداشت کی، بلکہ ابھی تک کر رہے ہو۔ لیکن میں نے تم دونوں کی اس بھلائی کے بدلے میں کیا صلہ دیا؟ دھوکا اور فریب...... پھر خود بھی ایک ایسے خبیث شخص کے جال میں پھنس گئی جو میری ہی جان کا دشمن نہیں تھا بلکہ میرے دونوں بچوں کے بھی خون کا پیاسا تھا، تب بھی تم ہی کام آئے تھے شہزی! کیا بھول گئے؟

''سیٹھ نوید جیسے زہریلے سانپ سے تم نے مجھے بچایا۔ یہ سب جاننے کے باوجود کہ میں نے عابدہ اور تمہارے ساتھ کیا کیا، مگر تم نے میری برائی کا جواب بھلائی سے دے کر میرے ضمیر کو بھی جگا دیا۔ نہیں شہزی! نہیں، خدا کے لیے مجھے مزید پستیوں میں مت گرانا، اب سنبھلی ہوں تو سنبھلے ہی رہنے دینا مجھے۔''

یہ کہتے کہتے وہ رو پڑی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کس قسم کی جذباتی نوعیت سے گزر رہی تھی، برائی کے بدلے میں بھلائی کا جواب ایک بُرے انسان کو راہِ راست پر ہی نہیں لاتا بلکہ عارفہ جیسے انسان کو اندر سے جھنجوڑ بھی ڈالتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت میں عارفہ کی محسوس کر رہا تھا۔

''پریشان مت ہو عارفہ! پلیز! میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور اللہ سے بھی دعا گو ہوں کہ وہ بھی تمہیں معاف کر دے۔''

عارفہ نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔ ''مجھے فوراً اپنے اکاؤنٹ کی تفصیل بھیجو اور امریکا میں اپنے قدم جمانے کے لیے میں خود بھی اڈیسہ شپنگ کمپنی کی ایک ڈائریکٹر کی حیثیت سے سان ڈیاگو پہنچ رہی ہوں۔ وہیں میں نے رہائش کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ وہاں کبیل دادا اور شکیلہ کو محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت ہے۔ اُن کے ویزے کی مدت ختم ہونے والی ہے جو اُن کے لیے کسی وقت بھی مسئلہ بن سکتی ہے۔ ان دونوں کو بھی میری سپورٹ چاہیے ہوگی۔ لہٰذا دیر مت کرو۔''

میں نے عارفہ کو اپنے اکاؤنٹ کی تمام تفصیل دے دیں جو اس نے نوٹ کر لیں۔ میں سب سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن وقت کی کمی اور حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میری اس مجبوری کو زہرہ وغیرہ بھی سمجھتے تھے۔

اس کے بعد زہرہ بانو مجھ سے مخاطب ہوئی اور میں نے.... چند رخصتی کلمات ادا کرنے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔ اور روڈلف سے کہا کہ...... مجھے ایک فون کاسپاکو کو بھی کرنا ہوگا۔

''اس سے کیا کہو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی کہ میں دو ایک روز کے اندر اندر تمہاری ساری رقم لوٹانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے ایک طرف کے جھگڑے سے جان چھوٹے۔''

''اس کے اُبال کو کم کرنے کا یہ بھی ایک بہترین طریقہ ہے بڈی!'' روڈلف بولا۔

''مجھے اس کے اُبال کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں بس اس کے پیسوں پر اپنا حق جتانا نہیں چاہتا۔''

''تمہیں اس کا کونٹیکٹ نمبر معلوم ہے؟''

''سیل نمبر بھی اور اس کی اقامت گاہ کا بھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی اس موذی سے رابطہ کرنا قبل از وقت ہوگا۔'' روڈلف نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ ہمارے نمبر سے ہماری موجودگی کا پتا لگا سکتا ہے اور کیا خبر اس کے ہرکارے کب ہم پر دوبارہ حملہ آور ہو جائیں۔'' مجھے روڈلف کا مشورہ مناسب لگا۔

اس کے بعد ہم کمرے میں آگئے۔ میں عارفہ کو اپنے اکاؤنٹ کی تفصیل سے آگاہ کر چکا تھا۔ منیلا میں اتنے ہنگاموں کے باوجود میں ہی نہیں میرا نام اور میری شناخت محفوظ رہی تھی۔ آن لائن بینکنگ سسٹم کی سہولیات سے رقم کی منتقلی تک میں منیلا سے کُوچ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ جس کا مطلب تھا مجھے ایک یا دو روز کے لیے ابھی منیلا میں ہی رکنا تھا۔

لہٰذا اب ہمارے پاس ہوٹل کے کمرے میں بند ہو کے ٹی وی دیکھنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

منیلا میں بین الاقوامی ہوائی اڈا تھا۔ یہاں سے سیدھا امریکا کُوچ کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

ٹی وی پر ہم آج کی صورتِ حال سے آگاہ ہونا چاہتے تھے کہ ہمارے ہاتھوں کاسپاکو کے ان تینوں ہرکاروں میں سے کتنے موت کی نیند جا سوئے تھے۔

لیکن ٹی وی پر ایسی کوئی خبریں نہیں آرہی تھیں، ممکن ہے کہ ابھی تک کسی کو معلوم ہی نہیں ہوا تھا وہاں کیا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ لیوی نے بھی یقیناً ابھی تک ہماری ہدایت پر ہی عمل کرتے ہوئے پولیس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ میں نے جس طرح اسے دہشت زدہ کیا تھا اس نے خود کو اس ''خطرناک معاملے'' سے دور ہی رکھا تھا۔

البتہ جزیرہ گومبورا اور ڈیواؤ کے حوالے سے پرانی

خبروں اور تبصروں کا تسلسل جاری تھا۔ یہاں ایک خبر پر ہم چونکے بنا نہ رہ سکے تھے۔ بظاہر تھائی پولیس اور فلپائنی پولیس سے لے کر انٹرپول تک سب نے مجسمے اور اس کے پس منظر میں ہونے والی خوں ریزی والے معاملات سنبھال لیے تھے، تاہم تحقیق وتفتیش کا سلسلہ جاری تھا اور اس میں اسپیکٹرم اور کاسپاکو کا ذکر بھی آتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ فلپائنی پولیس کو ان دو نامعلوم افراد کی بھی تلاش تھی جنہوں نے بقول ٹوپر کے بدھ کے اس مجسمے کی چوری کو ناکام بنایا تھا۔

وہ دو ''نامعلوم افراد'' ظاہر ہے روڈلف اور میرے سوا کوئی نہ تھے۔

''بڈی! یہ تو گڑبڑ والی بات ہے۔'' روڈلف یہ خبر سن کر فکرمندی سے بولا۔

''ٹوپر نے اپنا وعدہ نبھایا ہے۔ اس نے پولیس کو ہمارے غلط حلیے بتا کر انہیں غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ پولیس ہم تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔'' میں نے تشفی آمیز انداز میں کہا مگر وہ نفی میں اپنا سر ہلا کے غیر مطمئن انداز میں بولا۔

''نہیں بڈی! ہمیں زیادہ دیر تک اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔ لا از لا...... کیا تمہیں نہیں پتا کہ پولیس اس شخص کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو قانون کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم پولیس سے بالکل ہی بے فکر ہو کر بیٹھ رہیں۔'' میں نے کہا۔ ''محتاط تو ہمیں اپنے سائے سے بھی رہنا ہوگا۔''

''گڈ......!'' اس کے منہ سے نکلا۔

رات ہوگئی۔ ہم نے کھانا روم سروس سے کمرے میں منگوا کر زہر مار کیا۔ زہر مار اس لیے کہ ہمارے سر پر جلد سے جلد فلپائن (منیلا) سے کوچ کرنے کی دھن سوار تھی، ٹیلی فون تک گفتگو کا بھی کوئی بھروسا نہ تھا۔ گوتم بدھ کے مجسمے سمیت گومبورا کے جزیرے میں ہماری خون ریز معرکہ آرائی اور پھر ڈیواؤ کے لگژری ریسٹورنٹ میں جوشو اور اسٹار بک کا میرے ہاتھوں جہنم واصل ہونا پھر منیلا میں کاسپاکو کے ہرکاروں سے تازہ ترین جنگ کسی بھی وقت بڑی مصیبت کا سبب بن سکتی تھی۔ نیز کاسپاکو کے ہاتھ یہاں تک دراز تھے۔

یوں ہماری روانگی تب ہی ممکن تھی جب پاکستان سے میرے ٹریولنگ اور ویسٹرن یونین اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر ہوجاتی۔ کل تک مجھے اس کی پوری اُمید تھی۔ جبکہ عارفہ اس معاملے میں چلتا پرزہ تھی اور بقول اس کے وہ بھی امریکا روانہ ہونے والی تھی۔

کھانے کے بعد روڈلف نے کہا کہ وہ بھی اپنی بیوی اور بچوں سے بات کرنا چاہتا ہے اور پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ کمرے میں اگرچہ فون کی سہولت تھی، لیکن صرف لوکل کال کی۔ درمیانے درجے کا ہوٹل تھا لہٰذا لانگ ڈسٹنس کال کے لیے نیچے کاؤنٹر سے ملحقہ ٹیلی فون ایکسچینج بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک الگ سے بوتھ بنایا گیا تھا۔ تاہم آپریٹر کو نمبر بتانا پڑتا تھا۔

میں نے رڈلف کو تاکید کردی تھی وہ اپنے بیوی بچوں سے فون پر ذرا محتاط رہ کر ہی بات کرے، کیونکہ کوئی بعید نہ تھا کہ...... اس گفتگو کو آپریٹر بھی سن رہا ہو۔

روڈلف کو گئے کافی دیر بیت گئی تو میں ذرا فکرمند سا ہوا۔ اسپیکٹرم کے خلاف روڈلف میرے لیے ایک اہم مہرہ تھا۔ جس کے پوری طرح سے کل امریکا پہنچ کر کھلنے والے تھے، کیونکہ وہ ان کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

میں نے ٹی وی کا ریموٹ ایک طرف رکھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ (یہاں ہر کمرے میں ٹی وی یا اے سی نہیں تھا۔ چھوٹے علاقوں کے درمیانے درجے کے ہوٹلز میں یہ چوائس پر لینا پڑتا تھا)

کمرے سے نکل کر میں ہوٹل کی مختصر لابی میں آگیا۔ وہاں استقبالیہ کاؤنٹر پر اور اس کے بعد اس سے ملحقہ کمرے میں بھی جھانک کر دیکھ لیا بلکہ وہاں موجود ایک نک سک سی فلپائنی لڑکی سے بھی روڈلف کا پوچھ لیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ...... روڈلف یہاں آیا ضرور تھا مگر فون کرنے کے بعد وہ لابی میں ہی بیٹھا رہا تھا۔ اس نے کافی منگوا کر پی تھی، پھر تھوڑی دیر بعد ایک خاتون آئی وہ کہیں چلا گیا۔

''کہاں؟ کیا ہوٹل سے باہر یا...... اندر ہی کسی کمرے میں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں یہاں بیٹھی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس عورت کے ساتھ باہر نکل گیا یا اندر ہی ہے۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

میں دوبارہ استقبالیہ پر آگیا۔ وہاں بھی ایک خوبصورت سی عورت موجود تھی۔ میں نے روڈلف کا ناک نقشہ بتا کر اس سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ کسی خاتون...... کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کی بات سن کر میں نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ ایک عام ذہن سے سوچا جاسکتا تھا کہ روڈلف اپنی فطرت کے مطابق کسی حسین خاتون کو دیکھ کر پھسل گیا تھا۔ لیکن ایک

تربیت یافتہ ایجنٹ میرے اس خیال کی نفی کرتا تھا۔

بے شک روڈلف اس فطرت اور مزاج کا آدمی تھا۔ مگر قرائن سے پتا لگتا تھا کہ وہ معاملہ کچھ اور تھا۔ بقول ٹیلی فون آپریٹر کے روڈلف نے فون کرنے کے بعد لابی میں کافی پی تھی۔ اس کے بعد وہ خاتون آئی اور وہ اس کے ساتھ کہیں چلا گیا۔

"تو کیا اس نے اپنے بیوی بچوں کو فون نہیں کیا تھا؟" میں نے سوچا۔ "یا پھر اُن سے بات کرنے کے بعد ہی اس نے مذکورہ خاتون کو فون کر کے یہاں بلایا تھا؟ کیوں؟ اگر وہ یہاں کسی عورت کو جانتا تھا تو اس نے مجھے کیوں نہیں یہ بات بتائی تھی؟"

تاہم لگتا یہی تھا کہ وہ یا خاتون، دونوں ہی ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔

میں ہوٹل سے باہر آ گیا۔ روشنی اور ٹریفک کے سوا اور کچھ نہ تھا، یا پھر قریب دکانوں اور چھوٹی مارکیٹ کے، دور قریب میں کچھ رہائشی کالونیوں کے مکانات بھی نظر آتے تھے۔ رہائشی اپارٹمنٹس کی ایک کثیرالمنزلہ عمارت بھی تھی۔

میں باہر آ کر فٹ پاتھ پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میرے ذہن پر ایک نئی فکر سوار ہوئی۔ پتا نہیں اب وہ خوبصورت سی خاتون روڈلف کو بے وقوف بنا کر اپنے ساتھ لے گئی تھی یا پھر گن پوائنٹ پر...... تاہم یہ حقیقت تھی کہ روڈلف پُراسرار طریقے سے غائب ہو گیا تھا یا کر دیا گیا تھا۔ مگر کیوں......؟ اس کا یہاں کون دشمن یا دوست تھا؟ میرے ساتھ یہ سب ہوتا تو دشمنوں کی ایک طویل فہرست سامنے آ جاتی، مگر روڈلف کے سلسلے میں یہ صورتِ حال حیرت اور مخمصے میں ڈالنے والی تھی۔

میں بھلا اور کہاں تک اُسے تلاش کرتا؟ منیلا کے راستوں سے میں بھلا کہاں واقف تھا؟ اور اسے کہاں اور کس کے پاس تلاش کرتا؟ سوچا واپس کمرے میں جا کے اس بارے میں کچھ سوچتا ہوں، جب میں واپس اپنے ہوٹل کی جانب پلٹا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ احاطے میں پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ یہ ایک بڑی سی انٹر کولر گاڑی تھی جس پر فلپائنی پولیس کا مونوگرام اور چھت پر چسپاں نیلا لال ہوٹر نظر آتا تھا۔ میرا دل یکبارگی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

کیا یہ ہماری تلاش میں آئی تھی؟" پہلا خیال میرے ذہن میں یہی اُبھرا تھا تاہم موہوم سا خیال یہ بھی آیا کہ ضروری تو نہیں کہ پولیس ہمارے لیے ہی آئی ہو۔

میں اندر داخل ہوا تو استقبالیہ پر میں نے تین وردی پوش پولیس اہلکاروں کو کھڑے پایا، ان میں دو مرد اور ایک عورت تھی۔ ایک خاصا مضبوط تن و توش کا مالک شخص جو اپنی مخصوص وردی سے باقی دو کا افسر معلوم ہوتا تھا اور پکی عمر کا تھا، استقبالیہ لڑکی سے نہایت ٹھنڈی ہوئی سنجیدگی سے کچھ پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اُن سے کنی کترا کر اپنے روم کی طرف جانے والی کوریڈور کی طرف بڑھنے لگا اور ساتھ ہی کن انکھیوں سے اس جانب دیکھا تو میرا دل زور سے دھڑکا۔ وہ لڑکی میری ہی جانب اپنے ہاتھ کی اُنگلی کا اشارہ کرتے ہوئے اس افسر سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"اے مسٹر......! جسٹ اے منٹ......" اچانک میرے کانوں میں اسی آفیسر کی آواز ٹکرائی۔ وہ اشارہ پاتے ہی میری جانب پلٹا تھا اور میں رک گیا۔ پلٹا تو وہ تینوں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے میری ہی جانب چلے آ رہے تھے۔ ان کی پینٹ کے بیلٹ سے ہولسٹر جھولتے مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کی نیوی بلیو وردیوں پر انگریزی میں فلپائن نیشنل پولیس کے الفاظ کندہ تھے۔

میں اُن کی طرف دانستہ حیرت اور کچھ عمومی انداز کے تفکر سے دیکھنے لگا۔

"ہیلو مسٹر......؟" آفیسر نے میرے قریب آ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے استفساریہ کہا۔

"شہزاد......!" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنا نام بتا دیا۔

"کیا ہم آپ کے ساتھ کمرے میں چل کر بات کر سکتے ہیں؟" وہ انگریزی ہی بول رہا تھا۔

"شیور......" میں نے کہا اور اسی تفکیر سے پوچھ بھی لیا۔ "اِز ایوری تھنگ اوکے......؟"

"یہ ہم آپ کو کمرے میں چل کر ہی بتا سکتے ہیں۔" آفیسر نے کہا۔ وہ بظاہر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں سے مجھے ایک خاص قسم کی تندی اور کرختگی صاف جھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔

میں انہیں کمرے میں لے آیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے محسوس کیا تھا کہ ان تینوں نے ہی بڑے غور سے کمرے کا جائزہ لیا تھا اور بالخصوص آفیسر کی پیشانی پر میں نے اُلجھن کی ایک سلوٹ گویا رمق کے طور پر نمودار ہوتے دیکھی تھی۔

استقبالیہ پر موجود لڑکی نے جس انداز میں میری جانب اشارہ کیا تھا، اس سے یہی لگا تھا مجھے کہ...... ان تینوں پولیس اہلکاروں کو میری ہی تلاش تھی۔ مگر کیوں......؟ انہیں

میرے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟ یہی ایک سوالیہ نشان آنکڑے کی طرح میرے حلق میں اٹکا ہوا تھا۔

''تمہارا دوسرا ساتھی کدھر ہے؟'' آفیسر نے گہری متانت کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

گویا انہیں روڈلف کے بارے میں بھی معلوم تھا۔

''میں اُسے ہی ڈھونڈنے کے لیے ذرا دیر کے لیے ہوٹل سے باہر گیا تھا۔'' میں نے صاف گوئی کی روش اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔ سرِدست ان کے پاس ہمارے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی تصدیق تک میں نے یہی مصلحت رکھنا مناسب سمجھا تھا۔

کمرے میں دو بیڈ کے علاوہ ایک کاؤچ دو کرسیاں ایک ٹیبل موجود تھی۔ میں بیڈ پر جا بیٹھا تھا اور انہیں بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔

لڑکی جو صحت مند اور دلکش خدوخال کی مالک تھی، اس نے ٹیبل کے پاس والی کرسی سنبھال لی تھی اور ساتھ ہی اپنے بیلٹ سے جھولتے ایک پرس سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر اور ایک عدد نوٹ بک جس میں پین اُڑسا ہوا تھا، نکال کر میز کی سطح پر رکھ دیا تھا۔

ٹیپ اس نے آن کر دیا تھا اور نوٹ بک کھول کر قلم سنبھال لیا تھا۔ اس کا ساتھی نوجوان جو اسمارٹ سا تھا اس کے قریب پڑے کاؤچ پر بیٹھا تھا جبکہ پولیس آفیسر بیڈ کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

پولیس آفیسر نے اپنا بیج دکھایا اور ساتھ ہی تعارف بھی کرا دیا۔ جس کے مطابق وہ خود کیپٹن رانسے تھا، اس کا ماتحت اہلکار سارجنٹ پال جبکہ لڑکی ڈیلا تھی۔

اس کے بعد وہ مجھ سے سوالات کرنے لگا، اس دوران مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسے ہمارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا اور مزید یہ کہ فلپائنی پولیس صرف اسی ہوٹل میں ہی نہیں بلکہ دیگر ہوٹلز میں بھی ایسے غیر ملکیوں کو زیرِ تفتیش لا رہی تھی جنہوں نے تھائی لینڈ سے فلپائن کا سفر کیا تھا۔ ہم تو پرائیویٹ طیارے میں یہاں آئے تھے، مگر بہرحال میرے پاسپورٹ وغیرہ میں تھائی لینڈ کی اسٹیمپ چسپاں تھی۔

اُس نے میرے ان کاغذات کو غور سے دیکھا اور ایک بار پھر سوالوں کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

''دیکھو مسٹر شہزاد......!'' سب سے آخر میں اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔

''تمہیں ہمارے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلنا پڑے گا۔'' میں اس کی بات پر چونکتے ہوئے قدرے پریشانی سے بولا۔

''مگر کیوں آفیسر......؟ میرا خیال ہے میں آپ کو مطمئن کر چکا ہوں؟''

میری بات پر پہلی بار کیپٹن رانسے کے چہرے پر خفیف سی استہزائیہ مسکراہٹ اُبھری تھی' بولا۔ ''شاید تمہارے علم میں نہیں ہے کہ کچھ روز پہلے ہی ایک گریٹ روبری کی واردات پکڑی گئی ہے۔ جس کا لنک تھائی لینڈ سے جڑتا ہے اور وہ اختتام فلپائن کے جزیرے گومبورا میں ہوا ہے۔''

''مجھے پتا ہے۔''

میں نے اسے ٹی وی کی طرف نظریں ڈالتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اگر میں جھوٹ بولتا یا آنا کانی سے کام لینے کی کوشش کرتا تو یہ گھاگ آفیسر شک میں پڑ سکتا تھا۔ میرا دعویٰ تھا کہ وہ اب بھی مجھ پر صرف روایتی انداز کا شک کر رہا تھا۔

''لیکن ...... مجھے ٹی وی یا اخبارات پڑھنے کا زیادہ وقت ہی نہیں ملتا۔''

''اچھی بات ہے۔ ہمارے ساتھ چل رہے ہیں؟''

اس نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے گویا حکم صادر کر دیا تو میں نے کہا۔

''دیکھو کیپٹن! میں ایک بے حد مصروف کاروباری شخص ہوں۔'' میں نے اپنے سفری کاغذات کے درج بائیو ڈیٹا کے مطابق اس سے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ''اور میں یہاں سے امریکا جانے کے لیے ٹرانزٹ میں ہوں۔ میرا بہت وقت ضائع ہو جائے گا۔''

کیپٹن رانسے نے بدستور ایکسرے کرتی نظریں مجھ پر جمائے رکھتے ہوئے عجیب سوچتے ہوئے انداز میں نفی میں اپنے سر کو جنبش دی تھی۔ مجھے اس کا یہ رویّہ انتہائی ناگوار لگا۔ وہ بولا۔

''ہمیں دراصل ان دو افراد کی تلاش ہے، جو گومبورا کے اس مکان میں اُس وقت موجود تھے، جب ان کی وجہ سے ہی یہ خوں ریز جنگ چھڑی تھی جس کے نتیجے میں ہمارا ایک ساتھی پولیس ماسٹر سارجنٹ ایملائے ان خطرناک مجرموں کے ہاتھوں بڑی بیدردی سے مارا گیا تھا، جنہوں نے بعد میں اس مکان پر اچانک ہلا بولا تھا اور سارجنٹ ایملائے کے ہمراہ اس کی ساتھی کارپورل سارجنٹ مس پاؤلا بھی تھی۔'' وہ اتنا کہہ کر رکا تو یکایک مجھے یوں لگا جیسے میرے دماغ کی نسیں منجمد ہو گئی ہوں اور سانس سینے میں

اٹک کر رہ گئی۔

میرے ہی نہیں بلکہ روڈلف کے دھیان سے بھی وہ لڑکی نکل گئی تھی۔ اس میں یقیناً اُن حالات کا ہی دخل تھا جو اچانک اور بڑی خوں ریزی کے ساتھ پیش آئے تھے۔ کیونکہ بروجیٹ کی درندگی کا شکار ہونے والا وہ بدنصیب پولیس مین اکیلا نہیں تھا۔ ٹوپر تو اس کے ساتھ تھا ہی مگر اس وقت اس کے ہمراہ پولیس وردی میں ایک ساتھی لڑکی بھی تھی۔ اسی نے ہی اس وقت مجھ پر ایک دم اپنا سروس ریوالور تان لیا تھا جب میں اس کے ساتھی کو دروازہ کھولنے سے منع کرتے ہوئے خود آگے بڑھنا چاہ رہا تھا۔

یہ اس کی غلطی تھی۔ اسے مجھے نہیں روکنا چاہیے تھا، جبکہ میں اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ باہر کون لوگ ہو سکتے ہیں مگر لڑکی کے ساتھی پولیس اہلکار نے آگے بڑھ کر ایک دم ہی دروازہ کھول دیا تھا اور یوں وہ بڑی سفاکی کے ساتھ بروجیٹ کی درندگی کا شکار ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد مجھے فوری طور پر حرکت میں آنا پڑا تھا کیونکہ اسپیکٹرم کے یہ تینوں خطرناک اور خونی ایجنٹ میرے اور روڈلف کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ہاں! اس وقت ایک خیال میرے ذہن میں اس کے متعلق ضرور اُبھرا تھا، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شاید وہ بھی اس خون ریز جنگ کا شکار ہو گئی ہو، میرے ذہن سے محو ہونے کا سبب بنا تھا۔

مگر اس کا اچانک منظر عام سے غائب ہونا ہی اس کا ذہن سے محو ہونا تھا، مگر یہ اتنی بات آج ایک فاش غلطی کی صورت میں میرے سامنے آگئی تھی جس نے میرے ذہن میں ایسے اَن گنت سوالوں کو جنم دیا تھا جس نے اُلجھا کر رکھ دیا۔

”مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن کیا اس لمبی چوڑی تفتیش کا مجھ سے یا میرے ساتھی سے کوئی تعلق بنتا ہے؟“ بالآخر میں نے اپنے اندر کی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے کیپٹن رانسے کی طرف دیکھ کر اسی ناگواری سے کہا۔

”ممکن ہے کہ نہیں بنتا ہو، لیکن ہم بعض قانونی کارروائیوں سے مجبور ہیں اور اب برائے کرم ہمارے ساتھ تعاون کریں اور ہمیں کسی سختی پر مجبور نہ کریں۔“

”میں اس سلسلے میں ہائی کمیشن کو اپنا احتجاج ضرور ریکارڈ کرواؤں گا۔“ میں نے دھمکی دی۔ وہ بھی ڈھیٹ تھا، بولا۔

”آپ اس کا حق رکھتے ہیں۔“

میں نے ایک عام آدمی کی طرح جتنا احتجاج کرنا تھا کر لیا تھا۔ مجھے ان کے ساتھ جانا ہی تھا۔ کسی قسم کا پنگا لینا یوں بھی میرے حق میں بہتر نہ ہوتا، جو اُسے میری جانب سے مزید شکوک و شبہات میں مبتلا کر ڈالتا۔

”ٹھیک ہے آفیسر! لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ پہلے میرا ساتھی بھی آجاتا؟“ بالآخر میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اس سے کہا۔ ”مجھے اس کی طرف سے فکر رہے گی کہ وہ جانے کہاں چلا گیا ہے؟“

”اس کی فکر نہ کرو، خود ہمیں بھی اس کی ضرورت پڑے گی۔“ وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ ”میں یہاں ایک پیغام چھوڑے جا رہا ہوں، وہ آیا تو ہوٹل کی انتظامیہ ہمیں فوراً مطلع کر دے گی۔“

وہ مڑا۔ اس کے دونوں ساتھی اہلکاروں پال اور ڈیلا نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

ہم باہر کھڑی سفید اور نیلے رنگ کی انٹرکولر میں سوار ہو گئے۔ پال نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ کیپٹن رانسے اور ڈیلا میرے دائیں بائیں، عقبی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

میرے ذہن میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے۔ کوئینی کے اچانک ذکر نے میرے اندر کئی سوالات کو جنم دیا تھا۔ میرے جی میں تو آئی کہ اس خرانٹ پولیس آفیسر سے کوئینی کے بارے میں یہ تو پوچھ ہی لوں کہ وہ اب ہے کہاں؟ لیکن میرا یہ سوال اس کے شبہے کو تقویت دینے کا باعث بنتا اسی لیے میں نے خود کو یہ سوال پوچھنے سے باز ہی رکھا۔

کوئینی کے حوالے سے ایک اہم سوال یہ بھی ابھرتا تھا کہ اگر وہ زندہ تھی تو پھر وہ کہاں تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ اُسے دانستہ یہاں نہیں لایا گیا ہو اور وہ اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹر میں موجود ہو؟ تاکہ میری اس کے سامنے ”شناخت پریڈ“ کرائی جائے؟ ایسی صورت میں تو میرے پولیس کے نرغے سے بچنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ تو مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتی۔

لیکن پھر اگلا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئینی زندہ تھی تو پھر اب تک کہاں تھی وہ؟ ٹوپر نے تو چلو ہمارے حُلیے پولیس کو غلط بتائے تھے، مگر کوئینی...... کیسے میرے اور روڈلف کے حُلیے غلط بتا سکتی تھی؟ پتا نہیں یہ سب کیا چکر تھا، مگر اتنا ضرور تھا کہ کوئینی کی صورت میں ایک بڑی مشکل بلکہ مصیبت میرے گلے پڑنے والی تھی۔

پولیس سے لڑ کر میں اپنی امریکا روانگی کا معاملہ کھٹائی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، مگر میں نے جتنا اس بات سے بچنا چاہا

تھا کہ یہاں میرا نام پولیس میں نہ آیا اُتنا ہی میں پھنس گیا تھا۔ مگر اب بھی ایک اُمید تھی کہ کچھ ایسا ہو سکتا تھا جس سے میری گلوخلاصی ہو سکتی تھی مگر کیسے؟

☆☆☆

پریشان کن سوچوں اور اندیشناک وسوسوں سے لبریز یہ سفر نصف گھنٹے بعد ہی ایک بڑی سی عمارت پر اختتام پذیر ہوا تھا۔ یہ ایک بڑی سی دو منزلہ چوکور عمارت تھی، رنگ اس کا نیلا اور سفید تھا۔ زیادہ تر عمارتی لکڑی اور شیشے لگے نظر آرہے تھے۔ ایک وسیع و عریض احاطہ تھا۔

قصہ کوتاہ...... میں ان کی سنگت میں ایک بڑے سے کمرے میں آگیا۔ اس کمرے کو عام ملاقاتی یا پوچھ گچھ کا کمرا کہا جا سکتا تھا، مطلب یہ کہ کمرا ایسا کچھ ظاہر نہیں کرتا تھا جہاں کسی عادی یا ہسٹری شیٹر کو لایا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے کچھ تسلی ہوئی تھی کہ میرے سلسلے میں ابھی یہاں کی پولیس ابہام کا شکار تھی، تاہم سر دست تو ان سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

مجھے رہ رہ کر کوئینی کا خیال پریشانی اور تشویش میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اگر وہ بھی یہاں تھی اور اسے مجھے پہچاننے کے لیے میرے سامنے لایا جاتا تو...... کیا ہوتا......؟ سب ملیامیٹ ہو جاتا۔ اسی خدشے تلے میرے دل میں بے چینی ہو رہی تھی۔

مجھے پانی کا گلاس پیش کیا گیا اور اس دوران ایک اور افسر بھی وہاں آگیا۔ یہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس نے بھی میرے سامنے کرسی پر براجمان ہونے کے بعد کچھ سوال مجھ سے پوچھے تھے، جن کا لب لباب کم و بیش انہی سوالوں سے متعلق تھا جو کیپٹن رانسے مجھ سے پوچھ چکا تھا۔ وہ ان کا بھی کوئی سینئر افسر دکھائی دیتا تھا۔

”بس! اب ہم آپ کو مزید زحمت نہیں دیں گے۔“ بالآخر وہ سینئر افسر آخر میں مجھ سے بولا اور میرے سینے میں اٹکی ہوئی سانسیں ایک دم رواں ہو گئیں۔

”لیکن...... تھوڑی سی زحمت دیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک کمرے میں چلیں۔“ اس نے آخر میں یہ کہہ کر مجھے پھر فکر میں مبتلا کر دیا۔ ”دراصل ہم کوئینی کے سامنے تمہیں تھوڑی دیر کے لیے پیش کریں گے۔“

اس کی بات سن کر ایک بار پھر میرا دماغ سُن ہونے لگا۔ یہی تو وہ آخری اور سنگین ترین مرحلہ تھا جو مجھے ایک نئی مصیبت سے دوچار کرنے والا تھا۔ میں بہرحال ان کے ساتھ چلتا ہوا ایک طویل راہداری سے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو اس کی پیشانی پر درج ”وارڈ روم“ دیکھ کر چونک پڑا۔ وارڈ روم سے پتا نہیں یہاں ان کی کیا مراد تھی؟ البتہ اس کمرے کے دروازے پر لگے اسپتالوں والے مخصوص سرخ نشان کو دیکھ کر میں ضرور چونکا تھا۔

ہم اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی چار بیڈ لگے ہوئے تھے۔ دو خالی تھے۔ ایک پر کوئی مرد لیٹا ہوا تھا، جس کی پیشانی پر بینڈ یج بندھی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ سو رہا تھا شاید یا پھر بے ہوش تھا۔ تاہم اس کے برابر والے سفید بستر پر جس لڑکی کو میں نے دیکھا، اس نے مجھے ٹھٹکا دیا۔

میرے بدترین اندیشے درست ثابت ہونے لگے تھے۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کا نام کیپٹن رانسے نے ”کوئینی“ بتایا تھا اور جو اُس روز اپنے بدنصیب ساتھی پولیس نوجوان کے ہمراہ ٹوپر والے مکان میں آئی تھی۔ مگر میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ اس کی ہیئت کذائی ہی ایسی تھی۔

اگرچہ مجھے یہاں کے ماحول سے ہی اندازہ ہو چلا تھا کہ یہاں شاید زخمیوں کو تفتیش وغیرہ کے لیے لایا جاتا تھا اور فرسٹ ایڈ کی بھی سہولت موجود تھی۔ یہاں مجھے ایک نرس اور میل نرس کے سفید گاؤن میں ڈاکٹر بھی نظر آیا تھا۔

کوئینی کی بھی حالت کچھ ایسی ہی تھی۔ اس کے پاس ہی وہ ڈاکٹر اور نرس موجود تھی جبکہ میل نرس قریب والے بیڈ کے مریض کے وائیٹلز لینے میں مصروف تھا۔

کوئینی کی حالت مجھے ایسی ہی نظر آرہی تھی جیسے کوئی مخبوط الحواس مریض ہو جسے اپنے گردوپیش سے کوئی تعلق نہ رہا ہو...... اس کے بال بکھرے بکھرے اور آنکھیں متورم تھیں۔ چہرہ بھی اس کا کچھ ایسی ہی تفسیر پیش کرتا تھا۔

کیپٹن اور وہ سینئر پولیس آفیسر میرے ہمراہ تھے۔ کیپٹن رانسے نے ڈاکٹر سے فلپائنی زبان میں کچھ کہا اس کے بعد ڈاکٹر اور نرس دوسرے بیڈ والے مریض کی طرف بڑھ گئے۔

مجھے سینئر آفیسر نے کوئینی کے بیڈ کے پیروں کی طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور کیپٹن رانسے نے آگے بڑھ کر کوئینی کو سہارا دیا اور وہ بیڈ پر تکیے کے سہارے اُٹھ بیٹھی تو کیپٹن نے ذرا جھک کر اس کے کان کے قریب کچھ کہا اور میری جانب اشارہ کر دیا۔

کوئینی نیم مردہ سی آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اس کے سامنے پائنتی کی طرف کھڑا تھا۔ میرا دل اندر سے تیزی کے ساتھ دھڑ...... دھڑ...... کیے جا رہا تھا۔

یہ میرے لیے بہت نازک اور سنگین گھڑیاں تھیں۔ وہ مجھے پہچان سکتی تھی اور بالکل پہچان سکتی تھی...... جن دو

افراد کی ان فلپائنی پولیس کو تلاش تھی اگرچہ وہ بظاہر کسی جرم میں ملوث نہ تھے لیکن اُصولی طور پر وہ ان کے دائرۂ تفتیش میں تو آسکتے تھے اور پھر آگے جانے کیا ہوتا؟ وہ حالات یقینی طور پر میرے لیے موافق نہیں ہوتے۔

کوئینی کی ہیئت کذائی دیکھ کر مجھے کچھ حوصلہ تو ہوا تھا، اگرچہ کیپٹن رانسے نے مجھے اس کی ''حالت'' کے بارے میں ابھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ ضرور کہا تھا کہ وہ زندہ ہے اور اُن دو مشکوک افراد کو پہچان سکتی ہے۔ یہ اس کی چالاکی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اتنے انکشاف پر کیا میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں یا نہیں...... شکر تھا کہ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

کوئینی میری طرف جیسے نیم مردہ آنکھوں سے دیکھتی رہی...... دیکھتی رہی...... اور کیپٹن رانسے، وہ سینئر آفیسر بھی ہم دونوں کی طرف باری باری سر گھما کر ڈرامائی انداز میں تکتے رہے۔

میں نے البتہ اپنے چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ یا بوکھلاہٹ ظاہر نہیں ہونے دی تھی، اگرچہ اندر کی حالت ابتر تھی۔

یہی وہ وقت تھا جب کیپٹن رانسے نے ایک بار پھر ذرا جھک کر بیڈ پر بیٹھی کوئینی سے کچھ کہا اور کوئینی نے میری جانب سے نظریں ہٹا کر خالی خالی نگاہوں سے پہلے اپنے گرد اور اس کے بعد کیپٹن رانسے کی طرف دیکھا پھر ایک ہذیانی سی چیخ حلق سے خارج کی اور بیڈ سے اُٹھنے لگی۔ مگر کیپٹن رانسے نے اسے سنبھال لیا اور ڈاکٹر اور نرس بھی اس طرف متوجہ ہوگئے۔

کوئینی کا یہ دورہ مختصر مدت کا ثابت ہوا پھر وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ کیپٹن رانسے اور اُس سینئر آفیسر کے بشروں پر اُلجھن اور مایوسی کے سائے نمودار ہوتے میں نے نمایاں طور پر محسوس کیے تھے۔

''مسٹر شہزاد...... ! ہمیں اب تمہارے ساتھی کی ضرورت پڑے گی۔'' کیپٹن رانسے واپس کمرے میں آکر مجھ سے بولا تو میں بھی اب شیر ہوگیا تھا۔ سخت ناگواری مگر پورے اعتماد سے بولا۔

''آفیسر! آپ نے شناخت پریڈ کروالی میری...... کیا یہ کافی نہیں ہے؟ آپ کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں؟ میں جانا چاہتا ہوں، مجھے کئی بزنس میٹنگز میں آن لائن بھی رہنا پڑتا ہے۔''

''آپ کس قسم کا بزنس کرتے ہیں مسٹر شہزاد؟'' اس بار اس کے سینئر آفیسر نے مجھ سے مخاطب ہو کے سوال کیا۔ وہ دونوں میری کرسی کے سامنے بیٹھے تھے۔ ہمارے درمیان ایک مستطیل سی میز تھی۔

''میں ایک جہاز راں کمپنی میں ڈائریکٹر ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور مختصراً اسے اڈیسہ شپنگ کمپنی کے بارے میں بتا دیا۔

''میرا خیال ہے اب مجھے جانے کی اجازت دی جائے۔'' میں نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا اور کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں جانتا تھا کہ شناختی پریڈ کے بعد اب ان کے پاس مجھے روکے رکھنے کا کوئی جواز باقی نہ رہا تھا۔

کیپٹن رانسے کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا مگر میں نے دیکھا تھا کہ اس کے سینئر آفیسر نے اسے کوئی اشارہ کیا تھا۔ میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی مگر ابھی پلٹا نہیں تھا، یوں وہ دونوں بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور سینئر آفیسر نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا اور اسی لہجے میں بولا۔

''ہم آپ کے تعاون کے مشکور اور اس زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ ہم آپ کو یہاں لائے تھے اور اب آپ کو ہوٹل تک چھوڑنا بھی ہماری ہی ذمے داری ہے۔''

میں نے ہولے سے ''تھینکس'' کہہ دیا۔ اب زیادہ اکڑ دکھانا مناسب نہ تھا۔

''میں انہیں چھوڑنے جاؤں گا۔'' کیپٹن رانسے نے کہا، پھر مجھ سے مخاطب ہو کے ٹھنڈی ہوئی متانت سے بولا۔ ''لیکن...... مسٹر شہزاد! آپ کو اپنے ساتھی کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں درج کروا دینی چاہیے۔ یوں بھی آپ یقیناً اپنے گمشدہ ساتھی کو تلاش کیے بغیر امریکا کا سفر تو کرنا پسند نہیں کریں گے؟''

''یقیناً۔'' میں نے پورے اعتماد اور سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے میں چند گھنٹے اس کا مزید انتظار کر لیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے سوتا پا کر کہیں نکل گیا ہو اور بعد میں آجائے۔''

''اس صورت میں اُسے کمرے میں کوئی پیغام چھوڑ کر جانا چاہیے تھا۔'' کیپٹن رانسے فوراً گھاگ لہجے میں بولا۔

''ہاں! یہ بات تو ہے۔'' میں نے شانے اُچکا دیے۔ پھر اس نے ایک نمبر مجھے دیا اور ہدایتاً درخواست کی کہ جیسے ہی میرا ساتھی خود آجائے تو انہیں میں اس نمبر پر مطلع کر دوں۔

میں جانتا تھا کہ یہ اس نے یونہی ''تکلف'' برتا تھا

وگرنہ تو وہ خود ہی ہوٹل والوں سے رابطے میں ہوگا اور انہیں بھی سختی سے یہی ہدایت کر رکھی ہوگی۔

اس کے بعد مجھے اسی انٹرکولر میں دوبارہ ہوٹل چھوڑ دیا گیا اور اس بات کی بھی تصدیق کر لی گئی تھی کہ روڈلف ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کیپٹن رانسے واپس لوٹ گیا۔

میں کمرے میں آکر تھکے تھکے انداز میں کرسی پر گر سا گیا۔

اعصاب شکن گھڑیاں سردست ٹل گئی تھیں۔ مگر اس نے مجھے ذہنی طور پر شل کر کے رکھ دیا تھا۔ پولیس کی نظروں میں آنا بہرحال کسی طرح بھی اچھا نہیں ہوا تھا۔

حیرت کی بات تھی کہ اس خبیث کیپٹن رانسے نے ابھی تک مجھے کوئنی کے بارے میں بتانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی کہ اس کی یہ حالت کیوں ہوئی تھی؟ آخر کیوں؟ یہ دونوں خرانٹ آفیسر اس بات سے کیوں پہلوتہی کر گئے تھے؟ تاکہ میں خود پوچھوں......؟ اور یہ لوگ میرے اندر کا چور پکڑ سکیں؟ اچھا ہی ہوا کہ میں نے بھی اس معاملے میں اپنی کوئی دلچسپی ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔

مجھے روڈلف کی طرف سے شدید فکر ستانے لگی تھی۔ نجانے وہ کم بخت کہاں چلا گیا تھا۔ وہ کون خاتون تھی جس کے ساتھ وہ کچے دھاگے سے بندھا چلا گیا تھا؟ جبکہ یہ بات بھی اب پولیس کے علم میں آ چکی تھی جس کی وجہ سے مجھے بھی پابند کر دیا گیا تھا کہ مجھے چند گھنٹے انتظار کرنے کے بعد بالآخر پولیس کو اس کی گمشدگی کی رپورٹ کروانا تھی۔

اس کے بغیر میری امریکا یاترا ابھی مشکل نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر استقبالیہ پر اس کے بارے میں پوچھا تھا اور وہاں سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اب ہوٹل کا اسٹاف مجھے عجیب عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ شاید اس کی وجہ پولیس کی معیت میں میرا جانا اور آنا تھا۔ شاید اسی سبب شریف لوگ پولیس کے سائے سے بھی دور ہی رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رات ہو گئی۔ میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہا تھا۔ اچانک سائڈ بیڈ ٹیبل پر دھرے فون کی گھنٹی بجی۔ میں پریشان کن خیالات کے بھنور سے ابھرا اور ریسیور اٹھالیا۔

استقبالیہ لڑکی کا فون تھا۔ ''سر! آپ سے کیپٹن رانسے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

ہلکی سی کلک...... کلک کی آوازوں کے بعد دوسری طرف سے کیپٹن رانسے کی آواز ابھری۔

''یس مسٹر شہزاد؟'' انداز استفساریہ تھا۔

''یس شہزاد اسپیکنگ......'' میں نے جواب دیا۔

''کیا ہوا آپ کے ساتھی کا......؟ وہ لوٹا؟'' اس نے فوراً ہی سوال ٹھونک دیا۔

''ابھی تک تو نہیں لوٹا۔''

''تو پھر اس صورت میں آپ کو فوراً پولیس ہیڈکوارٹر آکر اپنے ساتھی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروانا چاہیے۔'' اس نے کھنڈے ہوئے لہجے میں کہا۔ انداز تحکمانہ تھا۔ میں نے بھی مصلحت سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''میں ابھی یہی سوچ رہا تھا۔ کیا آپ گاڑی بھیج رہے ہیں یا پھر مجھے خود ہی آنا پڑے گا؟'' میں نے آخر میں پوچھا۔

''میں گاڑی بھیج رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کیپٹن رانسے میرا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے۔ اس کی کوشش یہی لگ رہی تھی کہ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھتے ہوئے مجھ سے پوچھ گچھ کا موقع نکالتا رہے۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی آخر کیوں؟ اسے مجھ پر کس بات کا شبہ تھا؟ کیا وہ شناختی پریڈ سے بھی مطمئن نہیں ہوا تھا؟

ممکن تھا کہ وہ روڈلف کی اچانک اور پُراسرار گمشدگی کے باعث اب بھی مجھ پر شک کر رہا ہو...... اور اس سے (روڈلف سے) مطمئن ہونے کے بعد ہی کیپٹن رانسے میری جان چھوڑ دے؟

کاش! میں اُسے روڈلف کے بارے میں کچھ بتاتا ہی نہیں۔ نا ہی اس کی گمشدگی کا اسے پتا بھی چلتا، لیکن پھر دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے اس بچکانا خیال پر خود ہی ہنسی آ گئی۔

وہ جب پہلی بار اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اس نے معلوم کر لیا ہوگا کہ میں اکیلا ہی اس ہوٹل میں فروکش نہیں بلکہ میرے ساتھ ایک ساتھی اور بھی تھا۔ یہ جھوٹ بہرحال کھل جانا تھا جو کیپٹن رانسے کے لیے مزید شک و شبے کا سبب بنتا۔

میں پولیس کی گاڑی کے انتظار میں تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میں چونک پڑا۔ پہلا خیال میرے تھکے ہوئے ذہن میں یہی ابھرا تھا کہ شاید روڈلف لوٹ آیا ہے۔ پولیس کی گاڑی کا اتنی جلدی آنا بعید از قیاس تھا۔

میں جلدی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر بغیر پوچھے دروازہ کھول دیا اور سامنے کھڑے دو افراد کو دیکھتے ہی میں چونک پڑا۔ ان میں ایک تو روڈلف تھا جبکہ دوسری ایک عورت تھی۔ میرے چونکنے کا سبب یہی تھی۔

☆☆☆

میری یک ٹک سی نظریں اس ٹک سک سی عورت پر جم سی گئی تھیں اور اسی لمحہ میرے ذہن میں ایک جھماکا بھی ہوا تھا، کیونکہ اس عورت کا ناک نقشہ ویسا ہی تھا جو مجھے ہوٹل کی اس آپریٹر خاتون اور بعد میں استقبالیہ لڑکی نے بتایا تھا۔

''سوری بڈی! تمہیں میری وجہ سے تھوڑی پریشانی اُٹھانا پڑی۔'' روڈلف نے خجالت آمیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''اب اندر بھی آنے دو گے یا اِدھر سے ہی کھڑے کھڑے ٹرک مار دو گے۔''

میں نے ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ عورت کی عمر مجھے پچیس اور تیس کے درمیان محسوس ہوئی تھی۔ وہ چہرے مہرے سے عربی النسل لگتی تھی۔ رنگ صاف وشفاف تھا۔ سرو قد تھی اور نہایت ہی دلکش خدوخال کی مالک تھی۔

اس کے بھرے بھرے تراشیدہ ہونٹ قدرتی طور پر سرخی لیے ہوئے تھے اور چہرہ کتابی تھا۔ آہو چشم پر گھنیری سی پلکوں کا جال اور سُرمے کی لکیریں جیسے تیر کی طرح کھنچی ہوئی نہایت کشش انگیز معلوم ہوتی تھیں۔ وہ کسی مصری یا ایرانی النسل شہزادی جیسے حُسن اور طنطنے کی مالک نظر آتی تھی۔ تاہم اس کی شخصیت پر زیادہ چھاپ مجھے کسی منگولی دوشیزہ کی محسوس ہوتی تھی۔ اس کا شاخِ گل کے مانند تراشیدہ جسم گویا کسی مصور کے موئے قلم سے نکلا ہوا شاہکار معلوم ہوتا تھا۔ سیاہی مائل گیسوئے دراز کو اس نے بڑے سلیقے سے ایک جدید اسٹائل کے سیاہ اور سفید والے پرنٹڈ اسکارف میں ڈھک رکھا تھا۔ تاہم اس کا گھنا پن بتاتا تھا کہ بال اس کے لمبے تھے۔ نیچے سیاہ رنگ کا عبایا اوڑھ رکھا تھا۔

یہی بات تھی کہ میں اس کے خیرہ کردینے والے حُسن اور رعنائی دیکھ کر ایک لمحہ کو متحیر سا ہو گیا تھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے وہ مسلم خاتون لگی تھی۔ لیکن ایک بات ضرور محسوس ہوتی تھی کہ اس کے حسن میں معصومیت کا دخل کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ یہی نہیں غزال آنکھوں میں بھی ایک خاص قسم کی چمک اور تیزی محسوس ہوئی تھی۔

''السلام علیکم۔''

میں ابھی روڈلف سے اس کے بارے میں پوچھنے ہی والا تھا کہ اس کی مترنم آواز اُبھری۔ اس نے مجھے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام......'' میں نے جواب دیا۔ وہ میری جانب بڑے غور اور گہری نگاہوں سے تک رہی تھی۔ اس کے تراشیدہ ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکان رقصاں تھی۔

''تم کہاں چلے گئے تھے روڈلف......؟'' اس دیوی کے حسن کا سحر بالآخر میری اس پریشانی نے توڑ ڈالا جس کی وجہ سے میں اب تک پریشان اور متفکر تھا بلکہ پولیس کے چکروں میں پڑ چکا تھا۔ اسی سبب میں نے روڈلف کو لتاڑنے والے انداز میں مخاطب کر کے پوچھا۔

''تمہیں ناراض ہونے کا پورا حق حاصل ہے بڈی!'' وہ اسی طرح بے تکلفی سے مسکرا کر بولا اور پھر اپنے ساتھ کھڑی اس ملکہ حسن کو قریب رکھا کرسی پر بیٹھنے کا کہا۔

''بات ناراضگی کی نہیں ہے روڈلف، یہاں ایک اور گمبھیر معاملہ ہو گیا ہے۔'' میں نے بدستور اسی طرح ناراض ناراض سے لہجے میں کہا۔

''اوہو...... خیریت؟ ایسا کیا ہو گیا ہے؟'' وہ تھوڑا پریشان سا ہوا تو میں نے اسے جواب دینے کے بجائے پہلے ایک نظر اس اجنبی عورت کی طرف دیکھا اور پھر روڈلف سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ یہ خاتون کون ہیں؟''

''میں یاسمین خانم ہوں۔'' روڈلف سے پہلے اس عورت نے اپنی کھنکتی آواز میں خود ہی اپنا آپ تعارف کرا دیا۔ اسے صاف اور شستہ اردو بولتے دیکھ کر میں ششدر سا رہ گیا۔ روڈلف بھی میری طرف شرارتی نظروں سے دیکھنے لگا مگر شاید دانستہ چپ رہا۔ یاسمین خانم مزید بولی۔

''میرے بارے میں باقی آپ کو روڈلف تفصیل سے بتا دے گا۔'' کہتے ہوئے وہ خفیف سے انداز میں مسکرائی تو اس کے بائیں رخسار پر ہلکا سا گڑھا پڑا۔

''میں ان کے بارے میں تمہیں سب بتا دوں گا، پریشانی کی کوئی بات نہیں بڈی! لیکن پلیز، تم تو بتاؤ تمہیں یہاں کون سی پریشانی اُٹھانی پڑی ہے؟'' روڈلف نے بالآخر متفکر لہجے میں پوچھا تو میں نے ایک گہری سانس لے کر اسے ساری بات بتا دی۔

میں نے دیکھا یاسمین خانم ہی نہیں بلکہ روڈلف بھی پریشان ہو گیا۔

''میں تو معاملہ تقریباً ختم کرآیا تھا۔'' میں آگے بولا۔

''لیکن...... تمہارے اس اچانک اور پُراسرار غیاب نے

پولیس کو پھر سے شک میں ڈال دیا ہے اور اب وہ کسی بھی وقت یہاں مجھے لینے کے لیے پہنچنے والی ہے، تاکہ میں ان کے ساتھ جا کر تمہاری گمشدگی کی رپورٹ لکھواؤں۔"

میں نے دیکھا روڈلف کے چہرے پر ایک دم پریشانی اور تشویش کے آثار مزید گہرے ہوگئے تھے۔ گو بات پریشانی ہی کی تھی...... لیکن اچنبھا اس بات پر تھا کہ جس قدر مجھے اس بات کی تسلی تھی کہ کوئینی اگر مجھے نہیں پہچان سکی ہے تو یقیناً اپنی حالت کے پیشِ نظر وہ روڈلف کو بھی شناختی پریڈ میں نہیں پہچان سکے گی۔ تب پھر روڈلف اس قدر کیوں پریشان اور متفکر ہوگیا تھا؟ لہٰذا جب میں نے اپنے اس خیال کا اظہار اس سے کیا تو وہ بولا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن بڈی! تمہارے ذہن سے کوئینی اس لیے محو ہوگئی تھی کہ تمہارا اور اس کا سامنا محض چند منٹوں کا ہی رہا ہوگا، جبکہ میں اس کے ساتھ اس کے بالکل قریب موجود رہا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ اسے سنبھالا بھی میں نے ہی تھا۔ مجھے ڈر ہے کہیں وہ مجھے پہچان کر چیخ نہ مار دے۔"

"سنبھالا تھا؟" میری پیشانی پر پُرسوچ سی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ "کیا مطلب؟ وہ بھی اس روز زخمی ہوگئی تھی؟"

"زخمی تو نہیں ہوئی تھی مگر اپنے ساتھی کی اس بیدردی سے موت پر وہ شدتِ غم کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ اسے ایک دم سکتہ ہوگیا تھا۔ تم اس وقت بروجیٹ اور کیٹ سے نبرد آزما تھے۔ میں اسے کھینچ کر دوسرے کمرے میں لے گیا تھا اور کچھ دیر اس کے ساتھ رہا تھا، پھر کیٹ نجانے کس طرح اسی کمرے میں دندناتی ہوئی آگئی۔ کوئینی کی حالت کے پیشِ نظر اس نے اسے چھوڑ کر مجھے گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا۔"

روڈلف کی بات سن کر میں چونکا۔ مجھے یاد تھا جب ٹوپر کے مکان میں یہ خوں ریزی چھڑی تھی اور میں کیٹ کے باقی دو ساتھی ایجنٹوں سے نبرد آزما تھا تو...... کیٹ کہیں غائب ہوگئی تھی اور بعد میں اسے گن پوائنٹ پر لیے مجھے مزید شوریدہ سری سے روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اگر یہ بات ہے تو میرا نہیں خیال کہ کوئینی تمہیں پہچان لے گی روڈلف!"

اچانک کرسی پر بیٹھی اس ملکوتی حسینہ نے بھی اپنے خیال کا اظہار یوں کر ڈالا جیسے وہ ہمارے ساتھ جانے کب سے ہو۔ جبکہ اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے۔

"مجھے بھی یہی تسلی ہے، لیکن بس! ایک خدشہ ذہن میں سر اُبھار رہا ہے، خدا کرے کہ ایسا نہ ہی ہو اور کوئینی شہزی کی طرح مجھے بھی پہچاننے سے انکار کر دے۔" روڈلف نے کہا۔ پھر وہ یاسمین خانم سے مخاطب ہو کے بولا۔

"میرا خیال ہے خانم! تم پولیس کے یہاں آنے سے پہلے چلی جاؤ، ورنہ......"

"اس کا اب کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کے بولی۔ "ہوٹل کی انتظامیہ کو پولیس نے تم لوگوں کے سلسلے میں پہلے سے ہی الرٹ کر دیا ہوگا کہ کون یہاں تم سے ملنے کے لیے آتا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ پولیس کو مزید کسی شبہے میں ڈالنے کے بجائے انہیں ہر طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔"

مجھے حیرت ہوئی تھی۔ وہ خاصی ذہین ثابت ہو رہی تھی مگر ساتھ ہی اُس کی شخصیت میرے لیے معما بنی ہوئی تھی۔

"آخر یہ ہے کون خاتون؟ اس کا تفصیلی تعارف کیوں نہیں کرواتے روڈلف؟" میں نے جھلا کر روڈلف سے کہا۔ یاسمین خانم ہولے سے مسکرائی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم تینوں ہی ٹھٹکے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ پولیس آگئی ہے۔" میں خود کلامیہ انداز میں بڑبڑایا اور بے اختیار میری نظر یاسمین خانم پر پڑی۔ میری پیشانی کی سلوٹوں میں اضافہ ہوگیا۔

"فکر مت کرو، میں اپنے بارے میں بھی پولیس کو مطمئن کر لوں گی۔" یاسمین خانم میرے چہرے سے پریشانی کو بھانپتے ہوئے فوراً ایک دلنشین مسکراہٹ سے بولی۔ مجھے اس کی ذہانت اور زیرک دماغی کا معترف ہونا پڑا۔

تب ہی میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ کم بخت کیپٹن رانسے خود آیا تھا، اس کے ہمراہ ایک ہی ساتھی تھا۔ دروازے سے ہی اس نے اندر ایک سے زائد افراد کی موجودگی دیکھ لی تھی۔

"میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔" میں نے اس کی گردشی نظروں کو بھانپتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ میرا ساتھی لوٹ آیا ہے۔ جیسا کہ مجھے اندازہ تھا، وہ کھویا نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" کیپٹن رانسے نے ایکسرے کرتی نظروں سے مجھے گھور کر کہا اور اندر قدم رکھ دیا۔ میں

اسے راستہ دے چکا تھا۔
"کیا تم ہی مسٹر روڈلف ہو؟" کیپٹن رانسے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔
"یس ای۔" روڈلف نے مختصراً جواب دیا۔ وہ بھی سنجیدہ تھا۔
"آپ اچانک اور اپنے ساتھی کو بتائے بغیر کہاں غائب ہوگئے تھے؟" کیپٹن رانسے نے یہ سوال کیا اور ساتھ ہی ایک نگاہ قریب بیٹھی یاسمین خانم پر بھی ڈالی اور پھر اسی پر جم گئی۔
"میرا ساتھی سو رہا تھا، میں اسے بتائے بغیر اپنی گرل فرینڈ یاسمین سے ملنے چلا گیا تھا۔" روڈلف نے جواب دیا۔
"ہوں ں......" کیپٹن نے سوچنے کے انداز میں اپنے حلق سے ہنکاری خارج کی اور یاسمین خانم ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے استفساریہ بولا۔
"شاید تم اسی خاتون کی بات کررہے ہو؟"
"بالکل۔" روڈلف نے اسے پھر مختصراً جواب دیا۔
کیپٹن رانسے کی نظریں...... یاسمین خانم کے چہرے پر جیسے اٹک کر رہ گئی تھیں، تب ہی میں نے ہولے سے کھنکارتے ہوئے کیپٹن رانسے کو مخاطب کیا۔
"کیپٹن! میرا ساتھی لوٹ آیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی میری طرح جلد فارغ کردیں تاکہ ہم امریکا روانہ ہوسکیں۔"
"مجھے اس خاتون سے بھی کچھ سوالات کرنا ہوں گے۔"
مجھے اس کی بات پر سخت غصہ آگیا مگر میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔
"اس خاتون سے بھلا آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ جس سے میں خود بھی ناواقف ہوں؟"
میری بات پر وہ بڑے خبیثانہ انداز میں مسکرایا اور اسی انداز میں بولا۔ "پھر تو اس بات کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس خاتون کو بھی ضروری پوچھ گچھ میں شامل کیا جائے، کیونکہ یہ تمہارے دوست روڈلف کی گرل فرینڈ ہے، مگر تم اسے جانتے تک نہیں۔"
گھاگ کیپٹن رانسے نے بڑی مکاری سے بال کی کھال نکالی تھی۔ صاف لگتا تھا کہ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھا اور ہمیں بالآخر گھیر گھار کر پھانسنے کی ہر ممکن کوشش کررہا تھا۔
اس کے عزائم دیکھتے ہوئے دفعتاً میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ "کیوں......؟"
یہ ایسا کیوں کررہا تھا؟ جبکہ اسے ابھی تک ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا سینئر آفیسر بھی مجھ سے مطمئن ہوگیا تھا تو پھر آخر کیپٹن رانسے کیوں ہمیں مجرم ثابت کرنے پر تُلا ہوا تھا؟ یکایک مجھے کہیں گڑبڑ کی بو محسوس ہونے لگی۔ ایسی گڑبڑ جو خطرے سے خالی نہ تھی اور اس کے ڈانڈے مجھے کسی اسراریت سے جڑے محسوس ہوتے تھے۔
میں غور سے کیپٹن رانسے کا چہرہ تکنے لگا۔ مجھے اس کی غلافی پپوٹوں والی آنکھوں میں ایک شیطانیت اور مردودیت کی ایک خاص چمک محسوس کی۔ میں ٹھٹک گیا۔ کچھ ایسا تھا ضرور...... جیسے وہ کسی موقع کی تلاش میں ہو۔
"آپ کا کیا نام ہے مس؟" کیپٹن رانسے نے یاسمین خانم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"میرا نام یاسمین خانم ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"چلو مسٹر روڈلف! مجھے اُمید ہے کہ تم وقت ضائع کیے بغیر اور کسی فضول بحث میں پڑنے کے بجائے میرے ساتھ چلوگے اور اپنی اس گرل فرینڈ کو بھی ساتھ لے چلو۔"
"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" میں نے تن کر کہا تو کیپٹن رانسے نے ایک لمحہ کے لیے برماتی نظروں سے میرے چہرے کو گھورا اور پھر دوسرے ہی لمحے عجیب سی مسکراہٹ تلے بولا۔
"یہ میں نے کب کہا کہ تم اِدھر ہی رہوگے، مسٹر شہزاد؟...... تمہیں بھی ساتھ چلنا ہے۔"
مجھے اس کے بولنے کا انداز استہزائیہ محسوس ہوا۔
روڈلف جانے کے موڈ میں نہ تھا۔ نہ ہی اس کی گرل فرینڈ یاسمین خانم، مگر طوعاً و کرہاً انہیں اُٹھنا پڑا۔ مجھے روڈلف پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ ایک تو یہ بغیر بتائے پتا نہیں کہاں دفع ہوگیا تھا اور دوسرے اپنے ساتھ پتا نہیں یہ کس عورت کو لے کر یوں اچانک آن دھمکا تھا۔
ایک فکر مجھے یاسمین خانم کی طرف سے بھی ہونے لگی تھی کہ یہ پتا نہیں یہ کون تھی، کیا بلا تھی؟ اور روڈلف کے ساتھ کیوں تھی؟ اگر اس کا کچا چٹھا ایسا کچھ کُھلا تو کہیں اس کی وجہ سے میں اور روڈلف بھی نہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں؟
یاسمین خانم ہنوز میرے لیے معما بنی ہوئی تھی۔ نجانے کون تھی یہ اور اچانک کس طرح اور کیوں روڈلف سے آن ٹکرائی تھی اور اس کے ساتھ اچانک کیسے اور کیوں کر

"دشمنی" ہو چکی تھی، جبکہ روڈلف بھی اسے جاننے کا دعویٰ کیے ہوئے تھا، یا پھر ایسا اس نے پولیس کے سامنے مصلحتاً کہا تھا اور معاملہ کچھ اور ہو جس کے بارے میں صراحت بیان کرنے کا روڈلف کو موقع نہ ملا ہو۔

بہرکیف میں دوسری بار اور روڈلف اور یاسمین خانم پہلی بار پولیس ہیڈکوارٹر میں تھے۔

ہمیں اسی کمرے میں ہی لایا گیا تھا جہاں اس سے پہلے مجھ سے تفتیش اور پوچھ تاچھ کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ کیپٹن رانسے کے ہمراہ تین اہلکار بھی ساتھ آن کھڑے ہوئے۔ انہی میں سے ایک نے اس کے کان میں کچھ کہا تھا، جسے سن کر رانسے چونکا تھا اور پھر... انہیں وہیں چوکس کھڑا رہنے کا حکم دے کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب میں نے خطرے کی بُو محسوس کی۔ لحہ بہ لحہ مجھے یوں لگنے لگا جیسے میرے گرد غیر محسوس سا جال بُنا جا رہا ہو اور اب اس کی ڈور کھینچنے کی دیر تھی۔

ہمیں وہاں موجود کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا تھا۔

تھوڑی دیر گزری، کیپٹن رانسے دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا اس کے چہرے پر اب فتح مندی کے تاثرات نمایاں تھے۔ مجھے اس پر بُری طرح طیش آ رہا تھا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو کیپٹن رانسے! میں ہائی کمیشن میں شدید قسم کا احتجاج ریکارڈ کرواؤں گا اور تم جانتے ہو کہ اس سے تمہارے ملک کی کتنی سخت بدنامی ہوگی، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام تر ذمے داری بھی تم پر ہی ہوگی۔" بالآخر میں ایک دم اُبل پڑا تھا۔ "تم ہمیں خوامخواہ پریشان کر رہے ہو۔"

میری بات سن کر اس کے بدہیئت ہونٹوں پر پہلی بار بڑی زہریلی مسکراہٹ اُبھری اور پھر وہ اسی لہجے میں بولا۔ "پریشان تو ہم تھے، مگر اب لگتا ہے کہ ہماری پریشانی ختم ہو چکی اور تم لوگوں کی شروع ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا کیپٹن؟" روڈلف نے منہ کھولا۔ اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور تین افراد اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک تو وہی سینئر پولیس آفیسر تھا، دوسرا کوئی ساتھی اہلکار جبکہ تیسرے شخص کو دیکھ کر...... تو جیسے میرا چہرہ ہی دھواں دھواں ہو گیا۔

☆☆☆

تیسرا آدمی وہی تھا۔ درمیانہ قامت گنجا۔ کاسپاکو کے اُن تینوں ہرکاروں میں سے ایک، جسے میں نے چالاکی سے پہلے پہل تختۂ مشق بنایا تھا۔ ابھی میں اس ''شاک'' سے سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ ایک اور شاک میرا منتظر تھا۔

ایک لیڈی پولیس جس عورت کو ان کے بعد لے کر اندر داخل ہوئی تھی، وہ لیوی تھی۔ ان کی ایک ماہ کی زرخرید ''میڈ کوگر'' (ملازمہ) جسے میں نے خوف زدہ کر کے اس مکان سے خاموشی کے ساتھ چلتا کر دیا تھا۔ وہ اب ایک وحشت کی علامت کے طور پر میرے سامنے تھی۔

میرے دل کو کیپٹن رانسے کی طرف سے جو کلبلاتی سی بے چینی لگی ہوئی تھی، اس کی وجہ رفتہ رفتہ سامنے آرہی تھی۔

گنجے کے باقی دو ساتھی یعنی دراز قامت اور دوسرا کہاں تھے؟ کیا مر گئے تھے؟ ایسی صورت میں بڑی خطرناک صورتِ حال پیش آنے والی تھی۔

مجھے اُمید نہ تھی کہ کاسپاکو کے آدمی یوں اچانک پولیس سے مدد لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ خود مجرم تھے لیکن کوئی بات درمیان میں ایسی تھی جو اُن کے خفیہ گٹھ جوڑ کا پتا دیتی تھی۔

کیپٹن رانسے بھی انسان تھا جس کے ساتھ پیٹ لگا ہوا تھا اور حرص وطمع کا سودا بھی ضرور اس کے سر پر سوار ہوگا۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ کاسپاکو کے اشارے پر ہی یہ سب ہو رہا ہو اور نیز اس نے کیپٹن رانسے کو پیسے کے زور پر خرید لیا ہو۔

بہرطور آگے دیکھنا تھا کہ کیا ہونے والا تھا۔ تاہم یہ بات طے تھی کہ ہم بُری طرح پھنسنے والے تھے یعنی مجھے مار دھاڑ کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔

وہاں کچھ اور کرسیاں لا کر رکھ دی گئیں۔ اس بار سینئر آفیسر کے تیور بھی مجھے کچھ ٹھیک نظر نہیں آرہے تھے۔ جبکہ کیپٹن رانسے کے چہرے سے صاف جھلکتا تھا کہ وہ آج پورا ڈراما ڈراپ سین کرنے کا تہیہ کیے بیٹھا ہے۔

ایسے میں میرا تیزی سے کام کرتا ہوا ذہن قیاسات کے سہارے گلوخلاصی کے ان سارے عوامل پر غور کرنے میں محو تھا جن سے کچھ ملنا ممکن ہو۔

''مسٹر شہزاد!'' کیپٹن رانسے کے بجائے اس سینئر آفیسر نے مجھے گمبھیر لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ وہ ہم سب کے میز کے گرد براجمان ہو جانے کے بعد سامنے والی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ چکا تھا۔ اس کے برابر میں کیپٹن رانسے کرسی سنبھال چکا تھا۔

''ان دو افراد کو پہچاننے میں تمہیں یقیناً کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ ایم آئی رائٹ......؟ تاکہ میں آگے بڑھوں......؟'' اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے اس نے گنجے اور لیوی کی طرف اشارہ کیا۔ گنجے کا سینہ غیر معمولی طور پر مجھے پھولا پھولا محسوس ہو رہا تھا اور وہ کچھ اکڑا ہوا سا بھی نظر آتا تھا۔ اس نے سہارے کے لیے ہینڈ واکر پکڑ رکھا تھا۔ وہ میرے ڈبل اسالٹ وار کی زد میں آیا تھا اور شاید یہ حالت اسی وجہ سے تھی۔

سینئر آفیسر کے اس طرح یقین اور اعتماد بھرے انداز میں مستفسر ہونا بتاتا تھا کہ اسے ''سب معلوم'' ہو چکا ہے، یا بتا دیا گیا ہے۔

میرے اندر ابھی تھوڑی دیر پہلے اُن گنت پریشانیوں اور اندیشوں کی جو لہر اُمڈی ہوئی تھی وہ اب تھمنے لگی تھی اور میں ایک دم پُرسکون نظر آنے لگا تھا۔

''بالکل اچھی طرح سے جانتا ہوں ان دونوں کو میں......مسٹر......؟''

میں نے جیسے خم ٹھونک کر پورے اعتماد سے اس آفیسر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا اور آخر میں استفسار یہ انداز میں دانستہ اپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ تب ہی میں نے دُزدیدہ نظروں سے اس کے ہمراہ بیٹھے کیپٹن رانسے کے چہرے پر اُلجھن کی شکن کو نمودار ہوتے دیکھا۔ اسے میرا یہ انداز کھل گیا تھا شاید...... اس کا خیال تھا کہ میں پریشان ہو کر بوکھلانے لگوں گا۔

''سینئر لیفٹیننٹ بوائنڈ ڈکی......'' اس نے عہدے کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔

''یس مسٹر بوائنڈ ڈکی!'' میں نے اس بار اسے نام سے مخاطب کرتے ہوئے گویا اس کے سوال کے جواب میں جملہ مکمل کیا۔ ''میں ہی نہیں بلکہ میرا ساتھی روڈلف بھی...... ان دونوں کو صرف چوبیس گھنٹے کے دورانیے سے زیادہ نہیں جانتے۔ اس سے زیادہ ہماری ان سے کوئی واقفیت نہیں اور نہ ہی کوئی اور معاملہ داری ہمارے اور ان کے بیچ رہی ہے کبھی۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے؟'' گنجا ہذیانی انداز میں چیخا۔

''جسٹ اے منٹ، اینڈ کیپ کول ڈاؤن پلیز......!'' ...سینئر آفیسر بوائڈ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تفتیش کا سلسلہ جاری ہے۔''

تب ہی میں نے دیکھا کہ کیپٹن رانسے نے بپھرے ہوئے گنجے کو آنکھ کا خفیف سا اشارہ کیا تھا۔

''تو تمہارے کہنے کا مقصد ہے کہ تمہاری مس لیوی اور مسٹر ایلانو، مسٹر رابرٹ اور مسٹر شیراٹن سے جان کاری کی مدت صرف چوبیس گھنٹے کی رہی ہے؟'' بوائڈ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سوری سر! میں اس نام کے کسی فرد کو نہیں جانتا۔'' میں نے مسکت جواب دے ڈالا۔ سمجھ تو گیا تھا میں کہ یہ کن تین افراد کے نام لے رہا ہے۔

''تو گویا تم اِن کے ناموں سے بھی واقف نہیں ہو؟'' بوائڈ حیران ہوا۔

''اوہو...... اچھا! تو اِن کے نام یہ ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اِٹس او کے۔'' معاً کیپٹن رانسے نے مداخلت کی۔ میں نے دیکھا وہ اب بری طرح خار کھائے ہوئے نظر آرہا تھا۔ ''ان تینوں کے ساتھ اپنی پچھلے چوبیس گھنٹوں کی واقفیت کی کہانی بھی سنا دو۔''

اس شاطر نے شاید تاڑ لیا تھا کہ میں کیا بیان دینے والا ہوں اسی لیے اس نے لفظ ''کہانی'' کو قدرے طنزیہ انداز میں ادا کیا تھا۔ تاہم اسی دوران میں مجھے بھی اس بات کا اندازہ ہو چلا تھا کہ لیفٹیننٹ ڈکی قطعاً غیر جانبداری برتتے ہوئے تھا۔ اگر ایسا تھا تو یہ میرے لیے ایک خوش آئند بات ہوتی۔

''یس سر!'' میں نے کہا۔ ''جب ہم منیلا ائرپورٹ سے اُتر کر ٹیکسی کرانے والے تھے تو...... یہ اچانک وہاں ایک کار میں آن دھمکے تھے اور ہمیں گن پوائنٹ پر اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کا ارادہ شاید ہمیں لوٹنے یا اغوا کرنے کا تھا۔'' میں نے تھوڑے سچ کے لبادے میں جھوٹ کو شامل کرنا ضروری سمجھا تھا۔ ''اور وہ ٹیکسی والا جسے ہم نے روکا تھا، یہ صورتِ حال دیکھ کر بالفاظِ دیگر خطرہ بھانپ کر اپنی ٹیکسی بھگا لے گیا۔''

''آفیسر......! اس ٹیکسی والے کی نمبر پلیٹ مجھے ازبر ہے۔'' اچانک ہی جیسے روڈلف نے ایک دھماکا کر ڈالا۔ میں اسے دھماکا ہی سمجھوں گا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ میرے لیے یہ بات سودمند جبکہ کیپٹن رانسے اور کاسپا کو اور اس کے حواریوں کے لیے غیر موافق تھی۔

روڈلف اگر سچ بول رہا تھا تو مجھے اس کی حاضر دماغی کا دل سے معترف ہونے میں کوئی عار نہ تھا۔

"کیا واقعی تم نے اس ٹیکسی والے کی کار کا نمبر نوٹ کیا تھا؟" سینئر آفیسر بوائڈ نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل جناب!" روڈلف نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

میں نے دیکھا کیپٹن رانسے کا چہرہ دھواں دھواں سا ہونے لگا تھا۔ اس نے سخت جرح کے انداز میں روڈلف کو چبھتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال داغا۔ "کیا اس ٹیکسی والے نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پستولیں دیکھی تھیں؟ یا اس نے تم دونوں کو گن پوائنٹ پر لیتے ہوئے دیکھا تھا؟"

اپنے تئیں اس نے اہم نکتہ نکالا تھا مگر روڈلف کے بولنے سے پہلے میں نے جواب دینے کے لیے اپنا منہ کھولا ہی تھا کہ کیپٹن رانسے نے ہاتھ کھڑا کر کے مجھے بولنے سے روکنے کا اشارہ کر دیا۔ میں نے احتجاجی نظروں سے بوائڈ کی طرف دیکھا تو اس نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے روڈلف کو مخاطب کر کے کہا۔

"ٹیکسی والے کا نمبر پلیٹ نوٹ کرواؤ۔"

روڈلف نے نمبر بتا دیا جو نوٹ کر لیا گیا۔ اسی وقت سینئر آفیسر بوائڈ نے ایک اہلکار سے، جس نے روڈلف کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کیا تھا، اس سے کان میں کچھ کہا اور وہ احتراماً سر جھکا کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"ہوم م......" بوائڈ نے ہنکارا بھرا۔ اس کے بعد مجھے اور روڈلف کو باری باری بیانات لکھوانے کا حکم دیا۔

روڈلف میری چالاکی اور اس زمرے میں تیار ہونے والے موقف کو سمجھ چکا تھا۔ یوں ہمارا بیان ایک ہی رہا اور ہم اسی پر ڈٹے رہے۔ جبکہ گنجے کا یہ بیان سامنے آیا...... بقول اس کے ہم تھائی لینڈ میں کاسپاکو سے کسی کاروباری ڈیل کے بہانے سے اسے لاکھوں ڈالر کا "چونا" لگا کر نکل بھاگے تھے۔

میں جانتا تھا کہ ان کے پاس پولیس کو یہی بیان دینے کے سوا ہمارے خلاف بولنے کو اور کچھ نہ ہوگا اور وہی ہوا۔ ظاہر ہے وہ انہیں حقیقت تو نہیں بتا سکتے تھے۔ ورنہ خود پہلے پھنستے۔ یوں ترپ کا پتا ایک بار پھر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ تاہم یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کیپٹن رانسے کے ساتھ میرے اور روڈلف کے سلسلے میں کوئی خفیہ ساز باز کر چکے ہوں تو اور بات ہے، جس کا مجھے یقین بھی تھا، لیکن موقع یہی ان کے پاس ہوتا کہ ہمیں کسی قانونی پیچیدگی میں پھنسا کر انتقام لے سکیں۔

مثل مشہور ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے خود کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی دولت واپس نہیں لوٹاؤں گا اور یوں عازم سفر ہو جاؤں گا۔ اسی بنا پر یہ مجھے قانون کے شکنجے میں پھنسا لے گا اور اصل مطلب نکالے گا۔ یہ تو اس کے خیالوں خوابوں میں بھی نہ ہوگا کہ میں تو خود اس کا پیسہ لوٹانا چاہتا ہوں۔

لہٰذا میں نے بوائڈ کی طرف دیکھا اور نہایت اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ لوگ اس حد تک بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ ہمارے اور کاسپاکو کے درمیان بینکاک میں ایک کاروباری ڈیل ہوئی تھی۔ وہ کسی وجہ سے کینسل ہو گئی، لہٰذا میں ان کا پیسا لوٹانے کے لیے بالکل تیار ہوں۔"

یہ والا دوسرا دھماکا میری طرف سے تھا۔ کیپٹن رانسے کچھ دیر پہلے جتنا چالاک اور مکار بن رہا تھا اب ہونق زدہ سا نظر آنے لگا جبکہ گنجا تو جیسے ہک دک ہی ہو کے رہ گیا تھا۔

"تو کیا تم واقعی ان کا پیسا انہیں واپس لوٹانے کے لیے تیار ہو؟" سینئر آفیسر بوائڈ نے قدرے حیرت اور بردبار لہجے میں مجھ سے کہا تو میں نے بھی اسی انداز میں اسے جواب دیتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔

"یس سر! اور میں جانتا ہوں کہ میں یہ بیان عام جگہ پر نہیں بلکہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ذمے دار افسران کے سامنے دے رہا ہوں۔"

میں نے دیکھا کہ میری بات سے وہ اُلجھ کر رہ گیا۔

"تو پھر تم لوگوں کے بیچ میں ہاتھا پائی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جبکہ تم تو ان کا سارا پیسا لوٹانے کے لیے تیار تھے؟"

"بالکل درست، لیکن بہتر ہوتا آفیسر! کہ آپ یہ سوال انہی سے پوچھتے۔" میں نے بوائڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس بار بوائڈ نے نہایت کرخت نظروں سے گنجے کی طرف دیکھا۔ گنجے کی حالت تو اب ایسی ہو رہی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ جو کیپٹن رانسے کو دولت کے بل بوتے پر خرید کر میرے ساتھ جو چال چلنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ میں نے انہی پر ہی اُلٹ دی تھی۔ وہ اب کیا جواب دیتے؟ تاہم گنجے نے منمناتی سی آواز میں ایک سفید جھوٹ بول کر جان چھڑانے کی کوشش چاہی تھی۔ وہ بولا۔

"اس نے رقم لوٹانے سے انکار کر دیا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" میں نے فوراً کہا۔ "آفیسر......!" میں نے براہِ راست بوائڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر

www.urdusoftbooks.com

میں نے انکار کیا ہوتا تو اب بھی میں انکار کرتا۔ اس سلسلے میں بڑی دلچسپ بات آپ کو میں بتاتا ہوں۔ اس خطیر رقم کی ادائیگی کا ان کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت تو کجا ایک ذرا سا کاغذ بھی نہیں ہے کہ جس سے پتا چلے انہوں نے مجھے اتنی بڑی رقم کاروباری ڈیل کے سلسلے میں دی تھی، اگرچہ میں نے اس کا مشورہ بھی دیا تھا۔ (یہ میں نے جھوٹ بولا، کیونکہ گفتگو اور صورتِ حال کی نہج بدل گئی تھی) لیکن باوجود اس کے... سودا کینسل ہونے کے بعد میں وہ ساری رقم انہیں واپس لوٹانے کو تیار ہوں۔"

"تم دونوں کا بیان ہے کہ یہ لوگ تمہیں یرغمال بنانا چاہ رہے تھے؟" بوائڈ نے چند ثانیے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچنے کے بعد مجھ سے کہا۔ میں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"کیوں؟ تم ایسا کیوں چاہ رہے تھے؟" اب کی بار بوائڈ نے روئے سخن گنجے کی طرف موڑ دیا۔ گنجے کی چمکتی چندیا اور تنگ سی پیشانی پر ننھی منی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ جیسے ایک دم بولا۔

"ٹھیک ہے آفیسر! اگر یہ ہمیں رقم لوٹانا چاہتا ہے تو پھر جھگڑا ہی ختم۔"

میرے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے لیکن شاید لیفٹیننٹ بوائڈ اب اُسے چھوڑنے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔

"جھگڑا تو ختم ہو چکا، مگر تم لوگوں نے انہیں یرغمال بنانے کا جرم کیوں کیا؟"

"ہم اس کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔" گنجے نے کہا۔ وہ پوری طرح سے ڈھے چکا تھا۔ کیپٹن رانسے بھی بے بس نظر آرہا تھا۔ ان کی چال بُری طرح ناکام گئی تھی۔

"اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ ابھی تم اور تمہارے زخمی ساتھی زیرِ حراست رہیں گے۔" بوائڈ نے اس سے کہا۔ پھر اس نے لیوی سے بیان لیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ ہم تینوں کو صبح تک گیسٹ روم میں رکھنے کا حکم ملا۔ ساتھ ہی گنجے کو بوائڈ نے ہدایت کی کہ وہ اپنے باس کاسپا کو کو بینکاک سے خیلا آنے کا کہہ دے یا پھر خود ہی رقم کی واپسی کا معاملہ نمٹالے۔ گنجے نے اس کی آخرالذکر بات سے اتفاق کیا تھا۔ وہ ابھی پولیس کی کسٹڈی میں تھا۔

مجھے، روڈلف اور یاسمین خانم کو گیسٹ روم میں پہنچا دیا گیا۔ یہ فریضہ کیپٹن رانسے اور اس کے دو ساتھی اہلکاروں نے انجام دیا تھا۔ بوائڈ نے ہمارے سفری کاغذات کا بھی جائزہ لیا تھا اور بعد میں وہ ہمیں لوٹا دیے تھے۔

گیسٹ روم پولیس ہیڈ کوارٹر کی چہار دیواری کے اندر ہی بنا ہوا تھا۔ یوں بالفاظ دیگر ہم بری ہو چکے تھے۔ اگرچہ صبح تک کے لیے ان کی کسٹڈی میں ضرور تھے۔

گیسٹ روم خاصا کشادہ تھا۔ یہاں تین بیڈ لگے ہوئے تھے۔ ضرورت اور سجاوٹ کی ہر شے سے مزین تھا۔ ایک آرام دہ فیملی صوفہ تھا، دو کرسیاں اور ایک کاؤچ۔ دو اٹیچ باتھ روم تھے۔ ایک وارڈ روب اور دو دیوار کیبنٹ تھیں۔ کمرے میں آکر یاسمین خانم نے عبا اُتار لیا اور اسکارف بھی کھول لیا۔

اس کا خیرہ کن حُسن مشرق و مغرب کا ایک دلآویز امتزاج دکھائی دیتا تھا۔ میں حیران رہ گیا تھا یہ دیکھ کر اس نے گہرے کلر کی اسکن ٹائٹ پینٹ اور اُوپر اس کے پولو ٹائپ ریگولر (یعنی مکمل ڈلی) فل سلیولیس کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کا گلا قدرے کشادہ اور ڈی کی شکل کا تھا۔ تاہم اس نے کمر بیلٹ باندھ رکھی تھی جو اس کی اسمارٹنیس میں اضافہ ہی کر رہی تھی۔

میرے اندر کے جنگجو انسان کی آنکھ نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ مصری اور عربی ٹائپ کی حسینہ ہاتھ پاؤں چلانا جانتی ہے۔ اس کے پیروں میں حالانکہ اُونچی ہیل والے جوتے تھے مگر وہ انہیں "سنبھالنا" ہی نہیں بلکہ "چلانا" بھی جانتی تھی۔

"جان چھوٹی بڑی! تم بتاؤ...... تمہاری رقم کا کیا بنا؟ تم نے پاکستان بات کی اس سلسلے میں......؟" سکون سے اپنی نشستوں پر براجمان ہونے کے بعد ہی روڈلف نے مجھ سے پوچھ لیا۔

یاسمین کاؤچ پر کچھ اس انداز دلبری سے بیٹھ گئی تھی کہ وہ بیک وقت نیم دراز سی اور بیٹھی ہوئی بھی معلوم ہوتی تھی، جبکہ اس کی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر ٹکنے کے باعث اس کی کمر کا زاویہ بڑا دلکش اور صنفِ کرخت کے لیے خاصے کشش انگیز خم کی صورت قیامت بکھیرنے لگا۔ روڈلف اور میں نے کرسی سنبھال لی تھی، اس کی کرسی کاؤچ کے قریب جبکہ میری ان دونوں کے سامنے تھی۔

"پہلے تم میرے سوال کا جواب دو اور اس خاتون کے بارے میں مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" میں نے ایک نظر یاسمین پر ڈالتے ہوئے، جو ایک ٹک اور اپنے گلابی سرخ لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لیے میری جانب تکے جا رہی تھی، روڈلف سے مخاطب ہو کے مستفسر ہوا۔

''آپ کو بتایا تو تھا، میرا نام یاسمین ہے...... پھر خاتون کہہ کر آپ مجھے کیوں بار بار مخاطب کر رہے ہیں؟'' روڈلف کے بجائے یاسمین نے اسی انداز میں میری طرف تکتے ہوئے کہا۔

اس کی قدرتی کجراری آنکھوں کی پلکوں کی جھالر میں شکوے کا ایک لطیف سا جگنو چمکا تھا۔ مجھے اس کا انداز دلربانہ سا لگا۔ لیکن میں نے اس کا کوئی اثر لیے بغیر ایک سنجیدہ سی نظر اس پر پھینکی اور رروڈلف کو مستفسرانہ نظروں سے گھورنے لگا۔ وہ میرے اس طرح دیکھنے کا مطلب سمجھ گیا تھا، مگر میں نے دیکھا کہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ پھر اس نے مجھے ذرا منتظر رہنے کا اُنگلی سے خفیف اشارہ کیا اور اُٹھ کر کونے میں دھری ایک چھوٹی سی میز کی طرف بڑھ گیا۔

میں اور یاسمین اسے تکتے رہے۔ وہ میز پر اور پھر اس کی درازوں سے کچھ تلاشنے لگا۔ پھر اسے شاید مطلوبہ شے مل گئی۔ وہ ایک پین اور لیٹر پیڈ تھا۔ وہ پین سنبھال کر جلدی جلدی لیٹر پر پیڈ پر کچھ لکھنے لگا، پھر ایک نہیں دو صفحات پھاڑ کر اُٹھا، ایک صفحہ اس نے یاسمین کی طرف اور دوسرا مجھے تھما دیا۔ اس نے یاسمین کے لیے بھی کچھ ''لکھا'' تھا۔

میں سمجھ تو گیا تھا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، تاہم جب پڑھا تو یقین بھی ہو گیا۔ اس نے لکھا تھا۔

''یاسمین خانم کے سلسلے میں تجسس اور پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے بڈی! اس کے بارے میں پھر کسی محفوظ وقت میں سب تفصیل سے بتادوں گا، یہ کمرا بگڈ ہوسکتا ہے اور مجھے کیپٹن رانسے کے عزائم ٹھیک نظر نہیں آرہے ہیں۔''

میں اس کی بات سے متفق تو تھا مگر میری بے چینی سوا ہوگئی تھی۔ اس نے شاید یاسمین کو بھی یہی کچھ ہدایت لکھ کر دی تھی۔ میں نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ لیے۔ یاسمین بھی روڈلف کا دیا ہوا پرچہ پڑھ رہی تھی اور پھر میں اس کی جانب تکتے ہوئے ذرا چونکا۔ اس نے روڈلف کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ روڈلف دوبارہ میز کی جانب بڑھا اور وہاں رکھا ہوا لیٹر پیڈ اور پین لے کر اس کی طرف آیا۔

وہ بھی شاید کچھ لکھ کر کہنا چاہتی تھی۔ اس نے کاغذ لے کر جلدی سے کچھ لکھا اور روڈلف کی طرف بڑھا دیا۔ جو اس نے پڑھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

کمرے میں چند ثانیوں کے لیے گہری خاموشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد ہم آپس میں عمومی نوعیت کی باتیں کرنے لگے۔ لُب لباب یہی رہا کہ شاید کل تک ٹیکسی ڈرائیور کو بلاکر اس نے آخری بیان لینے کے بعد ہماری جان چھوٹ جاتی۔

رات ہوگئی تھی۔ ہمارے لیے ایک بڑی سی ٹرے میں کچھ کھانے پینے کو بھیجا گیا تھا۔ میرا تو دل نہ چاہا تھا، مگر روڈلف اور یاسمین خانم نے بھی ہاتھ نہ لگایا۔ ٹرے اسی طرح میز پر رکھی رہی۔

ہم سونے کے لیے بستر پر لیٹ گئے۔ وال کلاک رات کے بارہ بجارہی تھی۔

نیند ہم میں سے کسی کو نہیں آرہی تھی۔ بتی ایک ہی جلتی چھوڑ دی گئی تھی۔ ایک گھنٹا مزید گزرا تو دروازے پر آہٹ ہوئی، ہم تینوں ہی چونک گئے۔ تب ہی دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کیپٹن رانسے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک ساتھی اہلکار بھی تھا۔

''مجھے پتا تھا تم تینوں جاگ رہے ہوگے۔'' وہ ہلکی مسکراہٹ سے بولا۔ اس کی آواز مدھم تھی۔ لہجے کی مکاری صاف عیاں تھی۔ ہم بیڈ پر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ کیپٹن رانسے نے اپنے ساتھ آنے والے ماتحت اہلکار سے کچھ کہا اور وہ فوراً پلٹ کر دروازے سے باہر چلا گیا اور آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔ مجھے لگا تھا کہ وہ یہاں سے گیا نہیں تھا بلکہ باہر جاکر کھڑا ہوگیا تھا۔ اسے یہی ہدایت ملی تھی۔

اس کے بعد کیپٹن رانسے نے روڈلف کو بھی اشارہ کر دیا کہ وہ قریب آکر میرے ساتھ بیڈ پر بیٹھ جائے۔ وہ حیران و پریشان سا اپنے بیڈ سے اُٹھ کر میرے پاس آکر پاؤں جھلائے بیٹھ گیا۔ یاسمین خانم کو البتہ اس نے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کردیا تھا۔ میں اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ پتا نہیں یہ خبیث رات کے اس سمے ہم سے ایسی کیا بات کرنے آیا تھا؟

تھوڑی کرسی مزید ہماری جانب کھسکا کر کیپٹن رانسے بولا ......''دیکھو، یہ مت سمجھنا کہ تم یہاں سے بچ کر چلے جاؤ گے تو خود کو آزاد سمجھ لوگے۔'' اس نے نیچی آواز میں باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''کل صبح کی فلائٹ سے کاسپا کو خود نیلا پہنچ رہا ہے اور اس کے ساتھ خطرناک آدمیوں کا پورا ٹولا بھی ہوگا مگر وہ یہاں نہیں آئے گا۔''

''لیکن کیوں......؟ ہم نے تو اس کی رقم لوٹانے کا

اقرار کرلیا ہے، پھر اس سے ہمارا کس بات کا جھگڑا......؟''
روڈلف نے فوراً کہا۔ اس کے لہجے میں پریشانی سی تھی۔

''درمیان میں مت بولو...... پہلے میری بات پوری سن لو۔'' کیپٹن رانسے نے گھور کر اسے ٹوک دیا۔

''میں جو بات تم دونوں سے کہنا چاہ رہا ہوں، پہلے اسے غور سے سنو اور سمجھنے کی کوشش بھی کرو، کیونکہ اسی میں تم دونوں کا فائدہ ہے۔''

''آپ بات کریں، ہم سن رہے ہیں کیپٹن!'' میں نے اس سے کہا۔

''تم جو رقم لوٹانا چاہتے ہو اس کی کاسپاکو کو بالکل بھی پروا نہیں ہے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''اسے صرف اپنے شکار کے اس نوالے کی فکر ہے جسے اس کے منہ سے چھین لیا گیا ہے۔'' اس نے اشارتی زبان استعمال کی۔ جس کا مطلب میں سمجھ رہا تھا۔

''وہ شکار ابھی تک گومبورا میں ہی انٹرپول اور فلپائنی سٹی پولیس کی کسٹڈی میں ہے لیکن اگلے چند گھنٹوں بعد ہی اسے ایک کارگوشپ پر لانچ کرکے واپس تھائی لینڈ پہنچایا جانے والا ہے۔ کاسپاکو اس کارگوشپ کو ہائی جیک کرنا چاہتا ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر رکا۔ میرے اندر شدید قسم کی اتھل پتھل ہونے لگی۔ یوں میرے ان بدترین اندیشوں کی تصدیق ہوگئی تھی کہ کیپٹن رانسے خفیہ طور پر کاسپاکو سے ساز باز کرچکا ہے۔ کاسپاکو کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ ہرنسل کی چڑی اور ''وردی'' والوں کو خریدنے کی پوری سکت رکھتا تھا۔ کاسپاکو کے ''شکار'' اور چھینے والے ''نوالے'' سے اس کی مراد ظاہر ہے وہ منحوس مجسمہ ہی تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو کیپٹن؟'' روڈلف نے اچانک حیرت سے آنکھیں اور منہ پھاڑتے ہوئے رانسے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم قانون کی وردی پہن کر ہمیں ایک گریٹ روبری پر اکسانے آئے ہو؟ کتنے پیسے دیے ہیں تمہیں کاسپاکو نے؟''

''اپنی آواز نیچی رکھو مسٹر!'' کیپٹن رانسے اس کی جانب گھور کر بھیڑیے جیسی غراہٹ سے بولا۔ ''کاسپاکو سے دشمنی تمہیں مہنگی پڑسکتی ہے۔''

''لیکن ہم یہ معاملہ ختم کرچکے ہیں۔ پولیس بھی ہم سے مطمئن ہوچکی ہے، ممکن ہو کہ ہم کل صبح تمہاری بھی اس سینئر انچارج آفیسر لیفٹیننٹ بوائڈ کی سے شکایت کردیں۔'' روڈلف نے اسے دھمکی بھی دے ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی تہدید پر کیپٹن رانسے کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ کے بجائے ایک زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی۔

''تم لوگوں کی اطلاع کے لیے بتادوں کہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی...... گھر جاتے ہوئے بوائڈ کی کی کار کو حادثہ پیش آگیا ہے اور وہ جانبر نہیں ہوسکا ہے۔''

یہ سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ روڈلف کا چہرہ بھی ایک دم سُت کر رہ گیا...... اس کی آنکھوں سے سفاکانہ چمک مترشح ہونے لگی تھی۔ اس افسوسناک خبر پر ہماری زبانیں جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھیں۔

''اب میں ہی یہاں کا قائم مقام پولیس چیف ہوں۔'' وہ بول رہا تھا اور میری سائیں سائیں کرتی سماعتوں میں اس خبیث کا ایک ایک لفظ ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔

''کل ٹیکسی ڈرائیور کو لایا جائے گا اور وہ تمہارے بیان کی نفی کردے گا اور وہی کچھ بیان دے گا جو میں چاہوں گا۔ تمہارے وہ سارے بیانات بدل دیے گئے ہیں جو تم نے مسٹر بوائڈ کی کو دیے تھے۔ کیونکہ کاسپاکو مجھے تم دونوں کی اصلیت پوری تفصیل سے بتاچکا ہے۔ میں نے اگر لمبی تفتیش اور تحقیقات کا دائرہ بڑھالیا تو تمہاری موجودگی اور مجسمے کی چوری سے لے کر مجرموں سے گٹھ جوڑ کا سارا کچا چٹھا منظرِ عام پر آجائے گا۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ مجھے اسی وقت جواب چاہیے۔''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ صورتِ حال میری سوچ سے بھی زیادہ گمبھیر ہوچکی تھی۔ کہاں تو میں سمجھ رہا تھا کہ اس منحوس کاسپاکو سے اب جان چھوٹ گئی اور پولیس سے بھی...... لیکن کاسپاکو اور اس کا چوری شدہ مجسمہ ایک بار پھر منحوس آسیب کی طرح ہمارے سر پر آن سوار ہوا تھا۔ بوائڈ کو کار کے حادثے میں مروانے کا اہم مقصد ہی یہی تھا کہ ہمارے موافق پڑتے حالات کو غیر یقینی کی فضا میں بدل کر ہمیں بالکل بے بس اور مجبور کردیا جاتا۔

حالات ایکا ایکی ہی دشمنوں کے حق میں پلٹ گئے تھے اور اس میں بدطینت کیپٹن رانسے کا ہاتھ تھا۔

''ہمیں کیا کرنا ہوگا کیپٹن رانسے؟'' بالآخر میں نے بظاہر شکست خوردہ سے لہجے میں کہا تو اس کی سؤر جیسی چھوٹی گول آنکھوں میں ایک دم شاطرانہ چمک ابھر آئی۔ وہ ہم پر اپنی بالادستی قائم ہونے پر خوش ہوگیا تھا۔ وہ اسی انداز میں بولا۔

''یہ تم نے عقل مندی کی بات کرکے خود کو اور وقت کو بچالیا۔ مختصراً یہ کہ کاسپاکو صبح کی پہلی فلائٹ سے بینکاک سے یہاں... فیلا پہنچ رہا ہے۔ اس کے ہمراہ کچھ ساتھی بھی ہیں۔

آرنائن اسٹریٹ میں واقع اس کے ٹھکانے پر جہاں تمہارا ان کے تین ساتھیوں سے ٹکراؤ ہوا تھا، وہیں پر تمہاری کاسپاکو سے ملاقات ہوگی، تم نے کاسپاکو کے ساتھیوں کے ساتھ اس کارگوشپ کو ہائی جیک کرنے کا پلان کرنا ہے اور بس......"

اس نے "بس" کا لفظ یوں استعمال کیا تھا جیسے ہم نے فیلا کے چڑیا گھر سے کوئی بندر نکالنا ہو۔

"اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟" میں نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"قانون اور کاسپاکو کے چنگل سے آزادی...... ہمیشہ کے لیے۔" وہ بولا۔

"اس صورت میں پہلے میں قانون سے آزادی چاہوں گا۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے ذہن سے کہا۔ ادراک تو مجھے اس حقیقت کا پہلے ہی ہو چکا تھا کہ کاسپاکو اپنے مجرمانہ مقاصد کی تکمیل کے لیے، کیپٹن رانسے کے آگے اچھا خاصا "راتب" پھینک چکا ہے اور وہ جلد سے جلد یہی چاہے گا کہ یہ معاملہ حل ہو جائے تاکہ وہ کاسپاکو کی ڈھیر ساری دولت سے بعد میں مزے سے عیاشیاں کرے۔ جلدی سے خوش ہو کر بولا۔

"یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔ لہٰذا ابھی تم لوگ چند گھنٹے آرام کرلو، صبح ہوتے ہی تمہیں یہاں سے اسٹریٹ نائن والے مکان میں دوبارہ پہنچا دیا جائے گا۔ میرا کام ختم اور کاسپاکو اور تمہارا کام شروع......"

"ایگریڈ۔" میں نے کہا۔

"ڈن۔" اس کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا، تاہم رخصت ہوتے ہوئے بولا۔

"لیکن...... ایک بات یاد رکھنا، کسی قسم کی چالاکی تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے اور کسی بھی ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بھی۔"

"جب کاسپاکو خود ہی میدان میں اُتر آیا ہے تو میرا خیال ہے ایسی بات سوچنا بھی حماقت ہوگی۔"

"گڈ......!" وہ مطمئن ہو کے چلا گیا۔

"بی بی...... یہ تم کیا کر رہے ہو بڈی......؟" اس کے کمرے سے جاتے ہی روڈلف فکر و تشویش سے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ مجھ سے بولا۔ وہ بار بار اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ "تمہیں پتا ہے یہ کام اب کس قدر خطرناک ہوگا؟ پولیس ہی نہیں، خود کاسپاکو بھی بعد میں ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا، یہ خبیث کیپٹن رانسے چند ٹکوں کے عوض اپنا ضمیر کاسپاکو کے ہاتھ بیچ چکا ہے۔ اسے ہماری کوئی پروا نہیں ہے۔"

میں اسے کوئی جواب دینے کے بجائے اُٹھا اور کاغذ پیڈ اُٹھا کر اس پر لکھا۔

"یہ کمرا بگڈ ہو سکتا ہے، تفصیل بعد میں......"

یہ کاغذ میں نے روڈلف کو تھما دیا اور وہ بُری طرح تلملا کر رہ گیا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی پلاننگ تو ہوگی ناں......؟" اس بار یاسمین خانم نے مجھ سے کہا تو میں نے ناگوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر اپنی اُنگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کر دیا۔

روڈلف سر پکڑ کے اپنے بیڈ پر جا بیٹھا۔ میں خود بھی پریشان تھا۔ لیکن میں یہاں سے پہلے "باعزت" نکلنا چاہتا تھا۔

چڑنے کے بعد روڈلف اور یاسمین نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، اگرچہ وہ آپس میں تھوڑی دیر تک کھسر پھسر کرتے رہے، میں جان بوجھ کر ان سے بے نیاز ہو کر اپنے بیڈ پر جا لیٹا سوتا بن گیا، تھوڑی دیر بعد ہی میں نے یاسمین کو کاؤچ پر ہی اور روڈلف کو بیڈ پر گہری نیند سوتے پایا اور آہستگی سے اُٹھا۔

یاسمین کی پینٹ کی جیب سے مجھے اس رُقعے کی جھلک صاف نظر آرہی تھی جو روڈلف نے اسے تھمایا تھا۔ وہ میں نے دبے پاؤں اس کے قریب جا کر نکال لیا اور جب اسے پڑھا تو چونک گیا۔

کمرا بگڈ ہونے کے خدشے سے روڈلف نے مجھے اور یاسمین کو لکھ کر کوئی خاص گفتگو کرنے کے لیے جو کاغذی پیغام رسانی کا مختصر سلسلہ شروع کیا تھا یہ اسی کی کڑی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نے یاسمین کو اس بارے میں کیا ہدایت کی تھی؟

رقعے میں اس نے یاسمین کو مجھ سے خبردار کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "شہزاد سے محتاط رہنا اور ابھی اسے اپنے بارے میں کچھ بھی مت بتانا۔ یہ ایک تو عورتوں کے معاملے میں بہت ریزرو رہنے والا آدمی ہے، دوسرے یہ کہ...... یہ مشکل سے ہی کسی نئے شخص پر بھروسا کرتا ہے۔"

میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ روڈلف نے میرے بارے میں آخر یاسمین کو یہ کیوں ہدایات لکھی تھیں؟ اور کیوں اسے اپنی حقیقت بتانے پر ابھی منع کر رکھا تھا؟ کیا روڈلف مجھ سے کسی قسم کا کوئی خفیہ چکر چلانے کا ارادہ رکھے

ہوئے تھا؟ یا پھر یاسمین خانم کے ساتھ مل کر مجھ سے غداری کررہا ہے؟

میں نے یاسمین کا جوابی رُقعہ بھی سوئے ہوئے روڈلف کی جیب سے برآمد کرلیا۔ جس میں یاسمین خانم نے جواباً لکھا تھا۔

''مجھے بھی اس کی پروا نہیں ہے۔ مجھے صرف تم سے مطلب ہے۔ اس سے جان چھڑاؤ، تاکہ ہم اپنی راہ لے سکیں۔ ہمارا مشترکہ مفاد اس سے زیادہ اہم ہے۔''

یاسمین کی یہ تحریر پڑھ کر میرے سینے میں ہلچل سی مچ گئی۔ میں نے خاموشی سے ان کے ''گفتگو'' والے رُقعے واپس ان کی جیبوں میں اُڑس دیے اور اپنے بیڈ پر آلیٹا۔ پھر میری بھی آنکھ لگ گئی۔

صبح ہمیں جگا دیا گیا۔ یہ کیپٹن رانسے کا وہی کل والا ماتحت تھا۔ وہ ہمیں لے کر کیپٹن رانسے کے کمرے میں پہنچا۔ رانسے نے روانگی کی تیاری کررکھی تھی۔

پھر جب ہم پولیس کی گاڑی میں سوار ہونے کے بجائے ایک لمبی سی سیاہ کار میں سوار ہونے لگے تو روڈلف نے کیپٹن رانسے سے کہا۔

''یاسمین خانم کا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے، اسی لیے اسے جانے دیا جائے۔''

''ہرگز نہیں۔'' کیپٹن نے نفی میں سر ہلا کر صاف انکار کردیا اور آگے بولا۔ ''اب یہ معاملہ اور ہوچکا ہے۔ تم تینوں کو ہی چلنا ہوگا۔''

پیش آیندہ حالات ایک بار پھر خونیں تصادم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاف نظر آرہے تھے۔

جیسا کہ مذکور ہوا، ہمیں خفیہ طور پر ہی پولیس ہیڈ کوارٹر سے ایک لمبی سی سیاہ کار میں سوار کروا دیا گیا تھا۔ کیپٹن رانسے کو میں نے اپنی شرط ماننے پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے پولیس سے ہمارا ''معاملہ'' صاف کردیا تھا۔

خود بھی وہ کار میں موجود تھا۔ وہ ڈرائیور کی برابر والی سیٹ پر جبکہ ہم تینوں عقبی سیٹوں پر براجمان تھے۔ ہمارے ہاتھ مضبوطی کے ساتھ پشت کی سمت باندھ دیے گئے تھے۔

کار پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکلی اور سڑک پر آتے ہی فراٹے بھرنے لگی۔ کیپٹن رانسے نے جس حد تک ہم سے تعاون کیا تھا، ہم نے بھی مشروط طریقے سے اس کا کہا مانا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ ہمارے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ موجودہ حالات اب بھی غیر یقینی نظر آرہے تھے۔ اُدھر کاسپا کو ہمارے انتظار میں تھا اور اِدھر روڈلف اور یاسمین نجانے کون سا پُراسرار چکر چلائے ہوئے تھے؟ میں خود کو ایک بار پھر تنہا محسوس کرنے لگا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے کاز اور مقصد کے گرد گھوم رہا تھا، کوئی کسی کا ساتھی یا دوست نہ تھا۔ میں نے بھی تہیہ کررکھا تھا۔ موقع ملتے ہی اب میں روڈلف کی بھی پروا کیے بغیر سیدھا امریکا سدھار جاؤں گا۔ اب میرا روڈلف سے بھی دل خراب ہونے لگا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اس کی طرف سے کسی قسم کے دھوکے فریب یا غداری کے شواہد سامنے نہیں آئے تھے۔

کار سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اور میرا ذہن اس سے زیادہ سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔

ابھی ہمیں پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکلے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک مختصر سی مارکیٹ کی درمیانی سڑک سے گزرتے ہوئے جیسے ہی مین شاہراہ پر آئے تو...... ایک انڈر پاس آگیا، جو آگے جا کر اسّی ڈگری کے زاویے سے دائیں جانب گھوم رہا تھا۔ یہ انڈر پاس تقریباً ایک دو کلو میٹر طویل ثابت ہوا۔ اس سے نکلے تو کار مضافات میں نکل آئی، تب ہی میرا ذہن اچانک ٹھٹکا۔ میں نے دیکھا روڈلف بھی رسن بستہ حالت میں کھڑکی سے باہر کے اجنبی مناظر کو دیکھ کر چونکا تھا۔

''تم ہمیں کہاں لے جارہے ہو کیپٹن رانسے؟'' میں نے قدرے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ راستہ اس مکان تک تو نہیں جاتا جہاں تم ہمیں لے جانا چاہ رہے ہو؟''

''خاموشی سے بیٹھے رہو اور وقت کا انتظار کرو......'' وہ پیچھے گردن موڑے بغیر سرد لہجے میں بولا۔ نجانے کیوں مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی ہونے لگی۔ حالات وہ نہیں لگ رہے تھے، جو بتائے گئے تھے۔

''کیپٹن! ہم سے کسی قسم کا دھوکا تمہیں مہنگا پڑسکتا ہے۔'' روڈلف ہذیانی انداز میں چلّایا۔ شاید موت کے انجانے خوف اور پریشان کن تشویش نے اسے پاگل کردیا تھا، جبکہ یاسمین خانم خاموش بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے پر اتھاہ سناٹے کا راج تھا۔

کار کی رفتار یکلخت تیز ہوگئی تھی یا پھر کردی گئی تھی۔

ایک ویران موڑ کاٹتے ہوئے اچانک عقب سے ایک بھاری بھرکم جیپ ٹائپ گاڑی نے ہماری کار کو اوورٹیک کیا اور اس قدر کلوز کٹ مارا کہ ڈرائیور کا ہاتھ ایک لمحہ کو کار کے اسٹیئرنگ پر بہک گیا۔ نتیجے میں کار بُری طرح ڈگمگا گئی۔ ہمیں جھٹکا لگا۔ کیپٹن رانسے نے اپنے منہ

سے جیپ سواروں کے لیے مغلظات کا طوفان بپا کیا اور ساتھ ہی کھڑکی سے سر اور ہاتھ باہر نکال کر آگے جاتی گاڑی کو انگوٹھا اُلٹا کر کے بھی دکھا دیا، مگر دوسرے ہی لمحے ہماری کار کے ڈرائیور کو یک دم بریک لگانا پڑے۔ کیونکہ وہ گاڑی آگے جا کر ہمارا راستہ روکے ایک دم جام ہو کے کھڑی ہو گئی تھی۔ ہماری کار کو ایک طوفانی جھٹکا لگا۔ اس کے ٹائر پختہ سڑک پر زور سے چرچرائے اور اس زوردار چیزنگ کے دوران ہی کار گھومتی ہوئی سامنے راستہ روکے کھڑی اس گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور نشیب کے کچے میں اُتر گئی۔

گرد و غبار کے ایک طوفانی بگولے نے ہماری کار کو اپنے مٹیالے حلقے میں لے لیا۔ ہمیں گھٹن اور کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ کیپٹن رانسے نے اپنا سروس ریوالور نکال لیا اور ہلکا جھکتا ہوا کار کا دروازہ کھول کے نیچے اُترا۔ اس کی فوراً تقلید ڈرائیور نے بھی کی تھی...... اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

ہم تینوں اپنی سیٹوں پر ہک دک سے جمے ہوئے بیٹھے رہ گئے۔ جیسے حواس ایک لمحے کو مختل پڑ گئے ہوں، لیکن میری نظریں کار کی ونڈ اسکرین سے متحرک ہوتی ہوئی پچاس ڈگری کے زاویے سے دائیں جانب کو گھومتی چلی گئیں، جدھر وہ لمبی سی جیپ سڑک کے درمیان کھڑی تھی، اور ہماری کار اس کے متوازی نشیب میں کچے پر اُتری ہوئی تھی۔

گرد و غبار کا طوفان ماند پڑا تو جیسے ایکا ایکی میرے رگ و پے میں موت کی سرسراہٹیں دوڑ گئیں۔ اس بھاری بھرکم جیپ سے تین چار افراد نمودار ہوئے۔ انہوں نے سیاہ چست لباس پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں جدید قسم کی خطرناک گنز دبی ہوئی تھیں۔

کیپٹن رانسے اور ڈرائیور کو شاید بعد میں حالات کی خطرناکی اور سنگینی کا احساس ہوا تھا مگر تب تک شاید انہیں دیر ہو چکی تھی، پھر بھی وہ جیسے بڑھے تھے اسی طرح ہی خطرہ محسوس کرتے ہی واپس اپنی کار کی آڑ لینے کو پلٹے، حالانکہ ان کے ہاتھوں میں پستولیں دبی ہوئی تھیں، لیکن انہیں شاید فائر کرنے کے بجائے پلٹنے میں ہی اپنی عافیت نظر آئی تھی۔

میری دھڑکتی نظروں کے سامنے جیسے سلوموشن میں یہ منظر پلے ہوا تھا۔ ڈرائیور اور کیپٹن رانسے پلٹ رہے تھے، اسی وقت .... اول الذکر ان تینوں مسلح افراد کے ہاتھوں میں دبی ہوئی گنز یک بیک گرجیں۔ کیپٹن رانسے اور ڈرائیور کے جسم اَن گنت لگنے والی گولیوں سے چھلنی ہو کے خون کے فوارے اُڑاتے لہراتے زمین بوس ہوتے چلے گئے۔ ان کی آخری چیخیں بڑی لرزہ خیز تھیں۔

ہم تینوں کو اندر جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہمارے ہاتھ ہنوز رسن بستہ تھے۔ میں نے زندگی میں خود کو اس قدر بے بس اور موت کے منہ میں سیدھا جاتے ہوئے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ان تینوں ہرکاروں کی بے دریغ اور لہو رنگ کارروائی سے روڈلف اور یاسمین خانم کے چہرے سپید پڑ گئے تھے۔ خود میری اپنی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ وہ تینوں لہو کے سوداگر یہی خوف ناک کھیل ہمارے ساتھ بھی بہ آسانی کھیل سکتے تھے۔

وہ تینوں خونی ہرکارے اب اپنے آتشیں ہتھیاروں کی پیاس بجھانے کے بعد ہماری جانب بڑھے اور مہیب گنیں تانے ہوئے قریب آ کر ان میں سے ایک نے ہمیں کار سے نیچے اُترنے کا اشارہ کیا۔

ہم تینوں رسن بستہ حالت میں تھے۔ روڈلف اور یاسمین خانم کی تو بولتی بند ہو چکی تھی البتہ میں نے ذرا حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔
''ہم دروازہ نہیں کھول سکتے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

تب ہی ایک نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

ہم باری باری نیچے اُتر آئے۔ روڈلف اور یاسمین خانم کی حالت ہنوز غیر ہو رہی تھی، موت تو مجھے بھی سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔ عین اسی وقت ...... میری نظریں اسی سیاہ جیپ کی طرف اُٹھیں۔ اس کا دروازہ کھلا۔ ایک بھاری بھرکم پاؤں، جس پر بوٹ چڑھا ہوا تھا، دروازے سے باہر زمین پر پڑا اور پھر دوسرا...... جب میری نظر جیپ سے اُترنے والے اس بھاری بھرکم شخص پر پڑی تو میں پل کے پل، ایک ٹک سناٹے میں آ گیا۔

میں اُسے پہچان چکا تھا۔

خونی رشتوں کی خودغرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ



سیاہ رات

ارشد بیگ

راتیں خوب صورت... تاریک ہی نہیں ہوتیں... پُراسرار بھی ہوتی ہیں... بعض گزرتی راتیں یہ احساس اُجاگر کرتی ہیں کہ ان راتوں میں کوئی سحر پوشیدہ ہے... اسرار بھری ان راتوں کی سیاہی میں کتنے راز دفن ہوتے ہیں...ایسی ہی ایک رات کا ماجرا... جس کی تاریکی میں کتنی انوکھی... اَن دیکھی کہانیاں سوئی ہوئی تھیں...

جرم......سرکشی اور انسان کی نیت کو عیاں کرتی پراسرار مہماتی کہانی......

زندہ دلانِ شہر لاہور میں ستمبر کی خوب صورت شام کا منظر ہمیشہ دلکش ہوتا ہے۔ جاتی گرمیوں کے دن اور آنے والی خزاں کے موسم سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کئی دلوں میں جنم لیتی ہے۔

ہفتے کی اس شام ملازمت پیشہ لوگ اور اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھنے والے طالب علم خوشی خوشی گھروں کو لوٹ رہے

تھے۔ دوسرے دن چھٹی کی نوید لانے والی یہ رات ان لوگوں کے لیے تفریح کا سبب ہوتی ہے۔ شہر سے ہٹ کے تحصیل کی طرف جانے والی ڈبل روڈ کے کنارے پر واقع یہ ویران عمارت اداسی لیے ماند پڑ رہی تھی۔ اطراف میں رہنے والے مکینوں میں یہ آسیب زدہ عمارت کے نام سے مشہور تھی۔ پچھلے چند سالوں میں یہاں کسی نے قدم نہیں رکھا۔ کالج سے واپسی پر محمد سمیع اس عمارت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اس کا باپ ظہور احمد مقامی پولیس اسٹیشن میں انسپکٹر تھا۔ سمیع ایڈونچر پسند نوجوان تھا۔ کچھ کرنے کی خواہش میں اکثر بے چین رہتا تھا۔ وہ بھی باپ کی طرح پولیس میں جانا چاہتا تھا۔ ظہور احمد نے اسے حلال کمائی سے پالا تھا۔ کچھ سال پہلے بیوی کی حادثاتی موت کے بعد اس نے سمیع کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا۔ مصروفیات اور سخت ڈیوٹی کے باوجود وہ سمیع کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اس لیے سمیع کے دل میں اپنے باپ جیسا بننے کی خواہش تھی۔ وہ ہنس مکھ تھا۔ لوگ اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

کچھ دنوں سے سمیع کے ذہن میں اس عمارت کا معما حل کرنے کی خواہش جنم لے رہی تھی جس میں تقریباً پانچ سال سے کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔ پانچ سال پہلے یہ عمارت ویران نہیں تھی۔ یہ شہر کے کسی امیر آدمی کی ملکیت تھی۔ ایک شخص یہاں رہتا بھی تھا۔ بعض لوگوں کے مطابق وہ اس عمارت سمیت اپنی جائداد کا ایک بڑا حصہ چھوڑ کر انگلینڈ جا بسے تھے۔ پہلے پہل مسافر یہاں موسمی خرابی یا کسی اور وجہ سے رک جاتے، مگر پانچ سال پہلے عمارت کے ایک حصے سے انسانی ہاتھ اور پیر برآمد ہوئے۔ لوگوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس کی بے پناہ کوششوں کے باوجود کچھ نہ برآمد ہوا اور نہ ہی ان چیزوں کا معما حل ہوسکا۔ دو تین ہفتوں بعد ایک بار پھر انسانی ہاتھ کی آمد نے عمارت کو آسیب زدہ ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ اس عمارت سے رات کے وقت چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں مگر اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل سکا۔

سمیع اس عمارت کے متعلق باپ سے روز سوال کرتا تھا۔ اس شام بھی دونوں میں گفتگو جاری تھی۔ ”ابو اس عمارت کا معما حل کیوں نہیں ہوتا؟“ سمیع نے بار بار دہرایا گیا سوال ایک بار پھر پوچھا۔

”بیٹا، اس کی بڑی وجہ ہم لوگوں کی توہم پرستی اور فرسودہ خیالات ہیں۔“ ظہور احمد نے چائے کی چسکی لے کر جواب دیا۔

”ہم اس جگہ جائیں کسی دن؟“ سمیع نے پوچھا۔

”نہیں، بالکل بھی نہیں۔“ انہوں نے سختی سے انکار کیا۔

”کیوں؟“ اس نے مختصر انداز میں پوچھا۔

”جو انسانی ہاتھ اور پیر ہمیں اس عمارت سے ملے تھے، وہ جوان لوگوں کے تھے، لیبارٹری رپورٹ کے مطابق ان کی عمر مشکل سے پچیس سال کے لگ بھگ تھی۔“ ظہور احمد نے بتایا۔

”مگر اس بات کا میرے عمارت میں داخل ہونے یا نہ ہونے سے کیا تعلق ہے؟“ سمیع نے پوچھا۔

”تعلق ہے بیٹا، میں وہاں اپنے جوان بیٹے کو بالکل نہیں بھیجنا چاہتا جہاں پہلے سے جوان لوگوں کی لاشیں ملنے کا سلسلہ جاری ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

سمیع منہ بنا کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتے تھے اب پورا دن وہ اسی طرح رہے گا مگر وہ سمیع کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

☆☆☆

”یار مجھے نہیں جانا اس عمارت میں۔“ سمیع کے دوست احسن نے انکار میں سر ہلایا۔

”کیوں ڈرپوک ہو تم؟“ سمیع نے مذاق اڑایا۔

”ہاں ہوں ڈرپوک، اللہ کے بندے اب جن اور چڑیلوں سے کون لڑنے جائے۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”یہ تمہارے رشتے دار وہاں ہم سے لڑنے نہیں بیٹھے۔“ سمیع نے جواب دیا۔

”اور کیا کرنے بیٹھے ہیں؟ تمہارا ولیمہ کھانے؟“ اس نے ۔۔۔ سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

سمیع کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ”چل چھوڑ، ابو نے اجازت نہیں دی مگر میں جاؤں گا ضرور اس عمارت میں۔“ سمیع کے لہجے میں پختگی تھی۔

”یار سمیع آخر اس عمارت میں رکھا کیا ہے؟ تم اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟“ احسن جھنجلا گیا۔

”سچ بتاؤں؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے احسن کو دیکھا۔

”اگر یہ نیک کام اس زندگی میں کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔“

احسن کی بات سن کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

”تو سنو، پچھلے ایک ماہ سے میں ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں کہ اس عمارت میں کسی عورت کی چیخیں بلند ہوتی ہیں اور ان چیخوں میں میرا نام شامل ہے، پتا نہیں کیوں وہ آواز مجھے بلا رہی ہے، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس آواز کو کہیں سنا ہے۔“ سمیع نے کھوئے

چار چٹکلے

انسانوں کے اذہان مختلف ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو ذرا سی دیر میں معاملے کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو یا تو معاملہ ہی سمجھ میں نہیں آتا یا پھر وہ سوچتے رہ جاتے ہیں۔

یہ کچھ چٹکلے ہیں۔ ذرا سوچیں اور راز تک پہنچ جائیں۔ بہت آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ یہ سارے راز جاسوسی، جرائم اور سسپنس کے ہیں۔ ہم آپ کی ذہانت کو چیلنج تو نہیں کر رہے پھر بھی آپ کو ذہن لڑانے کی دعوت دے رہے ہیں۔

1 ☆ جیک ایک کوٹھری میں قید تھا۔ اس کوٹھری کا فرش کچا تھا۔ اس کے پاس ایک بیلچہ تھا۔ اس کوٹھری میں ایک کھڑکی بھی تھی جس میں سلاخیں نہیں تھیں لیکن وہ بہت بلندی پر تھی۔ جیک کو ہر حال میں اس کوٹھری سے فرار ہونا تھا لیکن کیسے۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کو مارنے والے کسی بھی لمحے اس تک آسکتے تھے۔

سوال یہ تھا کہ وہ کیسے فرار ہو۔ یہ سوال آپ سے ہے۔ کیا اس کا جواب دے سکتے ہیں؟

2 ☆ مسز نیل پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ اس کا قیمتی نیکلس چوری ہو گیا تھا۔ وہ اس کی رپورٹ لکھوانے گئی تھی۔ پولیس نے اس کی شکایت پر اس کمرے کا معائنہ کیا جس کی الماری میں نیکلس رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اس کے سوا اور کوئی نشان نہیں تھا۔ مسز نیل نے بتایا کہ اگرچہ اس نیکلس کی انشورنس ہو چکی تھی، اس کے باوجود اسے اس نیکلس سے بہت محبت تھی۔ ہر خاص تقریب پر وہ اسی نیکلس کو پہنا کرتی تھی۔ اس گھر میں کوئی ملازم وغیرہ بھی نہیں تھا جس پر شبہ کیا جا سکے۔ معائنہ کرنے والے جاسوس نے کچھ دیر تک جائزہ لینے کے بعد حکم دیا کہ خود مسز نیل ہی کو گرفتار کر لیا جائے، کیوں؟ کوئی جواب ہے آپ کے پاس؟

3 ☆ اسکول کا پہلا دن تھا۔ جغرافیہ کے ٹیچر کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پولیس نے شبے میں چار آدمیوں کو حراست میں لے لیا۔ ان سے تفتیش شروع ہوئی۔

ان میں سے ایک حساب کا استاد تھا۔ ایک مالی تھا۔ ایک کھیلوں کا نگران تھا اور ایک اسکول کا پرنسپل تھا۔ ان چاروں سے پوچھ گچھ کی گئی۔ ہر ایک کے پاس اپنی غیر موجودگی کا ثبوت تھا۔

پرنسپل اپنے آفس میں اسکول کے اکاؤنٹنٹ سے میٹنگ میں مصروف تھا۔

مالی باغ میں پودوں پر دواؤں کا چھڑکاؤ کر رہا تھا۔ ایک معاون اس کے ساتھ موجود تھا۔

حساب کا ٹیچر سہ ماہی امتحان کے پرچے بنانے میں مصروف تھا۔

کھیلوں کا نگراں کچھ بچوں کو فٹ بال کھیلنا سکھا رہا تھا۔ سب کے پاس ثبوت تھا۔

پولیس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد حساب کے ٹیچر کو حراست میں لے لیا۔ کیوں؟ کیا اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں آپ؟

4 ☆ اس کے سامنے میز پر دو کیپسول رکھے رہتے تھے۔ وہ اپنے شکار کو بڑی فراخ دلی سے کہتا کہ ان میں سے ایک کیپسول کا انتخاب کر لے۔ ایک زہریلا ہے، دوسرا بے ضرر۔ بے چارہ شکار ایک کیپسول اٹھا کر ایک گلاس پانی کے ساتھ نگل جاتا اور موت کے منہ میں پہنچ جاتا۔ ہوتا یہ تھا کہ خود وہ بھی اپنے شکار کے ساتھ ہی دوسرا کیپسول اٹھا کر نگل لیتا تھا لیکن وہ ہمیشہ زندہ رہ جاتا تھا جبکہ شکار بے چارہ مر جاتا تھا۔ ایسا کیسے ہوتا تھا کہ اس کے شکار کے حصے میں ہر بار زہریلا کیپسول ہی آتا ہو۔ ذرا دھیان دیں۔ کس طرح ہوتا ہوگا؟

اب ہم سارے سوالوں کے جواب بتا دیتے ہیں۔

1 ☆ جیک بڑی آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔ اس کے پاس ایک بیلچہ تھا، کمرے کا فرش کچا تھا، کھڑکی اونچی تھی۔ وہ کچے فرش سے مٹی کھود کھود کر اتنا اونچا ٹیلا بنا سکتا تھا جو کھڑکی تک پہنچ سکے۔ اس کے بعد اس کا کام آسان ہو جاتا۔

2 ☆ مسز نیل نے اپنے نیکلس کی چوری کی رپورٹ کروائی تھی لیکن کمرے کا معائنہ کرنے کے بعد پولیس نے خود اسی کو گرفتار کر لیا۔ کیونکہ کمرے کی کھڑکی کے شیشے باہر سے نہیں بلکہ اندر سے ٹوٹے ہوئے تھے۔

3 ☆ اسکول کا پہلا دن تھا۔ جغرافیہ کے ٹیچر کا قتل ہو گیا۔ حساب کے ٹیچر کو گرفتار کر لیا گیا اس لیے کہ اسکول کا پہلا دن تھا اور حساب کا ٹیچر سہ ماہی امتحان کے پرچے بنا رہا تھا جو تین ماہ بعد ہونے تھے۔

4 ☆ کیپسول کھلانے والا ہمیشہ بچ جاتا تھا، کیوں؟ جواب بہت آسان ہے۔ زہر کیپسول میں نہیں بلکہ پانی کے گلاس میں ہوتا تھا۔ کیپسول نقصان دہ نہیں ہوتے تھے۔

آپ جاسوسی ڈائجسٹ کے قاری ہیں تو کم از کم اتنی جاسوسی تو آنی چاہیے؟

ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اوئے ماڈرن رانجھے، خواب کو خواب سمجھ اور تعبیر حاصل کرنے کے لیے خود کو خطرے میں نہ جھونک۔" احسن نے ڈانٹا۔

"بس مجھے یہ بتاؤ اگلے اتوار کو تم میرے ساتھ چل رہے ہو یا نہیں؟" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"چلو اگر بھری جوانی میں مرنا ہی نصیب میں ہے تو تیری خاطر قبول ہے۔" احسن نے سرد آہ بھری۔

سمیع خوش ہو کر اس سے لپٹ گیا۔ "تیرے جیسا یار ہو تو یہ دنیا ہی جنت ہے۔"

احسن اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

☆☆☆

اتوار کو ظہور احمد گھر پر نہیں تھا۔ اسے کسی کیس کے سلسلے میں دوسرے شہر جانا تھا۔ واپسی میں دو تین دن لگ جاتے۔ سمیع نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور عمارت میں گھسنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کی جیب میں باپ کا ایک پسٹل تھا۔ ہلکی بارش نے موسم خوشگوار کر دیا۔ شام کو کالی گھٹا نے رات جیسا اندھیرا کر دیا تھا۔ احسن اور وہ مغرب کی اذان کے بعد گھر سے نکلے۔ احسن ماں باپ کو یہی کہہ کر آیا تھا کہ آج رات وہ سمیع کے گھر رہے گا۔ ان دونوں گھرانوں کے اچھے تعلقات تھے۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج موسم کو خوفناک بنا رہی تھی۔ احسن نے ظاہر نہیں ہونے دیا مگر وہ خوف زدہ تھا۔ اس خوف کی بڑی وجہ عمارت کے متعلق پھیلی ہوئی افواہیں تھیں۔ سمیع البتہ پُرجوش تھا۔ بائیک کو عمارت کے گیٹ پر کھڑا کر کے وہ دونوں گیٹ پھلانگ کر اندر داخل ہوئے۔ اس عمارت کا ڈیزائن بالکل پرانی عمارتوں جیسا تھا۔ دونوں عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ اس عمارت سے لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ آج تک کسی نے تالا لگانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی سمیع کی نگاہ اوپر جانے والی سیڑھیوں پر پڑی۔ اس نے احسن کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں اوپر جاتا ہوں تم نیچے جاؤ، کوئی خاص چیز ملے تو مجھے بلانا۔"

اس کی بات سن کر احسن نے تیزی سے انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں، ہم مل کر جائیں گے، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

سمیع نے دانت پیسے۔ "چل آ بزدل انسان۔"

دونوں اوپر جاتی سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ قدم جما کر آگے بڑھے۔ سمیع کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سائز کی ٹارچ تھی۔ اس کی روشنی کی مدد سے وہ دونوں دوسری منزل پر پہنچے۔ یہاں تین کمروں کی ایک قطار تھی۔ انہوں نے ایک ایک کر کے تینوں کمرے چھان مارے مگر کوئی خاص چیز حاصل نہ کر سکے۔ سمیع مایوس ہو چکا تھا۔ دونوں آہستگی سے چلتے ہوئے نیچے آئے۔ اب ان کا رخ تہ خانے کی جانب تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ انہوں نے یہاں بھی تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا۔

"یار کیا فائدہ ہوا، اتنا ڈر ڈر کر اندر آئے اور کچھ ملا ہی نہیں۔" احسن کے لہجے میں مایوسی تھی۔

اچانک سمیع کے پیر پر کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔ اس نے "اُف" کہتے ہوئے جھنجلاہٹ میں پیر زور سے زمین پر مارا۔ احسن چونکا۔ اس نے دوسری بار زور سے زمین پر پیر مارا۔ اس بار وہ بھی چونک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے تہ خانے کے نیچے خلا ہے۔ دو تین بار اسی طرح پیر مارنے کے بعد وہ دونوں معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"کیا خیال ہے شہزادے، نیچے کیا ہو سکتا ہے؟" احسن کی آواز میں جوش تھا۔ "لگتا تو ایسے ہے جیسے نیچے خلا ہے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے، تہ خانے کے نیچے کمرا؟"

سمیع کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "یار ہم دیکھ چکے ہیں ساری عمارت ہی پرانے ڈیزائن کی ہے اور اس قسم کی عمارتوں میں اکثر کوئی خفیہ راستہ یا سرنگ ہوتی ہے باہر نکلنے کے لیے۔"

احسن نے سر ہلایا۔ "مگر اس کا راستہ کیسے تلاش کریں؟"

اس سوال کا جواب احسن کے پاس بھی نہیں تھا۔ دونوں ارد گرد گھوم کر راستہ تلاش کرنے لگے۔ تہ خانے کے دروازے کے بالکل ساتھ سمیع نے دو تین بار ہاتھ مارا۔ اسے لگا جیسے یہاں کوئی اینٹ اپنی جگہ سے ہلی ہوئی ہے۔ اس نے احسن کو بلایا۔ دونوں غور سے اس اینٹ کو دیکھ رہے تھے۔ احسن نے زور سے اس اینٹ پر ہاتھ مارا۔ اچانک دونوں کو ایسے لگا جیسے ان کے پیروں سے زمین نکل گئی ہو۔

☆☆☆

وہ حقیقتاً ہوا میں معلق تھے۔ کچھ سیکنڈز میں وہ زمین سے ٹکرائے۔ احسن کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ البتہ سمیع نے خود پر کنٹرول رکھا تھا۔ خوش قسمتی سے زمین نرم تھی اس لیے کسی خطرناک چوٹ سے بچ گئے تھے۔ اس نے جلدی سے احسن کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "بس کر یار اور کتنا چلائے گا۔"

احسن کا پورا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ سمیع کی اتنی خطرناک سچویشن میں بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تت...... تم ہنس رہے ہو، میری جان پر بنی ہوئی ہے، اب یہاں سے نکلیں گے کیسے؟" احسن ہکلایا۔

"جیسے آئے ہیں۔" اس نے اوپر دیکھا۔

"ہاں تو اسپائیڈر مین کا بھائی ہے ناں جو اُڑ کر اوپر پہنچے گا۔" احسن غصے سے بولا۔

"چپ کر یار کوئی نہ کوئی راستہ تو ہوگا۔" وہ جھنجلا گیا۔

"کیسے چپ کروں، میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔" احسن کی بات سن کر سمیع ہنس پڑا۔

"تو میرے کون سے بچے رو رہے ہیں۔"

"میں تو اس وقت کو پچھتا رہا ہوں جب تیرے ساتھ یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

سمیع سنی ان سنی کرتے ہوئے اردگرد دیکھنے لگا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ میں ہی تھی۔ گرتے وقت ٹارچ کو اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ وہ اردگرد غور سے دیکھنے لگا۔ احسن چپ چاپ سائڈ پر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک کچا راستہ تھا۔ تھوڑا آگے بڑھتے ہی سمیع نے کچھ سونگھا۔ کہیں سے بو آرہی تھی۔ دونوں آگے بڑھے تو بائیں جانب ایک کونے میں تین ڈھانچے پڑے تھے۔ اس بار احسن کی آواز نہ نکل سکی۔ خوف اور دہشت سے اس کی بولتی بند ہو گئی۔ البتہ سمیع پُرجوش تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے وہ اس معمے کو حل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ انسانی ڈھانچے تھے اور ان کا جسم مٹی کھا چکی تھی بس ہڈیاں باقی تھیں۔ سمیع اردگرد دیکھنے لگا۔ ڈھانچوں کے قریب ہی ایک کپڑے کا تھیلا رکھا ہوا تھا۔ سمیع نے اسے اٹھا لیا۔ احسن چپ چاپ خوف زدہ نظروں سے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ سمیع نے جوش میں تھیلا کھولا۔ کیڑے مکوڑوں کے ساتھ ایک ڈائری برآمد ہوئی۔ اس نے جلدی سے اس کے ورق پلٹے۔

"سمیع اس جگہ رہ کر ہم اس ڈائری کو نہیں پڑھ سکتے، چلو اوپر چلتے ہیں۔" احسن نے ٹوکا۔ ڈائری کے کچھ اوراق پھٹے ہوئے تھے مگر وہ پڑھے جانے کے قابل تھی۔ دونوں نے گھوم پھر کر دیکھا۔ تھوڑا آگے جا کر یہ راستہ ختم ہو گیا۔ لاکھ کوشش کے باوجود انہیں باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ شاید کوئی خفیہ میکنزم تھا جو ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ دونوں واپس اسی جگہ آگئے جہاں گرے تھے۔ تہ خانہ کی چھت زمین سے تقریباً بارہ فٹ بلند تھی۔ سمیع، احسن کو وہاں چھوڑ کر ڈھانچوں کے پاس آیا۔ اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ ڈھانچوں کے ساتھ ہی کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے نزدیک جا کر دیکھا، یہ ایک مضبوط رسی تھی۔ سمیع کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ وہ رسی اٹھا کر احسن کے پاس آیا۔

"اب اس رسی کے ذریعے کیا پھانسی لینی ہے؟" احسن نے طنز کیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے مرنے کی، چلو آؤ میرے کاندھوں

پر سوار ہو۔"

سمیع نیچے بیٹھا۔ احسن کو رسّی پکڑا کر اس نے اوپر اٹھایا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد احسن کا ہاتھ بہ مشکل تہ خانے کی سطح تک پہنچ گیا۔ وہ سہارا لے کر سطح سے لٹک گیا اور اچھل کر تہ خانے کی کچی زمین پر جا گرا۔ اب اس نے رسّی کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر نیچے لٹکایا۔

"آ جا اوپر شہزادے۔" ساتھ ہی ہانک لگائی۔

سمیع رسّی کے ساتھ لٹک گیا۔ احسن نے اسے اٹھانا شروع کر دیا۔ بہت زیادہ طاقت صرف کرنے کے بعد سمیع آخر اوپر پہنچ گیا۔ احسن کا چہرہ اتنی مشقت کے باعث سرخ ہو چکا تھا۔ اب وہ خونی نظروں سے سمیع کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سمیع بھی ہانپ رہا تھا۔ ہانپتے ہوئے اس نے جیب سے ڈائری نکالی۔

"کیا اب یہ بھی یہاں پڑھنی ہے؟" احسن چلّایا۔

"ہاں بیٹا، ہو سکتا ہے کوئی راز مل جائے اس سے۔" اس نے ٹارچ جلا کر ڈائری کا پہلا ورق کھولا۔

"یہاں نہیں، چل اوپر چلتے ہیں۔" احسن اسے گھسیٹ کر عمارت کی انٹرینس تک لے آیا۔ اس کا خوف کچھ کم ہو چکا تھا اور سمیع تو جوش میں سب کچھ بھول بیٹھا تھا۔ دونوں فرش پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ سمیع نے ڈائری کھولی۔ پہلے ورق پر لکھا تھا۔

"میری پیاری ڈائری، نہ جانے کیوں مجھے یقین ہے میرے علاوہ بھی کوئی تمہیں پڑھے گا اس لیے بتاتا چلوں کہ یہ تمام واقعات سچے ہیں مگر نام فرضی ہیں، کاش میں یہ تمام باتیں کسی ذی روح کو بتا سکتا مگر مائی ڈیئر ڈائری کون بنے گا میرا رازداں۔ سوائے اس ویران عمارت کے جہاں بڑا صاحب کبھی کبھی آتا ہے، چلو میری پیاری ڈائری آج تجھے الجھی ہوئی حقیقت بتا دوں، بڑا صاحب اصل میں رئیس خاندان کا اکلوتا چشم و چراغ ہے اور یہ ویران عمارت اس کی ملکیت ہے جس کی حفاظت میری ذمّے داری ہے اور میں؟ میرے بارے میں جاننا چاہو گی؟ چلو آج تمہیں ایک کہانی سناؤں۔ ایک سچی مگر فرضی ناموں پر مشتمل کہانی۔"

☆☆☆

وہ تینوں ہائی اسکول کے زمانے کے دوست تھے۔ تینوں ہی اوسط نمبروں سے پاس ہونے والے طالب علم تھے۔ کالج کے زمانے تک تینوں اکٹھے پڑھتے رہے۔ عمر کے لحاظ سے سب سے بڑا ریحان اصغر تھا۔ ریحان کی طبیعت میں سرکشی اور باغی پن تھا جو اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ ریحان کے ماں باپ وفات پا چکے تھے اور وہ ماموں کے پاس رہتا تھا۔

دوسرے نمبر پر حسنین شاہ تھا۔ حسنین ان تینوں میں سب سے زیادہ ذہین اور محنتی تھا مگر ان دونوں کی صحبت اسے بگاڑ چکی تھی۔ اس کا سخت گیر باپ جو کہ پرائمری اسکول کا ٹیچر تھا، ماں جو اس سے بے حد پیار کرتی تھی اور ایک بہن جس کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کا بہنوئی ایک پولیس والا تھا۔ تینوں میں سب سے چھوٹا امجد علی تھا جو ایک امام مسجد کا بیٹا ہونے کے باوجود بُری عادات میں مبتلا تھا۔ کالج پاس کرنے کے بعد تینوں الگ ہو گئے۔ اب ان کی زندگی نے کیا کیا موڑ کھائے۔ پیاری ڈائری یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔

☆☆☆

ریحان اصغر نے کالج تو کسی طرح پاس کر لیا مگر تھرڈ ڈویژن کی سند کے ساتھ اسے یونیورسٹی میں داخلہ نہ ملا۔ ماموں کی ضد کے باوجود اس نے پرائیویٹ یونیورسٹی میں پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اب اس کی زندگی کا مقصد آوارہ گردی تھی۔ سگریٹ کے بعد چرس کی عادت نے پیسے کی ضرورت کو بڑھا دیا۔ ماموں کی وفات کے بعد ممانی نے جیب خرچ بند کر دیا۔ جلد اس کو اپنے جیسے نشے بازوں کا ٹھکانا میسر ہو گیا۔ یہ لوگ چھوٹی موٹی چوریاں کر کے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ ریحان نے بھی چوری چکاری شروع کر دی مگر وہ کوئی بڑا ہاتھ مارنا چاہتا تھا۔ انہی دنوں اس کی ملاقات ارشاد سے ہوئی۔ ارشاد ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا اہم کارکن تھا۔ اس نے ریحان کو بھی اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ ریحان نے کئی وارداتوں میں حصہ لیا۔ اسی دوران لاہور کے ساتھ مڑنے والے ڈبل روڈ پر ایک واردات کے دوران ان کا مقابلہ پولیس سے ہو گیا۔ دو طرفہ فائرنگ کے دوران ایک گولی ریحان کے بازو میں لگی۔ درد سے بے حال ریحان قریب ہی ایک عمارت گھسنے لگا تھا کہ ایک عورت نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے چیخنا چاہا مگر ریحان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ ویران نظر آنے والی اس عمارت میں وہ دونوں داخل ہو چکے تھے۔

☆☆☆

حسنین کا باپ اسے کوئی جاب دلوانا چاہتا تھا مگر ایف اے پاس حسنین کو کہیں بھی اچھی ملازمت نہ مل سکی۔ اس کے باپ کی ملاقات ایک رئیس زادے سے ہوئی جو اپنی بیوی کی وفات کے بعد تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ رئیس زادے کا نام احمد خان تھا۔ چالیس سال کا احمد خان ایک عیاش شخص تھا۔ اس کے باپ نے اس کے لیے اتنی جائداد چھوڑی تھی جو اگلی کئی نسلوں کے لیے کافی تھی مگر افسوس احمد خان باپ نہیں بن سکتا تھا۔ اس

کی بیوی ہاجرہ ایک شریف گھر کی لڑکی تھی۔ اپنی محرومی کا سارا غصہ احمد خان ہاجرہ پر نکالتا تھا اور انہی مظالم سے تنگ آکر ہاجرہ نے خودکشی کر لی تھی۔ حسنین کے باپ نے اسے احمد خان کے پاس جاب دلوا دی۔ حسنین کو سمجھ نہ آئی کہ آخر احمد خان نے اس میں کیا خوبی دیکھی ہے جو اسے اپنے پاس سیکریٹری رکھ لیا ہے۔
بہت جلد احمد خان اسے شہر والے بنگلے سے اس پرانے ڈیزائن کی عمارت میں لے آیا جو احمد خان کے باپ کو ایک انگریز نے گفٹ کی تھی۔ یہاں آکر حسنین کو سمجھ آئی کہ احمد خان کیا چاہتا تھا۔ وہ ہم جنس پرست تھا۔ اسے حسنین جیسے ایک نوجوان کی ضرورت تھی جو اس کی ہوس کی تسکین کر سکتا۔ حسنین کے لیے یہ ناقابلِ قبول تھا مگر روپے کے لالچ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ چپ چاپ احمد خان کے اشاروں پر چلنے لگا۔
احمد خان نے یہ ساری عمارت اس کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ گھر والوں کی شکل دیکھے کئی ماہ ہو چکے تھے۔ اب وہ ہر مہینے ایک مخصوص رقم گھر بھیج دیتا تھا۔ احمد خان مہینے میں ایک دو بار یہاں رہنے آتا تھا۔ حسنین خود ہوس کا مارا تھا۔ وہ احمد خان کی غیر موجودگی میں پیشہ ور عورتوں کو اس مکان میں لے آتا تھا۔
اسی دوران اس کی ملاقات امجد سے ہوئی۔

☆☆☆

امجد نے کالج پاس کر لیا مگر بری صحبت نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ امام صاحب نے اس کی حرکتوں سے تنگ آکر شہر میں اسے خالہ کے پاس بھیج دیا۔ یہاں امجد کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خالہ کے گھر کے ساتھ ہی ایک گھر میں چار لڑکیاں اور ایک ادھیڑ عمر عورت رہتی تھی۔ اس گھر کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ عورت لڑکیوں سے پیشہ کرواتی ہے اور یہ ان کی حقیقی ماں بھی نہیں۔ وہ دیکھنے میں بھی خرانٹ اور مردمار قسم کی عورت لگتی تھی۔ انہیں میں سے ایک لڑکی صوفیہ سے امجد کی دوستی ہو گئی۔ دونوں گھروں کی چھت آپس میں ملی ہوئی تھی۔
صوفیہ سے پہلے فون نمبرز کا تبادلہ ہوا پھر ملاقاتیں بڑھنے لگیں۔ اکثر ہونے والی ملاقاتوں نے رنگ دکھایا اور صوفیہ حاملہ ہو گئی۔ دونوں گھروں کے لوگوں سے یہ بات راز نہ رہ سکی۔ خوب ہنگامہ ہوا۔ ادھیڑ عمر عورت جس کا نام زرینہ بیگم تھا، نے امجد کی خالہ سے زبانی جنگ کی جس کے نتیجے میں اسے گھر سے نکال دیا گیا۔ امام صاحب نے فون پر ہی عاق نامہ جاری کر دیا۔ دو دن پارک میں سونے کے بعد امجد کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ زرینہ بیگم اس سے ملنے آئی۔ بینچ پر اس کے پاس بیٹھ کر بولی۔
”دیکھو بیٹا! میں جانتی ہوں تم اور صوفیہ جوان ہو، جوانی میں ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر جو تمہارے ساتھ ہوا وہ اچھا نہیں ہوا۔“

حسد

”سنا ہے تمہارے باس نے تمہیں نوکری سے نکال دیا؟“
”ہاں...... تم نے ٹھیک سنا ہے۔“
”وجہ کیا ہوئی؟“
”باس مجھ سے حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے باس اس شخص کو کہتے ہیں جو کوئی کام نہیں کرتا...... بس دفتر میں اِدھر اُدھر پھرتا رہتا ہے۔“
”ہاں...... لیکن باس تم سے حسد میں کیوں مبتلا ہو گئے تھے؟“
”دفتر میں لوگ مجھے باس سمجھنے لگے تھے۔“

نکتے

ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ڈائریکٹر نے کاپی رائٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے اس اشتہار کا مضمون بہت اچھا بنایا ہے۔ اسے پڑھ کر تو ہر شخص اپنی جیب سے پیسے نکالنے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ نکتے آپ کو کہاں سے سوجھے؟“
”اپنے بیٹے کے خطوط پڑھ کر...... جو وہ مجھے ہوسٹل سے لکھتا ہے۔“ کاپی رائٹر نے جواب دیا۔

کراچی سے عفان آزاد کا مکالمہ

زحمت

ایک دفتر کے ڈائریکٹر دوسرے دفتر کے ڈائریکٹر سے پوچھ رہے تھے۔ ”بھئی تم نے اپنی سیکریٹری کو ملازمت سے کیوں نکال دیا؟“
”اسے کسی لفظ کی اسپیلنگ ہی نہیں آتی تھی۔ جب بھی میں کوئی خط ڈکٹیٹ کرانے بیٹھتا تھا، وہ ہر لفظ کی اسپیلنگ پوچھتی رہتی تھی۔“ دوسرے ڈائریکٹر صاحب نے بتایا۔
”یہ تو واقعی بڑا مسئلہ تھا۔ بار بار کی مداخلت سے تمہیں بڑی کوفت ہوتی ہوگی۔“ پہلے ڈائریکٹر ہمدردی سے بولے۔
”مداخلت کی تو خیر کوئی بات نہیں...... لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ ہر لفظ کی اسپیلنگ کے لیے ڈکشنری دیکھتا رہتا۔“ دوسرے ڈائریکٹر صاحب بیزاری سے بولے۔

کیماڑی سے اختر بیگ کی مجبوری

امجد حیران تھا کہ آخر زرینہ کے دل میں اس کے لیے اتنا رحم کیوں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مطلب کی بات پر آ گئی۔

"دیکھو بیٹا، تم یوں دربدر کی ٹھوکریں کھاؤ گے تو مجھے شرمندگی ہوگی۔ جو بھی ہوا، اسے بھول جاؤ۔ میرے ساتھ چلو، ہمارے گھر میں رہو۔ کچھ چھوٹے موٹے کام کر دینا ہمارے۔"

وہ زرینہ کی بات کی تہ تک پہنچ گیا مگر صوفیہ کی جوانی کا نشہ اب بھی اس کے دل و دماغ پر سوار تھا۔ اس لیے اس نے زرینہ بیگم کے ساتھ جانے کی ہامی بھر لی۔ محلے والوں کے اعتراضات اور کچھ اور وجوہات کی بنا پر زرینہ بیگم لڑکیوں کو ساتھ لے کر ایک دوسرے علاقے میں چلی آئی۔ صوفیہ آج کل چھٹی پر تھی، اس لیے وہ صرف اسے دور دور سے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا۔ باقی لڑکیوں کے رات گئے تک "شریف" اور معاشرے کے "نیک" چہرے گاہک بن کر آتے اور سیاہ رات کو اپنے گناہوں سے مزید کالا کر کے چلے جاتے۔ اس کے ذمے گاہک گھیر کر لانا تھا۔ جب احساس مر جاتا ہے تو عزت اور شرم نام کی چیزیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ امجد یہ کام اب بہ خوبی کر رہا تھا۔ انہی دنوں اس کی ملاقات حسنین سے ہوئی۔ جوان پیشہ ور عورتوں کا خریدار بن کر آتا تھا۔ حسنین تین چار دن کے لیے زرینہ بیگم سے دو لڑکیاں لے گیا تھا۔ امجد بھی ساتھ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اپنی اپنی کہانیاں سنا کر اس رات وہ مزے کرنا چاہتے تھے مگر قدرت نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

☆☆☆

بازو پر لگنے والی گولی اور سردی نے اس کا بُرا حال کر رکھا تھا۔ عورت اسے کئی بار خدا رسول کا واسطہ دے کر خود کو چھڑانے کی کوشش کر چکی تھی مگر پسٹل کی نال اس کے سر پر لگا کر ریحان بدستور اسے پکڑے ہوئے تھا۔

"کہیں یہ باہر جا کر کسی کو میرے بارے میں بتا نہ دے۔" یہی سوچ کر وہ اسے روکے ہوئے تھا۔ جب ریحان کی برداشت ختم ہونے لگی تو وہ عورت کو آگے چلنے پر مجبور کر کے عمارت میں لے آیا۔ عمارت کا بیرونی دروازہ کھلا تھا۔ ریحان سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ ایک کمرے میں کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ ادھر داخل ہو گیا۔ عورت اس کے آگے آگے تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی حسنین نے پسٹل پھر عورت کی کنپٹی سے لگا دیا۔ سامنے بیٹھے دو جوان اچھل کر کھڑے ہوئے۔ کمرے میں روشنی تھی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ حیرت سے ان کے منہ کھل گئے۔ حسنین کے ہاتھ سے شراب سے بھرا گلاس گر گیا۔ وہ ان دونوں کے بجائے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

ڈائری پر لکھی یہ آخری لائن تھی۔ اس پُراسرار عمارت میں بیٹھے احسن اور سمیع نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "کیا خیال ہے؟ آگے کیا ہوا ہوگا؟" احسن نے پوچھا۔

"میں کیا کہوں؟ خود اندازہ لگاؤ، یہ تینوں لاشیں کس کی ہیں؟" سمیع نے جواب دیا۔

"ایک بات تو کنفرم ہے، ان تینوں کو مار کر اور ہاتھ پیر کاٹ کر اِدھر اُدھر پھیلانے کا مقصد بس اس کہانی کو ختم کرنا تھا۔" احسن نے خیال ظاہر کیا۔

باہر برسنے والی بارش تھم چکی تھی۔ تیز ہوا کا شور ماحول کی پراسراریت کو بڑھا رہا تھا۔ "ہاں، جن بھوت کی کہانی تو جھوٹ نکلی۔" اس نے جواب دیا۔

"اتفاق دیکھو قدرت کا، اگر یہ کہانی سچ ہے تو حسنین کی بہن سمیت کہانی کے چار مختلف کردار مختلف حالات کا شکار ہو کر اس عمارت میں آن پہنچے۔" احسن حیران تھا۔

"ہاں مگر اب قاتل کو کیسے تلاش کریں؟ کیا تینوں نے ایک دوسرے کو مار دیا؟ یا کوئی اور قاتل تھا؟ یہ سوال بھی جاننا ہوں گے۔" سمیع بے چین ہو رہا تھا۔ آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی۔ دونوں نے گھر واپسی کی راہ پکڑی۔ ان کے ذہن میں گزر جانے والے حالات تھے اس لیے دونوں خاموش تھے۔

یہ اگلے ہفتے کی بات ہے۔ سمیع اور ظہور گھر پر تھے۔ سمیع نے ابھی تک انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ موضوع آج پھر وہی پُراسرار عمارت تھی۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اچانک ظہور احمد نے کہا۔

"سمیع کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟" سمیع حیران رہ گیا۔

"ک ک کیا ہوا ابو؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے پہلے شک تھا کہ تمہاری اس کھوپڑی کو چین نہیں آتا، تم اس عمارت میں ضرور جاؤ گے۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"آ...... آپ کو کیسے پتا؟" وہ ہکلایا۔

"میں تمہارا باپ ہوں، کل ڈائری پڑھ لی تھی جو تم اٹھا لائے تھے۔" انہوں نے جواب دیا اور گہری سانس لے کر بولے۔ "کیا حاصل ہوا اتنی مشقت سے؟ ڈائری تو مجھے فرضی کہانی لگی۔"

"فرضی کہانی نہیں، حقیقت ہے ابو جی۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں بیٹا فرضی کہانی ہے، اتنے اتفاقات کیسے ہو سکتے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"اتفاقات بھی زندگی کا حصہ ہیں۔ ہو سکتا ہے ڈائری پر لکھی گئی کہانی میں کچھ زیادہ لکھ دیا گیا پر یہ حقیقی لگی مجھے۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر کیا خیال ہے کس نے لکھی یہ کہانی، حسنین، امجد یا ریحان؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ تو صاف ظاہر ہے حسنین نے لکھی ہے کیونکہ وہ اس عمارت کو سنبھال رہا تھا اور یہی بات ڈائری میں لکھی گئی۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر اب تم کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ میں اس عمارت میں تمہیں ہرگز نہیں بھیجنا چاہتا جہاں پہلے سے تین لاشیں موجود ہیں۔" وہ یہ بات کر کے اٹھ گئے۔

سمیع کچھ دیر سوچ میں گم رہا اور پھر ایسے سر ہلایا جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔

رات کو ڈنر کے بعد وہ ظہور احمد کے کمرے میں چلا گیا۔

"ابو ایک بات پوچھوں؟" اس نے اجازت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں پوچھو۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرے اور احسن کے سوا کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ وہاں تین ڈھانچے موجود ہیں، ڈائری میں بھی یہ کہیں نہیں لکھا گیا، پھر آپ کو کیسے پتا؟" سمیع کے سوال پر وہ چونک گئے۔ کچھ دیر کے لیے ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "اگر آپ جواب نہیں دینا چاہتے تو نہ دیں مگر میں بھی جانتا ہوں امی کی موت حادثے میں نہیں ہوئی تھی، اسی عمارت کے اردگرد ہوئی تھی۔" سمیع نے دوٹوک انداز میں بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"کہانی میں حسنین کی بہن کا شوہر پولیس والا بتایا گیا ہے، نام فرضی سہی مگر میں ماموں کو جانتا ہوں جنہیں گم شدہ قرار دیا گیا تھا۔"

اس کی بات سے ظہور احمد نے گہری سانس لی۔ "سمیع کیوں مجبور کر رہے ہو، ماضی کو مت کھنگالو بہت تکلیف دہ ہے۔"

"میں کھنگال نہیں رہا، ماضی خود مجھے مجبور کر رہا ہے، امی کی چیخیں خواب میں سنائی دیتی ہیں۔" سمیع کی آواز میں دکھ تھا۔

"چلو بیٹا میں تمہیں بتا دیتا ہوں آگے کیا ہوا، اس کے بعد اپنے باپ کو خود سزا دے دینا۔"

☆☆☆

"ان دنوں میں اسی علاقے کی پولیس میں تھا۔ ریحان والے پولیس مقابلے میں، میں شامل تھا مگر ریحان کو تلاش نہ کر سکا۔ تمہاری ماں اس دن اپنے ماں باپ سے ملنے کے بعد واپس آ رہی تھی۔ تم اسکول میں تھے۔ ریحان تمہاری ماں کو یرغمال بنا کر اندر لے گیا۔ باقی کے حالات کی کہانی مجھے ان پیشہ ور لڑکیوں میں سے ایک نے بتائی جنہیں حسنین لے کر آیا تھا۔ ڈائری حسنین ہی لکھتا تھا اور مجھے اس کا یہ شوق پتا تھا۔ اپنی بہن کو وہاں دیکھ کر حسنین ڈر گیا۔ شہناز، تمہاری ماں اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ریحان کو جو پتا چلا کہ یہ ایک پولیس والے کی بیوی ہے تو اس نے شہناز کو مارنے کا فیصلہ کر لیا۔ حسنین بھی اپنے گناہوں کا پردہ فاش ہونے سے بچنے کے لیے تیار ہو گیا۔ بات یہاں ختم ہو جاتی مگر امجد کی غلیظ سوچ نے کچھ اور فیصلہ کر لیا تھا۔ حسنین نشے میں دھت ہو کر ایک لڑکی کو لے کر چلا گیا۔ ریحان نے درد مٹانے کے لیے کئی پیگ شراب کے لگا کر دوسری لڑکی کو لے گیا۔ امجد نے تمہاری ماں کو زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا۔ ہوس کی آگ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ پورا دن تمہاری ماں کو تلاش کرنے کے بعد میں اس عمارت میں گیا تو خون کی نشانات نے مجھے شک میں ڈال دیا۔ میں پولیس پارٹی کو بلانا چاہتا تھا مگر صبر نہ کر سکا اور اندر داخل ہو گیا۔ ایک کمرے میں حسنین نشے میں دھت ایک لڑکی کے ساتھ سو رہا تھا۔ دوسرے میں ریحان بازو کا درد مٹانے کے لیے شراب پی رہا تھا جبکہ تیسرے میں تمہاری ماں کی لاش پڑی تھی۔ گزر جانے والی رات گناہوں سے سیاہ تھی۔ میں اس کی لاش دیکھ کر پاگل ہو گیا۔ دونوں لڑکیوں کو ڈرا کر وہاں سے بھگا دیا۔

ان کے جانے کے بعد میں نے ایک ایک گناہ کا بدلہ تینوں سے لیا۔ میں نے مار دیا تینوں کو۔ حسنین کی موت آسان تھی مگر باقی دونوں کے ہاتھ اور پیر کاٹ کر میں نے ان تینوں کو اس تہ خانے کے نیچے پھینک دیا۔ اس کا راستہ مجھے اتفاق سے ملا تھا۔ حسنین کی ڈائری مجھے اس کمرے سے ملی تھی وہ بھی ساتھ دفنا دی۔ یہ راز ہمیشہ راز رہے، اس کے لیے میں نے کیا کوششیں کیں یہ تم جانتے ہو مگر آج اس راز سے پردہ ہٹ گیا۔ کوئی بھی نہیں جانتا شہناز کی موت ایک حادثہ نہیں تھی۔ وہ ایک سیاہ رات میں کچھ گناہ گاروں کے ہاتھ لگی تھی۔

☆☆☆

کہانی ختم کرنے کے بعد ظہور احمد کی آنکھوں میں نمی تھی۔ "اب بتاؤ اپنے باپ کا قصور؟"

سمیع کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کی چمک تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے باپ کے گلے لگ گیا۔

جونہی میری نظر اس نیکلس پر گئی، میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ اس دن طوفان کی وجہ سے تیز ہوا چل رہی تھی۔۔ ریت نے سیپیوں، پتھروں اور تمام گمشدہ چیزوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ نیکلس میری دوست اور پڑوسن لائیلا کا تھا جو شاید اس کی گردن سے نکل کر ریت میں گر گیا ہوگا۔ لیکن اس کا یہ پیارا نیکلس ریت میں نہیں بلکہ لائٹ ہاؤس کے نزدیک پختہ سڑک پر گرا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نیکلس کو دیکھا اور چاروں طرف نظر دوڑائی

کہتے ہیں کہ دل کی کِلی کسی بھی موسم میں کِھل سکتی ہے... وہ بھی محبت کے جذبے سے سرشار تھی... ایک انوکھی... خوب صورت اور خوابوں بھری دنیا اس کی منتظر تھی... مگر اس ذات سے منسلک کسی اور کی بھی ذات تھی... جو محبت کے ساتھ ساتھ روایت پرست تھی... قدیم روایات کی پاسداری پر مامور اسیرِ روایت کا دل شکن اقدام...

محبت کی خاطر جان لینے اور جان دینے والوں کی دل فگار کہانی......

ہار کی گواہی

نسرین منصور



لیکن دور دور تک لائیلا کا پتا نہیں تھا۔
میں وہاں کھڑی حیران ہو رہی تھی۔ لائیلا اکثر سائیکل پر یا پیدل اپنے گھر سے لائٹ ہاؤس تک آیا کرتی تھی۔ اسے ساحل کے اس حصے پر آنا پسند تھا۔ خاص کر جب تیز ہوا چل رہی ہو۔ اس کا لمبا ریشمی سبز گاؤن ہوا میں لہراتا تو لوگ کہتے یوں لگتا ہے جیسے کوئی جل پری معجزانہ طور پر سمندر سے باہر آ گئی ہے اور ریت پر تیر رہی ہے۔
لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس وقت ریت پر نہیں تھی جب اس کا قیمتی نیکلس جس کی تعریف اس کے سبھی دوستوں نے کی تھی، اس کی گردن سے نکل کر گر گیا۔ میں نے ایک بار پھر اس ہار کو غور سے دیکھا۔ اس کی سنہری چین میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی اور اس پر میری نظر پڑ گئی۔ جب وہ ہار ٹوٹ کر گرا تو اس کے موتیوں کی آواز ضرور آئی ہوگی پھر لائیلا نے اسے کیوں نہیں سنا ورنہ وہ اسے فوراً اٹھا لیتی۔
میں نے سر ہلا کر اپنے بلاؤز کے کالر کو اوپر کھینچا کیونکہ سورج غروب ہونے کے ساتھ خنکی بڑھ گئی تھی اور اس ارادے سے نیکلس کے دونوں حصے اپنی جینز کی جیب میں رکھ لیے کہ گھر پہنچتے ہی لائیلا کو واپس کر دوں گی۔ میں جانتی تھی کہ وہ اپنے نیکلس کی گمشدگی پر پریشان ہو رہی ہوگی۔
میں بمشکل تمام اپنی سائیکل پر سوار ہوئی اور تیز ہوا کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے سر اور کندھوں کو نیچے جھکا لیا۔ اس تیز ہوا میں سائیکل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا گھر واشنگٹن اسٹریٹ پر تھا۔ جیسے تیسے وہاں تک پہنچی اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس کا شوہر باہر آیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔
میں ایک قدم پیچھے ہٹی اور لمحہ بھر کے لیے میری زبان گنگ ہو گئی پھر میں نے جیب سے نیکلس نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ لائیلا کا یہ نیکلس لائٹ ہاؤس پر گر گیا تھا۔''
چارلس نے اس نیکلس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی اور بولا۔ ''وہ گھر پر نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔
میں بڑبڑاتی ہوئی سائیکل کی طرف چلی گئی۔ ''وہ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ مانا کہ اس کے پاس پیسا ہے۔ شکل صورت کا اچھا ہے۔ اس نے لائیلا کی ماں کو مرنے سے پہلے اپنے گھر لانے کی اجازت دے دی تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ انتہائی بدتمیز شخص تھا۔'' میں نے سوچ لیا کہ لائیلا کو نیکلس دیتے وقت یہ بات ضرور بتاؤں گی۔
میں نے اپنے غصے پر قابو پانے کے لیے زور زور سے پیڈل مارنا شروع کر دیے اور پوری رفتار سے سائیکل چلاتی ہوئی گھر پہنچی۔ نیکلس ڈائننگ ٹیبل پر رکھا۔ اپنے لیے مچھلی گرم کی۔ ایک گلاس میں وائن ڈالی اور ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس وقت ایک اچھی فلم کا آخری حصہ چل رہا تھا۔ اس کے ختم ہونے پر میں نے مقامی چینل لگا دیا۔
میں نے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا ہی تھا کہ بریکنگ نیوز آنا شروع ہو گئی۔ آدھ گھنٹا پہلے جب لائٹ ہاؤس پر تعینات گشتی محافظ یہ دیکھنے کے لیے وہاں کا چکر لگا رہا تھا کہ لائٹ ہاؤس کے اندر کوئی رہ تو نہیں گیا تاکہ وہ اسے بند کر سکیں۔ تبھی اسے وہاں ایک جوان عورت کی لاش ملی۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ وہ لائیلا سائمن تھی اور اکثر ساحل پر چہل قدمی کے لیے آیا کرتی تھی۔ پولیس نے اس کے شوہر کو پہلے ہی اطلاع کر دی تھی۔ دیکھنے میں لگتا تھا کہ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ نیوز کاسٹر نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی مزید تفصیلات دستیاب ہوئیں۔ ان سے ناظرین کو آگاہ کر دیا جائے گا۔
میرا ردعمل توقع کے مطابق تھا۔ مجھے اس خبر پر یقین نہیں آیا اور نہ ہی میں اسے ہضم کر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ مچھلی کا ٹکڑا ابھی میرے ہاتھ اور منہ کے درمیان معلق رہ گیا۔ یوں لگا جیسے میرا دماغ اور ہاتھ پاؤں سُن ہو گئے ہوں پھر آہستہ آہستہ میرے حواس بحال ہونا شروع ہوئے۔ میں ڈگمگاتے قدموں سے ڈائننگ ٹیبل تک گئی۔ اس نیکلس کو دیکھا اور میرے جسم نے ایک جھرجھری لی۔ یقیناً اس وقت لائیلا کی لاش لائٹ ہاؤس میں پڑی ہوگی جب یہ نیکلس مجھے ملا۔
میں نے واپس آکر ٹیلی وژن پر نظریں جما دیں۔ اسکرین پر پولیس اسٹیشن کا فون نمبر آرہا تھا۔ پولیس نے لوگوں سے درخواست کی تھی کہ اگر کسی نے گزشتہ چند گھنٹوں کے دوران لائٹ ہاؤس پر کوئی مشتبہ بات دیکھی ہو تو پولیس کو اس نمبر پر اطلاع کریں۔
میں نے وہاں کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت مجھے کوئی فرد یا کار نظر نہیں آئی۔ کیا قاتل وہاں موجود تھا۔ کیا وہ کہیں چھپ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ جانتا یا جانتی تھی کہ مجھے نیکلس ملا ہے؟
ایک خوفناک خیال میرے ذہن میں کوندا۔ کیا میں نے درحقیقت ایک قاتل سے ہی بات کی تھی۔ کیا چارلس ہی

اپنی بیوی کا قاتل ہے جس کی آنکھوں میں، میں نے غصے کی لہر دیکھی تھی۔

میں نیکلس اٹھانے کے لیے دوبارہ ڈائننگ ٹیبل تک گئی لیکن فوراً ہی رک گئی۔ گوکہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود مجھے پولیس کو فون کردینا چاہیے۔ اس نیکلس پر میرے اور لائیلا کے علاوہ کسی اور کی انگلیوں کے نشانات بھی ہوں گے۔ اس خیال سے ہی مجھے جھرجھری آگئی کہ اگر قاتل یا قاتلہ مجھے دیکھ رہی تھی تو اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ نیکلس میرے پاس ہے۔

اسی وقت میرے دروازے کی گھنٹی بجی۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اگر آنے والا چارلس ہوا تو میں فوراً ہی پولیس کو فون کردوں گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ صرف وہی جانتا ہے کہ نیکلس میرے پاس ہے۔ میں نے ایک ٹشو سے پکڑ کر وہ نیکلس اٹھایا اور ڈائننگ روم کی الماری کی دراز میں رکھ دیا پھر وہاں کا دروازہ بند کرکے پارلر میں آگئی۔ اپنا سیل فون اٹھایا اور بیرونی دروازے تک گئی۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکنے کی کوشش کی اور مجھے اطمینان ہوگیا۔ میں محفوظ تھی۔

میں نے مطمئن ہوکر دروازہ کھول دیا۔ سامنے میری ہمسائی ڈورتھی کھڑی ہوئی تھی۔

"امینڈا، کیا تم نے خبریں سنیں؟" ڈورتھی نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اندر آجاؤ۔"

ڈورتھی ڈائننگ روم سے ہوتی ہوئی کچن تک گئی۔ اس نے خود ہی اپنے لیے ایک گلاس میں وائن نکالی اور میرے پاس لیونگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"یہ یقیناً اس کے شوہر کا کام ہے۔"

"وہ کیوں؟"

ڈورتی نے مجھے یوں دیکھا جیسے میرا دماغ اسفنج کا بنا ہوا ہے، پھر بولی۔ "غصہ اور حسد۔"

مجھے وہ افواہیں یاد آنے لگیں جو میں نے لائیلا کے بارے میں سنی تھیں لیکن ان پر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اگر لائیلا نے چارلس کے رویے سے تنگ آکر کسی دوسرے مرد کی بانہوں میں پناہ لے لی تو میں اسے قصوروار نہیں سمجھ سکتی۔ پھر بھی میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"ایسے کس سے حسد ہوسکتا ہے؟"

ڈورتھی نے اپنی بھویں اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پال اور کون؟ تم نے یقیناً اس بارے میں سنا ہوگا۔"

"میں اس قصبے میں بہت کچھ سنتی رہتی ہوں۔"

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "تم لوسیانے ایلکاٹ کی کہانیوں کے علاوہ بھی کچھ پڑھا کرو۔ دنیا بہت آگے جاچکی ہے۔ یہ اکیسویں صدی ہے۔"

میں کہنا چاہتی تھی کہ بدنیتی پر مبنی افواہوں کے مقابلے میں لوسیا کی کہانیاں پڑھنے کو ترجیح دیتی ہوں لیکن خاموش رہی۔

"پال ڈورنگ۔" ڈورتھی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ یہاں آنے کے کچھ عرصہ بعد ہی گزشتہ برس لائیلا کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہت سے مرد اس سے محبت کرتے تھے بلکہ عورتیں اور کتے بھی۔ اس کے بارے میں افواہ تو یہ بھی تھی کہ وہ جادوئی کشش رکھنے والی جل پری ہے۔"

"بہرحال یہ تو ایک احمقانہ بات ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ لائیلا نے بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ اس لیے لائیلا کے باپ نے ہیلن سیوچ سے بات کی۔ ہر کوئی اپنا مسئلہ لے کر اس کے پاس جاتا ہے۔ جیمس کو معلوم نہیں تھا کہ ہیلن کی بیٹی گھر میں ہے۔ اس نے چھپ کر ان کی باتیں سن لیں اور جب قصبہ کی خواتین کی اگلی میٹنگ ہوئی تو اس نے چند مخصوص لوگوں کے کان میں سرگوشی کرکے یہ بات انہیں بتادی۔"

"اور؟" میں نے مزید تفصیل جاننے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ مجھے مقامی افواہ ساز فیکٹری سے نفرت تھی جو ہیلن کی بیٹی فیونا سیوچ چلا رہی تھی۔ لیکن اگر چارلس کے پاس اس شدید غصے کا کوئی جواز تھا تو مجھے پولیس کو نیکلس دیتے وقت یہ بات بھی بتا دینی چاہیے۔ بہرحال پولیس تک بھی یہ افواہیں ضرور پہنچی ہوں گی۔

"فیونا کے کہنے کے مطابق لائیلا کا باپ جیمس غصے سے کانپ رہا تھا کہ اس کی بیٹی چارلس کو چھوڑ کر پال سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اسے یہ بھی ڈر تھا کہ یہ بات چارلس کو معلوم ہوئی تو وہ کیا کرے گا۔ اس نے پادری رابرٹس سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے لائیلا کو یہاں سے دور لے جائے۔"

"مگر کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"نیویارک میں اپنے کسی رشتے دار کے پاس۔ یہ بھی فیونا نے ہی بتایا تھا۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ اطلاع کس حد تک درست ہے لیکن اس سے چارلس کے غصے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا لیکن اگر اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا ہوتا تو وہ بخوشی اس نیکلس کو قبول کر لیتا جو مجھے لائٹ ہاؤس کے پاس ملا تھا کیونکہ وہ ممکنہ طور پر ایک اہم ثبوت تھا۔ نہیں، میرا نہیں خیال کہ چارلس نے یہ قتل کیا ہوگا۔"

"پولیس یقیناً چارلس پر ہی شک کرے گی۔" ڈورتھی نے کہا۔ "کیونکہ شوہر پر ہی ہمیشہ سب سے پہلے شک کیا جاتا ہے۔"

"لیکن ضروری نہیں کہ یہ شک یقین میں بدل جائے۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟"

"کیا پال شادی شدہ ہے؟"

ڈورتھی لمحہ بھر سوچنے کے بعد بولی۔ "ہاں، اس کی بیوی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ ورزش کے علاوہ وزن اٹھانے کی مشق بھی کرتی ہے۔ اس لیے اس میں کافی قوت ہے۔ اس کے علاوہ وہ لائیلا کے نیکلس کو ہمیشہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ وہ صرف اس وجہ سے بھی اسے قتل کر سکتی ہے۔"

میں نے بے اختیار ڈائننگ روم کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی کہ کیا میں نے وہ نیکلس اٹھا کر پال کی بیوی مارلین کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جو اس نے نیکلس کے حصول کے لیے کیا تھا لیکن مجھے یہ کوئی معقول وجہ نہیں لگی۔ صرف ایک نیکلس کے لیے کوئی کسی کی جان نہیں لے سکتا البتہ یہ ممکن ہے کہ اس نے جوشِ رقابت میں ایسا کیا ہو۔

"ممکن ہے۔" میں نے بظاہر اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ لوگوں پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لائیلا کا باپ۔"

ڈورتھی وائن کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"تم نے ہی تو بتایا ہے کہ جیمس، لائیلا اور پال کے تعلقات کی وجہ سے پریشان تھا اور اسے یہاں سے دور لے جانا چاہ رہا تھا۔"

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ اس نے لائیلا کو قتل نہیں کیا ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ پال یا چارلس کو مار ڈالتا لیکن اپنی بیٹی کو نہیں۔"

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ ایسا ہوتا آیا ہے۔ بعض اوقات خونی رشتے مثلاً ماں باپ اور بھائی بھی اپنے غصے کا اظہار اسی طرح کرتے ہیں۔"

"پھر تو شاید تم ہم سب پر شک کرو گی۔ یعنی وہ عورتیں جو پال سے حسد کرتی ہیں اور وہ مرد جو اس لیے ناراض ہیں کہ لائیلا ان سے محبت کیوں نہیں کرتی تھی۔"

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم مزید شہادتوں کا انتظار کریں۔" میں ڈورتھی کو نیکلس کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی لیکن یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ کم سے کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہو تو بہتر ہے۔

ڈورتھی نے اپنی وائن ختم کی اور اٹھتے ہوئے بولی۔ "فیونا کی کزن بلینڈا پولیس اسٹیشن میں کام کرتی ہے اور اس کے ذریعے فیونا کو سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے وہ بہت جلد ہمیں بتا دے گی کہ پولیس کو کس پر شبہ ہے۔ میرا شک چارلس پر ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا شوہر ہی عموماً مجرم ہوتا ہے۔ رقابت ایک بہت ہی طاقتور محرک ہے۔"

میں اس کے لیے دروازہ پکڑے..... کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلایا اور سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے چلی گئی۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو واقعی حسد ایک طاقتور محرک ہے۔ اس لیے ہم فیونا سیوچ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ بھی لائیلا سے اس کی ڈرائنگ میں مہارت کی وجہ سے حسد کرتی تھی۔ اس کے بقول یہ صلاحیت اسے ملنی چاہیے تھی کیونکہ اسے ہمیشہ سے ہی آرٹ سے دلچسپی تھی۔"

"قتل کرنے کے لیے یہ محرک کافی نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" ڈورتھی نے کہا۔ "جب خوب صورتی اور صلاحیت میں سے کچھ بھی نہ ہو تو آپ حسد کی آگ میں دھیرے دھیرے سلگتے رہتے ہیں اور یہ مناسب موقع ملنے پر بھڑک اٹھتی ہے۔ بہرحال اب سونے کی تیاری کرو۔ امید ہے کہ تمہیں اچھی نیند آئے گی۔"

مجھے نہیں معلوم تھا کہ نیند آئے گی یا نہیں کیونکہ جب میں نے ڈورتھی کے لیے دروازہ کھولا تو مجھے طوفان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مجھے یہ ہار فوراً پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا لیکن اتنی رات گئے اس طوفان میں باہر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ لہٰذا میں نے گھر میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔ نیکلس صبح پہلی فرصت میں دے دوں گی۔

میں نے وقت گزاری کے لیے کوئی اچھی فلم دیکھنے کی کوشش کی۔ پہلی فلم کچھ پسند نہیں آئی۔ دوسری قدرے بہتر تھی لیکن میرے مزاج کے لحاظ سے بہت مزاحیہ تھی لہٰذا اس

کی جگہ لارنس آف عربیا، لگائی جو میں نے آدھا گھنٹا دیکھنے کے بعد بند کر دی۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ بستر میں لیٹ کر کوئی کتاب پڑھی جائے۔

میں نے بیرونی دروازہ دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ وہ مقفل ہے یا نہیں پھر سوچنے لگی کہ اس نیکلس کا کیا کروں۔ بالآخر میں نے ایک نیپکن لیا اور اس میں نیکلس کو لپیٹ دیا۔ میں حیران تھی کہ ڈورتھی کی نظر اس پر کیوں نہیں پڑی جب وہ اپنے لیے وائن لینے کچن میں گئی تھی۔ اگر وہ دیکھ لیتی تو میرے لیے اس کے سوالوں کا جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ میں ایک منٹ خوف زدہ کھڑی رہی پھر سر جھٹک کر اوپر چلی گئی۔

بیڈ روم میں جا کر میں نے ایک بار پھر نیکلس کے دونوں حصوں کو دیکھا جو ابھی تک نیپکن میں لپٹے ہوئے تھے گو کہ جانتی تھی اس پر پہلے ہی میری انگلیوں کے نشانات آگئے ہوں گے۔ میرا سانس رکنے لگا۔ میں نے پہلے یہ بات نوٹ نہیں کی تھی کہ دو موتیوں کے علاوہ ہک بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ محض جوڑ کھل جانے کی وجہ سے نیکلس نہیں گرا بلکہ اسے زبردستی کھینچا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ لائیلا کا قاتل مشتعل ہو چکا تھا اور ناراضی کی وجہ سے اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

پولیس یہ پہلے ہی جان گئی ہو گی کہ قاتل نے غصہ یا حسد کی وجہ سے یہ قتل کیا، گلا گھونٹنے سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی لیکن جس طرح لائیلا کے گلے سے نیکلس کھینچا گیا۔ اس سے تصدیق بھی ہو گئی۔

میں نے سوچا کہ مجھے اسی وقت پولیس اسٹیشن جانا چاہیے۔ گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ پتا نہیں اس وقت پولیس اسٹیشن پر کوئی ہو گا یا نہیں۔ اس قصبے میں برائے نام جرائم ہوتے تھے۔ اس لیے وہاں کسی ذمے دار افسر کی موجودگی کا امکان ذرا کم ہی تھا۔ میں نے رات کی تاریکی اور طوفان میں وہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، اب مجھے صبح کا انتظار تھا۔

میں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ مجھے بالکل ہی یاد نہ رہا کہ میں نے اگلے روز صبح ساڑھے سات بجے دندان ساز سے وقت لیا ہوا ہے۔ میں ہمیشہ صبح میں ڈاکٹر کے پاس جاتی تھی تاکہ جلدی فارغ ہو کر دوسرے کام کر سکوں۔ اگر نہ جاتی تو مجھے پچاس ڈالر فیس دینا پڑتی جو میں برداشت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اسی مہینے مجھے اپنے مکان کی مرمت بھی کروانی تھی۔

ٹھیک ہے، ڈاکٹر نے میرے دانتوں کی صفائی ہی کرنا تھی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا لگ جاتا۔ اس کے بعد بھی میں ساڑھے آٹھ بجے تک پولیس اسٹیشن پہنچ سکتی تھی۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ نیکلس ساتھ لے کر جاؤں۔ لہٰذا یہ پروگرام بنایا کہ جانے سے پہلے اسے اپنے سیف میں بند کر دوں گی اور ڈینٹسٹ کے یہاں سے فارغ ہو کر دس منٹ میں گھر واپس آجاؤں گی پھر سیف سے نیکلس نکال کر اسے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔

میں نے یہ سوچ کر گرم پانی سے شاور لیا کہ اس سے میرے اعصاب کو سکون ملے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ نیچے جا کر ووڈکا کے چند گھونٹ حلق سے اتاروں لیکن اس سے میری نیند غائب ہو جاتی لہٰذا میں نے بستر پر لیٹ کر برابر میں رکھے اسٹینڈ سے ایک کتاب اٹھائی۔ مجھے یقین تھا کہ اس طرح مجھے کچھ سکون مل جائے گا۔

میں نے پہلی تین کہانیاں پڑھ رکھی تھیں۔ لہٰذا فہرست پر نظر دوڑانے لگی۔ لوسیا کی کہانیاں ہمیشہ مجھ پر وجد طاری کر دیتی تھیں۔ گزشتہ کئی ماہ سے میں اس کی جاسوسی کہانیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ اس کی لکھی ہوئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی نظروں سے کیا چیز اوجھل ہے۔ صرف یہی نہیں کہ یہ کہانیاں بہت زبردست ہوتی ہیں بلکہ ان میں سے ایک کہانی نے تو کئی ماہ قبل ایک جوڑے کے قتل کا معما حل کرنے میں مجھے مدد دی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فہرست پر نظر دوڑائی تو ایک عنوان پر میری نظریں جم کر رہ گئیں۔ کہانی کا نام تھا ایریل۔ آلیجنڈ آف دا لائٹ ہاؤس' میں اسے کچھ عرصہ قبل پڑھ چکی تھی لیکن، اسے دوبارہ کھولا۔ شاید مجھے اس سے نیند تو نہ آئے لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ آئیڈیاز مل جائیں۔ میں نے کہانی کا وہ حصہ نکالا جس میں مرکزی کردار فلپ جل پری کی تلاش میں لائٹ ہاؤس جاتا ہے۔ وہ جل پری نہیں بلکہ ہاؤس کیپر کی بیٹی ہے جو اس لائٹ ہاؤس تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ اپنے باپ اور اس کے عمر رسیدہ دوست کے علاوہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ اس کے باپ کا دوست ان کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ فلپ اور ایریل ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں جبکہ اس کا باپ ان کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے۔ ایریل کے باپ کا دوست فلپ کو بتاتا ہے کہ وہ ایریل کو کسی دوسری جگہ لے گیا ہے۔ اس موڑ پر پہنچ کر میرے ذہن میں روشنی کا جھماکا ہوا، اور میں کچھ سوچنے پر

مجبور ہوگئی۔

گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اب مجھے تھوڑی دیر کے لیے سو جانا چاہیے کیونکہ اگلے روز مجھے پولیس اور ڈینٹسٹ کے پاس جانے کے علاوہ بھی کئی کام نمٹانے تھے۔ میں نے لائٹ بند کی اور سونے کی کوشش کرنے لگی اور تھوڑی دیر بعد ہی مجھے نیند آ گئی۔

صبح اٹھ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ کچن میں جا کر کافی بنائی اور دو کپ پینے کے بعد اپنی جیکٹ اور کار کی چابیاں اٹھا کر چل دی۔ میں نے جلدی میں دانتوں کو برش کرنے کی زحمت بھی نہیں کی لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں ویسے بھی ڈاکٹر کے پاس دانتوں کی صفائی کے لیے ہی جا رہی تھی۔ کار چلانے کے دوران میں نے پوری کوشش کی کہ مجھ پر نیند کا غلبہ نہ ہو۔ اس کے باوجود میں نے شاید ایک یا دو جگہ سگنل کی سرخ بتی پر دھیان نہیں دیا اور وقت سے پندرہ منٹ پہلے ڈاکٹر کے یہاں پہنچ گئی۔

ڈاکٹر براؤن کی استقبالیہ کلرک میگی رابنسن نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے لائیلا کے بارے میں سنا ہے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے خوفناک قرار دیا۔ اسے لائیلا کی اندوہناک موت کا بہت صدمہ تھا۔ اس نے مخصوص زنانہ انداز میں قاتل کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں پھر اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر براؤن بہت جلد تیار ہو جائیں گے۔

کرسی پر بیٹھتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس سے پہلے کہ مجھے نیند کا جھونکا آتا بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا پھر سختی سے بند کر لی۔ قسمت بھی کیا رنگ دکھاتی ہے۔ فیونا سیوچ اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھی۔

''اوہ، امینڈا۔ ماں یہ امینڈا گل مین ہے۔'' اس نے اپنی ماں کے کان میں چیختے ہوئے کہا۔

''اوہ ڈیئر۔'' ہیلن بولی۔ ''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم بالکل ٹھیک ہو۔ ہم نے سنا ہے کہ تم اس وقت لائٹ ہاؤس کے قریب موجود تھیں جب لائیلا کا گلا گھونٹا گیا۔''

فیونا نے براہِ راست اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہیں لائیلا کا نیکلس ملا تھا۔ کیا وہ اب بھی تمہارے پاس ہے؟''

''نہیں، میں نے وہ پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔'' میں نے جل کر کہا۔

''اوہ ڈیئر۔'' ہیلن بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ پولیس اسے اپنے پاس رکھنا چاہے گی۔''

''بالکل۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے وہ ہار ملا ہے؟''

فیونا مسکرائی۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم نے اسے چارلس کو دینے کی کوشش کی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم براہِ راست پولیس کے پاس کیوں نہیں گئیں۔ کم از کم یہ خبر سننے کے بعد تو تمہیں فوراً جانا چاہیے تھا۔''

اس لمحے مجھے یوں لگا جیسے یہ قتل میں نے ہی کیا ہو۔ میگی نے پہلے فیونا کو دیکھا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔

''یہ ایک ثبوت ہے۔'' فیونا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ممکن ہے کہ اس پر انگلیوں کے نشانات ہوں جن سے پولیس قاتل کا پتا لگا سکتی ہے۔'' اس نے مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی ہوں گے لیکن تم کہہ سکتی ہو کہ جب تم نے نیکلس اٹھایا تو اس پر یہ نشان آ گئے۔''

میرا دماغ کھولنے لگا۔ میں نے غصے سے کہا۔ ''میری انگلیوں کے نشان اس وقت نیکلس پر آئے جب میں نے گلا گھونٹتے ہوئے اسے لائیلا کے گلے سے کھینچا تھا۔''

''اوہ ڈیئر۔'' ہیلن بولی۔ ''کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟''

فیونا مسکراتے ہوئے بولی۔ ''ماں تم کسی قاتل سے یہ توقع نہیں کر سکتیں کہ وہ یوں سرِعام اپنے جرم کا اعتراف کرے۔''

''کیا واقعی امینڈا نے یہ قتل نہیں کیا؟''

''ورنہ وہ پولیس کو نیکلس واپس نہ کرتی۔'' میگی بولی۔

''نہیں، بالکل نہیں۔'' فیونا نے ایک مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مجھے یوں لگا جیسے وہ جانتی ہے کہ میں نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔ میں نے اس کا منہ بند کرنے کے لیے کہا۔ ''بائی دا وے، کیا کسی زمانے میں تمہارے چارلس سے تعلقات نہیں تھے اور اس نے لائیلا کی خاطر تم سے قطع تعلق کر لیا۔''

فیونا کے حلق میں جیسے کچھ اٹک گیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ ''اس نے نہیں...... میرا مطلب ہے کہ میں نے اس سے تعلق ختم کیا تھا۔'' اس نے گہرا سانس لیا اور

اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اس نیکلس پر میری انگلیوں کے نشان نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن مجھے نہیں بلکہ پولیس کو یہ یقین دلانے کی ضرورت ہے۔''

میگی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ اس بحث سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''مجھے امید ہے کہ پولیس وقت پر چارلس کو نیکلس واپس کردے گی۔'' ہیلن نے کہا۔

''وقت پر؟'' میگی نے پوچھا۔ ''اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''ریڈی۔'' ڈاکٹر براؤن نے پکارا لیکن نہ تو میگی اور نہ میں نے اس پر کوئی توجہ دی۔

''میرا مطلب ہے کہ لائیلا کی تدفین کے وقت۔'' ہیلن نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ چارلس اس نیکلس کو لائیلا کی گردن میں ڈالنا چاہے گا۔ اور لائیلا بھی یہی چاہتی ہوگی کہ اسے اس ہار کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ وہ کبھی اسے اپنے گلے سے نہیں اتارتی تھی۔''

''کیا وہ نیکلس چارلس نے اسے دیا تھا؟'' میگی نے پوچھا۔

''نہیں۔'' فیونا جلدی سے بولی۔ ''وہ اسے بچپن سے ہی پہن رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے باپ نے کیپ مے ڈائمنڈ تلاش کیے ہوں گے جن سے اس کے دوست پادری رابرٹس نے یہ نیکلس بنایا۔''

''مجھے وہ نیکلس یاد ہے۔'' میگی بولی۔ ''وہ بہت ہی خوب صورت تھا اور اس کے موتی بہت شفاف اور چمکدار تھے۔ اسی لیے انہیں کیپ مے ڈائمنڈ کہا جاتا ہے۔''

ہیلن سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔ ''کئی برس پہلے ایسے موتی بہ آسانی مل جاتے تھے لیکن اب چھوٹے نمونے ہی ملتے ہیں۔''

''بالکل۔'' فیونا بولی۔ ''مارلین جو ایسے پتھر جمع کر کے سیاحوں کو بیچتی ہے، اس نے ان کی خاطر لائیلا کو قتل کیا ہوگا۔'' پھر اچانک ہی اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور بولی۔

''اوہ، میرا یہ مطلب نہیں تھا......''

''مجھے یقین ہے کہ تمہارا یہ مطلب نہیں تھا۔'' ہیلن بولی۔ ''گو کہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مارلین اس نیکلس سے جلتی تھی۔ ہر کوئی یہ بات جانتا ہے۔''

''ہاں۔'' فیونا نے کہا۔ ''مارلین ان موتیوں کے ملنے کی امید میں برسوں سے لائٹ ہاؤس کے قریب کی ریت



میں انہیں تلاش کر رہی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسی جگہ سے لائیلا کے باپ کو یہ موتی ملے تھے۔"

"ریڈی......!" اس بار ڈاکٹر براؤن نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"بہت ممکن ہے۔" میگی بولی۔ "کیونکہ اس جگہ لہریں بہت طاقتور ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان پتھروں کی بہترین پالش ہو جاتی ہے۔"

ہیلن سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔ "مجھے امید ہے کہ پادری رابرٹس ہی چارلس کو قائل کر سکتا ہے۔"

میگی اور میں نے بیک وقت ہیلن کو دیکھا۔ "کس سلسلے میں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" فیونا بولی۔ "پادری رابرٹس شدت سے یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے لائیلا کی آخری رسومات لائٹ ہاؤس پر ادا کرنی چاہئیں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اسی جگہ مری تھی۔ اس لیے اس کی روح بھی وہیں رہے گی۔ اس طرح وہ لوگ جو واقعی اس سے محبت کرتے ہیں، وہ وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی موجودگی کو محسوس کر سکیں گے۔"

"کیا چارلس کو اس پر اعتراض ہے؟" میگی نے پوچھا۔

"میں یہی سمجھتی ہوں۔" فیونا بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ پال بھی اسے پسند نہیں کرے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ پادری رابرٹس کے ساتھ اس کی نہیں بنتی کیونکہ پادری نے لائیلا کے ساتھ اس کے تعلق کو پسند نہیں کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ پال اس سے خوف زدہ تھا کہ کہیں وہ لائیلا کو اس سے تعلق ختم کرنے پر قائل نہ کرے اور وہ اسی وجہ سے پریشان تھا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ فیونا تمام امکانات پر بات کر رہی ہے تاکہ بعد میں دعویٰ کر سکے کہ وہ شروع سے ہی قاتل کے بارے میں جانتی تھی۔

ہیلن نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ لائیلا کا باپ اس خیال سے متفق ہوگا کہ بیٹی کی آخری رسومات لائٹ ہاؤس پر ادا کی جائیں۔ جب وہ بچی تھی تو اپنے باپ اور پادری رابرٹس کے ساتھ موتی تلاش کرنے کے لیے بیشتر وقت وہیں گزرتی تھی۔"

"یعنی پادری رابرٹس ہی یہ رسومات ادا کرے گا؟" میگی نے پوچھا۔ "کیا وہ حقیقی پادری ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور ہوگا۔" فیونا نے جواب دیا۔ "گو کہ سرکاری طور پر اس کا تعلق کسی چرچ سے نہیں ہے لیکن وہ لائیلا اور اس کے باپ سے بہت قریب تھا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ اس کے باپ کو دلاسا دے رہا ہے۔ مجھے اپنی کزن بلینڈا سے معلوم ہوا ہے جو پولیس اسٹیشن میں کام کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پادری رابرٹس کے کہنے کے مطابق لائیلا کا باپ پوری دوپہر اس کے ساتھ تھا جب لائیلا کی موت واقع ہوئی جبکہ جیمس کو وقت اور جائے وقوعہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔"

"امینڈا، میگی......! کیا کسی کو بھی میری آواز نہیں سنائی دے رہی؟" اندرونی کمرے سے ڈاکٹر براؤن نے چلاتے ہوئے کہا۔

میں اچھل کر کھڑی ہوئی اور تیزی سے چھوٹی سی راہداری میں سے گزرتی ہوئی ڈاکٹر کے کمرے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر کی کوئی بھی کارروائی بہرحال فیونا کی فضول بکواس سے بہتر ہوگی گو کہ میں صرف دانتوں کی صفائی کروانے آئی تھی۔ لیکن فیونا کی بکواس سے بچنے کے لیے میں روٹ کنال کے لیے بھی تیار ہو جاتی۔

ڈاکٹر براؤن نے اپنا کام شروع کیا تب بھی میرا ذہن فیونا کے تبصروں میں الجھا رہا۔ پہلا نام مارٹن کا تھا جس نے صرف ایک نیکلس کی خاطر لائیلا کو قتل کیا ہوگا یا پھر اس لیے کہ اس کا شوہر لائیلا سے محبت کرتا تھا۔ دوسری وجہ زیادہ قرین قیاس لگتی تھی۔ دوسرا نام چارلس کا تھا جس کے پاس اپنی بیوی کو قتل کرنے کی معقول وجہ موجود تھی یا پھر لائیلا کا باپ جس نے غصے میں آ کر اپنی بیٹی کو قتل کر دیا ہوگا لیکن مجھے اس کا یقین نہیں تھا۔ وہ پادری رابرٹس بھی ہو سکتا ہے جو اپنے دوست کے مایوس ہونے کی وجہ سے غصے میں تھا پھر میں نے فیونا کے بارے میں سوچا۔ وہ بھی چارلس سے محبت کرتی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ اسی وجہ سے اب تک لائیلا سے ناراض ہو اور اچانک ہی وہ اشتعال میں آ گئی ہو۔ پھر میرا دماغ پال کی طرف گیا۔ اسے ڈر تھا کہ لائیلا اپنے باپ کے مجبور کرنے پر اس سے قطع تعلق کر سکتی ہے جو اسے گوارا نہ تھا لیکن کیا یہ وجہ لائیلا کو قتل کرنے کے لیے کافی تھی؟ شاید ایسا ہی ہو۔

"دانت خراب ہو رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا تو میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"اتنا زیادہ خراب نہیں ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی صرف ایک دانت کا پچھلا حصہ ذرا سا خراب ہوا ہے۔ یہ تمہارے لیے تکلیف دہ نہیں ہے۔ میں ابھی اس کا علاج کر دیتا ہوں۔"

نہیں، میں نے دل میں سوچا۔ یہ تو مجھے نہیں مارے گا

لیکن کوئی اور ایسا کر سکتا ہے، مجھے پولیس کے پاس جانا چاہیے۔ فیونا نے میری بات پر یقین نہیں کیا کہ میں پولیس کو نیکلس دے چکی ہوں۔ شاید اس لیے کہ اسے بلینڈا سے معلومات ملتی رہتی ہیں یا کسی ایسے شخص نے اسے بتادیا ہوگا جو پولیس اسٹیشن کے قریب رہتا ہے کہ میں وہاں نہیں گئی۔

''میں دوبارہ دکھا دوں گی۔'' میں نے کہا۔ ''اب مجھے جانا ہے۔''

ڈاکٹر براؤن نے کندھے اچکا دیے اور بولا۔ ''جیسا تم مناسب سمجھو لیکن زیادہ تاخیر نہ کرنا۔ یہ زیادہ خراب بھی ہوسکتا ہے۔''

میں کرسی سے اٹھ کر باہر انتظارگاہ میں آئی اور عجلت میں میگی کو اپنے بل کے بارے میں ہدایات دیں۔ ہیلن کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور تیزی سے باہر چلی گئی۔ میں نے اپنی گاڑی سپر مارکیٹ میں کھڑی کی تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر میں تیز رفتاری سے اپنی بلڈنگ کی طرف پیدل ہی چلنے لگی۔ ابھی میں چرچ کے قریب ہی پہنچی تھی کہ کسی نے مجھے بازو سے پکڑلیا۔ وہ چارلس تھا۔

''مجھے وہ نیکلس چاہیے۔'' اس نے مطالبہ کیا۔

''اب وہ میرے پاس نہیں ہے۔ وہ پولیس کو دے چکی ہوں۔'' اس موقع پر یہ جھوٹ مجھے تقریباً سچ ہی لگا۔

''میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ ابھی تک تمہارے پاس ہے۔ تم نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے؟ تمہارے دماغ میں کیا بات ہے؟''

میں نے اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے گزشتہ روز وہ نیکلس تمہیں دینے کی کوشش کی تھی لیکن تم نے دروازہ ہی بند کردیا۔ اب بہت دیر ہوچکی ہے۔''

''اوہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ مجھے وہ نیکلس چاہیے۔ اسے اپنے پاس رکھنے کا تمہیں کوئی حق نہیں تاوقتیکہ تم اسے کسی معقول وجہ سے چھپا رہی ہو۔''

''میں بھی یہی سمجھتی ہوں۔'' میں نے کہا اور گھوم کر چاروں طرف دیکھا۔ مارلین ہاتھوں میں گروسری کے دو تھیلے پکڑے ہوئے مجھے گھور رہی تھی۔

''مجھے کچھ عرصہ سے شبہ ہونے لگا تھا کہ لائیلا سے تمہاری وقتی دکھاوے کی ہے۔ تم صرف یہ دیکھنا چاہ رہی تھیں کہ پال کو لائیلا سے کس طرح دور کیا جائے تاکہ تمہارا راستہ صاف ہوجائے۔''

''تم پاگل ہوگئی ہو۔ اگر تم فوراً یہاں سے نہ گئیں تو میں پولیس کو بلالوں گی۔''

کچھ لوگ اپنی خریداری بھول کر یہ دیکھنے کھڑے ہو گئے کہ شاید ہمارے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے۔

''بلاؤ پولیس کو۔'' مارلین چلاتے ہوئے بولی۔ ''تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ لائیلا کو کس نے قتل کیا ہے۔''

بہرحال وہ پال نہیں تھا۔ وہ تو خود اس سے بیزار ہونے لگا تھا۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ تو خدا کو ہی معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اس کا کس سے معاشقہ چل رہا تھا۔ اسی نے شاید یہ قتل کیا ہو، وہ......''

چارلس نے اپنا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''چپ ہوجاؤ۔ ممکن ہے کہ تم نے ہی اسے قتل کیا ہو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔''

پھر وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا۔ ''مجھے وہ نیکلس چاہیے۔''

اب میں واقعی خوف زدہ ہوچکی تھی۔ چارلس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں غیر معمولی طور پر پھیل گئی تھیں۔ میں گھبرا کر سپر مارکیٹ کی طرف بھاگنے ہی والی تھی کہ کسی نے چلاتے ہوئے کہا۔

''چارلس، چارلس رک جاؤ۔''

پادری رابرٹس اسی طرف آرہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ہمارے درمیان آتے ہوئے بولا۔ ''چارلس پُرسکون ہوجاؤ۔ امینڈا یہ نیکلس پولیس کو دے گی۔ میں اس پر نظر رکھوں گا۔ اب تم گھر جاؤ۔ تم جانتے ہو کہ میں نے ہمیشہ لائیلا کا خیال رکھا اور اب بھی کروں گا۔ تم جاؤ، میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔''

چارلس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ مڑا اور چرچ کو جانے والے راستہ پر چل دیا۔

''چلو میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں۔'' پادری رابرٹس نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔''

''تمہارے لیے بہتر ہے کہ اکیلی نہ رہو جب تک وہ نیکلس پولیس کو نہ دے دیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک تمہارے پاس ہی ہے۔''

''ہاں لیکن میں اسے لے کر فوراً ہی پولیس کے پاس جا رہی ہوں۔''

مجھے اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہیے تھا، ہوسکتا ہے کہ پادری رابرٹس ہی قاتل ہو۔ میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا۔ ''میری کزن آئی ہوئی ہے۔ وہ گھر پر انتظار کر رہی ہوگی۔''

گو کہ یہ صریحاً جھوٹ تھا لیکن مجھے اس کے سوا کوئی اور بات نہ سوجھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں دروازے تک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ تم اندر جا کر دروازہ بند کر لینا جب تک تم اور تمہاری کزن پولیس اسٹیشن جانے کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔''

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ پادری رابرٹس نے وہی کیا جو کہا تھا۔ وہ میرے اوپر جانے تک پارکنگ لاٹ میں کھڑا رہا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ڈرائیو وے کی طرف جا رہا تھا پھر وہاں سے واشنگٹن اسٹریٹ کی طرف مڑ گیا۔

اس کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا لیکن پھر اچانک ہی ایک خیال میرے دل میں آیا۔ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ میں واقعی اکیلی ہوں اور میرے علاوہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ ویسے تو گھر میں کوئی عقبی دروازہ نہیں ہے۔ لیکن کوئی بھی پچھلی کھڑکی سے اندر آ سکتا ہے لیکن سیڑھی لگائے بغیر اس کا کھڑکی تک پہنچنا ممکن نہیں۔

میں نے صوفے پر اپنا پرس پھینکا اور اوپر چلی گئی پھر میں نے اپنی چھوٹی سی سیف کھولی جس میں اپنی جیولری رکھا کرتی تھی اور اس میں سے وہ نیکلس نکال لیا۔ پندرہ منٹ بعد یہ پولیس کے ہاتھوں میں ہو گا۔

میں سیڑھیوں کی جانب مڑی لیکن ٹھٹک کر رک گئی۔ میں نے بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی تھی۔ میں گھر میں کسی دوسرے کی موجودگی کے حوالے سے اتنی فکرمند تھی کہ دروازہ اندر سے مقفل کرنے کا خیال ہی نہ رہا اور جلدی میں اپنا پرس بھی نیچے چھوڑ آئی جس میں میرا اسیل فون تھا۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنے بیڈروم میں گئی اور سرہانے رکھا ہوا فون اٹھا کر نو گیارہ ڈائل کیا۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں، میں نے پولیس کو خطرے سے آگاہ کر دیا اور ان سے فوری مدد کی درخواست کی۔

فون سننے والی بلینڈا ہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ فون بند نہ کروں۔ سو میں نے ایسا ہی کیا لیکن میں نے سیڑھیاں چرچرانے کی آواز سنی۔ کوئی اوپر آ رہا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ڈریسنگ ٹیبل گھسیٹ کر دروازے تک لے جاتی۔ لہٰذا میں کوئی ایسی چیز دیکھنے لگی جس سے آنے والے کے سر پر ضرب لگا سکوں۔ میں نے اپنا ہیئر برش اٹھایا اور اس کا انتظار کرنے لگی۔ میرے لیے ایک ایک منٹ گھنٹے کے برابر تھا جبکہ بلینڈا مجھے مسلسل اطمینان دلا رہی تھی کہ پولیس راستے میں ہے۔

گھر میں داخل ہونے والا آخری سیڑھی پر پہنچ کر بیڈروم کی طرف مڑا۔ اب میں اسے دیکھ سکتی تھی۔ وہ پادری رابرٹس تھا۔ اس نے میرے ہاتھ میں فون دیکھا اور بولا۔ ''اسے رکھ دو۔''

میں اپنی جگہ کھڑی رہی تو وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

''پادری رابرٹس۔'' میں نے زور سے چلاتے ہوئے کہا تاکہ بلینڈا بھی سن لے۔ ''تم میرے گھر میں کیا کر رہے ہو، چلے جاؤ۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اتنا جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک بے ضرر وجہ سے یہاں آیا ہوں۔''

وہ بھی اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ شاید اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کوئی اور بھی سن رہا ہے۔

میں اسے باتوں میں مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ ''تمہیں بتانا ہو گا کہ وہ کون سی بے ضرر وجہ ہے۔ میں سننا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ تفصیل سے وضاحت کرو تاکہ میں سمجھ سکوں۔''

میرا مقصد صرف وقت حاصل کرنا تھا اور میں پولیس کے آنے تک اسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہ رہی تھی۔

''بالکل، میں تمہیں اور جس سے تم باتیں کر رہی ہو۔ اس کو بھی وضاحت سے بتاؤں گا۔ مجھے نیکلس چاہیے۔ اس لیے نہیں کہ وہ میرے خلاف ایک ممکنہ ثبوت ہو سکتا ہے بلکہ مجھے یہ پریشانی ہے کہ تم نے اسے پولیس کو دینے کے بجائے کہیں چھپا دیا ہے۔''

''میں بہت جلد پولیس کو یہ نیکلس دینے والی ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ کہاں پہنچنے والے ہیں۔ اس لیے تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''اپنا ہتھیار نیچے رکھ دو۔ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔''

میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ میرا ہیئر برش ہتھیار کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی بات سمجھ سکتی۔ وہ میری طرف بڑھا اور فون پکڑ کر کھینچنے لگا۔ لائن منقطع ہو گئی۔

''اب مجھے نیکلس دے دو۔'' اس نے کہا۔

''کیونکہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشان ہیں؟''

''میں نے یہ نیکلس لائیلا کے لیے بنایا تھا جب وہ بہت چھوٹی تھی... اس لیے یہ اس کے پاس ہی رہنا

چاہیے۔ اسے اس کے ساتھ ہی دفن ہونا ہے اور میں اس بات کو یقینی بناؤں گا۔ صرف میں اس نیکلس کو ٹھیک کر سکتا ہوں تاکہ اسے لائیلا کی تدفین کے موقع پر پہنایا جائے۔ اس لیے میں یہ نیکلس مانگ رہا ہوں۔ تمہیں اسے نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔''

اب میری سمجھ میں آیا۔ رابرٹس نے مجھے نیکلس اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس وقت وہ لائٹ ہاؤس کے اندر ہی ہوگا جہاں وہ لائیلا کو گھسیٹ کر لے گیا تھا۔ میرا دماغ فوراً لوسیا ے ایلکاٹ کی کہانی ''دا لیجنڈ آف دا لائٹ ہاؤس'' کی طرف گیا۔ کہانی وہی تھی بس کردار بدل گئے تھے۔ لوسیا کی کہانی میں ایریل کے باپ کا دوست ولن تھا جسے ایریل کا اپنے محبوب فلپ سے ملنا پسند نہیں تھا اور یہاں اس کی جگہ رابرٹس نے لے لی تھی جو جانتا تھا کہ لائیلا اور پال ایک دوسرے سے سچی محبت کرتے ہیں۔ اس نے لائیلا کے گلے سے نیکلس کھینچ کر الگ کیا اور پھر اس کا گلا گھونٹ دیا۔

رابرٹس میری طرف بڑھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں دیوانگی نظر آئی۔ میں بستر کے دوسری طرف گئی۔ کھڑکی کھولی اور مدد کے لیے چلانے لگی۔ رابرٹس نے مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ اس کا ایک بازو میرے جسم کے گرد تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے میرا منہ بند کر دیا۔ پھر اس نے اپنا بازو اوپر اٹھایا اور انگلیاں میری گردن میں پیوست کر دیں۔ میرا ایک بازو آزاد تھا۔ میں نے برش کا دستہ پوری قوت سے اس کی ران پر مارا۔

وہ غرایا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کی گرفت اب بھی مضبوط تھی۔ پھر اچانک ہی میں نے اسے لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا جسم مجھ سے دور ہو گیا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ سامنے ڈورتھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے فرائی پان پکڑ رکھا تھا۔

''اوہ......!'' میں نے ایک لمبا سانس لیا اور کھڑکی سے جھک کر دیکھنے لگی۔ پولیس سائرن کی آواز آرہی تھی۔

''وہ آگئے ہیں۔'' ڈورتھی نے کہا۔ ''اب ہمیں یہ نیکلس انہیں دے دینا چاہیے۔'' اس نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پاس انہیں بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔''

پولیس اسٹیشن سے واپس آنے کے بعد ڈورتھی نے میرے اصرار پر قصبے کے بہترین ریسٹوران سے جھینگا مچھلی منگوائی پھر میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ جب تم اندر آئیں تو کیا دیکھا؟''

''میں پولیس اسٹیشن میں سب کچھ تفصیل سے بتا چکی ہوں۔ کیا تم نے سنا نہیں؟''

''آدھا سنا تھا۔ دراصل اس وقت بھی اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں زندہ ہوں۔''

''میں نے رابرٹس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے نیکلس چاہیے پھر میں نے دھکم پیل کی آوازیں سنیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پر حملہ کرنے والا رابرٹس ہے تو میں فرائی پان اٹھانے میں وقت ضائع نہ کرتی۔ اس سے تو میں ویسے ہی نمٹ سکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ چارلس ہوگا کیونکہ وہ نسبتاً جوان اور مضبوط ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے فرائی پان کا درست استعمال کیا۔ ایک سوال اور تم نے پولیس کو بتایا کہ صرف یہ معلوم کرنے آئی تھیں کہ کیا میں تمہارے ساتھ لنچ کرنا چاہوں گی جبکہ اس وقت ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور یہ بات تم مجھ سے فون پر بھی کر سکتی تھیں پھر تمہیں یہاں آنے کی تحریک کیسے ملی؟''

''تحریک نہیں بلکہ ایک بے ہودہ افواہ نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دیا۔ میں کافی لینے ڈرگ اسٹور کے کاؤنٹر پر گئی تو فیونا بھی وہاں آگئی اور اس نے آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت ناشتے کے سامان کی خریداری کے لیے وہاں لوگ موجود ہوں گے۔ وہ اپنی ماں کو ڈینٹسٹ کے یہاں چھوڑ کر آگئی اور اس نے ریکارڈ کی طرح بجنا شروع کر دیا کہ وہ جانتی ہے لائیلا کو کس نے قتل کیا۔ اس کا سراغ نیکلس سے مل سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر قاتل کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ اسی لیے قاتل اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور کس نے جھوٹ بولا کہ نیکلس پولیس کو دے دیا ہے اس لیے امینڈا اگل مین ہی قاتل ہے اور یہ بات منٹوں میں سب کو معلوم ہو گئی۔ میں یہی کہنے آئی تھی کہ اگر وہ نیکلس تمہارے پاس ہے تو اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دو۔''

اس نے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور وائن کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ ''میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں کہ اگر اس نے اپنی روش نہ بدلی تو اگلا نمبر اسی کا ہے۔''

''اور شاید یہ نیک کام میں انجام دوں۔'' میں نے وائن کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

چونکا دینے والے انجام سے مزین ایک پرفریب کتھا......

ماحول و مقام ہر انسان کی طبیعت و فطرت پر اپنے اثر چھوڑ جاتے ہیں... ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا سامنا خوفناک اور بھیانک ماحول میں بسی ہولناکی سے نہ پڑے... تجسس اور خوف پر مبنی انگریزی کلاسک سے منتخب کی ہوئی ایک مختصر کہانی جس میں جزئیات نگاری اپنے کمال پر ہے...

انتخاب

تسکین رضا

میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ ہر سو گھپ اندھیرا تھا۔ یا تو میں اندھا ہو گیا تھا یا پھر میرے چاروں طرف اندھیرا ہی تھا لیکن کیوں؟

میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد پھر کھولیں مگر کوئی فرق نہیں پڑا، وہی اندھیرا۔ میرے خدا میں کہاں تھا؟ یہ کون سی جگہ تھی، میں کہاں تھا اور کس طرح یہاں آ گیا تھا۔ میں نے اپنے جسم کے نیچے ٹھنڈے فرش کی چبھن محسوس کی۔

میرے خدا، کیا تھا یہ سب......!

میں نے اپنے ہاتھوں کو گردش دی۔ میرے ہاتھ ادھر ادھر گھوم رہے تھے جیسے اندھیرے کی دبیز دیوار کو چیرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ بے پناہ خوف کا عالم تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ کو ذرا آگے بڑھایا، کچھ اور دور۔ میرا ہاتھ کسی دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ کوئی دیوار تھی۔

ٹھنڈی اور گیلی سی...... جیسے کسی قبر کی بے رحم دیواریں ہوتی ہیں۔ خوف اور بے بسی کے احساس سے مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ کیا میں کسی ایسی جگہ تھا جہاں لاشیں رکھی جاتی ہیں۔ میں اپنی پشت کے نیچے ٹھنڈے فرش کو محسوس کر رہا تھا۔

میں نے گھٹنوں کے بل چلنا شروع کیا۔ دیوار، دور تک دیوار، ٹھنڈی اور بھیگی ہوئی دیوار۔ میں چلتا رہا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ لیکن وہ دیوار ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ایسا تو نہیں



www.urdusoftbooks.com

تھا کہ میں ایک دائرے میں گھوم رہا ہوں لیکن اس کا اندازہ کیسے ہو سکتا تھا؟ ایک ترکیب تھی۔ میں نے اپنی قمیص پھاڑ کر اس کا ایک ٹکڑا ایک جگہ دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ اگر میں گھومتا ہوا پھر اسی جگہ پہنچ گیا تو مجھے اندازہ ہو جائے گا کہ میں ایک دائرے میں گھوم رہا ہوں۔

اس کے بعد میں نے اپنے ہاتھوں کی حرکت کی گنتی شروع کر دیا۔ کتنی بار ہاتھوں کو آگے بڑھا کر چلا ہوں۔ دس بار، بیس بار، تیس بار، کیا ہوا۔ میں کہاں نکل آیا۔ قمیص کا وہ ٹکڑا کہاں چلا گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں دو بار چکر لگا چکا ہوں۔ پھر سو بار کی گنتی کے بعد وہ ٹکڑا مل گیا۔ یعنی وہ ایک اچھا خاصا بڑا کمرا تھا لیکن اس میں کوئی تابوت یا لاش وغیرہ نہیں ملی۔ یعنی میں کسی ایسے کمرے میں نہیں تھا جس میں مُردوں کو رکھا جاتا ہے۔ تو پھر میں کہاں تھا؟

میں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ مجھے یاد آیا کہ آخری بار اسپین کے شہر ٹالیڈو میں تھا۔ میرے اردگرد کچھ لوگ کھڑے تھے۔ گاؤن پہنے ہوئے۔ وہ مجھ سے سوالات کر رہے تھے۔ یاد نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے کتنے سوالات کیے تھے اور میں کیا جواب دیتا رہا تھا۔ یہ بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ کتنے دنوں تک یہ جرح چلتی رہی تھی اور جب میں ان کا سامنا کر رہا تھا تو اس وقت بھی یاد نہیں تھا کہ میرا جرم کیا ہے؟ کیوں مجھ سے سوالات ہو رہے ہیں؟ ان کے تیز سوالات مجھے کاٹ رہے تھے۔ کسی نے مجھ پر حملہ تو نہیں کیا تھا۔ کسی نے چاقو سے مجھے زخمی نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود جیسے چھیل دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے جیل میں قید کر دیا گیا ہو۔

یہ کمرا قید خانہ ہی ہو سکتا تھا۔ اب مجھے اسی کمرے میں مرنا تھا۔ بھوکا پیاسا۔ میرے پاس کیا تھا انتظار...... انتظار...... اور انتظار......

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ نہ جانے کتنی دیر بعد آنکھیں کھولی ہوں گی۔ اس کے بعد ایک بار پھر آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا پیر کسی چیز سے ٹکرایا۔ کوئی نرم سی چیز۔ میں نے اسے اٹھا کر محسوس کرنے کی کوشش کی، وہ روٹی کا بڑا سا ٹکڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری چیزیں بھی محسوس کیں۔ پانی کی ایک بوتل۔

یہی ہو سکتا تھا کہ جیل کا کوئی محافظ یہ سب میرے لیے رکھ گیا ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا اتنا بڑا تھا کہ مجھے اس کے آنے اور جانے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ نہ جانے آگے کیا تھا اور میرے پیچھے کیا تھا۔ دیوار؟ میں نے آگے کی طرف ہاتھوں کے بل بڑھنا شروع کر دیا۔ اور آگے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہوا کے جھونکے آ رہے ہیں۔ وہ جھونکے ایک گہرے گڑھے سے آ رہے تھے۔ خدا جانے وہ گڑھا کتنا گہرا تھا۔ میں چند انچ سے اس میں گرتے گرتے بچا تھا۔ خوف کی ایک لہر نے میرے پورے بدن کو جکڑ لیا۔

میں پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ پسینے کے قطرے میرے ماتھے سے بہہ کر نیچے کی طرف آ رہے تھے۔

اچانک میں نے ایک آواز سنی۔ یہ آواز دروازہ کھلنے کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کسی ٹارچ کی روشنی نے مجھے نہلا دیا۔ صرف ایک لمحے کے لیے میں نے اس قید خانے کی ہلکی سی جھلک دیکھ لی جس میں مجھے بند کیا گیا تھا۔ ہاں، میں ایک بڑے سے کمرے میں تھا جس کے بیچ میں ایک گڑھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے قید کرنے والے کیا چاہتے تھے۔ وہ میرا صبر آزما رہے تھے۔ تاکہ میں تنگ آ کر اس گڑھے میں کود کر اپنی جان دے دوں۔

میں اسی طرح رینگتا ہوا اس جگہ آیا جہاں وہ روٹی کا بڑا ٹکڑا اور پانی کی بوتل رکھی تھی۔ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا لیا۔ اس کا ذائقہ نمکین تھا۔ منہ کا مزہ تلخ ہو گیا۔ میں نے بوتل سے تھوڑا سا پانی پی لیا۔ بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور وہیں سو گیا۔

جب دوبارہ بیدار ہوا تو کمرا اتنا تاریک نہیں تھا۔ میں کسی حد تک دیکھ سکتا تھا۔ وہ کمرا اچھا خاصا بڑا تھا۔ ایک چوکور سا بڑا کمرا۔ اس کی دیواریں سیمنٹ کی نہیں تھیں بلکہ کسی دھات کی تھیں کمرے کی چھت پر ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا۔ دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں لیکن وہ تصویریں انسانوں کی نہیں تھیں۔ بلکہ شیاطین کی تھیں۔ بھیانک چہرے اور خوفناک جسم۔

اس بار میں نے محسوس کیا کہ پتھر کے فرش پر نہیں ہوں بلکہ کسی مسہری پر ہوں لیکن میرا جسم رسی سے بندھا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ آزاد تھے۔ میں ان کو حرکت دے سکتا تھا۔ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے پانی کی بوتل کی تلاش میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دی۔ لیکن پانی کہیں نہیں تھا البتہ ایک پلیٹ تھی جس کو قریب لانے کے بعد پتا چلا کہ اس میں گوشت تھا۔ میں نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ خدایا کیا تھا وہ۔ اتنا نمکین اور تیز مرچوں والا۔ میرے جیلر یہ چاہتے تھے کہ میری پیاس انتہا کو پہنچ جائے اور میں پانی کے لیے تڑپتا رہوں۔

میں نے چھت کی طرف دیکھا۔ ایک تصویر دکھائی دی۔ میں نے پہچان لیا۔ یہ تصویر وقت کی تھی۔ ایک بہت ہی بوڑھا انسان۔ جس کی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ سر میں سوئیوں کی طرح کانٹے لگے ہوئے تھے۔ وقت کو ہمیشہ اسی طرح بوڑھا دکھایا جاتا ہے۔ وقت کی پینٹنگ کے ساتھ ایک تیز دھار آرا بھی تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ وقت سب کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن نظر آنے والا وہ آرا تصویر کا حصہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ واقعی ایک آرا تھا جس کی تیز دھار دور سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آرا عین میرے سر کے اوپر تھا۔ وہ آلہ اس طرح تھا جیسے کسی گھڑی کا پنڈولم۔ میں دیکھتا رہا وہ پنڈولم جھولتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ بہت آہستہ لیکن بہت اذیت ناک انداز سے۔

آگے پیچھے۔ دائیں اور بائیں طرف ہوتا ہوا۔ پھر اچانک میں نے کچھ آوازیں سنیں۔ جیسے بہت سے گھوڑے یا جانور دوڑ رہے ہوں۔ میرے خدا وہ چوہے تھے۔ سیکڑوں کی تعداد میں۔ جو اس شیطانی گڑھے سے باہر نکل آئے تھے۔ ان میں سے کچھ چوہے میرے بستر پر بھی چڑھ آئے۔ میں ان کو بھگانے سے بھی قاصر تھا۔ وہ بہت موٹے اور خوں خوار قسم کے چوہے تھے۔ وہ اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ میں اس طرح انہیں خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان کے دانت چھوٹے چھوٹے اور سفید تھے۔ وہ ان ہی دانتوں سے میری دھجیاں کرنے والے تھے۔ میں نے چھت کی طرف دیکھا۔ وہ آرا نیچے چلا آرہا تھا۔ مجھے اذیت پہنچانے کا کیسا بندوبست کیا گیا تھا۔

وہ پنڈولم جھولتا ہوا میرے سر کے اوپر آچکا تھا۔ میرے ٹکڑے کرنے، مجھے مارنے کے لیے۔ اس کے چلنے کی بھیانک آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ شرر...... شرر...... شر۔ لیکن میری موت اچانک اور ایک دم سے نہیں ہونے والی تھی بلکہ بہت آہستہ آہستہ، بھیانک اذیت کے ساتھ، دکھ دیتی ہوئی موت۔ بے پناہ خوف سے میرا پورا بدن کانپ رہا تھا۔

اچانک کچھ چوہے میرے بدن پر چڑھ آئے۔ وہ اپنے تیز دانتوں سے میرے گرد بندھی ہوئی رسیاں کاٹنے لگے۔ پھر انہیں گوشت کی پلیٹ دکھائی دے گئی۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے بعد وہ پھر میرے جسم پر آگئے۔ میں نے اپنی آنکھیں اور منہ بند کر لیے۔ خوف، بے پناہ خوف۔ ایسا خوف جس کا میں نے کبھی تجربہ نہیں کیا ہوگا۔

چوہے میرے چہرے کو اپنی گھناؤنی تھوتھنی سے چھو رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر چیخنا شروع کر دیا۔ میرا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اسی دوران میں، میں نے آرے کی آواز سنی۔ وہ میرے جسم سے کچھ اور قریب آچکا تھا۔ وہ کبھی تیزی سے بائیں طرف چلا جاتا اور کبھی دائیں طرف۔ وہ اتنا قریب تھا کہ اس کی گردش سے نکلنے والی ہوا تک محسوس ہونے لگی تھی اور قریب، اس آرے کے تیز اور چوڑے پھل کو اتنے پاس دیکھ کر میرے بدن پر چڑھے ہوئے چوہے بھاگ گئے بہت تیزی سے۔ اب کوئی چوہا نہیں تھا۔ پنڈولم جھولتا ہوا اور قریب آگیا۔ اب وہ صرف چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ کسی بھی وقت وہ میرے جسم کو کاٹنا شروع کر سکتا تھا۔

اس نے اپنی دھار میرے جسم پر پھیر دی اور میرے اوپری بدن کی رسیاں کٹ گئیں۔ پھر وہ سرکتا ہوا نیچے کی طرف گیا اور اس نے میرے پیروں کی رسیاں بھی کاٹ دیں۔ میں آزاد تھا۔ میری رسیاں کٹ گئی تھیں۔ میں اچھل کر اس مسہری سے نیچے آکر فرش پر لیٹ گیا۔ میری سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ پورا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ آرا واپس جا رہا تھا۔ اوپر اور اوپر۔ وہ اسی جگہ چلا گیا جہاں سے وہ آیا تھا۔ اس کی حرکت بھی رک گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چھت پر بنی ہوئی درز سے کوئی جھانک رہا تھا، میری نگرانی کر رہا تھا یا میری بے بسی کا تماشا دیکھا جا رہا تھا۔

اچانک کچھ اور ہوا۔ اس کمرے کی گرمی بڑھنے لگی۔ آہستہ آہستہ کمرا گرم ہوتا جا رہا تھا۔ گرم اور گرم۔ اوہ خدا یہ کیا تھا۔ اس کمرے کی لوہے کی دیواریں گرم ہوتی جا رہی تھیں۔ انہیں کسی طریقے سے دہکایا جا رہا تھا۔

پسینہ اب اس رفتار سے بہہ رہا تھا جیسے میرے بدن میں ہزاروں سوراخ ہو گئے ہوں اور ان سوراخوں سے پانی نکلنا شروع ہو گیا ہو۔ میرے خدا کیسی تپش تھی۔ میں پاگل ہو رہا تھا، مر رہا تھا۔ اب ایک اور بات ہو رہی تھی۔ وہ سرخ دہکتی ہوئی دیواریں آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ کسی میکنزم کے تحت ان دیواروں کو میرے قریب لایا جا رہا تھا۔ قریب اور قریب۔ ان کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ انتہائی گرم دیواریں مجھے پیس دینا چاہتی تھیں۔ میں بوکھلا کر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس مہیب گڑھے کے پاس آگیا۔ شاید اس میں اتنی گرمی نہ ہو۔ مجھے قید کرنے والوں کی پلاننگ سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ میں اس بلا کی حدت سے بوکھلا کر اس گڑھے میں چھلانگ لگا دوں جس کے اندر نہ جانے کیا تھا۔ جس کی انتہا نہ جانے کیا تھی۔ دیواریں اور قریب آگئیں۔ اب ان میں اتنی حدت تھی کہ میری کھال جلنے لگی۔ اسی وقت سخت حدت کی وجہ سے میرے کپڑے جلنے لگے۔ وہ پہلے سلگ اٹھے تھے۔ پھر ان میں آگ لگ گئی۔ میں چیخا۔ میں نے ایک اور آواز سنی۔ یہ آواز میری چیخ کی نہیں تھی اور نہ ہی اس کی بازگشت تھی بلکہ یہ گولیاں چلنے کی آوازیں تھی۔ جیسے جنگ میں چلتی ہیں۔ میرا لباس جل رہا تھا۔ میں نے پاگلوں کی سی تیزی سے اپنے کپڑے اتار کر ایک طرف پھینک دیے اور اس گڑھے میں چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اذیت کے مرحلے ختم ہو گئے تھے۔ میری سلیکشن اس خاص دستے میں ہو گئی تھی جس میں بھرتی کے لیے میں نے درخواست دی تھی۔ وہ دستہ بے پناہ اذیتیں برداشت کرنے والوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ جسے جنگ اور محاذِ جنگ میں اہم ٹاسک دیا جاتا تھا۔ میں خود بھی اس دستے کا ایک اہم فرد تھا۔

▲▲▲

وبالِ عشق

محمد فاروق انجم

عشق و محبت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں... اس کھیل میں اپنی مرضی نہیں چلتی... سب کچھ سوچوں کے مطابق نہیں ہوتا... وہ سرکش تھی... اور سب کو اپنے تابع دیکھنا چاہتی تھی... اسے معلوم نہیں تھا کہ عشق و محبت میں زور زبردستی اور منہ زوری نہیں چلتی... طاقت... اختیار اور منہ زور جذبوں کی سرکشی نے اسے بے لگام بنا دیا تھا... ایک ہی جست میں تسخیر کر لینے کی خواہش مند عورت کی تخریب کاری...

وبالِ عشق کا شکار ہو جانے والوں کا دردناک تیکھا سرورق......



وسیع و عریض بنگلے کے کشادہ لان میں رنگ برنگی روشنیوں، کھانے سے سجی میزوں اور ان کے اردگرد براجمان خوش پوش مہمانوں کی باتوں اور ان کے قہقہوں کی جلترنگ کے ساتھ ساتھ... ہلکی موسیقی چارسو پھیلی ہوئی تھی۔ کسی کے آسودہ حال چہرے پر کوئی پریشانی اور اکتاہٹ نہیں تھی۔ سب کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے اور ابھی تک کوئی بھی اپنی کرسی سے جانے کے لیے نہیں اُٹھا تھا۔ وہ سب مہمان محبوب احمد کے گھر مدعو تھے۔ محبوب احمد ایک بڑی کمپنی کا مالک تھا۔ وہ دوستوں کو جمع کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔ چہرے پر بڑھاپا صاف دکھائی دیتا تھا لیکن اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ عمر کے

اس حصے میں بھی جوان نظر آئے۔ اپنے لباس سے بالخصوص خواتین کو متاثر کرنے کی وہ زیادہ کوشش کرتا تھا۔

محبوب احمد دل پھینک اور ہنس مکھ طبیعت کا مالک تھا۔ وہ دو شادیاں کر کے اپنی بیویوں کو طلاق دے چکا تھا اور اب تیسری شادی کے لیے پر تول رہا تھا۔ عاشق مزاج دل کے ہاتھوں مجبور محبوب احمد نے تیسری شادی کے لیے جسے پسند کیا تھا، اب اس سے اظہار کرنا باقی تھا۔ اور وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ فی الحال وہ اُسے دیکھ کر اپنے مستقبل کے پھول سجا رہا تھا۔

اس تقریب میں جو سب سے زیادہ بیزار اور اس انتظار میں اپنی کرسی پر بیٹھا تھا کہ کب مہمان اُٹھنا شروع ہوں اور وہ بھی اجازت لے کر رخصت ہو، اس کا نام زین خورشید تھا۔

زین بہت خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اس کا نکلتا ہوا قد اور سرخ سفید چہرہ، چمکتی آنکھیں، گھنے سیاہ بال اور ہونٹوں پر قدرتی سرخی، ایسی کشش پیدا کرتی تھی کہ صنفِ نازک ایک بار اس کی طرف دیکھتی ضرور تھیں۔ اس کی شخصیت میں ایک ایسا سحر تھا جو دوسرے پر غالب آجاتا تھا۔ لیکن اس وقت اس کا وہ خوبصورت چہرہ بیزاری کی تصویر بنا ہوا تھا۔

محبوب احمد کی کمپنی میں زین سیلز کے شعبے میں کام کرتا تھا۔ وہ محنتی اور اپنے کام سے مخلص تھا اس لیے کمپنی کے مالک محبوب احمد اور ڈائریکٹرز کی نظر میں اس کی خاص اہمیت تھی۔

زین کو اپنی بیوی کی فکر ہو رہی تھی جو فلیٹ میں اکیلی تھی اور رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ زین کی بیوی رمشا کو ایسی تقریبات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے وہ کسی تقریب میں جانا پسند نہیں کرتی تھی۔

زین نے جائزہ لیا کہ زیادہ تر مہمان اپنی اپنی جگہ بیٹھے باتوں اور ہنسنے میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی کو نہ تو وقت کا احساس ہے اور نہ گھر جانے کی فکر ہے۔ ان کو فکر ہوتی بھی کیسے وہ سب آسودہ حال تھے۔ ان کے لیے دن اور رات ایک جیسے ہی تھے۔

زین اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ وہ جب سے اس جگہ موجود ہے، مسلسل دو آنکھوں کے حصار میں ہے۔ وہ آنکھیں جس طرف بھی جاتی تھیں گھوم کر زین پر ضرور آجاتی تھیں۔ اور جب زین اپنی کرسی سے اُٹھ کر کسی کے پاس جاتا تو وہ دو آنکھیں اس کے تعاقب میں لگ جاتی تھیں۔ وہ آنکھیں زین سے بالکل بھی غافل نہیں تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد مہمانوں میں ہلچل سی ہوئی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے اُٹھنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مہمان، محبوب احمد سے اجازت لے کر جانے کے لیے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ زین نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا اور اُٹھ کر محبوب احمد کی طرف بڑھا۔ وہ نگاہیں زین کو اپنے حصار میں لیے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

زین نے محبوب احمد کے پاس جا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سر مجھے بھی اجازت ہے؟“

محبوب احمد نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور خوش دلی سے بولا۔ ”تم تو میری کمپنی کی ریڑھ کی ہڈی ہو...... تم بیٹھو جا کر کیا کرنا ہے۔ کل چھٹی ہے۔“

”سر بیوی اکیلی ہے۔“ زین ہولے سے بولا۔

”تم پھر اپنی بیوی کے بغیر آگئے ہو۔ اس بار تو میں نے تمھاری بات مان لی تھی لیکن آئندہ اگر تم اپنی بیوی کے بغیر آئے تو اندر آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“ محبوب احمد نے فوراً خفا ہونے کا انداز اپنالیا۔

”آئندہ وہ منع بھی کرے گی تو زبردستی ساتھ لے کر آؤں گا، اس کی ایک نہیں چلنے دوں گا۔“ زین مسکرایا۔

”ہاں آئندہ اکیلے مت آنا۔“ محبوب احمد نے کہہ کر زین کو اپنے قریب کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں بتایا۔ ”بہت جلدی میرے گھر میں ایک بہت بڑی تقریب ہونے والی ہے۔“

”کیسی تقریب سر؟“ زین نے جاننا چاہا۔

”یہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔“ محبوب احمد کہہ کر ہنسا۔ ”تم کو اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ تم میری اس تقریب میں اپنی بیوی کے ساتھ آنے کی تیاری رکھو۔“

”ہم دونوں آئیں گے سر، اب مجھے اجازت ہے؟“ زین نے اجازت چاہی۔

”ہاں ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ محبوب احمد نے زین کے ساتھ گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور زین گیٹ کی طرف چل دیا۔ اس کی کار بنگلے سے باہر کھڑی تھی۔ وہ گیٹ کی طرف جا رہا تھا اور وہ دونوں آنکھیں اس کے عقب میں چل رہی تھیں۔ دونوں میں دس، بارہ فٹ کا فاصلہ تھا۔

زین بنگلے سے باہر نکلا اور اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اس نے کار کا لاک کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ آنکھیں گیٹ کے پاس ہی رک گئی تھیں۔ زین نے کار اسٹارٹ کی اور اس جگہ سے چلا گیا۔ وہ آنکھیں اس کی کار کو جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔ جب زین کی کار دور چلی گئی تو وہ آنکھیں گیٹ سے ہٹ گئیں اور واپس لان کی طرف چلنے لگیں جہاں ابھی کچھ مہمان موجود تھے۔

☆☆☆

ہفتہ وار تعطیل ہونے کی وجہ سے زین اور رمشا دیر سے سو کر اُٹھے تھے۔ رمشا نے ناشتا بنایا اور دونوں رات کی تقریب کی باتیں کرنے لگے۔

''محبوب احمد اگر میرے باس نہ ہوں تو یقین کرو میں ایسی کسی تقریب میں نہ جاؤں۔ مجھے بڑے بڑے لوگوں میں بیٹھ کر بے چینی ہوتی ہے۔'' زین نے کہا۔

''ویسے ایک بات ہے، آپ کے باس ہیں بہت اچھے۔'' رمشا چائے کا سپ لیتے ہوئے بولی۔

''یہ بات تو ہے۔ اتنی دولت ہونے کے باوجود وہ ایک معمولی ملازم کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔'' زین نے کہا۔

''بس ان میں ایک خامی ہے، وہ شادی کے بعد بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں۔'' رمشا نے کہا۔

زین مسکرایا۔ ''دل پھینک اور عاشق مزاج ہیں۔ اپنے دل کے پیچھے بھاگتے ہیں۔''

''پھر تم کو تو ایسے باس کی صحبت سے دور رہنا چاہیے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' رمشا مذاق میں مسکرائی۔

''اس خربوزے نے جو رنگ پکڑنا تھا، وہ پکڑ لیا ہے۔'' زین نے رمشا کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

''ایسی باتیں تو آپ کے باس اپنی دونوں بیویوں سے کر چکے ہوں گے۔'' رمشا ہنسی اور ٹرے اُٹھا کر کچن کی طرف بڑھی۔

زین بھی پیچھے اُٹھا۔ ''جیسے وہ عاشق مزاج ہیں مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے محبت کی کہانیوں میں لکھی ہوئی تمام باتیں اپنی دونوں بیویوں سے کر دی ہوں گی۔ کچھ شادی سے پہلے اور کچھ شادی کے بعد۔''

''اور طلاق دیتے ہوئے انہوں نے وہ باتیں بھی کہہ دی ہوں گی جو کہانیوں میں ولن کہتے ہیں۔'' رمشا کی پھر ہنسی نکل گئی۔ وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

''ناشتا کرتے ہوئے تم مجھ سے یہ پوچھا کرتی تھیں کہ آج پکانا کیا ہے اور تم وہ بھول کر میرے باس کا ذکر لے کر بیٹھ گئیں؟'' زین نے کہا۔

''آج میں نے اس لیے نہیں پوچھا کیونکہ آج چھٹی ہے اور کھانا تم تیار کرو گے۔ میں آرام سے بیٹھ کر ٹی وی دیکھوں گی۔'' رمشا نے اپنی گردن گھمائی۔

''اس کا مطلب ہے کہ آج میں تم کو اپنی جگہ دے دوں۔ ایسی بات ہے تو ایسے ہی سہی۔ آج کھانا میں تیار کروں گا اور بہت مزے کا ہوگا۔'' زین نے آستین چڑھا لیں۔

''اس کا مطلب ہے کہ میں مزے کا کھانا نہیں بناتی۔'' رمشا نے فوراً اعتراض اُٹھایا۔

''تم بھی مزے کا کھانا بناتی ہو لیکن میرے بنائے کھانے کی بات کچھ اور ہے۔'' زین نے کہا۔ اور رمشا اس کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

زین اور رمشا کی شادی کو تین سال ہوئے تھے اور دونوں میں بہت محبت تھی۔ ان کی پیار بھری باتیں اور ہلکی پھلکی نوک جھوک سے ان کی زندگی میں بہار تھی۔

دوپہر کے وقت زین کچن میں کھانا تیار کرتا رہا اور رمشا ٹی وی کے آگے بیٹھ کر کچھ وقفے کے بعد آواز دے کر پوچھ لیتی تھی۔

''کھانے میں کتنی دیر ہے؟''

''بس دس منٹ۔'' زین کا جواب ہوتا۔

''ایک گھنٹے سے تمہارے دس منٹ ختم نہیں ہو رہے ہیں۔'' رمشا اسی کے انداز میں کہتی۔

''بس اب صرف دس منٹ......'' زین نے کچن سے جھانکا۔

زین نے کڑاہی گوشت بنایا تھا۔ وہ کڑاہی گوشت مزے کا بناتا تھا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور کھانے کے دوران جان بوجھ کر رمشا کبھی نمک کی زیادتی اور کبھی گوشت کے سخت ہونے کا اعتراض اُٹھا دیتی تھی اور زین معصومیت سے کہہ دیتا تھا۔

''آئندہ یہ غلطی نہیں ہوگی......''

''خیال رکھنا، ورنہ کچھ برا بھی ہو سکتا ہے۔'' رمشا کا لہجہ بارعب تھا۔ وہ لہجہ بدل کر اچھی اداکاری کر رہی تھی۔

''جی بہتر......'' زین سر جھکائے ہوئے تھا۔

کھانا کھانے کے بعد رمشا نے کہا۔ ''چلیں باہر چلتے ہیں۔''

زین نے اسی وقت گاڑی کی چابی اٹھائی اور وہ باہر چلے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ ابھی دونوں گھر واپس آئے ہی تھے کہ دستک نے زین کو چونکا دیا۔

اسی دوران رمشا کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ ''میں دیکھتی ہوں۔''

رمشا نے دروازہ کھولا تو سامنے کوریئر والا لڑکا کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں پارسل تھا۔ اس نے پارسل دیتے ہوئے

رمشا سے دستخط لیے اور چلا گیا۔ رمشا پارسل لے کر اندر آئی تو زین نے رمشا کے ہاتھ میں پارسل دیکھ کر پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہارے نام یہ پارسل ہے۔" رمشا نے وہ پارسل زین کی طرف بڑھا دیا۔

زین نے رمشا کے ہاتھ سے پارسل لے کر اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ بھیجنے والے کا نام پتا نہیں لکھا تھا اور نہ ہی اس کوریئر کمپنی کی کہیں کوئی مہر، یا رسید چسپاں تھی کہ جس سے یہ پتا چل سکے کہ یہ کس کوریئر کمپنی سے آیا ہے۔ صرف زین کا نام اور اس کا پتا لکھا ہوا تھا۔

"بھیجنے والے کا کوئی نام پتا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوریئر کمپنی کی کوئی مہر ہے۔" زین سوچتے ہوئے بولا۔

"شاید کوریئر والا کہیں نزدیک رہتا ہو اور وہ کل کا کام آج کر رہا ہو۔" رمشا نے اپنا خیال عیاں کیا۔

زین نے پارسل کا کاغذ پھاڑا تو اندر ایک ڈبا تھا اور اس ڈبے میں قیمتی موبائل فون تھا۔ زین نے موبائل فون نکال کر اسے غور سے دیکھا۔ نیا موبائل فون ایک بڑی کمپنی کا تھا۔

"یہ تو قیمتی موبائل فون ہے۔" رمشا نے موبائل فون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

زین نے سارا ڈبا خالی کر کے دیکھا اندر کوئی پرچی، یا ایسی تحریر نہیں تھی جو بھیجنے والے کا پتا دے رہی ہو۔

"یہ کون بھیج سکتا ہے مجھے؟" زین نے سوچا۔

"کسی دوست نے بھیجا ہوگا۔"

"اتنا قیمتی موبائل فون مجھے کوئی دوست نہیں بھیج سکتا۔ کم از کم اس کی قیمت ستر، اسی ہزار روپے ہوگی۔" زین مسلسل سوچ رہا تھا۔

"بھیجنے والے نے کچھ سسپنس رکھا ہے۔ تاکہ تم یہ سوچتے ہوئے پریشان رہو کہ یہ قیمتی موبائل فون کس نے بھیجا ہے۔ شاید ابھی یا رات کو تم کو فون آجائے اور وہ بتا دے کہ یہ موبائل فون اس نے بھیجا ہے۔" رمشا نے کہا۔

"میری نظر میں میرا ایسا کوئی دوست نہیں ہے جو مجھے اتنا قیمتی موبائل فون بھیج سکے۔" زین بیٹھ گیا۔

"کہیں آپ کے باس نے نہ بھیجا ہو؟" رمشا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"وہ کیوں بھیجے گا؟" زین نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید تمہارے کام سے خوش ہو کر۔"

"میرے کام سے خوش ہو کر وہ مجھے شاباش دیتا تو رہتا ہے۔" زین تمسخر سے بولا۔

"یہ موبائل فون تمہارے باس ہی نے بھیجا ہے اور لے کر آنے والا کوئی کوریئر کمپنی کا نمائندہ نہیں ہوگا بلکہ تمہارے باس کا آدمی ہوگا۔" رمشا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔" زین سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"چلو سوچنا چھوڑو اور اسے استعمال کرو۔ جس نے بھی بھیجا ہے پتا چل جائے گا۔" رمشا کہہ کر کچن میں چلی گئی اور زین نے کچھ سوچنے کے بعد موبائل فون اسی ڈبے میں رکھ کر ڈبا اچھی طرح سے بند کیا اور سامنے شیلف میں رکھ دیا۔

☆☆☆

آفس میں کام کرنے کے دوران میں زین کے موبائل فون پر ایک میسج آیا۔ جس نمبر سے میسج آیا تھا، وہ نمبر زین کے لیے ناآشنا تھا۔ اس نے میسج پڑھا، تو لکھا تھا۔

"میرا بھیجا ہوا موبائل فون نہیں لے کر آئے آپ؟"

زین نے اس میسج کو دوبار پڑھا اور پھر لکھا۔ "آپ کون ہیں؟"

تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا گیا۔ "کیا میرا تحفہ پسند نہیں آیا ہے؟"

زین نے غیر محسوس انداز میں اپنی نظر گھمائی۔ اس سے کچھ فاصلے پر دو میزیں تھیں پھر دائیں جانب ایک قطار میں تین میزیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کی پاس والی میزوں پر دو نوجوان کام کرتے تھے اور جبکہ ان تینوں میزوں کے پیچھے تین لڑکیاں براجمان تھیں جو اپنے اپنے کام میں مصروف تھیں۔ سب کمپیوٹرز پر مصروف تھے کسی کے ہاتھ میں بھی موبائل فون نہیں تھا کہ زین کو پتا چل سکتا کہ کون اسے میسج کر رہا ہے۔ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں وہی تین لڑکیاں کام کرتی تھیں۔ جبکہ باقی ڈیپارٹمنٹ الگ تھے۔ ویسے بھی وہ ملازم لڑکیاں اتنا قیمتی موبائل فون اسے کیسے بھیج سکتی تھیں؟

اس ہال نما کمرے کے سامنے والا کمرا اس کے باس محبوب احمد کا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ والے کمروں میں کمپنی کے تین ڈائریکٹرز اپنے اپنے کمروں میں بیٹھتے تھے۔

زین نے پھر میسج لکھا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟"

کچھ دیر کے بعد اسے میسج موصول ہوا۔ "اگر آپ کو میرا بھیجا ہوا فون پسند نہیں ہے تو اسے پھینک دیں۔ جب کل آپ کے ہاتھ میں میرا بھیجا ہوا موبائل فون نہیں ہوگا تو یہ اس بات کا اشارہ ہوگا کہ آپ نے وہ موبائل فون پھینک دیا ہے، آپ کو اسی دن نیا اور اس سے بھی اچھا موبائل فون مل جائے گا۔"

زین وہ میسج پڑھ کر پریشان ہو گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر کچھ مضطرب دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس انداز میں دائیں بائیں دیکھا کہ کسی کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ زین کو کوئی ایسا فرد دکھائی نہیں دیا جس پر وہ شک کر سکے۔ وہ کچھ دیر تک اپنی نگاہیں گھما کر دائیں بائیں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی نظر اپنے موبائل فون پر بھی چلی جاتی تھی کہ شاید اس کی طرف سے کوئی اور میسج آئے لیکن اس کے بعد کوئی نیا میسج نہیں آیا۔

کچھ دیر کے بعد زین نے دائیں بائیں سے توجہ ہٹا دی اور اپنے کام میں لگ گیا۔ آفس ٹائم کے بعد باہر کی طرف جاتے ہوئے بھی وہ غیر محسوس انداز میں یہ دیکھنے کی کوشش میں تھا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ تو نہیں ہے؟ لیکن زین کو کوئی بھی ایسا دکھائی نہیں دیا۔

زین گھر پہنچا تو رمشا نے حسب معمول اس کا اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا۔ زین نہا کر باہر نکلا تو اس کی نظر شیلف میں رکھے موبائل فون پر چلی گئی۔

وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے؟ اگر وہ کل یہ موبائل فون لے کر نہیں جاتا تو وہ اسے نیا موبائل فون بھیج دے گا۔ جب ایک اور نیا موبائل فون گھر آئے گا تو رمشا کہیں یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائے کہ ایسا کون ہے جو اسے قیمتی سے قیمتی موبائل فون بھیج رہا ہے۔ زین اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی میں شک کی دراڑ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کل اس کا بھیجا ہوا موبائل فون لے جائے گا اور پھر دیکھے گا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

''کیا بات ہے آج چپ چپ ہو؟'' یکدم رمشا نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

زین چونکا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''مجھے بتانا نہیں چاہتے؟'' رمشا نے اس کا جائزہ لیا۔

''تمہیں نہیں بتاؤں گا تو کسے بتاؤں گا۔ ویسے ہی کام کی وجہ سے تھکن سی ہو رہی ہے۔'' زین نے بہانہ کیا۔

''چائے بناتی ہوں۔''

''اچھی سی بنانا۔''

''جیسی بناتی ہوں ویسی پینی پڑے گی۔'' رمشا نے اکڑ کر کہا تو زین ہنسنے لگا۔

''ایسی بات ہے تو پھر ایسا ہی کر لوں گا اور جو بناؤ گی وہی پی لوں گا۔'' زین نے معصومیت سے کہا تو رمشا بے ساختہ مسکرا دی۔ زین بھی ہنس دیا۔

☆☆☆

دوسرے دن آفس جانے سے قبل زین نے وہ موبائل فون نکالا اور اپنی سم اس میں ڈال کر اسے اوپن کر لیا۔

''پتا چلا یہ کس نے بھیجا ہے؟'' رمشا نے پاس آ کر پوچھا۔

''ابھی تو پتا نہیں چلا۔'' زین نے جواب دیا۔

''پھر تم اسے لے کر کیوں جا رہے ہو؟ پڑا رہنے دو۔'' رمشا نے کہا۔

''اب آ گیا ہے تو لے جانے میں کیا حرج ہے۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں اتنا قیمتی اور اچھا موبائل فون ہاتھ میں لے کے کیسا لگتا ہے۔'' زین بولا۔

''قیمتی موبائل فون ہے۔ پتا نہیں کس نے بھیجا ہے، تم اسے ابھی استعمال مت کرو۔'' رمشا نے روکا۔

''آج لے جاتا ہوں۔ واپس آ کر رکھ دوں گا۔'' زین نے کہہ کر موبائل فون اپنے کوٹ کی اندر والی جیب میں رکھ لیا۔

''موبائل فون کوئی چھین کر لے گیا تو؟''

''پھر کیا ہو گا۔ مفت آیا ہے، چھننے کا افسوس نہیں ہو گا۔'' زین نے دانت نکالے۔

زین آفس پہنچا تو اس نے موبائل فون اپنی جیب سے نہیں نکالا تھا۔ وہ چلتا ہوا اپنی میز تک آیا اور اس نے دائیں بائیں دیکھ کر موبائل فون نکال کر میز پر رکھ دیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن اس کی نگاہیں بار بار اپنے موبائل فون کی طرف جا رہی تھیں۔ اسے میسج کا انتظار تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بھی بے چین تھا کہ وہ آفس میں اس کا بھیجا ہوا موبائل فون لے کر آیا ہے، کیا بھیجنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے؟

دو گھنٹے گزر گئے تھے لیکن کوئی میسج نہیں آیا۔ وہ محبوب احمد کے کمرے میں میٹنگ کے لیے چلا گیا۔ آدھا گھنٹا اسے وہاں لگ گیا اور پھر واپس اپنی میز پر آ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی۔ اس نے فوراً موبائل فون کی اسکرین کی طرف دیکھا۔ اسی نمبر سے میسج آیا تھا۔

مختصر لکھا تھا۔ ''شکریہ......''

زین نے بات آگے بڑھانے کے لیے لکھ دیا۔ ''کس بات کا؟''

''آپ نے میرا تحفہ قبول کر لیا ہے۔'' دوسری طرف سے فوراً جواب آیا۔

''آپ کون ہیں؟'' زین نے لکھا۔

''آج آپ بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔'' اس نے اس کے سوال کو پھر نظر انداز کر کے اس کی تعریف کی۔

"میرے سوال کا جواب دیں۔ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟" زین نے ایک بار پھر میسیج کر کے پوچھا۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ زین جواب کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے اس نمبر کو پش کیا اور موبائل فون کان سے لگالیا۔ لیکن وہ نمبر بند جارہا تھا۔

زین کو یہ یقین تو ہوگیا تھا کہ جو بھی ہے، اس آفس میں ہے۔ جو اسے دیکھ بھی رہا ہے لیکن وہ کون تھا یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس بارے میں اگر وہ سوچتا تو اس کے لیے جاننا مشکل تھا۔ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں تین لڑکیوں اور دو لڑکوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دوسرے ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے لوگ شاذ ہی اس طرف آتے تھے کیونکہ محبوب احمد اور تمام ڈائریکٹران کے کمروں کے دروازے اس طرف اور دوسری طرف بھی کھلتے تھے۔ اس لیے دوسرے ڈیپارٹمنٹ سے آنے والے کسی بھی فرد کو اس طرف آکر محبوب احمد، یا کسی دوسرے کمرے میں جانا نہیں پڑتا تھا۔

ایک خیال نے اسے چونکا دیا تھا کہ وہ محبوب احمد کے آفس میں گیا تھا اور ان سے میٹنگ کی تھی اس کے بعد ہی اسے میسیج آیا تھا اور موبائل استعمال کرنے کا شکریہ ادا کیا تھا۔ کہیں یہ موبائل فون اس کے باس نے تو نہیں دیا اور وہ جان بوجھ کر ابھی ظاہر کرنے کے بجائے اسے زچ کررہا ہو؟ زین خود ہی اس بات پر متفق ہوگیا کہ یہ موبائل فون اس کے باس نے ہی بھیجا ہے۔

آفس ٹائم کے بعد جب زین گھر پہنچا اور نہا کر باہر نکلا تو اس کے سامنے میز پر رمشا نے ایک اور پارسل رکھ دیا۔ زین نے متحیر نگاہوں سے ایک نظر پارسل کی طرف اور پھر رمشا کی طرف دیکھا۔

"یہ کہاں سے آیا ہے؟"

"باہر بھیجنے والے کا پتا نہیں لکھا ہوا۔ تمہارا نام اور پتا لکھا ہے۔" رمشا نے بتایا۔

"وہی کوریئر والا دے کر گیا تھا؟"

"نہیں یہ کوئی اور تھا اور اس کے پاس اور بھی ڈاک تھی۔ وہ واقعی کوریئر والا تھا اور اس پارسل پر کوریئر کمپنی کی مہر بھی لگی ہے۔" رمشا کہہ کر پاس ہی بیٹھ گئی۔

زین متحیر اس پارسل کو دیکھے جارہا تھا۔ پھر اس نے اُٹھا کر اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔

"کھولو تو سہی کیا ہے؟" زین سے زیادہ رمشا بے چین تھی۔

"یہ کون ہے جو مجھے پارسل بھیج رہا ہے؟" زین حیران تھا۔

"کوئی تو ہوگا۔" رمشا کہہ کر مسکرائی جبکہ وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ 'کوئی تو ہوگی'۔ فطری طور پر ایک عورت ہونے کے ناتے اس کے دل میں شک نے جنم لے لیا تھا۔ زین نے پارسل کھولا تو اندر خوبصورت شرٹ تھی۔ شرٹ اسی رنگ کی تھی جو رنگ زین کو زیادہ پسند تھا اور اس کے پاس اس رنگ کی تین، چار شرٹس تھیں۔ بس ڈیزائن الگ الگ تھے۔

"اسے تو آپ کی پسند کا بھی پتا ہے۔" یکدم سے رمشا کو جلن سی ہوئی اور اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاکر کہا۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو؟" زین نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اُسے تمہاری پسند کا پتا ہے۔ یقیناً وہ تمہارا کوئی دوست ہوگا۔" رمشا نے کہا۔

"دوست تو تم ہو میری۔ کہیں تم ہی تو مجھے یہ سب نہیں بھیج رہی ہو؟" زین نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"میں اتنی امیر نہیں ہوں کہ اتنا قیمتی موبائل فون دے سکوں۔ میں تحفہ ایسا دے سکتی ہو جو میری حیثیت کا ہو۔" رمشا بولی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ یہ کون ہے۔" زین پھر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

"جو کوئی بھی ہے، تم عیش کرو۔ بھیجنے والے کا پتا چل ہی جائے گا۔" رمشا اُٹھنے لگی تو زین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو؟ تمہارا خیال ہے کہ یہ مجھے کوئی لڑکی بھیج رہی ہے؟"

"مجھے تم پر اپنے سے زیادہ بھروسا ہے لیکن مجھے اس پارسل کے بعد خوف سا آنے لگا ہے۔" رمشا متانت سے بولی۔

"کیسا خوف آنے لگا ہے۔" زین نے اس کی طرف دیکھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوشش میں ہو۔" رمشا نے متانت سے کہا۔

"مجھے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ویسے مجھے شک ہے کہ یہ میرے باس ہیں۔" زین نے کہا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے شک ہے تمہارے باس کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو، پھر بھی تم کو انجانا خوف ہے؟" زین سوچنے لگا۔

"میرا خوف اپنی جگہ ہے۔ چھوڑو ان باتوں کو میں چائے بناتی ہوں۔" رمشا کہہ کر کچن میں چلی گئی اور زین

سوچنے لگا کہ اس پارسل کی وجہ سے رمشا بھی پریشان ہوگئی ہے۔

زین پھر پارسل کو دیکھنے لگا۔ زین نے شرٹ نکالی تو اس شرٹ کے نیچے ڈبے میں ایک کاغذ تہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ زین نے ایک نظر کچن کی طرف دیکھا اور پھر کاغذ اُٹھا کر کھولا تو اندر مختصر تحریر لکھی تھی۔

''یہ شرٹ کل آفس پہن کر آنا۔ ہم شام کو ملاقات کریں گے۔ اگر نہ پہن کر آئے تو اچھا نہیں ہوگا۔''

تحریر پڑھتے ہی زین کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوگئی تھی۔ اُسے یقین سا ہوگیا تھا کہ یہ سب بھیجنے والی کوئی لڑکی ہے۔ اس نے جلدی سے کاغذ اپنی جیب میں ڈال لیا اور شرٹ واپس ڈبے میں رکھ دی۔ اس دوران رمشا باہر نکلی تو زین نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے وہ جو بھی بھیجے گا، یا بھیجے گی، میں وہ سب چیزیں استعمال کروں گا۔ کل یہ شرٹ پہن کر آفس بھی جاؤں گا۔ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔''

رمشا نے چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے زین کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''اس کی بھیجی ہوئی چیزیں جیسے چاہو استعمال کرو لیکن اس کی بھیجی ہوئی چیزوں میں خود کو لپیٹ کر اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش نہ کر دینا۔''

زین نے ایک لمحے میں رمشا کے چہرے پر آئی اداسی دیکھی اور بولا۔ ''زندگی میں کبھی ایسا تصور بھی نہ کرنا کہ میں کبھی ایسا کچھ کروں گا۔''

رمشا مسکرا دی۔ ''مجھے تم پر یقین ہے لیکن مرد کو بدلتے دیر نہیں لگتی ہے۔''

''میں ساری دنیا کے لیے بدل سکتا ہوں۔ لیکن تمہارے لیے تمہارا زین ہی رہوں گا۔'' زین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

☆☆☆

صبح رمشا ناشتا کر رہی تھی۔ زین جب نہا کر باتھ روم سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ بیڈ پر اس کے کپڑے رکھے ہیں جو رمشا کچن میں جانے سے پہلے نکال گئی تھی۔ زین نے رمشا کی نکالی ہوئی پینٹ شرٹ کو دیکھا اور پھر الماری سے وہ شرٹ نکال لی جو اسے کل پارسل میں موصول ہوئی تھی۔

زین نے وہ شرٹ خود استری کی اور پینٹ کے ساتھ پہن کر جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو رمشا ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے پکڑے باہر نکل رہی تھی۔ جونہی اس نے زین کی طرف دیکھا تو وہ چونکی لیکن اس نے اپنے چہرے سے کچھ عیاں نہیں ہونے دیا۔

ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے زین نے رمشا کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے کہا۔ ''یہ شرٹ میں نے اس لیے پہنی ہے کہ اس شرٹ کے ساتھ ایک چٹ بھی آئی تھی جس پر لکھا تھا کہ اگر میں یہ پہن کر آفس آؤں گا تو یہ سب بھیجنے والا مجھ سے ضرور ملے گا۔ اور مجھے پتا چل جائے گا کہ وہ کون ہے؟ میں جاننا چاہتا ہوں اس لیے یہ شرٹ پہن کر جا رہا ہوں۔''

''اگر وہ بھیجنے والی ہوئی تو؟''

''مجھے ایسا نہیں لگتا۔ بہت سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ میرا باس بھیج رہا ہوگا۔ کیونکہ اس ماہ میں نے ہدف سے زیادہ سیل دی ہے۔'' زین نے اندازہ لگایا۔

رمشا نے سر ہلایا۔ ''ویسے میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''اس کے باوجود تم شک کر رہی ہو؟''

''یہ تو فطری بات ہے۔'' رمشا کہہ کر ہنسی۔

ناشتا کرنے کے بعد زین آفس کے لیے نکل گیا۔ اُسے آج آفس جانے سے زیادہ اس بات کی بے چینی تھی کہ جس نے اسے موبائل فون اور یہ شرٹ بھیجی ہے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آج ضرور اس سے ملے گا۔ اگر یہ سب محبوب احمد نے بھیجا ہوگا تو وہ اسے اپنے کمرے میں بلا کر واضح کر دے گا۔

زین اپنی کرسی پر بیٹھا تو اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل فون نکال کر اپنی میز پر سامنے رکھا۔ اب اسے میسج کا انتظار تھا۔ کام کے دوران میں اس کا دھیان بار بار موبائل فون کی طرف جا رہا تھا لیکن جس میسج کا اسے انتظار تھا وہ نہیں آ رہا تھا۔ اسی طرح دوپہر ہوگئی اور پھر چار بج گئے۔

زین نے سوچا کہ وہ خود کال کر لے۔ اس نے وہی نمبر پش کیا جس نمبر سے اسے میسج آتا تھا لیکن وہ نمبر بند جا رہا تھا۔ زین کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔

آفس ٹائم ختم ہونے سے قبل اس کے موبائل فون پر میسج آیا۔ اس نے فوراً موبائل فون اُٹھایا۔ اسی نمبر سے میسج آیا تھا۔ اس کا دل دھڑکا اور اس نے میسج پڑھا، لکھا تھا۔

''آج تم بہت خوبصورت لگ رہے ہو۔ ایک گھنٹے بعد تم اسٹار ہوٹل میں پہنچ جانا۔ ڈائننگ ہال میں تمہارے نام کی ایک میز ریزرو ہے۔ ٹھیک وقت پر پہنچ جانا، باقی باتیں وہیں ہوں گی۔''

زین نے میسج پڑھا اور گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس جگہ سے اسٹار ہوٹل کا فاصلہ تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ اس نے چلنے کی تیاری کی اور خراماں خراماں چلتا اپنی کار تک پہنچا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر آہستہ رفتار میں ہوٹل تک

پہنچا تو ابھی اس کے پاس پندرہ منٹ تھے۔ وہ ہوٹل کے اندر گیا اور اپنے نام کی ٹیبل کے بارے میں دریافت کیا اور اس میز کی طرف چلنے لگا۔

وہ میز ڈائننگ ہال میں ایک طرف الگ تھلگ تھی۔ زین کے نام کی تختی اس میز پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب اسے انتظار تھا کہ جس نے اسے یہاں بلایا ہے، وہ جلدی سے آکر حقیقت سے پردہ اٹھا کر اس کا تجسس ختم کردے۔

زین میز پر اپنا موبائل فون رکھے اسے آہستہ آہستہ الٹ پلٹ رہا تھا اور کبھی گھمانے لگتا تھا۔ اس کی توجہ موبائل فون پر اور سوچ آنے والے کی طرف مبذول تھی۔ وہ اسی انہماک سے بیٹھا تھا کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ اس کے قریب ہی آہٹ ہوئی ہے۔ کوئی اس کے پاس آکر رکا تھا۔ زین نے چونک کر اپنا سر اٹھایا اور دیکھا تو وہ دم بخود رہ گیا۔ اس کی خیرہ نگاہیں آنے والے کے چہرے پر جم گئیں۔ دل کی دھڑکن منتشر ہونے لگی اور وہ اپنی جگہ سے یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے سامنے کمپنی کی ڈائریکٹر نگہت حیات کھڑی تھی۔ نگہت حیات کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ خوبصورت اور پرکشش تھی لیکن اس کے چہرے پر متانت براجمان رہتی تھی۔ وہ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور اس نے ساری زندگی اپنی مرضی سے بسر کی تھی۔ اس کے دل میں جو آتا تھا وہی کرتی تھی۔ کسی کی نصیحت اور حکم کو اس نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ شروع دن سے ہی ماڈرن تھی۔ وہ ہر طرح کا لباس زیب تن کرتی تھی۔ وہ آفس میں زیادہ تر پینٹ کوٹ پہن کر آتی تھی۔

نگہت حیات کے بال گولڈن براؤن تھے، سرخ رنگ کی لپ اسٹک اور نیلے رنگ کی شلوار قمیص کے ساتھ، آسمانی رنگ کے دوپٹے میں وہ بہت خوبصورت اور پرکشش لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی اور اس کے موتیوں جیسے دانت عیاں تھے۔

''آ......پ......؟'' زین حیرت زدہ رہ گیا۔

نگہت حیات مسکرائی اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ زین ابھی تک حیرت کی تصویر بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم کھڑے کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔ یہ آفس نہیں ہے۔'' نگہت حیات کا لہجہ دھیما ہی ہوتا تھا۔ اس کی نگاہیں زین کے چہرے پر منجمد تھیں۔ زین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''میرا زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی...... نہیں۔'' زین نے کہا۔

نگہت حیات فوراً بولی۔ ''حالانکہ انتظار تو میں نے کیا ہے تمہارا۔ میں تمہارے آنے سے آدھا گھنٹا پہلے آچکی تھی اور اس میز سے الگ بیٹھ کر تمہارا انتظار کررہی تھی۔''

''آپ نے جو وقت دیا تھا، میں اسی وقت پہنچ گیا تھا۔'' زین نے کہا۔ زین کے دل کی دھڑکنیں منتشر تھیں اور حیرت ابھی تک چہرے پر براجمان تھی۔

''ہاں تم اسی وقت پہنچ گئے تھے لیکن میں تمہیں ایک طرف بیٹھی دیکھتی رہی تھی۔'' نگہت حیات بولی۔

''وہ قیمتی موبائل فون اور شرٹ آپ نے بھیجی تھی مجھے؟'' زین نے سوال کیا۔

نگہت اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی اور بولی۔ ''اتنی بھی کیا جلدی ہے جاننے کی۔ ابھی کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔ ایک ساتھ کچھ کھاتے ہیں۔''

زین نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اچانک اپنی کمپنی کی ڈائریکٹر نگہت حیات کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

نگہت اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ''گھبرا کیوں رہے ہو۔ کوئی خوف ہے کیا؟''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے آپ......'' زین نے کہنا چاہا۔

نگہت نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ ''آپ...... نہیں...... مجھے تم کہو تم......'' اس نے کہہ کر 'تم' پر زور دیا۔

''میں آپ کو تم کیسے کہہ سکتا ہوں؟''

''اس میں کیا مشکل ہے۔ بس میں نے کہہ دیا مجھے تم کہہ کر مخاطب کرو۔'' نگہت کا چہرہ سپاٹ ہوگیا تھا۔

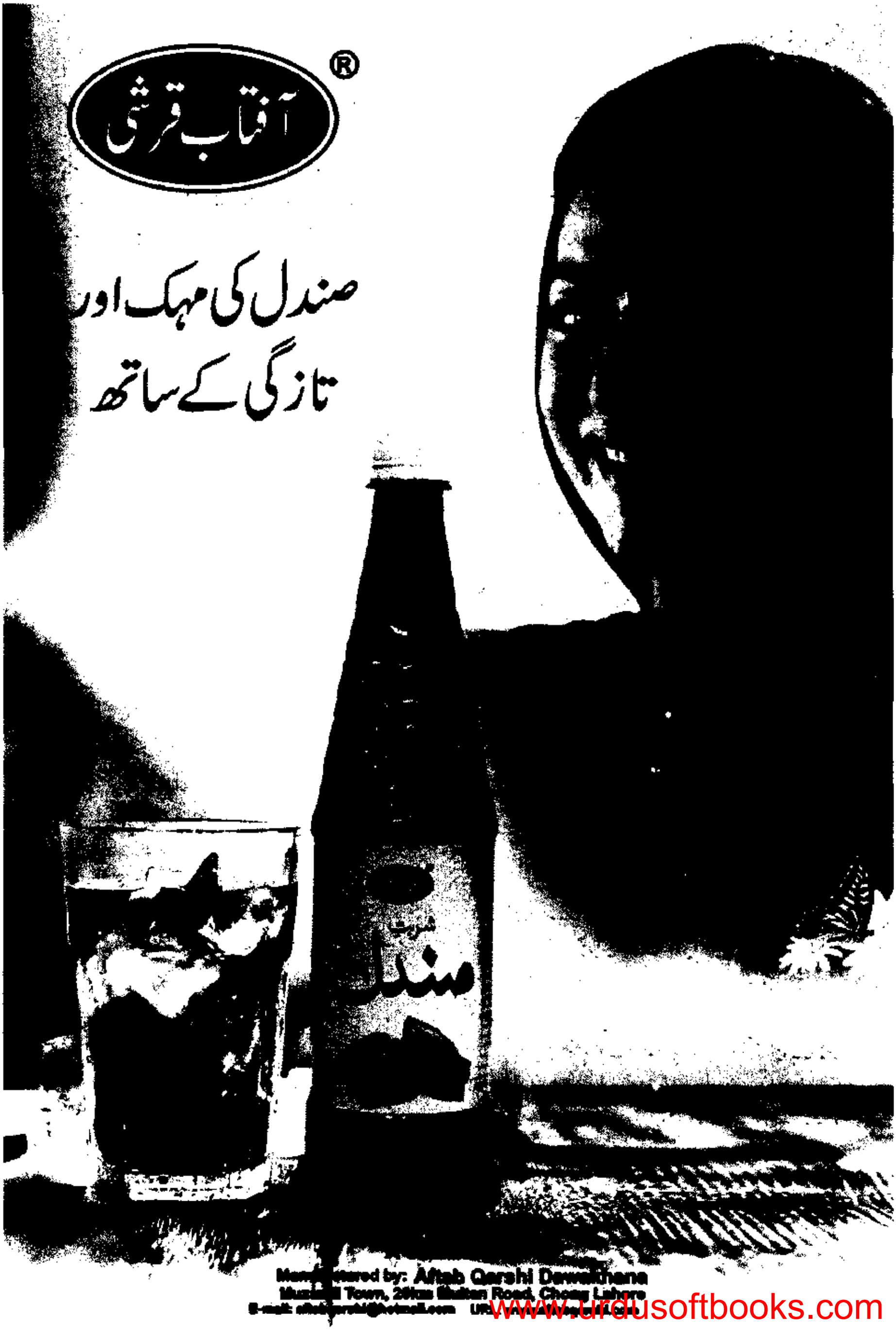
''میرے لیے یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ آپ نے مجھے اتنا قیمتی موبائل فون اور شرٹ بھیجی۔'' زین پھر اسی موضوع پر آگیا۔

''اس میں حیران ہونے والی کونسی بات ہے۔ ایک دوسرے کو تحفہ دینا کوئی عجیب اور حیران کن بات نہیں ہوتی۔'' نگہت نے کہا۔

''میں جاننا چاہوں گا کہ آپ نے......'' زین نے پھر کہنا چاہا۔

نگہت حیات نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے تم کہو...... تم......''

زین تذبذب کا شکار رہنے کے بعد بولا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ...... تم نے مجھے وہ قیمتی موبائل فون اور شرٹ کیوں بھیجی ہے۔''


آفتاب قرشی ®
صندل کی مہک اور
تازگی کے ساتھ
صندل
Aftab Qarshi Dawakhana

وہ برملا بولی۔ ''کیونکہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ میں نے تم کو خاموشی سے چھپ کر دیکھا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آنکھوں کے حصار میں قید کر رکھا ہے۔ میں نے کھلی اور بند آنکھوں میں تمہارے سپنے دیکھے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے پاس موجود پایا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ تم میرے پاس ہوتے ہو۔ میری تنہائی میں تم میرے ساتھی ہوتے ہو۔''

نگہت حیات کی نگاہیں زین کے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ سنجیدگی سے اپنے اندر کی دیوانگی کو اپنے دھیمے لہجے میں اس کے سامنے بیان کر رہی تھی اور زین کو اس کی باتیں سن کر پسینہ آرہا تھا۔ نگہت تین ماہ قبل اس آفس میں آئی تھی۔ اس سے قبل وہ اسلام آباد آفس میں کام کرتی تھی۔

وہ پھر بولی۔ ''مجھے تم سے محبت ہے۔ دیوانگی ہے بلکہ جنون ہے...... تم میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہو۔ تم میرے دل کی دیواروں کو پھلانگ کر ایسے گھسے ہو جیسے وہ دل تمہارا ہی تھا۔ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تمہارے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' نگہت کے لہجے میں دیوانگی جھلک رہی تھی۔

زین پریشان ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ وہ خود ہی بولی۔

''میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ جس کمپنی میں تم ملازم ہو میں اس کی ڈائریکٹر ہوں اور میرے اس میں حصص ہیں۔ باپ کی چھوڑی ہوئی دولت بھی میرے پاس کم نہیں ہے۔ میری زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ کمی تھی تو تم جیسے مرد کی۔ وہ بھی پوری ہو گئی ہے۔''

زین نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا اور بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ مجھے جانا چاہیے۔ دیر ہو رہی ہے۔''

''تم ابھی نہیں جا سکتے ہو۔'' اس نے پیار سے روکا۔

''میں اتنی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتا ہوں۔''

''کتنی دیر ہوئی ہے؟ ابھی تو کچھ خاص وقت نہیں ہوا ہے۔'' نگہت نے فوراً وقت دیکھا۔

''مجھے اجازت دیں، میں جانا چاہتا ہوں۔'' زین کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن میری باتیں یاد رکھنا۔ اور یہ بھی مت بھولنا کہ تم میرے ہو۔ ہم بہت جلدی شادی کر لیں گے۔''

زین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''شادی......''

''ہاں شادی...... میں تمہاری دنیا بدل دوں گی اور تم میرے جیون ساتھی بن کر میری دنیا بدل دو گے۔ میرا جو بھی ہے وہ سب تمہارا ہوگا اور مجھے اپنی زندگی کی سانسوں کے لیے صرف تمہاری ضرورت ہے...... صرف تم......'' نگہت نے بلا تامل کہہ دیا تھا۔ اس نے کچھ بھی کہنے میں کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے دل میں جو کچھ تھا، وہ سب اس نے کہہ دیا تھا جس کی امید زین کو قطعی نہیں تھی۔

''آپ کو یہ سب باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

''کیوں نہیں کرنی چاہئیں؟''

''آپ جو سوچ رہی ہیں، وہ غلط ہے۔'' زین نے کہا۔

''تم بغیر سوچے کہہ رہے ہو۔ میری باتوں کو سوچنا اور پھر فیصلہ کرنا۔ ہم ایک ہو جائیں گے تو ہم دونوں کی دنیا بدل جائے گی۔''

زین کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔ زین فوراً کرسی سے اُٹھا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا خارجی دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا اور کار اس جگہ سے ایسے نکال کر لے گیا جیسے وہ کسی کے تعاقب میں نکل رہا ہو۔

زین سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ باتھ روم جا کر اس نے منہ دھویا اور چہرہ آئینے میں دیکھنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن ابھی تک تیز تھی۔ نگہت حیات کے آفس میں آنے سے قبل اس کے بارے میں باتیں ہونے لگی تھیں اور جو اس کے بارے میں جانتے تھے، وہ بتاتے تھے کہ نگہت ایک ضدی اور اپنے فیصلے کی اٹل خاتون ہے۔ وہ کسی بھی کام کو جنونی انداز میں کرنے کی عادی تھی۔

وہ باتھ روم سے باہر نکلا تو سامنے رمشا کھڑی تھی۔ زین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ملاقات ہوئی اُس سے؟'' رمشا نے پوچھا۔

''ہاں ابھی اسی سے ملاقات کر کے آرہا ہوں۔'' زین نے اپنے آپ کو نارمل کیا۔

''کون ہے وہ......؟'' رمشا نے پُرتجسس نگاہوں سے زین کی طرف دیکھا۔

''میرا باس......'' زین نے ایک طرح سے رمشا سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کیونکہ نگہت بھی اس کی باس ہی تھی۔

''اس کا مطلب تھا کہ ہم دونوں کا اندازہ ٹھیک تھا۔ لیکن اتنے سرپرائز کے ساتھ انہوں نے یہ سب کیوں کیا؟'' رمشا کو جیسے تسلی سی ہو گئی تھی۔

''بس جو اُن کے دماغ میں بات آجائے، ان کی مرضی۔'' زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بتایا ہوگا کہ انہوں نے یہ مہربانی کیوں کی؟'' رمشا بولی۔

''مجھ سے خوش ہو کر یہ مہربانی کی ہے۔ میری چاہ میں ایسا کیا ہے۔ دراصل میرا کام اچھا تھا اور وہ خوش ہیں۔'' بتاتے ہوئے زین کو نگہت کی ساری باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

رمشا زین کے بالکل قریب ہوگئی اور پیار بھرے انداز میں بولی۔ ''میرا زین ہے ہی ایسا کہ سب اس سے خوش ہوجاتے ہیں۔''

''مجھے صرف تمہاری خوشی عزیز ہے۔'' زین کہہ کر آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔

جب سے زین کی ملاقات نگہت کے ساتھ ہوئی تھی اس کی باتیں اس کے دل و دماغ سے محو نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے رمشا کے سامنے کچھ بھی عیاں نہیں کیا تھا لیکن وہ اندر ہی اندر بہت پریشان ہو رہا تھا۔

زین جانتا تھا کہ نگہت حیات کی سوچ ایک عام لڑکی سے مختلف ہے۔ وہ اپنے مزاج کے خلاف ایک لفظ سننے کا حوصلہ نہیں رکھتی اور اس کا غصہ اور جنون آسمان سے باتیں کرنے لگتا تھا۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ زین گھر میں چپ چپ رہا تھا۔ بستر پر جاتے ہی اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ رمشا بھی شاید تھکاوٹ کی وجہ سے جلدی نیند آگئی ہے لیکن زین سویا نہیں تھا وہ نگہت کی باتوں کے گرداب میں اُلجھا ہوا تھا۔

رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ رمشا سو رہی تھی اور زین کی کچی نیند ٹوٹ گئی تھی۔ اس کا موبائل فون تھرتھرا رہا تھا۔ سونے سے قبل زین نے موبائل فون کی ٹون بند کر دی تھی۔ زین نے سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل فون اُٹھایا، اسکرین پر نگہت کا نمبر آرہا تھا۔

زین نے بادلِ ناخواستہ فون کو کان سے لگاتے ہوئے دبے پاؤں کمرے سے باہر کا رخ کرلیا۔

''تم سو گئے تھے زین؟'' نگہت نے زین کی ہیلو سنتے ہی خمار آلود آواز میں پوچھا۔

''جی میں سو رہا تھا۔'' زین بولا۔

''مجھے بالکل بھی نیند نہیں آرہی ہے۔ میری سوچوں اور آنکھوں کی روشنی میں صرف تم ہو۔'' دوسری طرف نگہت بولی۔ وہ اپنے کشادہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اس نے گاؤن زیب تن کیا تھا اور اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ وہ اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

''میں کیا کرسکتا ہوں؟'' زین نے کہا۔

''تم ہی تو میرے درد کی دوا ہو۔ میں نے سوچا ہے کہ ہم جلدی شادی کرلیں۔ تاکہ تم میرے پاس آجاؤ۔'' اس کی آواز نے جیسے زین کے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔

''میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔'' زین پریشان تھا کہ اس سے پہلے کہ رمشا کی آنکھ کھل جائے اور وہ خالی بستر دیکھ کر باہر آجائے۔ وہ نگہت حیات سے بات ختم کر دینا چاہتا تھا۔

''مجھ سے بات کرتے ہوئے ڈرامت کرو۔ جب میں بات کروں تو کوئی بہانہ نہیں چلنا چاہیے۔'' نگہت حیات کا لہجہ پیار بھرا تھا۔

''میں اب کوئی بات نہیں کرسکتا۔ بہتر ہے کہ فون بند کر دو۔'' زین مضطرب تھا۔

''ٹھیک ہے۔ کل میرے آفس میں بات ہوگی۔'' نگہت نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ زین کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر اس نے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ نگہت سے جان چھڑانے کے لیے نوکری چھوڑ دے تو پھر وہ کیا کرے گا؟ نوکری ملنا اور پھر اچھی نوکری ملنا کونسا آسان کام ہے۔

☆☆☆

زین جب سے نوکری کر رہا تھا، پہلی بار وہ آفس جانے سے گھبرا رہا تھا۔ نگہت کا جنون کیا شکل اختیار کر جائے اس کو خوف سا آنے لگا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ آج آفس ہی نہ جائے لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب تک چھٹی کر کے گھر بیٹھا رہے گا۔ اور اگر وہ گھر بیٹھ بھی گیا تو نگہت اس کا پیچھا نہیں چھوڑ دے گی۔ ویسے بھی روزگار چھوڑ کر وہ گھر تو نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

زین آفس پہنچا تو اس سے کچھ دیر کے بعد ہی نگہت بھی آگئی۔ حالانکہ وہ گیارہ بجے کے لگ بھگ آتی تھی۔ اس نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مسکرا کر زین کی طرف دیکھا اور اندر چلی گئی۔

زین کو دھڑکا سا لگا تھا کہ ابھی اسے وہ اپنے کمرے میں بلا لے گی۔ ایسا ہی ہوا اور بیس منٹ کے بعد نگہت نے اسے اپنے کمرے میں طلب کرلیا۔ زین اس کے کشادہ کمرے میں گیا تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھی ہولے ہولے دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میں پنسل کے دونوں سرے پکڑے ہوئے تھے پھر وہ اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے پنسل کو گھمانے لگی۔ نگہت کی نگاہیں بدستور زین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''بیٹھ جاؤ زین۔'' اس نے زین کی طرف دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

زین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ نگہت اس کی جانب دیکھتی

رہی اور پھر بولی۔ ”تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”کس چیز کا فیصلہ؟“ زین نے پوچھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ نگہت حیات کا اشارہ کس طرف ہے۔

”مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ۔“ وہ بولی۔

”آپ میری باس ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے ایسی بات نہ کریں۔“ زین نے متانت سے کہا۔

”میں تمہاری باس نہیں ہوں۔ تم میری محبت ہو اور میں تمہاری بیوی بن کر اپنے اوپر حکمرانی کا اختیار تم کو دینا چاہتی ہوں۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔“ کچھ توقف کے بعد زین بولا۔

”کیا ممکن نہیں ہے۔“ وہ بدستور اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پکڑی پنسل اس کی انگلیوں میں گھوم رہی تھی۔

”ہماری شادی نہیں ہوسکتی ہے۔“ زین نے انکار کردیا۔

”کیوں نہیں ہوسکتی ہماری شادی؟“ نگہت نے سوال کیا۔

”کیونکہ میں شادی شدہ ہوں۔ میری بیوی ہے۔ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ہم خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔“ زین نے وجہ بتائی۔

جونہی زین اپنی بات کہہ کر چپ ہوا 'کڑاک' کی آواز آئی۔ نگہت نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی پنسل کو توڑ کر دو حصوں میں منقسم کردیا تھا۔

”تم مجھ سے اس وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے کہ تمہاری بیوی ہے اور تم اس سے محبت کرتے ہو اور تمہاری زندگی خوشگوار گزر رہی ہے؟“ نگہت کے چہرے پر گہری متانت آگئی۔

”آپ خود سوچیں کہ......“

نگہت نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم مجھ سے اس وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے کہ تمہاری بیوی ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو اور ایک خوشگوار زندگی بسر کررہے ہو۔“ نگہت نے ایک بار پھر وہی الفاظ دہرا دیے۔ اس کے چہرے پر گہری متانت چھا گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے اندر غصہ بھی اُبال کھانے لگا ہو جس کا وہ اظہار نہیں کررہی تھی۔

”میں دوسری شادی نہیں کرسکتا۔ مجھے اپنی بیوی سے بہت محبت ہے۔“ زین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”یہ تمہارا فیصلہ ہے؟“ نگہت حیات نے پوچھا۔

”بالکل یہ میرا فیصلہ ہے۔ شادی کے لیے آپ کو مجھ سے بھی کہیں اچھا جیون ساتھی مل سکتا ہے۔ پلیز اپنا دیوانہ پن یہیں ختم کردیں۔“

”میں نے تم کو دیکھا تھا تو تم اسی وقت میرے دل میں بس گئے تھے۔ تم سے اچھا کوئی نہیں ہے۔ تم سے اچھا میری زندگی میں کوئی نہیں آسکتا ہے۔ تم سے اچھے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔“ نگہت حیات نے اپنی گردن اس کی طرف بڑھا کر ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کردی۔

”سوری...... میں رمشا کے ساتھ بہت خوش ہوں۔“ زین نے ہمت کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں جملہ کہا۔ وہ اس پاگل پن کو اسی جگہ ختم کردینا چاہتا تھا۔

”اب تم جاؤ۔“ اچانک نگہت نے اسے جانے کا کہہ دیا۔ زین اپنی جگہ سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔

نگہت اپنے دانت ایک دوسرے کے اوپر جما کر بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آگئی تھی۔ اچانک اسے انٹرکام کی بیل نے چونکا دیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے انٹرکام کا ریسیور اُٹھا کر کان سے لگالیا۔ دوسری طرف سے کمپنی کے باس محبوب احمد کی دھیمی اور مخموری آواز سنائی دی۔

”اگر آپ کے پاس وقت ہے تو کیا آپ میرے کمرے میں تشریف لاسکتی ہیں؟ آج میں فری ہوں اور آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔“

نگہت نے کوئی جواب نہیں دیا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھتے ہوئے بڑبڑائی۔

”تمہاری ضروری بات کیا ہے، پہلے میں یہ سن لوں۔ اپنی ضروری بات کہنے کے لیے تم مجھے تین دن سے تنگ کررہے ہو۔“

نگہت حیات اپنے کمرے سے نکل کر محبوب احمد کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اپنی کرسی پر اور بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھا مسکرا رہا تھا جس سے اُس کے چہرے کی جھریاں مزید عیاں ہورہی تھیں۔

”جی...... آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“ وہ سامنے کھڑی ہوگئی۔

”آپ بیٹھ جائیں۔“ وہ کرسی کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

نگہت کرسی پر بیٹھ گئی۔ ”مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ آپ اپنی بات ذرا جلدی کہہ دیں۔“

"دراصل یہ بات میں کئی دنوں سے کرنا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ میں آج آپ کے ساتھ ڈنر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی اپنے گھر پر۔" محبوب احمد نے کہا۔

"یہ ضروری بات تھی جو آپ کئی دنوں سے کرنا چاہتے تھے۔" نگہت کو اس کی بات سن کر غصہ سا آ گیا۔ لیکن اس نے اپنا غصہ کسی بھی طرح سے عیاں نہیں ہونے دیا تھا۔

"کیا اچھا ہو کہ وہ بات جو میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں، میں ڈنر کی میز پر آپ سے کروں۔" محبوب احمد نے کہا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ وہ بات مجھ سے ابھی کر لیں۔" نگہت حیات اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پھر ایک شرط ہوگی۔"

"وہ کیا؟"

"آپ ڈنر پر ضرور آئیں گی۔"

"آپ بات کریں۔"

بات کرنے سے پہلے وہ مسکرایا اور پھر بولا۔ "اس کمپنی میں آپ کے شیئرز ہیں اور آپ اس کمپنی کی ڈائریکٹر ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کو اس کمپنی کی مالکن بنا دوں۔" محبوب احمد کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کیا آپ سارا کاروبار میرے نام کرنا چاہتے ہیں؟" نگہت حیات نے فوراً پوچھا۔

"کاروبار ہی نہیں...... میں اپنے آپ کو بھی آپ کے نام کر دینا چاہتا ہوں۔" محبوب احمد نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟" نگہت نے جان بوجھ کر وضاحت جاننا چاہی۔

"یہ کاروبار، میرا بنگلا، بینک بیلنس کی آپ مالک بن جائیں اور مجھے اپنی زندگی کے سفر میں قدم با قدم شریک کر لیں اور ہم شریکِ حیات بن کر خوش و خرم زندگی کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔"

محبوب احمد کی بات سن کر نگہت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ پوری قوت سے چلّا کر کہے۔

"بوڑھے تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھ سے شادی کرنے کے بارے میں سوچو بھی۔ نگہت صرف زین کے پیچھے ہے۔ اسے اپنانا چاہتی ہے۔ اس کی زندگی میں اور کوئی نہیں ہے۔ کوئی نہیں آ سکتا۔ تم اس عمر میں مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ تم نے میرے اور زین کے بیچ میں آنے کی کوشش کی؟"

نگہت کی خاموشی دیکھ کر محبوب احمد نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"سوچ رہی ہوں آپ کی اس بات کا جواب کیسے دوں؟" نگہت نے اپنے اندر کے غصے کو دبا کر کہا۔

"جیسے چاہیں دے دیں۔ ہم حاضر ہیں۔" وہ مسکرا دیا۔

"میں خوشی اور غصے کا اظہار اپنے انداز میں کرتی ہوں۔" نگہت کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"آپ کو آزادی ہے جس طرح سے چاہیں اپنے غصے اور خوشی کا اظہار کریں۔" محبوب احمد رومینٹک ہو رہا تھا۔

"رات کو آپ کتنے بجے ڈنر کر لیتے ہیں؟" نگہت نے پوچھا۔

اس بات سے محبوب احمد کی باچھیں کھل گئیں۔ "جب آپ کی خواہش ہو اسی وقت ڈنر ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میں رات نو بجے آپ کے گھر ڈنر پر آؤں گی تبھی آپ کی بات کا جواب دوں گی۔" نگہت اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

محبوب احمد کا خیال تھا کہ نگہت کا ڈنر کی پیشکش کو قبول کرنا اس کی رضامندی کا اظہار ہے اس لیے اس کا چہرہ اور بھی کِھل گیا۔

"میں انتظار کروں گا۔"

نگہت نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ بکھیری اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ایک نظر بھی زین پر نہ ڈالی۔ اس وقت نگہت کے دل میں لاوا اُبل رہا تھا۔ ایک تو زین نے صاف انکار کر دیا تھا۔ دوسرے غصے کی وجہ محبوب احمد کی شادی کی پیشکش تھی جو اس نے اس عمر میں نگہت کو کی تھی۔ نگہت کی نظر میں یہ اس کی توہین تھی اور اپنی توہین کو وہ کبھی معاف نہیں کرتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد نگہت اپنے کمرے سے باہر نکلی اور بغیر کسی کی طرف دیکھے خارجی دروازے کی طرف چلی گئی۔ زین اُسے چور نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

دروازے پر بیل ہوئی تو رمشا نے چونک کر ٹی وی سے نظریں اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور تھوڑا سا دروازہ کھولا۔ سامنے نگہت کھڑی تھی۔ نگہت نے شلوار قمیص کے ساتھ گلے میں دوپٹا ڈالا ہوا تھا۔

"جی......؟" رمشا نے پوچھا۔

"میں یہاں فلیٹ دیکھنے آئی تھی۔ پیاس لگی تو آپ کے فلیٹ کی بیل دے دی۔ کیا میں اندر آ کر پانی پی سکتی ہوں۔"

نگہت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اجازت چاہی۔

حالات کے پیش نظر رمشا کا دل چاہا کہ وہ ایک اجنبی خاتون کو اپنے فلیٹ میں آنے کی اجازت نہ دے۔ جانے وہ کس نیت سے آئی تھی۔ ابھی وہ اس تذبذب میں تھی کہ نگہت نے فوراً کہا۔

”کوئی بات نہیں اگر آپ کو کوئی ڈر یا خوف ہے تو میں یہیں رک جاتی ہوں۔ آپ مجھے اسی جگہ پانی پلا دیں یا پھر میں چلی جاتی ہوں۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔“

”نہیں آپ اندر آجائیں۔“ اس کی بات سن کر رمشا نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ اندر آتے ہی اس نے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ سامنے زین اور رمشا کی تصویر آویزاں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر کھڑے مسکرا رہے تھے۔

”تشریف رکھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔“ رمشا کہہ کر کچن میں چلی گئی اور نگہت صوفے پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد رمشا ٹرے میں پانی کا جگ اور گلاس لے آئی۔ اس نے گلاس نگہت کی طرف بڑھایا۔ نگہت نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے بغور اس کی طرف دیکھا۔ رمشا خوبصورت تھی اور اس کی عمر بھی زین سے کم تھی۔

”شکریہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔“ پانی کا گلاس ختم کرنے کے بعد نگہت نے کہا۔ ”یہاں سے آگے ایک فلیٹ خالی ہے۔ میں وہی دیکھنے آئی تھی۔ میرا نام نیلم ہے۔ اور میں ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتی ہوں۔ اکیلی ہوں اس لیے مجھے چھوٹے فلیٹ کی ضرورت ہے۔“

”آپ بالکل اکیلی ہیں؟“ رمشا پاس ہی بیٹھ گئی۔

”جی ہاں بالکل اکیلی ہوں۔ اب تو اور بھی اکیلی ہو گئی ہوں۔“ نگہت نے کہہ کر سامنے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ آپ کے شوہر ہیں؟“

”جی ہاں۔“ رمشا ایک نظر تصویر کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”بہت خوبصورت ہیں آپ کے شوہر۔“ نگہت نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر فوراً بولی۔ ”میرا مطلب ہے کہ آپ دونوں کی جوڑی بہت خوبصورت ہے۔“

”جی شکریہ۔“

”میرے والدین زندہ تھے تو وہ مجھے کہتے تھے کہ شادی کرلو۔ لیکن میں رضامند نہیں ہوئی۔ آج اکیلی ہوں تو سوچتی ہوں کہ ان کی بات مان لیتی تو اچھا ہوتا۔ اب تو عمر بھی زیادہ ہو گئی ہے۔“

”آپ زیادہ عمر کی لگتی تو نہیں ہیں۔“

نگہت فوراً خوش ہو گئی۔ ”لگتی نہیں ہوں لیکن چالیس سال کے پاس پہنچ گئی ہوں۔ مجھ سے اس عمر میں بھلا کون شادی کرے گا۔“

”کوئی بھی شادی کرسکتا ہے۔ آپ خوبصورت ہیں۔ اسمارٹ ہیں اور اتنی زیادہ عمر کی بالکل بھی نہیں لگتی ہیں۔“

”ڈر ہے کہیں مجھے کوئی رد نہ کردے۔“

”مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کوئی کرے گا۔“

نگہت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہوں۔ اب میں چلتی ہوں۔ آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ بالکل میری چھوٹی بہن کی طرح۔ اگر مجھے کرائے پر فلیٹ نہ ملا تو آپ کی اجازت سے میں آپ سے ملنے آجایا کروں؟“

”آپ جب چاہیں آسکتی ہیں۔“ رمشا مسکرائی۔

”آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔“

”میرا نام رمشا زین ہے۔“ رمشا نے اپنے نام کے ساتھ زین کا نام لیا تو نگہت کو جیسے جھٹکا سا لگا ہو۔ جیسے وہ اسے برداشت نہیں کرسکی ہو کہ رمشا نے اپنے نام کے ساتھ زین کا نام کیوں لیا ہے۔ وہ زبردستی مسکرائی اور اجازت لے کر چلی گئی۔

نیچے اترتے ہی اس نے اپنی گاڑی کا رخ کیا۔

”اب دیکھنا زین میں کیا کرتی ہوں۔ تم نے مجھ سے شادی کرنے سے اس لیے انکار کیا تھا کہ تمہاری بیوی ہے۔ تم اس کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہے ہو۔ جب بیوی نہیں رہے گی تو خوشگوار زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ تب میرے ساتھ شادی نہ کرنے کا تم کیا جواز پیش کرو گے۔ میں تم سے ہر قیمت پر شادی کرکے رہوں گی۔“

نگہت کی کار سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔

☆☆☆

نگہت کو محبوب احمد نے نو بجے سے پہلے چار میسج کردیے تھے جس میں اس نے بار بار کسی رومینٹک شعر کے ساتھ ڈنر کی یاددہانی کرائی تھی۔ نگہت کے لیے محبوب احمد اذیت بن گیا تھا۔ اسے بار بار اس پر غصہ آرہا تھا۔

وہ رات نو بجے سے بھی پہلے محبوب احمد کے گھر پہنچ گئی تھی۔ اس کے سینے میں آگ جل رہی تھی۔ وہ محبوب احمد کی باتوں سے زچ ہو گئی تھی۔

محبوب احمد مضطرب سا اس کا انتظار کررہا تھا۔ جیسے ہی نگہت حیات وسیع لاؤنج میں آئی، محبوب احمد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خوشی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آج میری زندگی کا سب سے طویل دن تھا۔ بہت مشکل سے دن ختم ہوا ایسا لگتا تھا جیسے گھڑیوں کی سوئیوں نے بغاوت کردی ہو اور وقت تھم گیا ہو۔ آپ آئیں تو مجھے لگا کہ جیسے میرے بے جان جسم میں طاقت آگئی ہو۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں ڈنر پر آؤں گی۔ جو بات میں کہہ دیتی ہوں پھر وہ پوری کرکے رہتی ہوں۔" اس کے کہنے سے قبل ہی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ کے آنے سے میرا گھر جگمگا اُٹھا ہے۔" محبوب احمد اس کے پاس جاکر بولا۔

"ویسے کب سے آپ میرے لیے اپنے دل میں محبت دبائے بیٹھے ہیں؟" نگہت نے پوچھا۔

"جب میں نے دوسری شادی کی تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس عورت کے بجائے آپ سے شادی کرنی چاہیے تھی۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟" نگہت حیات نے پوچھا۔

"آپ خاص ہو...... بہت مختلف اور بہت ہی حسین۔" محبوب احمد اس میں کھو گیا۔

"میری اور آپ کی عمر میں بیس، بائیس سال کا فرق ہوگا۔" نگہت نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے؟" محبوب احمد بے پروائی سے بولا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ بوڑھے ہوچکے ہیں۔" نگہت نے کہا۔

"میرا دل بیس سال کے نوجوان کی طرح جوان ہے۔" محبوب احمد مسکرایا۔

"آپ کا دل کتنا جوان ہے، میں یہ بھی دیکھ لیتی ہوں۔" نگہت نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"دل دیکھنا چاہتی ہیں آپ؟" محبوب احمد نے سرگوشی کی۔

"فی الحال مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں کھانا کھانا چاہتی ہوں۔" نگہت نے منہ دوسری طرف کرلیا۔

"کھانا تیار ہے۔"

"پھر جلدی سے کھانا لگوادیں، میں اپنے دل میں کچھ خاص بات لے کر آئی ہوں۔" نگہت نے کچھ اس لہجے میں بات کی کہ محبوب احمد کو جسم میں چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ ایک بار پھر مسکرایا اور ملازم کو کھانا لگانے کا حکم دے دیا۔

جب کھانا لگ گیا تو ملازم نے آکر بتایا کہ کھانا لگ چکا ہے۔

ہائے رے جوانی

ایک بوڑھا شخص کہیں جارہا تھا۔ چلتے چلتے راستے میں ٹھوکر لگی اور گر پڑا۔ اس وقت اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "ہائے رے جوانی۔"

پھر جھٹ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا اور جب کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا تو دانت پیس کر بولا۔ "جوانی میں کون سے تیر مارے تھے۔"

سگھڑ

میں اپنی بیوی کے ساتھ ایک تقریب میں شرکت کے لیے گیا اور اپنے تینوں لڑکوں کو گھر چھوڑ گیا۔ واپس آیا تو تینوں بڑے اطمینان سے ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم نے شرارت تو نہیں کی؟" میری بیوی نے پوچھا۔

"نہیں۔" بڑے لڑکے نے جواب دیا۔ "میں نے سارے برتن دھو ڈالے۔"

"شاباش۔"

"اور میں نے انہیں خشک کیا۔" منجھلا بولا۔

"واہ واہ۔" میری بیوی خوشی سے بولی اور سب سے چھوٹے سے پوچھا۔ "اور بیٹا تم نے کیا کیا؟"

"میں ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے جمع کرکے باہر پھینکتا رہا۔"

جی اے خان کا ماجرا۔

بینک بیلنس

ایک صاحب جب بینک میں داخل ہوئے تو کاؤنٹر پر بیٹھے کلرک نے ان سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟"

وہ شخص بڑا حیران ہوا اور پوچھا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

کلرک نے جواب دیا۔ "آپ کا بینک بیلنس جو بڑھ رہا ہے۔"

تجمل حسین حیدری، پنڈ دادن خان

www.urdusoftbooks.com

"آیئے کھانا تیار ہے۔" محبوب احمد نے اپنا ہاتھ نگہت کی طرف بڑھایا۔ اس کی دانست میں تھا کہ نگہت اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر صوفے سے اُٹھے گی۔

"ہاتھ پکڑنے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے۔" نگہت کہہ کر اُٹھی اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر تک محبوب احمد اسی انداز میں کھڑا رہا اور پھر خود ہی مسکرا کر اس کے پیچھے چل پڑا۔

بڑی سی ڈائننگ ٹیبل مختلف قسم کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی جس میں نگہت کی پسند کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ نگہت حیات نے پُرسکون انداز میں کھانا کھایا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کر لیے۔

"کیا ہوا......؟" محبوب احمد نے فوراً پوچھا۔

"میں اتنا ہی کھاتی ہوں۔" نگہت بولی۔

"ابھی تو آپ نے کچھ نہیں کھایا۔" محبوب احمد اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے نگہت اپنی جگہ سے اُٹھی اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کا بیڈروم کس طرف ہے؟"

محبوب احمد نے بھی اسی وقت اپنا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا اور نیپکن سے ہاتھ اور منہ صاف کر کے کھڑا ہو گیا۔

"میرے ساتھ آجائیں۔"

محبوب احمد اُسے اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گیا۔ وہ کمرا کشادہ تھا اور ایک ڈبل بیڈ اور سامنے ایک بڑی سی ایل ای ڈی نصب تھی۔ اور کمرے میں ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں بڑے قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ نگہت نے کمرے کا جائزہ لیا اور چلتی ہوئی باتھ روم کے دروازے تک چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کشادہ باتھ روم میں نہانے کا ٹب بھی تھا۔ نگہت دروازہ بند کر کے محبوب احمد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"آپ جانتے ہیں میں آج کتنی ڈسٹرب ہوں۔"

"کس بات سے ڈسٹرب ہیں آپ؟" محبوب احمد نے اس کی طرف دیکھا۔

نگہت نے اپنے ہاتھوں سے محبوب احمد کی ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ زین کو جانتے ہیں؟"

"ہاں جانتا ہوں۔ وہی زین جو ہماری کمپنی میں کام کرتا ہے۔" محبوب احمد نے کہا۔ نگہت اس کی ٹائی کی گرہ کھول چکی تھی۔

"زین جیسا خوبصورت، ہینڈسم اور پُرکشش کوئی نہیں ہے۔ میں زین سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔" نگہت کی سرگوشی میں نشہ تھا۔

یہ سنتے ہی محبوب احمد کی مسکراہٹ یکدم معدوم ہو گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ وہ زین جو ہمارا ملازم ہے آپ اس سے محبت کرتی ہیں؟"

"اس سے میں بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو میرے اور زین کے بیچ میں آئے گا وہ زندہ نہیں بچے گا۔ تم زین کی جگہ لینا چاہتے ہو، یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ اس سے پہلے کہ تم مجھے آئندہ بھی اپنانے کے لیے بار بار تنگ کرو اور ہم دونوں کے بیچ میں آؤ، میں تمہارا قصہ ہی ختم کر دیتی ہوں......" نگہت نے کہتے ہی اس سرعت سے محبوب احمد کے گلے میں لٹکتی ٹائی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھما کر اس کے گلے کے گرد حائل کیا اور اس کی پشت کی طرف جا کر محبوب احمد کے گلے کے گرد ٹائی کی گرفت مضبوط کر دی کہ محبوب احمد کی سانس رکنے لگی اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے مزاحمت کرنے لگا۔

نگہت کی گرفت اور بھی مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ محبوب احمد کی آنکھیں اُبل آئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے نگہت میں محبوب احمد سے زیادہ طاقت ہے۔ ویسے بھی محبوب احمد ساٹھ سال کا بوڑھا شخص تھا۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ محبوب احمد کا جسم بے جان ہونے لگا۔ اس کی قوتِ مزاحمت ختم ہونے لگی اور وہ بے جان ہو گیا۔ نگہت کو جب تسلی ہو گئی کہ محبوب احمد مر چکا ہے تو اس نے اسے چھوڑ دیا۔ محبوب احمد کا بے جان جسم فرش پر گر گیا۔

نگہت نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنے ہاتھ صاف کیے اور نفرت سے بولی۔ "تم کو ہمارے درمیان نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم ہمارے درمیان آئے اور اپنے انجام کو پہنچ گئے......رمشا بھی ہمارے درمیان ہے۔ اُسے بھی اپنے انجام کو پہنچنا ہے......"

نگہت نے محبوب احمد کی ٹانگ پکڑی اور اُسے کھینچتی ہوئی باتھ روم کے اندر لے گئی۔ اس نے جیسے تیسے محبوب احمد کی لاش ٹب میں الٹادی اور پانی کا نل کھول دیا۔ جب ٹب بھر گیا تو اس نے نل بند کر دیا۔ محبوب احمد کی لاش پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

نگہت باتھ روم سے باہر نکلی اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے اپنا حلیہ ٹھیک کیا۔ جہاں جہاں اس کے ہاتھ لگے تھے، وہ کپڑے سے صاف کیے اور ٹی وی آن کر دیا۔ اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ لاؤنج سے گزری تو ملازم ڈائننگ ٹیبل صاف کر رہا

تھا۔ اس نے ملازم سے ایک گلاس پانی مانگا اور اطمینان سے پانی پینے کے بعد ملازم سے بولی۔

”تمہارے صاحب کو مہمان نوازی کا سلیقہ نہیں ہے۔ مہمان کو دروازے تک چھوڑنا چاہیے۔ وہ خود مزے سے ٹی وی دیکھ رہے ہیں اور میں اجازت لے کر باہر آگئی ہوں۔“

ملازم کیا کہہ سکتا تھا۔ اس لیے چپ رہا اور پانی کا خالی گلاس لے کر کچن کی طرف چلا گیا۔

وہ اطمینان سے چلتی ہوئی اپنی کار تک پہنچی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور نگہت اپنی کار بنگلے سے باہر لے گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن آفس میں یہ خبر سب پر بجلی بن کر گری کہ محبوب احمد اپنے گھر کے باتھ روم میں مردہ پائے گئے۔ شاید ابھی محبوب احمد کی موت کا کسی کو علم نہ ہوتا اگر ان سے ملنے کے لیے ان کی پہلی بیوی کا بیٹا گھر نہ آتا۔

آفس میں یہ خبر سن کر سبھی پریشان اور دم بخود تھے، لیکن نگہت کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے یہ پتا چلتا کہ اسے محبوب احمد کی اچانک موت کا تاسف ہوا ہے۔

کچھ دیر کے بعد آفس کا ماحول پھر نارمل ہو گیا۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نگہت اپنے کمرے سے نکل کر چلی گئی۔ اس نے گھر جا کر کپڑے تبدیل کیے اور سیدھی زرین کے فلیٹ ... پہنچ گئی۔ ابھی وہ فلیٹ کی طرف جا ہی رہی تھی کہ نگہت نے دیکھا کہ رمشا اپنے فلیٹ سے نکل کر دروازہ مقفل کر رہی تھی۔ نگہت تیزی سے اس کے پاس چلی گئی۔

”السلام علیکم......“

رمشا نے چونک کر دیکھا تو اس کے قریب نگہت کھڑی تھی جس نے اپنا نام نیلم بتایا تھا۔

”ارے آپ......“ رمشا مسکرائی۔

”فلیٹ کی چابی لینے آئی تھی۔“ نگہت نے بتایا۔

”آپ نے فلیٹ لے لیا کرائے پر؟“ رمشا نے پوچھا۔

”ہاں بات ہو گئی ہے۔ اب میں بھی آپ کی پڑوسن بن جاؤں گی۔“ نگہت نے کہا۔ ”آپ کہیں جا رہی ہیں؟“

”میں ذرا مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔ آئیں اندر بیٹھتے ہیں۔ آج میں آپ کو اچھی سی چائے پلاتی ہوں۔“

”نہیں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے بھی جلدی ہے۔“ نگہت نے جلدی سے کہا۔

رمشا اس کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں ساتھ ہی نیچے آئیں۔ نگہت جیسے ہی اپنی کار کے پاس پہنچی تو رمشا سے بولی۔

”آجائیں رمشا میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔“

رمشا اتنی قیمتی کار دیکھ کر تھوڑی حیران ہوئی کہ جس کے پاس اتنی قیمتی کار ہے اُسے فلیٹ کرائے پر لینے کی کیا ضرورت ہے اور پھر اس نے بتایا تھا کہ وہ جاب کرتی ہے اور جاب کرنے والی خاتون کے پاس اتنی قیمتی کار......؟

”کوئی بات نہیں میں چلی جاؤں گی۔“ رمشا نے مسکرا

کر انکار کرنا چاہا۔

"آجاؤ رمشا تکلف کیوں کر رہی ہو۔" نگہت نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ رمشا اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ نگہت دل ہی دل میں مسکرائی کہ پنچھی خود صیاد کے پنجرے میں آ گیا ہے۔

نگہت فوراً ہی مین سڑک پر آ گئی۔ رمشا نے دائیں بائیں دیکھا اور کہا۔

"مجھے قریب ہی مارکیٹ میں جانا تھا۔ آپ آگے لے آئی ہیں۔"

"اب آپ میرے ساتھ آ ہی گئی ہیں تو تھوڑا گھومتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔" نگہت نے کار کی رفتار اور بھی تیز کر دی۔

"مجھے دوپہر کا کھانا تیار کرنا ہے اس لیے میں زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتی۔" رمشا نے اپنی مجبوری بیان کی۔ اسے خوف آ رہا تھا وہ سوچنے لگی کہ کسی اجنبی کے ساتھ اس طرح بے تکلف ہونا ٹھیک بات نہیں ہے۔

"مجھے وہ لوگ اچھے نہیں لگتے جو اپنی زندگی کو گھڑیوں کی سوئیوں میں قید کر کے سانس لیتے ہیں۔ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان سوئیوں کی قید سے نکلنا پڑے گا۔"

"ہماری چھوٹی سی دنیا ہے اور ہم اسی میں خوش ہیں۔" رمشا نے کہا۔

"تم اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہو؟" نگہت نے پوچھا۔

"وہی تو میری کُل کائنات ہیں۔" رمشا نے جواب دیا۔

نگہت نے کار کی رفتار ایسے بڑھائی جیسے وہ اس کی یہ بات برداشت نہیں کر سکی ہو۔ "ہاں زین خوبصورت بھی تو بہت ہے۔"

رمشا نے چونک کر نگہت کی طرف دیکھا۔ "آپ نے زین کو کب اور کہاں دیکھا ہے؟"

"تمہارے گھر میں.....تم دونوں کی جو تصویر لگی ہوئی ہے وہاں دیکھا ہے۔" نگہت نے فوراً کہا۔

اچانک ایک پوش علاقے کے بڑے سے گھر کے سامنے کار رکی تو نگہت حیات نے ہارن دیا۔

"آپ مجھے کہاں لے آئی ہیں؟" رمشا نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔ "مجھے ابھی واپس جانا ہے۔"

"بس دس منٹ......" نگہت نے کہہ کر پھر ہارن بجایا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ کار اندر لے گئی اور چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا۔

رمشا چاروں طرف کا جائزہ لینے لگی۔ وسیع پورچ کے ساتھ ایک چھوٹا سا لان تھا۔ نگہت نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے رمشا سے کہا۔ "باہر آ جاؤ۔"

رمشا ڈرتے ڈرتے باہر نکل آئی۔ نگہت مین دروازے کی طرف بڑھی تو رمشا کے قدم بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑے۔ نگہت بتانے لگی۔

"یہ میرا گھر ہے۔ میرا ذاتی گھر....." رمشا سوچ رہی تھی کہ اگر یہ اس کا گھر ہے تو پھر یہ کرائے پر فلیٹ کیوں لے رہی تھی۔ رمشا اس کے پاس پہنچ گئی۔ نگہت نے اشارہ کیا کہ وہ اندر آ جائے۔ رمشا نے مین دروازہ عبور کیا تو چھوٹی سی راہداری تھی اور سامنے ٹی وی لاؤنج تھا۔

"تم بیٹھو میں ابھی آئی۔"

نگہت کہہ کر چوکیدار کے پاس چلی آئی۔ "میں چند دن اپنی دوست کے ساتھ اس گھر میں رہوں گی۔ تم اپنا سامان پیک کر کے ایک ہفتے کی چھٹی پر چلے جاؤ۔"

نگہت اُسے حکم دے کر اندر آ گئی جبکہ چوکیدار جو اس گھر میں چوبیس گھنٹے اکیلا ہی ڈیوٹی دینے والا ملازم تھا، وہ یہ سنتے ہی جانے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ اس نوکری سے اتنا زچ تھا کہ خود سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ اب جو اُسے جانے کی اجازت ملی تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ گھر کی صفائی کے لیے ایک ملازمہ تھی جو صبح آتی تھی اور صفائی کر کے چلی جاتی تھی۔ جبکہ نگہت کا کھانا اکثر باہر سے ہی آتا تھا اور کبھی وہ خود کچن میں چلی جاتی تھی۔ اس نے پڑھائی کے دوران میں بھی ہاسٹل میں زندگی گزاری تھی اور اب بھی وہ آزاد اپنی مرضی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ چوکیدار نے اپنا مختصر سا سامان لیا اور پیسے لے کر چلا گیا۔

"یہ آپ کا گھر ہے تو پھر آپ کرائے پر گھر کیوں لے رہی ہیں؟" جب نگہت..... اندر آئی تو رمشا نے اپنا ابہام دور کرنے کے لیے پوچھ ہی لیا۔

"وہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔" نگہت نے بلا تامل کہا۔

"جھوٹ کیوں بولا تھا؟" رمشا کو حیرت ہوئی۔

"تم سے تعلق بڑھانے کے لیے۔" نگہت نے کہا۔

"مجھ سے تعلق کیوں بڑھانا چاہتی ہیں آپ؟" رمشا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

نگہت کے رویّے میں تغیر آ گیا اور اس کے چہرے پر سختی نمودار ہو گئی۔ اس نے رمشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کہ تم میرے اور زین کے بیچ رکاوٹ ہو۔"

رمشا کا دل زور سے دھڑکا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' رمشا گھبرا گئی اور متوحش نگاہوں سے نگہت ۔۔۔ کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں نگہت حیات ہوں۔'' اس نے اپنا نام بتایا۔ اس کے چہرے پر سختی عود کر آگئی۔

رمشا بولی۔ ''آپ نے تو اپنا نام نیلم بتایا تھا۔''

''وہ جھوٹا نام تھا۔ میں نگہت حیات ہوں۔ زین میری کمپنی میں کام کرتا ہے۔ وہ مجھے جنون کی حد تک پسند ہے۔ میں اُسے چاہتی ہوں، پسند کرتی ہوں۔ میں اسے اپنانا چاہتی ہوں، جب یہ بات میں نے زین سے کی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی ہے، وہ اس کے ساتھ خوش ہے۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نہ تم رہو گی اور نہ وہ یہ کہہ سکے گا کہ اس کی ایک بیوی ہے اور وہ اس کے ساتھ خوش ہے۔ تمہارا قصہ ختم ہو جائے گا اور ہم ایک ہو جائیں گے۔'' نگہت کا لہجہ درشت تھا۔

اس کی بات سن کر رمشا کے چہرے پر گہرا خوف عیاں ہو گیا تھا۔ وہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''میں تم کو مار دینا چاہتی ہوں۔'' نگہت نے بڑی آسانی سے کہہ دیا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتیں۔'' رمشا اور بھی ڈر گئی۔ اس کا گلا خشک ہونے لگا۔

''میرے لیے یہ کرنا مشکل نہیں ہے۔'' نگہت حیات دو قدم اس کی طرف بڑھی۔ ''زین کی جگہ لینے کے لیے محبوب احمد خواب دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اسے مار دیا۔ تم میری جگہ لے چکی ہو اور تمہارے مرنے سے وہ جگہ خالی ہو گی۔ اس لیے میں تم کو مار دوں گی۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ مجھے زین کے پاس جانے دو۔'' رمشا ڈرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہی تھی اور وہ دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا چہرہ خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔ نگہت حیات اس کی طرف بڑھتی ہوئی بالکل اس کے سامنے آگئی اور اس نے ایک جھٹکے سے اس کے بال پکڑ لیے۔

''زندگی بہت پیاری ہے؟''

''مجھے زین کے پاس جانے دو۔ مجھے مت مارو۔ میں جینا چاہتی ہوں۔'' رمشا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

''اگر جینا چاہتی ہو تو میرے ساتھ ایک سودا کر لو۔'' نگہت نے اس کے بال چھوڑ دیے۔

''کیسا سودا کرنا چاہتی ہو؟''

''میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ تم کو کچھ نہیں کہوں گی۔ تم زین سے کہو کہ وہ تمہیں طلاق دے دے۔'' نگہت نے شرط بتائی۔

''نہیں، میں ایسا نہیں کہوں گی۔'' رمشا نے جلدی سے انکار کر دیا۔

''پھر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' نگہت نے دانت پیسے۔

''میں زین کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' رمشا چلائی۔

ٹیسٹ

ایک صاحب دفتر سے آئے اور بریف کیس ایک طرف پھینک کر تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔

''خیریت تو ہے؟'' بیوی نے پوچھا۔

''آج میں نے یونہی شغل کے طور پر دفتر میں کمپیوٹر پر اپنی قابلیت کا ٹیسٹ دیا کہ میں کس پوسٹ کا اہل ہوں۔ کمپیوٹر نے جواب دیا کہ مجھے تو اس کمپنی میں چپراسی کے طور پر بھی ملازمت نہیں مل سکتی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ کمپنی کے مالک ہیں۔'' بیوی نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

کوہاٹ سے سید زاہد علی شاہ کا انکشاف

سیلز ٹاک

جوتوں کی دکان کا سیلز مین ایک گاہک کو جوتوں کی ایک خاص جوڑی خریدنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لیکن یہ مجھے بہت تنگ ہیں اور آگے سے نکیلے بھی ہیں۔'' گاہک نے احتجاج کیا۔

''اس سال ایسے ہی جوتوں کا فیشن چل رہا ہے سر۔'' سیلز مین نے رٹا رٹایا جملہ دہرایا۔

''لیکن میرے پاؤں برسوں پرانے فیشن کے ہیں۔'' گاہک نے متانت سے جواب دیا۔

شکار پور سے کاشف خان کا معاملہ

"اور میں زین کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ٹھیک ہے میں ایک کام اور کرتی ہوں۔تمہاری زندگی کی قیمت زین سے وصول کرکے تمہیں آزاد چھوڑ دیتی ہوں۔ اگر زین نے طلاق دے دی تو میں چھوڑ دوں گی اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو میں تمہاری زندگی کا خاتمہ کردوں گی۔" نگہت نے سوچنے کے بعد کہا۔"تمہاری زندگی بچانے کے لیے وہ تمہیں طلاق دے دے گا اور میں اس سے شادی کرلوں گی۔"

رمشا مین دروازے کی طرف بھاگی۔اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن نگہت نے دروازہ لاک کیا ہوا تھا۔وہ چلّائی۔

"بچاؤ...... مجھے بچاؤ......"

اچانک نگہت .... نے کوئی سخت چیز رمشا کے سر پر ماری اور رمشا کی آواز گلے میں ہی دب گئی اور وہ بے ہوش ہوکر فرش پر گرگئی۔نگہت اطمینان سے گھسیٹ کر کمرے تک لے آئی اور دروازہ زور سے بند کردیا۔

نگہت نے اپنا موبائل فون نکال کر ایک نمبر ملایا اور موبائل فون کان سے لگالیا۔تھوڑی دیر کے بعد جیسے ہی رابطہ ہوا، اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی اور اسی وقت میرے گھر پہنچو......"

نگہت نے فون بند کیا اور کچن میں چلی گئی۔اس نے پانی پیا، اور دائیں بائیں ٹہلتی ہوئی انتظار کرنے لگی۔بیس منٹ کے بعد بیل ہوئی، اس نے جاکر گیٹ کھولا تو ایک آدمی اندر آیا۔

وہ آدمی پچاس سال کی عمر کا تھا۔اس کے سر کے بالوں میں ایک طرف مانگ نکلی ہوئی تھی اور بالوں میں سفیدی عیاں تھی۔ چہرے پر چھوٹی مونچھیں اور اس نے ٹائی کے ساتھ کوٹ پہنا ہوا تھا۔نگہت کے کہنے پر وہ اپنی لوڈر ویگن اندر لے آیا تھا۔

نگہت اسے اپنے ساتھ اس کمرے میں لے آئی جہاں رمشا بے ہوش پڑی تھی۔

"اسے اُٹھا کر لے جاؤ اور ایسی جگہ رکھو کہ اس تک کوئی پہنچ نہ سکے۔اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا۔جب تک میں نے کہوں اسے کسی چیز کی تکلیف نہ ہو۔اور جب میرا حکم ملے تو پھر اگلے لمحے اس کی سانسوں کی مالا ٹوٹ کر بکھر جانی چاہیے۔"

"جو آپ کا حکم۔" اس نے فوراً کہا۔

اُس آدمی نے رمشا کو اپنے کندھے پر اُٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔باہر نکلتے ہی نگہت نے اپنے ہینڈ بیگ سے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھادیے۔اس نے نوٹ جیب میں ڈالے اور باہر چلا گیا۔

اس کی ویگن میں کیبن بنا ہوا تھا۔اس نے وین کا پچھلا دروازہ کھولا اور رمشا کو اندر لیٹا دیا۔اس نے رسّی سے اس کے ہاتھ باندھے اور منہ پر ٹیپ چڑھا دی۔ اس نے ویگن کا دروازہ بند کیا تو نگہت نے اسے ہدایت دی۔

میرے حکم تک یہ تمہاری مہمان ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"جو آپ کا حکم ہوگا وہی ہوگا۔" اس نے تابعداری سے کہا اور ویگن باہر لے گیا۔نگہت نے گیٹ بند کیا اور گنگناتی ہوئی اندر کی طرف چل دی۔اس کے گنگنانے کی آواز اونچی ہوتی جارہی تھی۔اس کے چہرے سے لگتا تھا جیسے اس نے قتل اور اغوا جیسا کوئی کام ہی نہ کیا ہو۔

☆☆☆

دن کے ساڑھے چار کا وقت تھا جب نگہت اپنے آفس میں پہنچی۔اس کی آمد سے پہلے پولیس انسپکٹر الیاس اپنے دو اہلکار کے ساتھ وہاں پہلے سے موجود تھا...... اس نے نگہت کو کچھ دیر قبل فون کرکے پوچھا تھا کہ وہ اس کے آفس میں ہے اور وہ کب آرہی ہے۔نگہت نے کہا تھا کہ وہ راستے میں ہی ہے، وہ آرہی ہے۔

نگہت نے اپنے کمرے میں جاتے ہی انسپکٹر الیاس اور اس کے دو اہلکاروں کو بلالیا۔

بیٹھنے کے بعد انسپکٹر نے بات شروع کی۔"مجھے آپ سے کچھ سوال کرنے تھے میم......"

"آپ مجھے مس نگہت کہہ سکتے ہیں۔" نگہت نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

اوکے مس نگہت...... اس کمپنی کے مالک محبوب احمد کو رات قتل کردیا گیا تھا۔پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اُن کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔ملازمین سے ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ آپ نے اس رات ان کے ساتھ ڈنر کیا تھا۔" انسپکٹر الیاس نے کہا۔

"میں اس سے پہلے بھی کئی بار اُن کے ساتھ ڈنر کرچکی ہوں۔میں اس کمپنی کی ڈائریکٹر ہوں۔ہم ایک دوسرے کی طرف آتے جاتے رہے ہیں۔ہم دونوں میں دوستی کا رشتہ بھی تھا۔" نگہت حیات نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

انسپکٹر نے پوچھا۔"ڈنر میں آپ کے ساتھ کوئی اور بھی شامل تھا؟"

"صرف ہم دو تھے۔ مجھے کسی اہم مسئلے پر اُن سے

بات کرنی تھی تو ڈنر کا وقت ہو گیا تھا اور ہم نے ایک ساتھ کھانا کھایا، کچھ دیر باتیں کیں اور میں واپس آ گئی تھی۔" نگہت اپنی کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آپ اُن کے کمرے میں بھی گئی تھیں؟" انسپکٹر الیاس نے سوال کیا۔

"ایک فائل ان کے بیڈروم میں تھی۔ ہم نے اس فائل کو دیکھا اور پانچ منٹ کے بعد میں ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ ٹی وی پر ان کی پسند کا ٹاک شو آ رہا تھا وہ اس پروگرام کو دیکھنے میں ایسے مصروف ہوئے کہ مجھے دروازے تک بھی چھوڑنے نہیں آئے تھے۔" نگہت سمجھ گئی تھی کہ انسپکٹر الیاس گھر کے تمام ملازمین سے پوچھ گچھ کر کے آیا ہے۔

"جب آپ ان کے کمرے سے باہر آ گئی تھیں تو پھر وہ کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے۔ اس کے بعد ان کی پہلی بیوی کا بیٹا آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے باتھ روم میں مردہ حالت میں پڑے ہیں۔"

"میرے جانے کے بعد کیا ہوا مجھے علم نہیں ہے۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ ان کی دونوں سابقہ بیویوں کے ساتھ ان کا کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ شاید حق مہر کا معاملہ تھا اور ان کی پہلی بیوی کی اولاد نے ان پر جائداد میں حصہ لینے کا مقدمہ بھی کر رکھا تھا۔"

"یہ باتیں میرے علم میں ہیں۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ ان کی پہلی بیوی نے مقدمہ کیا تھا جبکہ ان کی اولاد اس مقدمے کے بجائے افہام و تفہیم سے معاملے کا حل چاہتی تھی اور ان کا بیٹا اپنی والدہ پر زور دے رہا تھا کہ وہ مقدمہ واپس لے لیں۔" انسپکٹر الیاس بولا۔

"کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ہوگا جیسا آپ نے سنا ہے؟" نگہت نے انسپکٹر الیاس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میں کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔" انسپکٹر الیاس نے کہا۔

"آپ تفتیش کیجیے۔ لیکن محبوب احمد مجھے بتا رہے تھے کہ ان کا بیٹا ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔ وہ ماں کے ساتھ بھی ہے اور مجھے بھی وہ پچکارتا رہتا ہے۔" نگہت نے بتایا۔

"ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن گھر کے ملازمین بتا رہے تھے کہ آپ کے جانے کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ان کا بیٹا حامد آیا تھا اور وہ ان سے ملنے جب ان کے بیڈروم میں گیا... تو ٹھیک پانچ منٹ کے بعد وہ کمرے سے بھاگتا ہوا آیا... اور ملازم کو آواز دی۔ ملازم بھاگتا ہوا ان کے پاس پہنچا تو محبوب احمد پانی کے بھرے ٹب میں مردہ حالت میں پڑے تھے۔"

"میرے جانے کے بعد وہاں کیا ہوا، کون آیا اور کب آیا مجھے بالکل بھی علم نہیں ہے۔ جب میں ان کے کمرے سے باہر آئی تھی تو وہ زندہ تھے اور سلامت تھے۔ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھے پروگرام دیکھ رہے تھے جو انگلش چینل پر آ رہا تھا۔"

"کیا آپ مجھے کچھ اور بتا سکتی ہیں جس کی مدد سے میں قاتل تک پہنچ سکوں۔"

"مثلاً آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"کوئی ایسی بات جو آپ کے علم میں ہو اور میرے لیے جان کر اس کیس کو حل کرنا آسان ہو جائے۔"

نگہت سوچنے لگی اور پھر بولی۔ "اگر کچھ یاد آیا تو میں آپ کو بتاؤں گی۔ آپ جب چاہیں مجھ سے بات کر سکتے ہیں۔ محبوب احمد کا قاتل گرفتار ہوگا تو مجھے بھی خوشی ہوگی۔ آخر محبوب احمد ہماری کمپنی کے مالک اور بہت اچھے انسان تھے۔ ابھی آپ نے بتایا تھا کہ ان کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے تو یہ کام کس کا ہو سکتا ہے؟"

"اس بارے میں تفتیش جاری ہے۔ تمام ملازمین اور حامد کے بیانات لے لیے ہیں۔ میں اب چلتا ہوں، بہت شکریہ۔" انسپکٹر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کمرے سے چلا گیا۔ ان کے جاتے ہی نگہت نے زہریلی سی مسکراہٹ عیاں کی۔

☆☆☆

زین نے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر گھنٹی پر اپنی انگلی رکھی اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب دروازہ نہ کھلا تو اس نے پھر بیل دی۔ انتظار کے بعد بھی جب دروازہ نہ کھلا تو اس نے اپنی جیب سے دوسری چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ سارا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب رمشا فلیٹ سے گئی تھی تو دن کا اجالا تھا۔ اور اب شام ہو چکی تھی۔ اندھیرا چھا گیا اور سارا فلیٹ کوئی لائٹ روشن نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

زین نے لائٹ جلائی اور آواز دی۔ "رمشا...... رمشا! کہاں ہو......"

زین ہر کمرے میں جاتا رہا اور لائٹ جلاتا رہا۔ اس نے سارا فلیٹ روشن کر دیا تھا اور ایک ایک جگہ دیکھ لی تھی لیکن رمشا کہیں بھی نہیں تھی۔ زین کو پریشانی ہونے لگی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور رمشا کا نمبر نکال کر پش کر دیا۔ فوراً ہی بیل جانے لگی۔ رمشا کے موبائل فون کی بیل

کی آواز کچن سے آنے لگی اور وہ کچن کی طرف چلا گیا۔
سامنے شیلف پر رمشا کا موبائل فون پڑا تھا۔ وہ محض نزدیکی مارکیٹ تک جا رہی تھی اس لیے اس نے موبائل فون کچن میں ہی چھوڑ دیا تھا۔
''رمشا کہاں چلی گئی ہے......؟'' زین کی پریشانی دو چند ہوگئی تھی اور وہ سوچنے لگا۔ رمشا کسی ہمسائے کی طرف شاذ ہی جاتی تھی اور اگر کبھی گئی بھی تھی تو وہ اتنا وقت نہیں لگاتی تھی۔
پھر بھی زین نے اس ہمسائے کے فلیٹ کی بیل دے دی جس کی طرف وہ کبھی کبھار چلی جایا کرتی تھی اور وہ اس کی تقریباً ہم عمر تھی۔
''جی وہ رمشا تو تو ادھر نہیں آئی؟'' جونہی اس خاتون نے تھوڑا سا دروازہ کھولا زین نے پوچھا۔
''نہیں وہ میری طرف تو نہیں آئی لیکن وہ کسی کے ساتھ جا رہی تھی۔'' اس نے بتایا۔
''کس کے ساتھ جا رہی تھی؟'' زین نے جلدی سے پوچھا۔
''میں نے اپنی امی کی طرف جانے کے لیے ابھی دروازہ کھولا ہی تھا کہ میری نظر پڑی تو وہ ایک خاتون کے ساتھ لفٹ کی طرف گئی تھی۔ جب تک میں اپنا فلیٹ لاک کر چکی تو لفٹ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔''
''اس خاتون کو پہلے بھی آپ نے ہمارے ہاں دیکھا تھا۔'' زین نے چونک کر پوچھا۔
''میں تو ان کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔''
''دیکھنے میں کیسی خاتون تھیں؟''
''وہ اسمارٹ سی تھیں اور ان کے سر کے بالوں کی لٹ ماتھے سے نیچے گر رہی تھی۔'' جونہی اس نے بتایا زین یکدم چونکا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نگہت کا چہرہ آ گیا تھا۔ اکثر اس کے بالوں کی لٹ ماتھے پر ہوتی تھی۔ زین نے شکریہ ادا کیا اور بولا۔
''میں سمجھ گیا وہ ہماری عزیزہ ہی ہیں۔''
زین فوراً اپنے فلیٹ میں چلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے جو حلیہ بتایا ہے، وہ نگہت کا ہی ہے۔ وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی۔ اور رمشا کو وہ کہاں لے گئی ہے؟ زین کو یہ خیال بھی آیا، ممکن ہے کہ وہ نگہت ...... نہ ہو، بلکہ کوئی اور ہو۔
زین نے اپنے موبائل فون سے نگہت...... کا نمبر ملایا اور موبائل فون کان سے لگا لیا۔ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن نگہت فون اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ زین نے پھر کوشش کی...... تیسری کوشش پر نگہت کی آواز آئی۔
''ہیلو......''
''میں زین بول رہا ہوں......'' وہ بولا۔
''ہاں بولو زین، میری جان کیسے ہو تم۔'' نگہت نے پیار بھرے انداز میں کہا۔
''تم میرے فلیٹ پر آئی تھیں؟''
''ہاں آئی تھی۔''
''رمشا کو کہاں لے کر گئی ہو؟''
''مجھے رمشا کو کہاں لے کر جانا ہے؟''
''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم رمشا کو لے کر گئی ہو کہاں لے کر گئی ہو مجھے بتاؤ۔'' زین تیزی سے بولا۔
''میں اس وقت شیبا پارک کے ساتھ جو ریسٹورنٹ ہے وہاں بیٹھی ہوں۔ تم جلدی سے یہاں آ جاؤ۔ بیٹھ کر بات کرتے ہیں، محبوب احمد کی کل تدفین ہے۔ اسی کے گھر سے ہو کر آ رہی ہوں۔'' نگہت نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ زین اسی وقت اپنے فلیٹ سے باہر نکلا اور نیچے جاتے ہی اپنی کار میں بیٹھا اور شیبا پارک کی طرف چل پڑا۔
اس ریسٹورنٹ میں نگہت پُرسکون ایک میز پر براجمان مینگو جوس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ زین ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو اس کی متلاشی نگاہوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کی میز کی طرف چلا گیا۔
نگہت اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اور اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔
''رمشا کہاں ہے؟'' زین بیٹھنے کے بجائے بولا۔
''بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں تمہارے لیے بھی جوس منگواتی ہوں۔'' زین کے چہرے پر جو پریشانی اور اضطراب عیاں تھا اس کی نگہت ...... کو کوئی پروا نہیں تھی۔
''میں یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا۔ مجھے بتاؤ کہ رمشا کہاں ہے۔'' زین نے اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور نگہت حیات کی طرف جھکا۔
نگہت نے جوس کا گلاس اُٹھایا اور ایک گھونٹ لینے کے بعد دائیں بائیں نظر دوڑائی اور بولی۔ ''دیکھو لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ کیا سمجھیں گے۔ بہتر ہے کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔''
بادلِ ناخواستہ زین اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ نگہت ...... نے ویٹر کو اشارے سے بلایا اور اسے ایک جوس لانے کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر چلا گیا۔
''تم وقت ضائع کر رہی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ رمشا کہاں ہے۔'' مضطرب زین نے پھر سوال کیا۔

''اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رمشا کہاں ہے، مجھے اس کا پتا نہیں ہے۔'' نگہت نے جواب دیا۔

''تم میرے فلیٹ میں آئی تھیں اور اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ کہاں چھوڑ آئی ہو رمشا کو۔''

''وہ مارکیٹ جارہی تھی۔ میرے ساتھ نیچے آئی اور مارکیٹ چلی گئی جبکہ میں آفس چلی گئی۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

نگہت نے اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا اندر سے ایک بڑی چابی نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دی اور کہا۔

''یہ میرے گھر کی چابی ہے۔ اس وقت وہاں کوئی ملازم نہیں ہے۔ چابی لو اور میرے گھر کا کونا کونا چھان مارو۔ رمشا وہاں ہوئی تو اسے لے جانا، جب تک تمہاری فون کال نہیں آئے گی، میں اسی جگہ بیٹھی رہوں گی۔''

زین نے ایک نظر اپنے سامنے پڑی چابی کی طرف دیکھا اور پھر نگہت کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا اطمینان بتا رہا تھا کہ رمشا اس کے گھر میں نہیں ہے۔ نگہت اس وقت بھرپور پُراعتماد تھی کہ جھوٹ کا گمان بھی نہ ہو۔

''تم نے رمشا کو کہیں اور رکھا ہوگا۔'' زین کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

''میں نے اُسے کہیں اور نہیں رکھا۔ مجھے اسے کہاں لے کر جانا ہے۔ تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو۔ جس بلڈنگ میں تم رہتے ہو اسی بلڈنگ میں میرا بھی ایک فلیٹ ہے جو میں نے کرائے پر دیا تھا اور چند دن پہلے خالی ہوا ہے، میں اسے دیکھنے گئی تھی، میں تمہاری بیوی سے کبھی ملی بھی نہیں ہوں اور اسے جانتی بھی نہیں ہوں۔'' نگہت نے کہا۔

''تم نے ابھی کہا تھا کہ تم نے اسے مارکیٹ تک چھوڑا تھا۔'' زین نے کہا۔

''وہ میں نے مذاق میں کہہ دیا تھا۔'' نگہت بولی۔

''تم بتاتی ہو کہ میں پولیس سے رابطہ کروں۔'' زین نے دھمکی دی۔

اس دوران ویٹر جوس لے آیا اور اس کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ زین کی دھمکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ جوس کے گھونٹ لیتی رہی اور بولی۔

''تم غصے میں ہو...... جوس پیو۔''

''تم پاگل عورت ہو......'' زین کو غصہ آ گیا۔

نگہت نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ ''ہاں میں تمہارے پیار میں پاگل ہوں۔ تم نے ٹھیک سمجھا ہے کہ میں پاگل ہوں۔ جب میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم مجھ سے شادی کرلو تو تم نے کہا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ میری بیوی ہے اور میں اس کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا ہوں۔ میں چپ ہوگئی تھی جانتے ہو کیوں......؟''

زین چپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''میں اس لیے چپ ہوگئی تھی کہ جو ہم دونوں کے بیچ ہے اگر وہ نہیں رہے گی تو تم مجھے اپنانے سے انکار کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکو گے کہ میری ایک بیوی ہے۔''

نگہت کا لہجہ خطرناک تھا۔ زین نے کہا۔ ''اگر رمشا کو کچھ ہوا تو میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ تم سسک سسک کر موت کی بھیک مانگو گی۔'' زین کو اس کی بات پر شدید غصہ آیا تھا لیکن وہ اس کا اظہار چیخ کر نہیں کرسکا اور اس نے دھیمے مگر غصیلے لہجے میں اپنی شہادت کی انگلی اس کی طرف کرتے ہوئے اسے خبردار کیا۔

''میں ان میں سے نہیں ہوں جو ایسی باتوں سے ڈر جاتی ہیں۔ تمہارے اور میرے بیچ جو بھی آئے گا، وہ زندہ نہیں بچے گا۔'' نگہت حیات کو اس کے غصے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

''مجھے سیدھی طرح سے بتادو کہ رمشا کہاں ہے؟''

''ابھی رمشا زندہ ہے۔ اگر تم اسے طلاق دے دو اور مجھے اپنالو تو وہ زندہ رہے گی۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں اسے ماردوں گی۔'' نگہت نے آخری جملہ ایسے سفاک لہجے میں کہا کہ ایک لمحے کے لیے تو زین کا دل بھی کانپ گیا۔

''میں اسے طلاق نہیں دوں گا اور نہ ہی تمہیں اپناؤں گا۔'' زین نے دوٹوک جواب دیا۔

''تمہارے پاس چودہ گھنٹے ہیں۔ اسے طلاق دے کر مجھے اپنالو، میں اسے زندہ چھوڑ دوں گی، ورنہ اسے ڈھونڈ لو۔ چودہ گھنٹوں میں اسے تلاش کرلو گے تو میں تم دونوں کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ اب بھاگ لو جتنا بھاگنا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ جیسے ہی چودہ گھنٹے گزرے اور تم اسے تلاش نہ کرسکے اور نہ ہی اسے طلاق دی تو میں اس کا گلا کاٹ کر سڑک پر پھینک دوں گی۔'' نگہت حیات ایک سفاک عورت تھی۔ زین نے سنا تو فوراً اس کا گلا دبوچنے کے لیے اس کی طرف لپکا مگر پھر فوراً ہی رک گیا۔ وہ اس غصے میں ایسی جگہ پر ایک عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرسکتا تھا کہ وہ خود مصیبت میں پھنس جاتا اور رمشا کو تلاش نہ کرپاتا۔

نگہت نے اپنی گھڑی کی سوئی ٹھیک کی اور رات کے آٹھ بجادیے، جبکہ اس وقت رات کے آٹھ بج کر سولہ منٹ ہوئے تھے۔

"اپنی گھڑی میری گھڑی کے ساتھ ملا لو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گھڑی کی وجہ سے وہ ماری جائے۔ تمہارے چودہ گھنٹے شروع ہوگئے ہیں۔ کل صبح دس بجے تمہارے چودہ گھنٹے پورے ہوجائیں گے۔ اب تمہارے اختیار میں ہے کہ تم رمشا کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو اور میرے ہوجاتے ہو، یا پھر اسے تلاش کرکے لے جاتے ہو، یا پھر وہ تمہیں مردہ حالت میں کسی سڑک پر پڑی ملتی ہے۔" نگہت نے اپنی کلائی اس کی طرف موڑ دی جس پر اس نے اپنی گھڑی باندھی ہوئی تھی۔ زین نے اس کی گھڑی پر وقت دیکھا۔

"یاد رکھنا زین میں نے جو کہا ہے، وہ کردوں گی۔ تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں نے محبوب احمد کو اپنے ان ہاتھوں سے مار دیا ہے جو مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا۔ وہ تمہاری جگہ لینا چاہتا تھا، ہم دونوں کے بیچ آنا چاہتا تھا۔"

"ان کو تم نے قتل کیا ہے؟" نگہت کے اس انکشاف نے زین کو دم بخود کردیا۔ وہ ششدر سا اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

"ہاں، میں نے مارا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے۔ کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔ جاؤ پولیس اسٹیشن جاکر چیخ چیخ کر کہو کہ محبوب احمد کی قاتل میں ہوں۔ لیکن اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ثبوت کہاں سے لاؤ گے؟" وہ پھر بے دھڑک بولی۔ اپنے اعتراف پر اسے کوئی فکر نہیں تھی۔

"تم سفاک عورت ہو۔" زین بولا۔

"میں سفاک ہوں اگر تم مجھے اپنا لو تو مجھ جیسی موم عورت بھی تم کو کہیں نہیں ملے گی۔" نگہت نے کہہ کر اپنا پرس اُٹھایا اور اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہارے چودہ گھنٹوں میں سے دس منٹ گزر گئے ہیں۔ اپنے گھر کی چابی چھوڑ کر جارہی ہوں۔ میرا گھر چھان مارو۔ پورے شہر میں اسے تلاش کرلو۔ یا پھر طلاق دے کر میرے پاس آجاؤ۔ اگر تم نے کچھ نہ کیا تو چودہ گھنٹے ہوتے ہی رمشا کی لاش کسی سڑک پر پڑی ہوگی۔" نگہت نے ایک نوٹ میز پر رکھا اور ہینڈ بیگ اٹھا کر چلی گئی۔

زین بے بس سا بیٹھا تھا۔ نگہت نے خود اعتراف کیا تھا کہ اس نے محبوب احمد کو مارا ہے۔ وہ رمشا کو بھی مار دے گی۔ وہ جنونی اور پاگل عورت ایسا کرسکتی تھی۔ زین نے فوراً اپنی گھڑی پر اس کے مطابق وقت ٹھیک کیا اور اس کے گھر کی چابی اُٹھا کر ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ سوچنے لگا کہ ۔۔۔ کیا کرے؟ پولیس اسٹیشن چلا جائے اور جو کچھ ابھی نگہت حیات نے کہا ہے، وہ پولیس کو بتادے۔ پولیس جب نگہت ۔۔۔۔۔ سے اس بارے میں دریافت کرے گی تو نگہت ۔۔۔۔ صاف مکر بھی سکتی ہے کہ اس نے تو یہ بات ہی نہیں کی ۔۔۔۔ اُلٹا زین پھنس سکتا تھا۔ اس لیے زین نے سوچا کہ وہ پولیس اسٹیشن جاکر ایسی حماقت کرنے کی کوشش نہ ہی کرے تو بہتر ہے۔

جس طرح سے نگہت اپنے گھر کی چابی چھوڑ کر گئی تھی اس سے یہی لگتا تھا کہ رمشا اس کے گھر میں نہیں ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے کو اپنے اعتماد میں لینے کے لیے وہ ایسا کردیتے ہیں تاکہ اس کا دھیان بالکل ہی اس طرف سے ہٹ جائے۔

زین اب رمشا کو تلاش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے ۔۔۔ نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ وہ سیدھا نگہت کے گھر ۔۔۔ پہنچا۔ وہ گیٹ کھول کر اندر گیا تو ہر کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ایک ایک کمرا تلاش کیا۔ ایک ایک جگہ کو دیکھا مگر رمشا اسے کہیں بھی نہیں ملی۔

زین سیڑھیاں ۔۔۔ اتر کر آیا تو سامنے نگہت کھڑی تھی، وہ مسکرائی۔

"تم کو میری بات پر یقین نہیں تھا؟ میں نے کہا تھا کہ وہ میرے گھر میں نہیں ہے۔"

"اسے کہاں چھپایا ہے۔ بتاؤ مجھے ورنہ میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔" زین اس کی طرف بڑھ کر چیخا۔

"ایسا بھول کر بھی کچھ نہ کرنا جس سے مجھے کچھ ہوجائے ورنہ رمشا کو چودہ گھنٹے گزرنے سے پہلے مار دیا جائے گا۔"

"او سفاک عورت!" زین پھر چلایا۔

"تم چیخ کیوں رہے ہو۔ تم رمشا کو چھوڑ کر میری زندگی میں کیوں نہیں آجاتے۔ اب تو محبوب احمد بھی نہیں رہا۔ کمپنی میں میرے حصص بڑھ جائیں گے۔ تم کو میں اپنی جگہ پر بٹھا دوں گی۔ یہ بنگلا بھی تمہارا ہوگا۔" نگہت حیات نے اُسے لالچ دیا۔

"مجھے تمہاری کوئی چیز نہیں چاہیے۔"

"تم مجھ پر رمشا کو اتنی اہمیت مت دو۔"

"خاموش ہوجاؤ ۔۔۔۔۔ خاموش۔ رمشا تم سے بڑھ کر ہے۔" زین کو اس پر شدید غصہ تھا۔

"اوکے ۔۔۔۔۔ اب میں چپ ہوجاتی ہوں۔ جو ہوگا چودہ گھنٹوں کے بعد ہوگا۔" نگہت کہا۔

زین اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ "چلو ایک بات فرض کرلو۔ میں رمشا کی جان بچانے کے لیے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ اور اسے چھوڑ کر بھی تمہیں نہیں اپناتا تو تم کیا کرو گی؟"

"تم ایسا کرو گے کہ پہلے تم مجھ سے شادی کرو گے اور پھر میں رمشا کو آزاد کروں گی۔"

"یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ تم میری زندگی میں آجاتی ہو اور اس کے باوجود تم اپنے لیے مجھ سے ایک بوند محبت کی نہیں لے پاتیں اور ہر لمحہ میری نفرت کی ٹھوکر پر رہو گی تو پھر کیا کرو گی؟"

نکہت نے اس کی طرف عجیب سی مسکراہٹ سے دیکھا اور بولی۔ "تم مجھ سے جتنی چاہو نفرت کرو، میرے لیے یہی بہت ہوگا کہ میں نے تم کو سب سے جیت لیا ہے۔"

اس کا جواب سن کر زین اسے دیکھتا رہا۔ جیسے وہ یہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کے سامنے کھڑی نکہت حیات دماغی طور پر مفلوج ہے، یا پھر وہ ایسی نفسیاتی مریضہ ہے جس کے دل و دماغ پر صرف وہی غالب ہے۔

"میں رمشا کو تلاش کروں گا۔ اور پھر تمہیں تمہارے انجام تک ضرور پہنچاؤں گا۔"

"وہ تم کو مل جائے تو مجھے ضرور بتانا۔" نکہت حیات کہہ کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی اور اس نے پوری قوت سے دروازہ ایسے بند کیا کہ ایک دھماکا سا ہوا... زین وہاں کھڑا رہا اور پھر وہ اس بنگلے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

زین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ رمشا کو کہاں تلاش کرے۔ رمشا کو تلاش کرنے کے لیے وہ پولیس سے مدد مانگے، اور پولیس کو وہ یہ بھی بتا دے کہ محبوب احمد کے قتل کا اعتراف اس نے خود اس کے سامنے کیا تھا۔

زین نے پھر یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ اگر وہ پولیس کو یہ بتائے گا کہ نکہت نے اس کے سامنے محبوب احمد کو قتل کرنے کا اعتراف کیا تھا تو ایک تو اس کے پاس اس بات کا ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نکہت کے پاس بہت دولت ہے۔ وہ اس پر اپنے اوپر جھوٹا الزام لگانے پر قانونی چارہ جوئی بھی کر سکتی ہے۔ جس سے اس کی مشکل اور بھی بڑھ جائے گی۔

نکہت پر وہ رمشا کے اغوا کا مقدمہ درج کرانے سے اس لیے جھجک رہا تھا کہ کہیں وہ مشتعل ہو کر رمشا کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ اس لیے اس نے یہی سوچا کہ وہ خود ہی اسے تلاش کرے۔

رمشا کی تلاش کے لیے اسے کیا صورت اختیار کرنی چاہیے وہ اس پر سوچ بچار کرنے لگا۔ رمشا کو تلاش کرنے کے لیے اس کے پاس ایک رات تھی۔ وہ اگر اس کی تلاش میں کچھ

سوال

کافی عمر ہو جانے کے باوجود ایک خاتون کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ ایک روز ان کی دو شادی شدہ سہیلیاں انہیں اسی موضوع پر چھیڑ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک ذرا نخوت سے بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ...... تمہیں کبھی کسی نے پرپوز بھی کیا؟"

تب غیر شادی شدہ خاتون نے باری باری دونوں شادی شدہ سہیلیوں کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ "کاش یہ سوال تم دونوں نے اپنے شوہروں سے کیا ہوتا۔"

☆☆☆

سینما ہال میں ایک صاحب ازراہِ اخلاق اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے صاحب سے بولے۔ "اگر میری ٹوپی کی وجہ سے آپ کو فلم دیکھنے میں دشواری پیش آرہی ہو تو میں اسے اتار لوں؟"

وہ صاحب جلدی سے بولے۔ "نہیں...... نہیں جناب، آپ ٹوپی ضرور پہنے رکھیے...... فلم سے زیادہ تو مجھے اس ٹوپی کو دیکھ کر ہی ہنسی آرہی ہے۔"

تحقیق

"یہ تو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ لہسن چبانے سے وزن کم ہوتا ہے یا نہیں...... لیکن اتنا ضرور ہے کہ لوگوں کو آپ تھوڑے سے دبلے دکھائی دینے لگتے ہیں...... کیونکہ وہ آپ سے کافی دور کھڑے ہو کر آپ کو دیکھتے ہیں۔"

تصدیق

جانوروں کے ڈاکٹرز کی میٹنگ میں ایک ایسی خاتون بڑھ چڑھ کر بولے جا رہی تھیں جنھوں نے نیا نیا امتحان پاس کیا تھا۔ آخر ایک سینئر ڈاکٹر نہ رہ سکے اور براہِ راست ان سے مخاطب ہوئے۔ "محترمہ! آپ ہر بات میں کیوں دخل دیے جا رہی ہیں...... آپ کو تو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ گدھا کھر والا جانور ہے یا پنجے والا۔"

وہ صاحبہ ترکی بہ ترکی بولیں۔ "اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے...... آپ جوتے اتاریے...... ابھی سب دیکھ لیں گے۔"

حیدرآباد سے حفیظ قائم پوری کی عزت افزائی

کرسکتا تھا تو وہ اس رات میں ہی ممکن تھا۔

اچانک زین کو خیال آیا کہ نگہت کی ملکیت بھینسوں کا باڑا بھی ہے جہاں اس نے بہت سی بھینسیں رکھی ہوئی ہیں۔ نگہت حیات اسے اس جگہ بھی رکھ سکتی ہے۔

زین نے اپنی کار کا رخ موڑا اور بھینسوں کے باڑے کی طرف چل دیا۔ جو شہر کے اندر ہی تھا لیکن کچھ فاصلے پر تھا۔

اچانک ہی نگہت کا فون آگیا۔

جیسے ہی زین نے فون آن کیا وہ بولی۔ ''کہاں ہو میری جان؟''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے۔''

''بکواس بند کرو۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم رمشا کی تلاش میں ساری رات جاگو گے۔ میں بھی جاگوں گی۔ تم سے بار بار رابطہ رکھوں گی۔ اور خود بھی شہر کی سڑکوں پر گھوموں گی کہ جانے کب تم مجھے فون کر کے کہہ دو کہ تم رمشا کو چھوڑ کر مجھے اپنا رہے ہو۔'' نگہت حیات بولی۔

''تم نے مجھے اسی لیے فون کیا تھا؟''

''تو کیا میں یہ بتانا چاہتی تھی کہ رمشا کہاں ہے۔'' وہ کہہ کر ہنسی اور اس نے فون بند کر دیا۔

زین جب بھینسوں کے باڑے پر پہنچا تو وہ جگہ سنسان اور خاموش تھی۔ بہت سی زمین خالی تھی اور فاصلوں پر ایسے ہی باڑے بنے ہوئے تھے۔ آسمان پر چاند کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کی وجہ سے اندھیرا زیادہ ہی لگ رہا تھا۔

زین نے کار دور ہی روک دی تھی اور اس کی ہیڈ لائٹس بند کر دی تھیں۔ وہ کار سے باہر نکلا اور پیدل ہی اس طرف چل پڑا۔ اس نے کار کو لاک نہیں کیا تھا۔ اس سکوت میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جس سے زین کو خوف بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی کتا اس پر حملہ نہ کر دے۔

زین اس چاردیواری تک پہنچا جہاں بہت سی بھینسیں تھیں اور اندر ایک طرف چند کمرے بنے ہوئے تھے۔ گیٹ کے پاس دیوار میں اتنی جگہ تھی کہ جس سے اندر آسانی سے جھانکا جاسکتا تھا۔

زین نے اندر جھانکا۔ اندر اندھیرا اور خاموشی تھی۔ اس باڑے کی دیکھ بھال پر مامور ملازم شاید سو گئے تھے۔ انہیں بھینسوں کو چارا ڈالنے اور دودھ دوہنے کے لیے صبح سویرے اُٹھنا پڑتا تھا۔

زین نے کچھ فاصلے پر دیوار کے ساتھ مٹی کا ڈھیر دیکھا۔ اس ڈھیر کی وجہ سے وہ دیوار پر آسانی سے چڑھ سکتا تھا۔ وہ مستعدی سے دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ اس نے کوشش کی کہ اس کے کودنے کی آواز پیدا نہ ہو۔

کودنے کے بعد زین اسی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور بھینسوں کے بیچوں بیچ ہوتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے دروازے بند تھے۔ کسی کمرے سے بھی روشنی باہر نہیں آرہی تھی، اس کا مطلب تھا کہ کمروں میں موجود ملازم سو چکے ہیں۔

زین نے ایک کمرے کے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھل گیا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر اندر دیکھا۔ اس کمرے میں تین چارپائیاں بچھی تھیں جن پر تین ملازم سوئے ہوئے تھے۔

وہ دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن مقفل نہیں تھا۔ اس نے اس کمرے کا دروازہ کھول کر... اندر دیکھا وہ کمرا کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔ تیسرے کمرے میں جانوروں کی خوراک کی بوریاں تھیں۔

اس کا مطلب تھا کہ رمشا اس جگہ نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں رمشا کو رکھا جاسکتا ہو۔ وہ جانے کے لیے اس دیوار کی طرف بڑھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس باڑے کا چوکیدار اس کی ایک ایک حرکت دیکھ کر اس سے کچھ فاصلے پر چھپ کر کھڑا تھا۔

جیسے ہی زین اس جگہ سے گزرنے لگا، وہ چوکیدار سرعت سے باہر نکلا اور زین کو دبوچ لیا۔

زین اس صورتِ حال کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ چوکیدار اسے دبوچ کر نیچے گرا لیتا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور چوکیدار کو ایک طرف اچھالنے کی کوشش کی لیکن چوکیدار نے اس پر مضبوط گرفت رکھی تھی۔ وہ اس سے الگ نہیں ہوا اور دونوں نیچے گر گئے۔

چوکیدار، زین کے اوپر تھا۔ اس نے ایک گھونسا زین کے منہ پر رسید کر دیا۔ جیسے ہی اس نے دوسرا گھونسا رسید کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بلند کیا، زین نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دیا اور چوکیدار اچھل کر ایک طرف گر گیا۔

زین اس جگہ سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اگر چوکیدار نے شور مچا دیا اور اس کے ساتھی جاگ گئے تو اس کے لیے مشکل ہو جاتی۔ اس لیے زین نے اُٹھتے ہی چوکیدار کے منہ پر اپنے پاؤں کی ٹھوکر رسید کر دی اور وہ ایک بار پھر نیچے گر گیا۔ اور ساتھ ہی وہ چلایا۔

"ریاض...... شمسو...... اُٹھو چور آیا ہے......"

زین کے لیے اب اس جگہ سے نکلنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

اس نے پاس پڑا پانی سے بھرا کین اٹھایا اور چوکیدار جو اُٹھ کر کھڑا ہورہا تھا، اس پر دے مارا۔ اپنی طرف کین آتا دیکھ کر وہ نیچے جھک گیا اور کین اس کے سر سے ہوتا ہوا کمرے کے دروازے سے ٹکرا گیا اور ایک دھماکا سا ہوگیا۔ اور اندر لیٹے ہوئے دوسرے ملازمین بھی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔

زین تیزی سے دیوار کی طرف بھاگا اور اس نے جست لگا کر دیوار پر چڑھ جانا چاہا لیکن چوکیدار بھی پھرتی سے اس کی طرف بھاگا تھا، اس نے جست لگا کر زین کی ٹانگ پکڑ لی۔ زین نے گرتے ہی دوسری ٹانگ اس قوت سے چوکیدار کے منہ پر ماری کہ وہ بلبلا کر دوسری طرف گر گیا۔ اس دوران کمرے سے تینوں ملازم باہر نکل آئے تھے۔

زین نے پھر جست لگائی اور دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ تینوں اس کی طرف بھاگے۔ چوکیدار چلّایا۔

"پکڑو اسے جانے نہ پائے۔"

زین نے دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ اور زمین پر پیر لگتے ہی وہ اپنی کار کی طرف بھاگا۔ اس کے پیچھے ہی وہ تینوں بھی باری باری کود گئے اور زین کے پیچھے بھاگے۔

زین پوری قوت سے اپنی کار کی طرف بھاگ رہا تھا اور دونوں میں فاصلہ تھا۔ چوکیدار بھی باہر نکل آیا تھا اور شور مچا رہا تھا۔

"پکڑو چور آگیا ہے...... پکڑو چور آگیا ہے......"

اس کا شور سن کر اردگرد کے ملازمین بھی اُٹھ گئے تھے اور باہر کی طرف بھاگے تھے۔ کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں اور بھی بلند ہوگئی تھیں۔

زین بھاگتا ہوا اپنی کار کے پاس پہنچا... اس نے دروازہ کھولا' اندر بیٹھا اور ہاتھ میں پکڑی چابی جو اس نے بھاگتے ہوئے اپنی جیب سے نکال لی تھی... انجن اسٹارٹ کرنے کے لیے گھمائی۔ جیسے ہی انجن اسٹارٹ ہوا ایک ملازم چھلانگ لگا کر اس کی کار کے بونٹ پر آگرا۔

زین نے کار گھمائی اور دوسری طرف دوڑادی لیکن جو ملازم کار کے بونٹ کے اوپر تھا اس نے مضبوطی سے اپنے آپ کو اس پر جمایا ہوا تھا۔ زین نے کار کی رفتار غیر معمولی رکھی تھی۔ وہ بہت آگے نکل چکا تھا اور اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے ملازم بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

اچانک زین نے بریک لگائے اور بونٹ پر جما ہوا ملازم ایک جھٹکے سے نیچے گر گیا۔ زین اس جگہ سے کار نکال کر

راز

گھر گھر جاکر چیزیں فروخت کرنے والی ایک خاتون نے سیلز کے ریکارڈ قائم کر دیے۔ دفتر میں ان کی کامیابی کا راز پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔ "دراصل میں شوہروں کو دروازے پر بلاتی ہوں اور انہیں اتنی نیچی آواز میں اپنی مصنوعات کی خوبیاں بتانے لگتی ہوں کہ بیویاں کان لگا کر ایک ایک لفظ نہایت توجہ اور انہماک سے سنتی ہیں اور مجھ سے جلد از جلد پیچھا چھڑانے کے لیے کچھ نہ کچھ بلا مول تول کے خرید کے مجھے رخصت کردیتی ہیں۔"

کوٹری سے حمیرا اقبال کا کاروباری نکتہ

کیلوریز

ڈاکٹر صاحب نے حلوائی کی دکان پر جلی الفاظ میں لکھا دیکھا: "ہماری گلاب جامنوں میں دوسری تمام دکانوں کی گلاب جامنوں سے کم کیلوریز ہوتی ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب حلوائی سے الجھ پڑے۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ تمہاری گلاب جامنوں میں دوسروں سے کم کیلوریز کیسے ہوسکتی ہیں؟"

"وہ اس طرح جناب...... کہ ہماری گلاب جامنیں دوسری تمام دکانوں کی گلاب جامنوں سے چھوٹی ہوتی ہیں۔" حلوائی نے بردباری سے جواب دیا۔

محمد اسلم فنکار، ٹنڈو محمد خان

ڈائریکٹ

بحری جہاز میں سفر کے دوران میں ایک صاحب کی طبیعت خراب تھی۔ SEA SICKNESS کا شکار تھے۔ جو کچھ بھی کھاتے، الٹی ہو جاتی۔ رات کو جہاز کے ریستوران میں ویٹر نے پوچھا۔ "سر! آپ کے لیے کھانا لاؤں؟"

"بھئی مجھے کیوں زحمت دیتے ہو؟ جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر ڈائریکٹ ہی سمندر میں پھینک دو۔" ان صاحب نے بیزاری سے جواب دیا۔

گوادر سے سلیم کرد کی بیزاری

لے گیا۔ جب زین کافی دور نکل گیا تو اس نے سکون کی سانس لی۔ وہ بال بال بچ گیا تھا۔ زین نے اپنی کار کی رفتار ابھی کم نہیں کی تھی۔ جب شہر کی حدود میں داخل ہوا تو اس نے کار کی رفتار کم کر دی۔

اس نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا دس بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ زین ناچار اور بھی مضطرب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

جس جگہ سے شہر کا ریلوے اسٹیشن شروع ہوتا تھا، وہاں ریل کی پٹریوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں سے ریل کے کئی ٹریک شروع ہو جاتے تھے۔ ایک ٹریک پر دو دن سے مال گاڑی کھڑی تھی جس کا انجن خراب ہو گیا تھا اور انجن اب مال گاڑیوں کے ڈبوں کے ساتھ نہیں لگا ہوا تھا۔ شاید اسے ورکشاپ لے گئے تھے۔

اس مال گاڑی کے ایک ڈبے میں رمشا قید تھی جس کے ہاتھ اور پیر باندھے ہوئے تھے اور منہ پر پٹی بندھی تھی۔ جس جگہ وہ مال گاڑی کھڑی تھی، اس کے سامنے ہی ایک چھوٹا سا گھر اس آدمی کا تھا جو نگہت کے گھر سے رمشا کو اپنی ویگن میں ڈال کر لایا تھا۔ اس آدمی کا نام سراج تھا۔

سراج جرائم پیشہ آدمی تھا اور اس کا تعلق اس کی بیوی کی وجہ سے نگہت ...... کے ساتھ قائم ہوا تھا۔ کیونکہ سراج کی بیوی نگہت کے گھر میں کام کرتی تھی۔ ان دنوں نگہت کو ایک کام پڑا تو سراج کی بیوی نے اپنے شوہر سے ملوایا اور سراج نے وہ کام کر دیا۔ نگہت ...... نے سراج کو اپنے کاموں کے لیے رکھ لیا تھا اور اس کی بیوی کو بہانے سے نوکری سے فارغ کر دیا تھا کہ کہیں وہ اس کے گھر میں رہ کر اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ البتہ نگہت گاہے بگاہے اس کی بیوی کی مٹھی گرم کرتی رہتی تھی۔

نگہت کی بڑی سی گاڑی سراج کے گھر سے دور کھڑی تھی۔ اس نے سراج کو فون کر کے کہا کہ وہ رمشا کو لے کر اس کی گاڑی کے پاس آ جائے۔ سراج رات کے اندھیرے میں رمشا کو گاڑی کے پاس لے گیا تو نگہت نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ رمشا کا سہا اور خوفزدہ چہرہ دیکھ کر وہ مسکرائی اور سراج سے کہا۔

''اسے گاڑی میں بٹھاؤ اور خود بھی بیٹھ جاؤ۔''

جیسے ہی سراج اور رمشا پچھلی سیٹ پر بیٹھے، نگہت نے گاڑی چلا دی اور اپنے گھر ...... لے آئی۔ اس نے سراج کو گیٹ پر کھڑا کر دیا اور رمشا کا بازو پکڑ کر ... اسے اندر لے گئی۔

''زین یہ جگہ دیکھ چکا ہے۔ اُسے یقین ہو گیا ہے کہ تم یہاں نہیں ہو۔ میں تمہیں اس لیے یہاں لے کر آئی ہوں تاکہ جو وقت میں نے زین کو دیا ہے، وہ پورا ہوتے ہی میں تمہارا کام تمام کر سکوں۔''

''خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ مجھے زین کے پاس جانے دو۔'' رمشا رونے لگی۔

''تم اپنی زبان سے زین کا نام مت لو۔ اُسے بھولنے کی کوشش کرو اور یہ یاد رکھو کہ وہ میرا ہونے والا ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت تم دونوں کی جدائی کا باعث بنے گی۔ جب تم اسے نہیں ملو گی تو وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آئے گا۔ مجھ سے تمہاری زندگی کی بھیک مانگے گا اور میری شرط مان کر تمہیں اپنی زندگی سے نکال دے گا۔'' نگہت ...... نے اس کی گردن کو پکڑ لیا اور بات کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کی گرفت اس کی گردن پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ جب نگہت ...... نے اپنی بات کہہ دی تو اس نے اس کی گردن چھوڑ دی۔

اسی وقت سراج بھاگتا ہوا اندر آ گیا۔ ''بی بی جی باہر پولیس آئی ہے۔''

''پولیس آئی ہے؟ کیوں؟'' نگہت ...... نے حیران ہو کر پوچھا۔

''معلوم نہیں جی۔''

نگہت نے اسی وقت رمشا کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لے گئی۔ اس نے سراج کی مدد سے رمشا کے ہاتھ پیر باندھے اور اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دی۔ اس دوران باہر گیٹ کی بیل مسلسل ہونے لگی تھی۔

نگہت نے رمشا کو بیڈ کے نیچے دھکیل دیا۔ لائٹ بند کی اور کمرے سے باہر آ گئی۔

''گیٹ کھولو اور گیٹ پر ہی رک جانا۔'' نگہت کہہ کر اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔

سراج نے گیٹ کھولا تو انسپکٹر الیاس کے ساتھ پولیس اہلکار بھی اندر آ گئے۔ اس کے ساتھ خواتین پولیس بھی تھی۔ اس دوران نگہت ...... بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔

''کیا بات ہے انسپکٹر صاحب......؟''

''آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہے۔'' انسپکٹر الیاس نے کہا۔

''کیوں؟'' نگہت نے متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''محبوب احمد کے دوسرے بیٹے سہیل نے آپ کے

خلاف درخواست دی ہے۔ ہمیں آپ سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"آپ میرے آفس میں مجھ سے پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔" نگہت نے کہا۔

"وہ چند سوالات تھے جو میں نے پوچھے تھے۔ تب آپ کے خلاف کوئی درخواست بھی نہیں تھی۔ اب آپ کو میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔" انسپکٹر الیاس نے کہا۔

"میں اپنے وکیل کو فون کرلوں۔" نگہت نے کہہ کر اپنا موبائل فون نکالا اور اپنے وکیل سے بات کرنے کے بعد انسپکٹر الیاس کے ساتھ چل دی۔ جاتے ہوئے اس نے سراج کو اشارہ کیا کہ وہ رمشا کا خیال رکھے۔

☆☆☆

نگہت پولیس اسٹیشن میں دو گھنٹے تک رہی۔ اس کا وکیل بھی پہنچ چکا تھا۔ پولیس کے سوالوں کے جواب وہ بڑی ہوشیاری سے دیتی رہی۔ جب پولیس نے نگہت کو جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ شہر سے باہر کہیں نہیں جائے گی تو نگہت...... اپنے وکیل کے ساتھ پولیس اسٹیشن سے باہر نکل کر سوچ رہی تھی کہ پولیس کو پورا شک ہے کہ محبوب احمد کو اسی نے قتل کیا ہے۔ بغیر کسی منصوبہ بندی اور فوری جذباتی فیصلے سے محبوب احمد کو اسی کے گھر میں قتل کرنا اس کے لیے سوہانِ روح بن رہا تھا۔ نگہت سوچ رہی تھی کہ وہ پھنس گئی ہے۔ پولیس کے بہت سے سوالوں کے جواب وہ تسلی بخش نہیں دے سکی تھی۔ شاطر نگہت حیات نے کچھ ایسی باتیں بھی کردی تھیں جو محبوب احمد کی دونوں بیویوں کی اولادوں کی طرف شکوک کے گولے تھے۔ اس دوران محبوب احمد کی دوسری بیوی اور اس کی اولاد بھی پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔

کروڑوں کی دولت کا معاملہ تھا۔ اس لیے دونوں طرف سے الزامات کی بوچھاڑ ہوگئی۔ وہ بوچھاڑ نگہت حیات کے حق میں چلی گئی اور انسپکٹر الیاس کو تفتیش کے لیے کچھ اور مواد مل گیا۔ اس کا رخ ایک دم سے ان دونوں کی طرف ہوگیا اور نگہت حیات کو اس جگہ سے جانے کا موقع مل گیا۔

گھر روانہ ہونے سے پہلے نگہت نے اپنے وکیل کو کچھ ہدایات دیں اور وہاں سے چلی گئی۔

جب نگہت حیات پولیس اسٹیشن میں بیٹھی تفتیش کے مراحل سے گزر رہی تھی، اس وقت زین سڑکوں پر اپنی گاڑی دوڑاتا ہوا رمشا کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ پریشان ہوتا جارہا تھا۔ اسے اس جنونی اور پاگل عورت کے دماغ پر شک تھا کہ وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔

نگہت حیات گھر پہنچ گئی۔ اس نے جاتے ہی رمشا کو گھسیٹ کر بیڈ کے نیچے سے نکالا اور اس کے ہاتھ پاؤں کھول کر ایک جھٹکے سے اس کے منہ سے ٹیپ اتاری اور بولی۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں زین کو کال کرتی ہوں۔ تم اس سے کہو کہ وہ تمہیں ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی سے نکال باہر کرے۔"

نگہت حیات نے زین کا نمبر ملایا اور کان سے لگا کر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ پولیس اسٹیشن سے واپسی پر اس کی پریشانی دو چند ہوگئی تھی۔ جونہی دوسری طرف سے زین نے کہا۔

"ہیلو......"

"اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔ چودہ گھنٹے کی دی ہوئی مہلت ختم ہوتی ہے۔ تم ابھی رمشا کو اپنی زندگی سے نکال باہر کرو اور مجھ سے شادی کرو۔ ورنہ میں اسے جان سے مار دوں گی۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں کہیں بھی ہوں تمہیں اس سے تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ تم رمشا کو طلاق دو۔ میں تم سے ابھی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی یہ ضد بھی جیتنا چاہتی ہوں۔" نگہت تیز لہجے میں بولی۔

"تم اپنی ضد کے لیے ہم دونوں کی زندگی کیوں برباد کررہی ہو۔" زین نے کہا۔

"تم کو حاصل کرنا میری ضد ہے۔ ابھی فیصلہ کرو ورنہ بُرا ہوجائے گا۔" نگہت...... نے کہہ کر رمشا کے سر کے بال پکڑے اور اسے ایک جھٹکا دیا۔ رمشا کی چیخ نکل گئی اور زین سنتے ہی پریشان ہوگیا۔

"ہیلو...... تم رمشا کے ساتھ کیا کررہی ہو......"

"میں اسے جان سے ماردوں گی۔" نگہت...... کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

"مجھے بتاؤ میں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں۔" زین نے جلدی سے کہا۔

"وہ مسکرائی۔ "بہت خوب...... میں بھی چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس آجاؤ۔"

"رمشا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے بتاؤ تم کہاں ہو۔"

"رمشا کو کچھ نہیں ہوگا اگر تم وہی کرو گے جو میں نے کہا ہے۔ میں تمہیں دوبارہ کال کرتی ہوں۔" نگہت...... نے کہہ کر فون بند کردیا۔

اس نے ایک لمحے میں سوچا اور پھر سراج کو آواز دے

کر اندر بلا لیا۔

"اسے لے کر جانا ہے۔ بتاؤ کوئی جگہ ہے؟"

"میرے پاس تو وہی جگہ ہے۔ وہ مال گاڑی جو خراب میرے گھر کے سامنے کھڑی ہے۔"

"ہاں جگہ تو ٹھیک ہے۔ اسے پکڑو اور وہاں لے جاؤ۔" نگہت نے کہا۔ "اسے باندھ کر، ڈکی میں ڈال کر وہاں پہنچو میں ابھی آتی ہوں۔"

سراج نے ایک بار پھر رمشا کے ہاتھ پاؤں باندھے اور منہ پر ٹیپ لگا کر اسے اپنے کندھے پر اٹھایا اور کار کے پاس لے گیا۔ اس نے رمشا کو کار کی ڈکی میں ڈالا اور کار نکال کر باہر لے گیا۔ نگہت نے گیٹ بند کیا اور زین کو فون کر دیا۔ جونہی اس سے رابطہ ہوا، اس نے کہا۔

"ابھی میرے گھر پہنچ جاؤ۔"

زین نے اس کی کال سنتے ہی یکدم اپنی کار گھمائی اور اس کی کار کے ٹائر چیخے، وہ پوری رفتار سے نگہت حیات کے گھر کی طرف جانے لگا۔ اس کی کار کی رفتار غیر معمولی تھی۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ویسے بھی ٹریفک کم ہو گیا تھا۔

زین آندھی طوفان کے مانند اس کے بنگلے پر پہنچا۔ وہ کار سے باہر نکلا اور بیل بجائی۔ تھوڑی دیر کے بعد چھوٹا گیٹ کھلا اور زین اندر چلا گیا۔ نگہت نے گیٹ بند کیا اور اسے لے کر اندر آ گئی۔

"رمشا کہاں ہے؟"

"وہ یہاں نہیں ہے۔"

"وہ اسی گھر میں ہے۔ تم نے ابھی اس پر تشدد کیا تھا۔" زین بولا۔

"میں خود ابھی باہر سے آئی ہوں۔ تم چاہو تو پہلے اس گھر کی تلاشی لے لو۔" نگہت حیات نے پیشکش کی۔

زین اس کو گھورنے لگا۔ "اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"اسے طلاق دے کر ابھی مجھ سے نکاح کرو۔"

"میں ایسا نہیں کروں گا۔" زین نے دوٹوک ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"رمشا مر جائے گی۔"

"میں اس سے پہلے تمہیں مار دوں گا۔"

"وہ پھر بھی نہیں بچے گی۔ اس کے زندہ رہنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ تم اُسے چھوڑ دو۔ ہم ابھی نکاح کریں گے۔ تم میرے ہو جاؤ گے اور ہم راتوں رات یہ شہر چھوڑ کر کہیں چلے جائیں گے۔ اور پھر ہم مستقل دبئی میں رہائش اختیار کر لیں گے۔"

"پہلے میں رمشا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" زین نے کہا۔

"تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی۔ صرف تم میری بات مانو گے۔ وہی کرو گے جو میں کہہ رہی ہوں۔ وقت ضائع کرو گے تو تمہاری رمشا نہیں بچے گی۔" نگہت ...... کا لہجہ درشت لیکن دھیما تھا۔

زین نے اس کے قریب جا کر اس کا گلا پکڑ لیا۔ "میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا بتاؤ رمشا کہاں ہے؟"

نگہت کے گلے پر زین کی انگلیوں کا دباؤ زیادہ ہی تھا۔

اسی دوران نگہت ...... کے ہاتھ میں پکڑا اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر اسکرین کی طرف دیکھا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"بولو کیا بات ہے......" نگہت ...... نے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکالی۔

دوسری طرف سے سراج بولا۔ "میڈم میرے گھر کے سامنے کھڑی مال گاڑی کو انجن لگا کر لے گئے ہیں۔ لڑکی کار کی ڈکی میں ہے اب کیا کروں اور اسے کہاں رکھوں؟"

دوسری طرف سے آنے والی آواز زین نے سن لی تھی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ نگہت ...... نے کچھ کہنا چاہا تو زین نے اپنی انگلیوں کی گرفت اور بھی بڑھا دی۔ نگہت کے گلے سے محض اتنا ہی نکل سکا تھا۔

"تم......"

زین کی انگلیوں کے دباؤ سے نگہت ...... سے بولنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس کی سانس گھٹنے لگی تھی۔ دوسری طرف سے سراج کی پھر آواز آئی۔

ہیلو...... ہیلو...... آپ کی آواز نہیں آ رہی ہے۔ میں اپنی بستی میں کھڑا آپ کی کال کا انتظار کر رہا ہوں......"

اچانک نگہت نے اپنا ہاتھ دیوار کے ساتھ ٹٹولتے ہوئے پاس پڑا گلدان اُٹھایا اور یکدم ...... زین کے سر پر مار دیا۔

زین کی گرفت چھوٹ گئی اور اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ نگہت اپنی سانس ٹھیک کرنے لگی۔ وہ لمبی لمبی سانس لے رہی تھی۔ موبائل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔

زین کا سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن سخت چوٹ پہنچی تھی اور تکلیف کا احساس بھی بہت تھا۔

جونہی نگہت کی سانس ٹھیک سے بحال ہوئی، اس نے پاس پڑی لکڑی کی چھوٹی تپائی اُٹھا کر پوری قوت سے زین کے سر پر دے ماری۔ زین نیچے گر گیا۔

نگہت غصے سے بولی۔ ”میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی لیکن تم ہو کہ رمشا کو چھوڑنے پر تیار ہی نہیں ہو۔ تم کو میری بات سمجھ نہیں آتی کہ میں تم کو اپنا بنانا چاہتی ہوں۔“

زین نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن نگہت نے اس کا گلا پکڑ لیا۔ ”تم میری بات ماننے کو تیار نہیں ہو۔ اب نہ تم بچو گے اور نہ رمشا بچے گی۔ میں تم دونوں کو ماردوں گی۔ اِدھر تم مرو گے اور اُدھر رمشا جان سے جائے گی۔“

”بتاؤ رمشا کہاں ہے؟“ زین نے پھر پوچھا۔

”پھر رمشا کا نام...... پھر رمشا کا نام......“ نگہت جنون میں اس کا گلا دبانے لگی۔ زین نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پکڑ کر زور لگا کر اپنا گلا چھڑایا اور اسے ایک طرف دھکا دے دیا۔ نگہت سامنے کی دیوار سے ٹکرائی اور نیچے گر گئی۔ زین نے اس کا موبائل فون اُٹھایا اور جلدی سے وہ نمبر نکالا جس نمبر سے ابھی کال آئی تھی۔ بیل جانے لگی۔ تیسری بیل پر دوسری طرف سے سراج نے فون اُٹھاتے ہی کہا۔

”جی میڈم......“

”مجھے نگہت میڈم نے فون کرنے کو کہا ہے۔ تم کہاں ہو؟“

”جی میں ریلوے اسٹیشن کے شروع میں جو آبادی ہے وہاں......“

زین اس کی بات پوری طرح سے سن نہیں سکا تھا کہ نگہت...... نے پیچھے سے اُٹھ کر تپائی اس کے سر پر دے ماری۔ اس بار اس نے پوری قوت سے ضرب لگائی تھی کہ زین کے ہاتھ سے موبائل فون چھوٹ گیا اور وہ بھی فرش پر گر گیا۔ اس کے بعد نگہت نے اس پر لاتوں کی بارش کردی۔ اس کی پسلیوں اور پیٹ پر ایک ساتھ کئی لاتیں رسید کردیں اور وہ چیخ رہی تھی۔

”تم رمشا کو بھول کیوں نہیں جاتے ہو...... تم نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ تم اُسے چھوڑ رہے ہو...... تم کو میری دیوانگی کا کوئی احساس نہیں ہے...... تم سے محبت میرا جنون بن گیا ہے، وہ سب فضول ہے کیا......“

زین کو لگ رہا تھا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس کے جسم میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ اس نے ہمت سے کام لیا اور اس کی ٹانگ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور نگہت جب گری تو اس کا سر فرش پر ایسے ٹکرایا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تکلیف کی وجہ سے وہ نڈھال سی ہوگئی۔

زین گرتا پڑتا اٹھا۔ شدید تکلیف کے باوجود وہ اپنی کار میں بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

زین کا سر پھٹ چکا تھا اور خون بہہ کر اس کے ماتھے سے ہوتا ہوا چہرے پر آرہا تھا۔ اس نے ٹشو پیپر نکال کر اپنا ماتھا اور چہرہ صاف کیا اور اپنی بائیں پسلیوں پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد اُٹھ رہا تھا۔

زین پوری رفتار سے کار چلاتا ہوا ریلوے اسٹیشن کی اس آبادی کے پاس پہنچ گیا جو شروع میں ہی تھی۔ زین کے دائیں جانب ریلوے کا ٹریک تھا۔ بائیں جانب چھوٹے چھوٹے کئی مکان تھے اور وہ درمیان میں سڑک پر جاتے ہوئے متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں اور سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار آہستہ کردی تھی۔

اچانک اسے سامنے ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ کار کے بونٹ کے ساتھ ایک آدمی فون سن رہا تھا۔ اسے ابھی نگہت کی کال موصول ہوئی تھی اور وہ اسے حکم دے رہی تھی۔

”رمشا کو ختم کرکے کسی سڑک پر پھینک دو اور کار میرے گھر کھڑی کرکے ایک لاکھ روپیہ مجھ سے لے جاؤ......“

حکم ملتے ہی سراج نے کار کا دروازہ کھولا اور اسے اسٹارٹ کیا اور ابھی وہ تھوڑا آگے گیا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے زین نے کار کی نمبر پلیٹ پڑھ لی تھی۔ وہ کار نگہت کی تھی۔ زین نے کار گھمائی اور اس کار کے سامنے ایسے کھڑی کردی کہ سراج کے لیے کار آگے لے جانا مشکل ہوگیا۔ اس نے فوراً بریک لگادیے۔

زین باہر نکلا اور تیزی سے سراج کی طرف بڑھا۔ سراج ایک زخمی شخص کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ہوشیار ہوگیا۔ لیکن زین نے اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے گریبان سے پکڑ کر باہر نکالا اور پوری قوت سے ایک طرف دھکا دے دیا۔ سراج اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی ٹوٹے پھوٹے کھلے مین ہول میں جاگرا۔

زین نے کار کے اندر جھانکا اور پھر جلدی سے اس کی ڈکی کھولی، اندر رمشا بندھی پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے رمشا کو اُٹھایا اور اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ اس دوران کوشش کرکے سراج گٹر سے باہر نکل آیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ زین کی طرف بھاگتا، زین نے کار گھمائی اور اپنی کار وہاں سے بھگا لے گیا۔

☆☆☆

رمشا کے اندر خوف اور ڈر تھا۔ وہ ہلکی سی آہٹ پر بھی ڈر جاتی تھی۔ صبح ہوتے ہی زین اسے اسپتال لے گیا اور ڈاکٹر نے چند گھنٹے اسپتال میں رکھنے کی ہدایت کردی۔

زین نے اس کے لیے پرائیویٹ روم لے لیا تھا۔

ذہنی سکون کے لیے رمشا کو نیند کا انجکشن لگا دیا تھا اور وہ پُرسکون نیند کی وادی میں چلی گئی تھی۔ زین اس کے پاس ہی براجمان تھا۔

زین نے صبح کا ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔ اس لیے اُسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اُٹھ کر رمشا کے چہرے کو دیکھا، وہ سوئی ہوئی تھی۔ زین نے سوچا وہ اپنے کھانے کے لیے کچھ لے آئے۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔

رمشا کے کمرے سے کچھ فاصلے پر کچھ بینچ لگے ہوئے تھے جہاں مریض اور ان کے لواحقین براجمان تھے۔ ان میں نگہت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جونہی اس نے زین کو کمرے سے باہر نکلتے دیکھا، وہ سرعت سے اُٹھی اور اسٹریچر کو کھینچتی ہوئی رمشا کے کمرے میں لے گئی۔

نگہت نے بڑی تیزی اور ہمت سے رمشا کو اس اسٹریچر پر منتقل کیا اور اس کے اوپر چادر ڈال کر اسے دھکیلتی ہوئی باہر کی طرف لے جانے لگی۔ نگہت پر جنون سوار تھا۔ وہ تیزی سے چل رہی تھی۔ باہر نکلتے ہی اس نے اسٹریچر ایک طرف چھوڑا اور خود تیزی سے اس طرف گئی جہاں پرائیویٹ ایمبولنس کے ڈرائیور بیٹھے تھے۔ اس نے ایک سے ... بات کی اور وہ ڈرائیور اپنی ایمبولینس لینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایمبولینس آ گئی۔ انہوں نے رمشا کو اس میں رکھا اور جونہی ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی اور نگہت ..... پیچھے بیٹھنے لگی تو اچانک ایک طرف سے آتے ہوئے زین کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ایک دم سے زین کے دماغ میں رمشا کا خیال آیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ناشتا ایک طرف رکھا اور ایمبولنس کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس دوران ایمبولنس چل پڑی تھی۔ اندر بیٹھی نگہت نے بھی دیکھ لیا تھا کہ زین اس کی طرف دوڑا آ رہا ہے۔ تب تک ایمبولینس اسپتال کی حدود سے باہر نکل گئی تھی۔

زین بھاگتا ہوا اس کمرے میں گیا جہاں رمشا تھی۔ وہ کمرا خالی تھا۔ زین اُلٹے قدموں اس طرف بھاگا جہاں ایمبولینس کے ڈرائیور بیٹھتے تھے۔ اس نے وہاں جا کر پوچھا۔

''ابھی جو ایمبولینس مریض لے کر گئی ہے اسے کہاں کا پتا بتایا گیا تھا۔''

''معلوم نہیں جناب ڈرائیور سے بات ہوئی تھی اور وہ لے گیا۔'' وہاں بیٹھے ہوئے آدمی نے جواب دیا۔

''ڈیفنس فیز گیارہ کا بتایا تھا......'' پاس بیٹھے ایک دوسرے ڈرائیور نے کہا تو زین نے اپنی کار کی طرف دوڑ لگا دی کیونکہ وہ جگہ نگہت کی رہائش تھی۔

☆☆☆

نگہت نے راستے میں ہی اپنی رہائش کی طرف جانے کا ارادہ بدل لیا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو اپنے باڑے کا پتا بتا دیا۔ ڈرائیور نے ایمبولینس کا رخ بدل لیا۔ نگہت کی نگاہیں بار بار پیچھے دیکھ رہی تھیں۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ زین اب اسے نہیں پکڑ سکے گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ رمشا کو مار کر آج ہی ملک چھوڑ کر چلی جائے گی۔ وہ اگر خود زین کی نہیں ہو سکی تو وہ رمشا کو بھی اس کا رہنے نہیں دے گی۔

نگہت حیات کا وسیع باڑا آ گیا تھا۔ گیٹ پر موجود آدمی نے پہلے حیرت سے ایمبولینس کی طرف دیکھا اور جب پیچھے سے نگہت..... باہر نکلی تو اس نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ ایمبولینس اندر چلی گئی۔ وہاں موجود سبھی ملازم ایمبولنس کو دیکھ کر حیران اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے۔

رمشا ابھی تک نیند کی آغوش میں تھی۔ اُسے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ جگہ الگ تھلگ بنی ہوئی تھی۔ وہاں چند کمرے، کچن اور ضرورت کا سامان موجود تھا۔ جب بھی نگہت حیات آتی تھی، وہ اسی جگہ قیام کرتی تھی۔

''یہ میری دوست ہے اس کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی اسے میں یہاں لے آئی ہوں۔ سب اپنا اپنا کام کرو۔'' نگہت حیات نے تحکمانہ لہجے میں ایک ملازم سے کہا تو وہ جلدی سے باہر جانے لگا تو نگہت حیات نے پھر روک کر اسے حکم دیا۔ ''بشیراں سے بولو کہ وہ باہر رکے۔ مجھے ضرورت پڑی تو اسے اندر بلا لوں گی۔''

ملازم اثبات میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ نگہت نے نفرت سے رمشا کی طرف دیکھا۔ جس کے جسم میں اب کچھ حرکت ہونے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے ہوش آ رہا ہو۔

نگہت نے اپنا موبائل فون نکال کر دیکھا تو اس پر زین کی طرف سے کی گئی کئی کالوں کی اطلاع موجود تھی۔ اس کے چہرے پر زہر آلود مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بولی۔

''زین اب وقت گزر چکا ہے۔''

رمشا کو ہوش آ رہا تھا۔ اس کے جسم میں مسلسل حرکت ہو رہی تھی اسی اثنا میں نگہت ..... کا پھر فون بجا۔ اس نے دیکھا ایک نمبر تھا۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے فون کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے مردانہ پُروقار آواز آئی۔

''مس نگہت میں اسرار ملک بول رہا ہوں، محبوب احمد کا وکیل۔ آپ کو یہ بتانا تھا کہ محبوب احمد کا قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔''

''کس نے قتل کیا تھا؟'' نگہت نے جلدی سے سوال کیا۔

''ایک اُجرتی قاتل ہے۔ محبوب احمد کی ایک سابقہ بیوی

نے قتل کرایا تھا۔ انہوں نے اقرارِ جرم کرلیا ہے اور وہ سب حراست میں ہیں۔" اسرار ملک نے بتایا تو نکہت حیات کو حیرت ہوئی یہ کیسے ممکن ہے۔ محبوب احمد کو تو اس نے قتل کیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب وہ محبوب احمد کا گلا گھونٹ کر اس کے گھر سے گئی ہو وہ اُجرتی قاتل آ گیا ہو۔ اس نے محبوب احمد کو مرا ہوا دیکھا، اور بھیجنے والے سے کہہ دیا ہو کہ اس نے کام کر دیا ہے اور اپنی اُجرت وصول کرلی ہو۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ ان کا قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔" نکہت مسکرائی۔

"پلیز آپ تھوڑی دیر کے لیے محبوب احمد کے گھر آسکتی ہیں۔ میرے پاس اُن کی لکھی ایک وصیت ہے۔ آپ کی موجودگی بھی ضروری ہے کیونکہ محبوب احمد نے لکھا ہے کہ نکہت حیات کی موجودگی میں پڑھی جائے۔"

"اس وقت میرا آنا مشکل ہے، میں دور ہوں۔"

"کہاں ہیں آپ۔"

"میں اپنے فارم پر آئی ہوں۔"

"آپ دو گھنٹے تک آسکتی ہیں۔ ہم اس وقت تک سب کو بلا لیتے ہیں؟" دوسری طرف سے اس نے پوچھا۔

"ہاں میں دو گھنٹے تک آجاؤں گی۔" نکہت نے کہا تو دوسری طرف سے وکیل نے شکریہ کے الفاظ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

نکہت نے چند لمحے سوچا کہ اس وصیت میں ایسی کیا بات لکھی ہوگی؟ کہیں اس نے اپنی جائداد اس کے نام پر تو نہیں لکھوا دی کیونکہ اس نے خود کہا تھا اس کا بینک بیلنس، بنگلا سب کچھ اسی کا ہو سکتا ہے اگر وہ اس سے شادی کرلے تو......

نکہت کمرے میں ٹہلتی ہوئی اسی بارے میں سوچتی رہی، اور پندرہ بیس منٹ اسی طرح گزر گئے اور پھر نکہت ......نے فی الحال ان سوچوں کو ایک طرف رکھا اور اپنے ملازم سے رسی منگوا کر رمشا کے پیر اور ہاتھ باندھ دیے۔ رمشا کو تقریباً ہوش آچکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نکہت کو اپنے سامنے دیکھا تو خوف اس کی آنکھوں سے مترشح ہونے لگا۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" نکہت نے مسکرا کر ایسے کہا جیسے اُسے بڑی فتح ملنے والی ہو۔

"زین کہاں ہے......زین......" رمشا نے زین کو پکارا۔

نکہت نے ایک دم اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ رمشا مزاحمت کرنے لگی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کی آواز حلق سے باہر نہیں نکل رہی تھی۔ نکہت باہر چلی گئی اور ملازم سے پوچھا۔

"یہاں کوئی ویران جگہ بھی ہے؟"

"آگے ساری جگہ ویران جنگل ہے۔" ملازم نے بتایا۔

"یہاں سے دور چلے جاؤ اور جب مجھے ضرورت ہوگی میں بلا لوں گی۔" نکہت نے اسے حکم دیا اور وہ دور چلا گیا۔

نکہت پھر کمرے میں چلی گئی۔ اس نے سرہانا اُٹھایا اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں نے کہا تھا کہ میں تجھے زین کے لیے بھی نہیں رہنے دوں گی...... زین کو پہلی نظر دیکھتے ہی میں اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ میری دیوانگی کو زین نے اہمیت نہیں دی......"

نکہت نے ایک دم رمشا کے منہ پر سرہانا رکھ دیا اور اپنا دباؤ بڑھانے لگی۔ رمشا کی سانس رکنے لگی، وہ مزاحمت کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے ہاتھ پیر باندھے ہوئے تھے۔ اچانک کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا۔ نکہت نے گردن گھما کر دیکھا تو دنگ رہ گئی کیونکہ دروازے پر انسپکٹر الیاس، کچھ دوسرے پولیس اہلکار اور زین کھڑا تھا۔

☆☆

جب نکہت ایمبولنس میں رمشا کو لے گئی تو زین سیدھا اس کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں پولیس پہلے سے موجود تھی۔ وہ نکہت حیات کو محبوب احمد کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے آئی تھی کیونکہ قتل کے شک کی کڑیاں اسی کی طرف جاتی تھیں۔

جب زین وہاں پہنچا اور اسے پتا چلا کہ نکہت یہاں نہیں ہے تو اس نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا۔ تب انسپکٹر الیاس نے محبوب احمد کا وکیل بن کر اسے کال کی اور نکہت ......نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اور اسی وقت وہ سب اس کے فارم کی طرف دوڑے اور عین اس وقت نکہت کو گرفتار کرلیا جب وہ رمشا کو موت کی وادی میں پہنچانے کے لیے اپنے اوپر جنون پوری طرح سے طاری کیے ہوئے تھی۔

☆☆☆

زین اور رمشا چند دن اس غم اور خوفزدہ سی کیفیت میں رہنے کے بعد پھر اپنی اسی خوشگوار زندگی کی طرف لوٹ آئے تھے۔ زین نے وہ موبائل فون اور شرٹ کچرے کے ڈرم میں پھینک دی تھی۔

نکہت کو محبوب احمد کے قتل اور رمشا کو جان سے مارنے کی کوشش کے جرم میں گرفتار کرلیا تھا۔ وہ دماغی طور پر پاگل ہو گئی تھی۔ محبوب احمد کے قتل کے کیس کی کارروائی سے پہلے اُسے پولیس کی کڑی نگرانی میں مینٹل اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔

آہنی فریب

روبینہ رشید

ایک بامقصد اور طویل زندگی دراصل سچائی کا تسلسل ہے... سچائی... دیانت داری اور خلوصِ نیت کے لوازمات کے ہمراہ وہ ایک بامقصد لائحۂ عمل کو آگے بڑھا رہی تھی، انسانیت کی مسیحائی کررہی تھی... لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ جس چیز کو اس نے خونِ جگر سے سینچا ہے اس کا استعمال غیرقانونی بھی ہوسکتا ہے... وہ جو انسانوں کی جان اور مال کی حفاظت کا بیڑا اٹھا چکی تھی... اب خطروں کی زد میں آچکا تھا... دولت کے آہنی فریب میں جکڑی ایک منفرد مزاج و ماحول کی تیز رفتار کہانی...

ہوسِ زر اور ہوسِ حکمرانی کے نشے میں چور

مدہوشوں کے لیے ہوش مندوں کی جوابی کارروائی......

آج کا دن عالیہ کے لیے بہت اہم تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لفٹ سے باہر نکلی اور ملک کے سب سے بڑے اسٹاک ایکسچینج کے خصوصی آفس فلور میں داخل ہوگئی۔ اس کے اندازے کے عین مطابق ایکسچینج کا ڈائریکٹر اس کے استقبال کے لیے کمرے کے باہر موجود تھا۔

''خوش آمدید مس عالیہ سلمان۔'' وہ اسے دیکھ کر گرمجوشی سے مسکرایا۔

''شکریہ۔'' عالیہ بھی جواباً مسکرائی، چند لمحوں بعد وہ اس کے عالیشان دفتر میں موجود تھی۔

''تشریف رکھیے...... میرا نام شاہد احمد ہے۔'' وہ اس کے بیٹھنے کے بعد اپنا کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' عالیہ نے کارڈ لیتے ہوئے کہا اور اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

'شاید میں آخری بار کسی کو یہ کارڈ دے رہی ہوں۔'

کارڈ آگے بڑھاتے ہوئے ایک تکلیف دہ خیال نے اس کے ذہن میں چٹکی سی لی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر، آج آپ کے لیے بہت بڑا دن ہے، اسٹاک کی تاریخ میں پہلی بار کسی کمپنی نے اتنی کم مدت میں اس طرح سپر اسٹار کی حیثیت حاصل کی ہے اور پہلی بار ہی کسی کمپنی کی چیف ایگزیکٹو کے لیے یہاں اس قسم کے اعزاز کا اہتمام کیا گیا ہے۔''

''جی ہاں، یہ اللہ کا کرم ہے۔'' عالیہ نے دل کی گہرائی سے کہا۔

''میرے ذہن میں آپ کا قدرے مختلف تصور تھا۔'' شاہد احمد میز پر سرو کی گئی کافی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

عالیہ کافی کا سپ لے کر مسکرائی۔ یہ اس کے لیے نئی بات نہیں تھی۔ اسے عموماً اس طرح کے کمنٹس ملتے رہتے

تھے۔ وہ ایک خوب صورت سراپا کی مالک تھی۔ اس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ سنہری رنگت، کندھوں تک تراشے ہوئے سیاہی مائل بھورے بال، ذہین چمکتی ہوئی آنکھوں نے اس کی شخصیت کو سجا رکھا تھا مگر اس وقت ان گہری دلکش آنکھوں میں گہری اُداسی نمایاں تھی۔ وہ ''پاور'' کی چیف ایگزیکٹو آفیسر تھی۔ ''پاور'' سافٹ ویئرز اور سسٹمز تیار کرنے والی ٹیکنالوجی کمپنی تھی۔ چند افراد اور چھوٹی سی سطح سے کام شروع کرنے والی یہ کمپنی آج دنیا بھر میں جانی جاتی تھی۔ ''پاور'' نے گزشتہ چند سالوں میں انتظامی اور تکنیکی اعتبار سے ایسے بہت سے سسٹمز متعارف کرائے تھے جس کی بنا پر خطے میں آج وہ نمبر ون قرار دی جاتی تھی۔ ملک کا کوئی ادارہ یا شعبہ پاور کے تیار کردہ سافٹ ویئر یا انتظامی اور ماہرانہ خدمات سرانجام دینے والے سسٹم جیسا کام نہیں کر سکتا تھا۔ ملک بلکہ خطے بھر کے افراد کا جس قدر درست اور مکمل ڈیٹا ان کے پاس موجود تھا، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ یہ سب اس قدر کامیابی سے کرنے میں عالیہ نے اپنی زندگی کے دس سال لگائے تھے۔ اپنی تکنیکی مہارت، ذہانت اور مسلسل محنت سے ''پاور'' کو اس مقام تک لانے والی وہی تھی مگر آج کا دن ''پاور'' میں اس کا آخری دن تھا۔

بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ایک ماہ قبل ہی نئے سی ای او کا انتخاب کرلیا تھا۔ عالیہ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اسٹاک ایکسچینج کی جانب سے ملنے والے اس اعزاز تک اسے اس عہدے پر کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ آج کے سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ہی ''پاور'' سے اس کا تعلق ختم ہو جانا تھا۔ کل بابر سہیل باقاعدہ اور عملی طور پر اس کی جگہ.... لینے والا تھا۔ بابر سہیل کا خیال آتے ہی اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ اسے وہ شخص ذرا بھی پسند نہیں تھا۔ اس کی وجہ اس کا اس کی جگہ منتخب ہو جانا نہیں تھا۔ اتنے برسوں میں زندگی نے اسے لوگوں کو سمجھنے کا کافی تجربہ دے دیا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اسے دیکھتے ہی اس کی چھٹی حس نے خطرے کا سگنل بجایا تھا۔

وہ اسے بہت مکار، خودغرض اور خطرناک انسان لگا تھا۔ ایک ایسا شخص جو اپنے مفاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ بظاہر بہت زیادہ شائستہ اور مہذب نظر آتا تھا مگر عالیہ کو یقین تھا کہ جیسا وہ خود کو ظاہر کرتا ہے ایسا وہ ہرگز نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ''پاور'' کے لیے اس کے انتخاب سے ذرا بھی مطمئن نہیں تھی مگر بورڈ کے سات میں سے پانچ افراد اس کے حق میں ووٹ دے چکے تھے۔

بورڈ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے اندر کڑواہٹ سی بھر گئی۔ اس نے ان دس سالوں میں ''پاور'' کے سوا کچھ نہیں سوچا تھا اور بورڈ نے اس کا شکریہ اس طرح ادا کیا تھا...... اسے اس کے عہدے اور ''پاور'' سے علیحدہ کر کے......؟ اس نے تلخی سے سوچا۔

''مس عالیہ میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' شاہد احمد کی آواز نے گویا اسے جگا دیا۔

''بالکل......'' وہ کپ ساسر میں رکھتے ہوئے بولی۔ ''بابر سہیل آچکے ہیں؟''

''جی ہاں، وہ تو ایک گھنٹا قبل ہی آگئے تھے۔ انہیں کچھ ضروری ای میلز کرنا تھیں۔ اس وقت وہ پروگرام ہال کے ساتھ موجود انتظارگاہ میں بیٹھے ہیں۔ ابھی ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ



تمام لوگ پہنچ چکے ہیں۔‘‘
’’جی چلیے۔‘‘ وہ کھڑی ہوگئی۔ اب جو بھی ہونا تھا اسے ہو جانا چاہیے۔ اس نے سوچا۔ یوں بھی اب کچھ بھی ریوائنڈ تو ہو نہیں سکتا تھا۔ پروگرام ہال کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ قدِ آدم بلند اسٹیج کی پشت پر ایک بڑی اسکرین لگی ہوئی تھی جس پر اس وقت ’’سپر اسٹار کمپنی‘‘ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اسٹیج سے نیچے ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں ’’پاور‘‘ کے عام شیئر ہولڈرز، مقامی کاروباری حضرات و خواتین اور میڈیا کے لوگ سب ہی موجود تھے۔
عالیہ اور شاہد احمد اسٹیج کے پچھلی جانب والے دروازے سے داخل ہو کر اسٹیج پر پہنچ گئے تھے۔ عالیہ کو وہاں دیکھ کر ہال میں تالیاں بجائی گئی تھیں۔ ان کے اسٹیج پر پہنچنے کے بعد بابر سہیل اندر داخل ہوا۔ وہ ایک طویل القامت اور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ عالیہ کے قریب پہنچ کر اس نے سر کو تعظیماً خم کیا۔ اسٹیج کے درمیان ایک روسٹرم ٹائپ میز تھی جس پر ایک چھوٹی اسکرین نصب تھی۔
’’آپ دونوں میرے دائیں اور بائیں آجائیے۔‘‘ شاہد احمد اس میز کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ ’’یہ سب بہت آسان ہے۔‘‘ وہ عالیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ’’جیسے ہی اس چھوٹی اسکرین کا ڈیش بورڈ ہرا ہو آپ کو یہ ہرا بٹن دبا دینا ہے۔‘‘
’’اس سے کیا ہوگا؟‘‘ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔
’’اس سے ایک گھنٹی کی آواز بلند ہوگی اور اسکرین پر پاور کے نام کے ساتھ آپ کی تصویر نظر آئے گی جس کے بعد ’’پاور‘‘ کو اسٹاک ایکسچینج کی نمبر ون کمپنی قرار دیا جائے گا۔‘‘
’’ٹھیک ہے۔‘‘ شاہد مسکرایا۔
عالیہ اس کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کے لیے تو کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کیسے ٹھیک ہو سکتا تھا۔ اس سے اس کی پہچان چھینی جا رہی تھی۔ اسے بہت پہلے اس کے کئی دوستوں نے متنبہ بھی کیا تھا کہ وہ بورڈ میں وقتاً فوقتاً شامل ہونے والے افراد کے حوالے سے محتاط رہے مگر وہ بھی کیا کرتی، کمپنی کو آگے بڑھانے کی دوڑ میں اسے پیسوں کی مسلسل ضرورت تھی اور ہر بار اسے انویسٹرز میں سے کسی کو بورڈ کا حصہ بنانا پڑتا تھا اور آج وہ خود کہیں نہیں رہی تھی۔ اس نے افسردگی سے سر ہلایا۔
’’آپ ٹھیک تو ہیں؟‘‘ بابر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی مگر دماغ نے جیسے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

’’عالیہ آپ نے ’’پاور‘‘ بنا کر کمال کیا ہے۔‘‘ بابر کہہ رہا تھا۔ ’’میں آج تسلیم کرتا ہوں کہ میں دل ہی دل میں تم جیسے زبردست لوگوں سے جو خیال کو حقیقت بنا کر آسمان کی بلندیوں تک لے جائیں حسد کرتا ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم نے ناقابلِ یقین کام کیا ہے۔ ہمیں اس پر فخر ہونا چاہیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ’’پاور‘‘ کا خیال رکھوں گا مگر یہ کل کی بات ہے۔ آج کا دن تمہارا ہے۔‘‘
عالیہ نے خالی الذہنی کی کیفیت میں اس کے ڈائیلاگز سنے، ایک لمحے کو اس کی جانب دیکھا پھر مڑ کر اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی جس کا ڈیش بورڈ ہرا ہونے لگا تھا گویا اب بٹن دبانے کا وقت آگیا تھا، اس نے سوچا اور بٹن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سامنے موجود لوگوں کی جانب نظر کی اور یکلخت ساکت سی ہوگئی۔ ہال کے عین درمیان اسے ایک شخص کے ہاتھوں میں پستول بلند ہوتا نظر آرہا تھا۔

☆☆☆

ہال میں یکدم بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔
وہ شخص دھکم پیل میں جگہ بناتے ہوئے تیزی سے اسٹیج کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پسٹل تھا اور دوسرے میں کوئی گول سی چیز تھی۔
’’اس کے پاس...... اس کے پاس بم بھی ہے، بھاگو۔‘‘ اچانک ایک آواز گونجی اور لوگ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے دونوں جانب سے دروازوں کی جانب لپکے۔ ہر طرف ہنگامہ سا برپا ہوگیا تھا۔
’’مس عالیہ...... اندر چلیے۔‘‘ شاہد احمد گھبراہٹ کے عالم میں اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔
’’ہاں......‘‘ وہ بھی یک دم ہوش میں آگئی۔
’’بابر...... بابر کہاں ہے؟‘‘
’’مجھے نہیں معلوم...... وہ گڑبڑ شروع ہوتے ہی یہاں سے نکل گئے تھے۔ آپ آئیے...... اندر چلیے۔‘‘ وہ خود جملہ مکمل کرتے ہی اندرونی دروازے کی جانب لپکا۔ عالیہ اس کے پیچھے تھی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے فائر کی دو آوازیں سنیں نہ جانے وہ فائر اس شخص نے کیے تھے یا پھر قانون نافذ کرنے والے وہاں پہنچ گئے تھے۔ عالیہ دروازے سے کوریڈور میں داخل ہوگئی تھی۔ شاہد اس دوران نہ جانے کس طرف نکل گیا تھا۔ کوریڈور بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ کچھ قدم آگے جا کر اسے بابر سہیل نظر آیا۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کے الفاظ تو وہ سن نہیں پائی تھی مگر اس کا لہجہ خاصا جارحانہ تھا۔ وہ بہت

ناراض نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گیا پھر کچھ کہے بغیر ہال والے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

کوریڈور دور تک خالی نظر آ رہی تھی۔ عالیہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کس طرف جانا چاہیے۔ اس دوران اسے فائرنگ کی مزید آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے اور آگے بڑھی جا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ کوریڈور کے ساتھ ہی مڑ گئی۔ کچھ آگے جانے کے بعد اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی، عالیہ رک گئی۔

''شاہد صاحب...... کیا یہ آپ ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

اس کے سوال کے جواب میں دوسری جانب خاموشی ہی رہی بس قدموں کی آہٹ اب قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''کون ہے وہاں؟'' اس نے پھر پوچھا۔

اس کے سوال کے ساتھ ہی وہ اسے نظر آیا، وہ بائیس چوبیس سال کا ایک نوجوان تھا۔ اس کے ایک پیر سے خون بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑا بھی رہا تھا۔ اس کی سانس بُری طرح پھولی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے عالیہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا یہ تو وہی پستول والا حملہ آور تھا۔

''عالیہ میڈم......'' وہ بمشکل بولا۔ عالیہ نے خوف زدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اپنا ایک پیر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عالیہ یکلخت آگے بڑھی اور پھر مڑ کر تیزی سے دوسری جانب دوڑنے لگی۔ بھاگتے ہوئے بھی اسے اپنے پیچھے گھسٹتے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کوریڈور کا اختتام ایک بند کمرے پر ہوا تھا۔ اس نے دیوانہ وار ہینڈل کو گھمانا چاہا مگر دروازہ لاک تھا۔ عالیہ نے مایوسی سے گہری سانس لی اور مڑ کر دوسری جانب جانا چاہا مگر اتنی دیر میں قدموں کی آہٹ اس کے بالکل قریب آ چکی تھی۔ آخر وہ کیوں اس کا پیچھا کر رہا تھا؟ آخر وہ اپنی جان بچا کر بھاگنے کے بجائے یہاں تک کیوں آیا تھا؟ اسے اس کا نام کیسے معلوم تھا؟ سوالات اس کے اردگرد رقص کر رہے تھے اور گھسٹتے ہوئے قدموں کی چاپ اس کے بالکل قریب آ چکی تھی۔ عالیہ نے اپنی سانس روک لی اور دروازے سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ عالیہ میڈم...... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ یہیں کہیں ہیں۔'' وہ بمشکل بول پا رہا تھا۔

عالیہ اس دوران میں اپنی سانس روک کر اس نیم تاریکی سے کوریڈور کے دروازے سے چپک کر کھڑی تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ وہ اسے نہ دیکھ پائے۔ چند لمحے بعد اس کے مڑنے اور دوسری سمت بڑھنے کی آواز پر عالیہ نے گہری سانس لی، عین اسی وقت اس کا موبائل بج اٹھا۔ بیل کی آواز کوریڈور کے ساکت ماحول میں گونجنے لگی تھی۔ اسکرین پر بابر کا نام چمک رہا تھا۔ عالیہ نے تیزی سے فون بند کیا مگر وہ اس کی آواز سن چکا تھا۔ قدموں کی چاپ اب دوبارہ اس کی جانب آ رہی تھی۔ پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ وہ اس کی جانب آ رہا تھا۔

☆☆☆

''مجھ سے مت ڈریں...... میں آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' وہ اب اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

عالیہ نے اس کی طرف دیکھا پھر چاروں جانب نظر کی، اردگرد دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''میرے قریب مت آنا۔'' وہ ایک ہاتھ آگے جا کر جارحانہ انداز میں بولی۔

''میں نے کہا نا میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا...... یہ دیکھیے میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ عالیہ نے پہلی بار اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا۔ اس نوجوان کا چہرہ خوف سے پیلا پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اندازِ گفتگو سے بھی وہ کوئی مجرم یا دہشت گرد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

''جو کہنا ہے وہیں سے کہو۔'' وہ بالآخر بولی۔

''میں آپ کو خوف زدہ کرنے پر معذرت کرتا ہوں مگر مجھے کسی بھی طرح آپ سے رابطہ کرنا تھا۔ یقین جانیے میڈم کہ میں ایک ماہ سے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر ''پاور'' میں کسی نے میری بات نہیں سنی، حتیٰ کہ میں پولیس کے پاس بھی گیا تھا مگر انہوں نے مجھے پاگل سمجھ کر نکال دیا، صرف اور صرف آپ ہی میری بات سمجھ سکتی ہیں۔''

''مجھ سے رابطہ کرنے کا یہ طریقہ ہے...... لوگوں کو گولیاں مار کر......؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے کسی کو گولی نہیں ماری۔''

''مگر میں نے فائر کی آواز سنی تھی۔''

''کسی نے مجھے گولی ماری ہے، اسی وجہ سے تو میرے پیر سے خون بہہ رہا ہے۔'' وہ بولا۔ ''میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، وہ پستول ایک کھلونا پستول تھا۔''

''اور وہ بم......؟''

''وہ تو ٹوائلٹ پیپر کا ایک رول تھا۔'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ مبینہ بم اس کے سامنے پیش کیا جو اب دب دبا کر پچس ہو چکا تھا۔

''ایسی کیا اہم ترین بات ہے جسے کرنے کے لیے تمہیں اتنا سب کچھ کرنا پڑا؟'' عالیہ اب قدرے نارمل ہوتی جا رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، ایک زوردار آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

''خبردار...... حرکت نہ کرنا ورنہ بھون دیے جاؤ گے۔'' کوریڈور یک دم پولیس والوں سے بھر گیا تھا۔

''اپنے ہاتھ سر کے پیچھے رکھو......فوراً۔''

نوجوان نے ان کے حکم کے مطابق اپنے ہاتھ سر کی پشت پر رکھے اور بے بسی سے عالیہ کی جانب دیکھا۔

''میڈم عالیہ پلیز میری مدد کریں، یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے......''

''بکواس بند کر دے۔'' ان میں سے ایک غرایا اور اس نے لڑکے کے گھٹنے پر زوردار ٹھوکر رسید کی۔ اس ٹھوکر کے نتیجے میں وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی اور اسے گھسیٹتے ہوئے ساتھ لے جانے لگے۔

''میڈم عالیہ...... وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے......''

وہ مڑ کر پکارا۔ ''آپ مجھے ''بک شاپ'' میں ڈھونڈ سکتی ہیں۔''

☆☆☆

وہ مسلسل دوڑ رہا تھا۔

اس کی نظریں ٹریڈمل کے میٹر پر تھیں جس کے مطابق اس وقت اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ اس کا قد چھ فٹ کے قریب تھا۔ سانولی رنگت، سیاہ گھنے بالوں اور ورزش کی محنت سے بنا کسرتی جسم اسے لوگوں میں ممتاز کرتا تھا۔ پینتالیس سال کی عمر میں اس کی فٹنس بیس بائیس سال کے بہت سے نوجوانوں سے بہت زیادہ بہتر تھی۔ کانوں میں لگی بلیوٹوتھ ڈیوائس میں بجتی گھنٹیوں نے اسے ٹریڈمل سے اترنے پر مجبور کر دیا۔

''ہیلو......'' وہ بولا تو اس کی بھاری آواز حیرت ناک حد تک پُرسکون تھی۔

''اسد تم ابھی اسٹیشن آ سکتے ہو؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''یار مسٹر ایس پی، میرا خیال ہے کہ تمہیں معلوم ہے نا کہ میں ملازمت چھوڑ چکا ہوں۔'' وہ میز پر رکھے فلاسک سے جوس نکالتے ہوئے بولا۔

''معلوم ہے بھائی اور یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یہ ملازمت اس لیے چھوڑی ہے کہ تم زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔ دوسروں کی مدد کرنا چاہتے ہو۔ اس کے علاوہ جو تم نے نہیں بتایا وہ بھی جانتا ہوں کہ چونکہ تمہارے والد مرحوم تمہارے لیے کافی کچھ چھوڑ گئے ہیں لہٰذا ہماری طرح نوکری کرنا تمہاری مجبوری نہیں ہے مگر تم یہ بھول رہے ہو کہ تم نے نوکری چھوڑنے کے بعد ملک میں سراغ رسانی کا غالباً واحد ادارہ کھول رکھا ہے جسے تم جیمز بانڈ کی طرح چلانا بھی چاہتے ہو......تو یوں سمجھ لو کہ ہم تمہیں ایک چھوٹے سے کام کے لیے انگیج کر رہے ہیں، تم جانتے ہو نا کہ آج کی بریکنگ نیوز کیا ہے؟'' جمشید نے کہا۔

جمشید اور وہ پرانے دوست تھے انہوں نے پولیس ڈپارٹمنٹ کو ساتھ ہی جوائن کیا تھا پھر آگے پیچھے ایس پی کے عہدے تک پہنچے تھے۔ اسد نے پچھلے سال قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ جمشید، اسد کی تفتیشی صلاحیتوں کا مداح تھا اور اکثر کیسز میں اس کی باقاعدہ مدد لیتا رہتا تھا۔

''ہاں تمہارے راج میں سب گڑ رہتے تو اس شہر میں ہیں بھائی......'' اسد بولا۔ ''اس لڑکے کے کیس کی بات کر رہے ہو نا جو اسٹاک ایکسچینج میں ''پاور'' کی تقریب میں کھلونا پستول اور ٹوائلٹ پیپر کے رول کو بم بنا کر گھس گیا تھا اور یہ بھی کہ کسی پُراسرار ہیرو نے اسے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس احمق بچے کو تو تمہارے شیروں نے گرفتار کر لیا اور جس نے اصلی پستول سے اصلی گولی چلا کر اسے تقریباً مار ہی ڈالا تھا اس کی اب تک تم لوگوں کو کچھ خبر نہیں مل سکی۔''

''ہاں، اسد اس پر کام ہو رہا ہے' ایک نکتۂ نظر یہ بھی ہے کہ وہیں کسی ٹریڈر نے وہ گولی چلا دی ہو۔''

''نہیں یار جمشید یہ ممکن نہیں ہے۔ وہاں کسی کو ہتھیار لانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا بھی تو وہ چھپ کر ایسا کیوں کرے گا یہ کوئی اور چکر ہے تم چاہے لکھ لو۔''

''اس نے کچھ بتایا......؟''

''نہیں یار، یہی تو مسئلہ ہے۔ صرف ایک جملہ بول کر منہ بند کر کے بیٹھ گیا ہے۔''

''کیا جملہ......؟''

''یہ کہ اس کا عالیہ سلمان سے بات کرنا بہت ضروری

ہے اگر ایسا نہ ہوا تو شہر میں سیکڑوں لوگ مارے جا سکتے ہیں۔''

''ہم......'' اسد نے سیٹی کے سے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔

''چار گھنٹوں سے اس سے سوال جواب کیے جا رہے ہیں۔ کھانا پانی کچھ بھی نہیں لے رہا، اپنا نام تک نہیں بتا رہا نہ اپنے بارے میں کچھ بتانے کے لیے تیار ہے۔ اس کے پاس کوئی شناختی کاغذ نہیں ہے۔ نہ ہی مجرموں کے کسی ڈیٹا میں اس کی انگلیوں کے نشانات وغیرہ موجود ہیں۔''

''یار، وہ بدمعاش نہیں ہے۔''

''یہ تو میں بھی سمجھ گیا ہوں تب ہی اس سے آرام سے بات کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسی لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''اور وہ کہاں ہے؟'' اسد نے پوچھا۔

''کون......؟''

''عالیہ سلمان......؟''

''نہیں معلوم...... وہ اب تک اپنے گھر بھی نہیں پہنچی۔''

''ٹھیک ہے میں آرہا ہوں جمشید......'' اسد نے کہا اور فون بند کر کے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

ایک گھنٹے میں وہ پولیس اسٹیشن میں موجود تھا۔ جمشید اسے فوراً ہی کمرائے تفتیش تک لے گیا تھا جہاں وہ لڑکا ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ایک میز موجود تھی جس کے دوسری جانب رکھی تین کرسیوں میں سے دو پر دو انسپکٹر بیٹھے ہوئے تھے۔ جمشید کے اشارے پر وہ کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ جمشید چند لمحے وہاں رکا تھا پھر وہ بھی ان دونوں کو تنہا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اسد چند لمحے غور سے اس کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کی عمر بیس یا تیس سال کے لگ بھگ لگ رہی تھی۔ دبلی پتلی جسامت تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور آنکھیں دور کہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

''تم مس عالیہ سے ملنا چاہتے ہو؟'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد اسد نے پوچھا۔

اس کے اس سوال پر لڑکے نے اس کی جانب دیکھا، اس کا سر اثبات میں ہلا تھا، مچھلی نے چارہ نگل لیا تھا اب اسے اپنا کام کرنا تھا۔

''میں تمہیں عالیہ سلمان سے ملا دوں گا مگر اس کے لیے پہلے تمہیں میری بات سننی ہوگی۔''

لڑکا اب بھی مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ''میرا نام اسد علی خان ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آج صبح کیا ہوا تھا۔ تم کو مجھے یہ سب بتانا ہے اور میں تمہارے لیے عالیہ سلمان کو ڈھونڈ کر لے آؤں گا...... ڈیل......؟''

''نہیں......'' وہ قدرے زور سے بولا۔

اسد کرسی پر ٹھیک سے بیٹھ گیا۔ وہ بالآخر بول پڑا تھا۔ اسد چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ ''تم سوچ لو...... میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل کر ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ چند لمحوں میں وہ اس کی آواز سنے گا۔ دوسرے کمرے میں پانچ منٹ گزار کر وہ پھر اس کمرے میں داخل ہوا، لڑکا اب میز پر دونوں ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے میں تمہیں سب بتاؤں گا مگر صرف تم مجھ سے بات کرو گے اور پھر میڈم عالیہ کو میرے پاس لاؤ گے۔''

''ڈیل......'' اسد مسکرایا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

☆☆☆

بابر سہیل اس وقت ''پاور'' کے ہیڈ آفس کی پہلی منزل پر واقع بورڈ روم میں موجود تھا۔ یہ ایک بڑا سا ہال تھا جو بورڈ روم کی تمام ضروریات اور آسائشات سے مرصع تھا۔ کمرے کے درمیان ایک لمبی سی اوول شیپ کی میز رکھی تھی جس کے اردگرد اس وقت پانچ افراد آرام دہ ایگزیکٹو کرسیوں پر براجمان تھے۔

''میں اس اچانک اور ہنگامی میٹنگ کے لیے زحمت پر معذرت خواہ ہوں مگر یہ کمپنی کے معاملات کو ٹھیک رکھنے کے لیے بے حد ضروری تھی۔'' بابر سہیل نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''میں اس قدر مختصر نوٹس پر آپ سب کی آمد کا مشکور ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے چیئرمین بورڈ اور ایک معزز ممبر ملک سے باہر ہونے کی بنا پر فون پر ہمارے ساتھ موجود رہیں گے۔ کیا آپ ہمیں سن پا رہے ہیں سر؟''

''بالکل۔'' ایک لمحے کے سکوت کے بعد کمرے میں ایک سرد اور تحکمانہ آواز گونجی۔ ''میں سعید خرم ہوں۔ اس وقت ٹورنٹو میں ہوں اور میٹنگ میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''شکریہ۔'' بابر بولا۔ ''ہمارے دوسرے ساتھی اس وقت ہمیں جوائن نہیں کر پائے ہیں مگر ہمارا کورم مکمل ہے۔

آپ سب آج صبح پیش آنے والے سنگین واقعے سے بخوبی واقف ہیں۔"

"ہاں...... اور سوال یہ ہے کہ عالیہ کہاں ہے؟"

شجاعت احمد اس کی بات کاٹ کر بولا۔ وہ ایک چھوٹی قامت کا شخص تھا اور میز کی مرکزی کرسی پر تشریف فرما تھا۔ وہ بورڈ ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ کمپنی میں چیف آپریٹنگ آفیسر کے فرائض بھی سرانجام دے رہا تھا۔ بابر کو وہ سخت ناپسند تھا۔ چیف ایگزیکٹو بننے کے بعد وہ اسے بورڈ سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"آپ نے درست کہا۔" وہ اپنی ناپسندیدگی اور غصے کو چھپا کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ اس میٹنگ کی دوسری وجہ ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟ وہ اب تک گھر نہیں پہنچی نہ ہی اس نے ہم میں سے کسی سے رابطہ کیا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ٹھیک ہو اور اس گڑبڑ سے گھبرا کر کسی دوست کے گھر یا دفتر چلی گئی ہو مگر یہ بھی امکان ہو سکتا ہے کہ اس کی گمشدگی کے پیچھے صبح والے حادثے میں ملوث افراد کا ہاتھ ہو اور اگر ایسا ہوا ہے تو پھر ہمیں بدترین نتائج کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ آج کی تقریب کے بعد اسے قانونی کاغذات پر دستخط کرنے تھے یا یوں کہیے کہ "پاور" کے سی ای او کو دستخط کرنے تھے۔ کاروباری معاملات کو اس ساری مشکل سے بچانے کے لیے میں فرسٹ آرڈر آ بزنس کی مد میں اپنا نام فی الحال ایکٹنگ چیف ایگزیکٹو کے طور پر پیش کرتا ہوں۔"

"عالیہ کی واپسی تک کے لیے......؟" شجاعت احمد نے پوچھا۔

"بالکل جو بھی کچھ پہلے سامنے آتا ہے اس وقت تک کے لیے۔" بابر نے تحمل سے کہا۔

چند لمحے کے لیے ہال میں سکوت سا طاری ہو گیا تھا پھر سعید خرم کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

"میں بابر سہیل کی تجویز کی تائید کرتا ہوں۔"

"ہم سب اس کی تائید کرتے ہیں۔" میز پر موجود افراد نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہترین۔" سعید خرم نے پھر کہا۔ "یعنی بابر کی عارضی سی ای او کی تجویز متفقہ طور پر منظور کی جاتی ہے۔"

"متفقہ طور پر نہیں......" شجاعت احمد نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "میں اسے غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمیں عالیہ کے رابطہ کرنے کا انتظار کرنا چاہیے۔"

"اوکے...... ہم اسے درست کر لیتے ہیں۔ تجویز ایک کے مقابلے میں آٹھ ووٹوں سے منظور کی جاتی ہے۔"

سعید خرم نے معاملہ نمٹا دیا تھا۔

☆☆☆

اسد دوبارہ تفتیش کے کمرے میں موجود تھا۔ اس کے عین سامنے کرسی پر وہ نوجوان بیٹھا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی نروس نظر آرہا تھا۔

"چلو گفتگو کا آغاز تعارف سے کرتے ہیں میں اپنا تعارف کرا چکا ہوں تمہارا نام کیا ہے؟" اسد نے پوچھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ اس کا اسد سے گفتگو کرنے کا فیصلہ صحیح بھی ہے یا نہیں...... پھر بالآخر وہ بولا۔

"تیمور خالد......"

"اچھا نام ہے پھر تیمور کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم کل اس تقریب میں کیا کر رہے تھے؟"

"نہیں......" وہ تیزی سے بولا۔

اسد نے نرمی سے اس کی جانب دیکھا۔ تیمور بہت زیادہ الجھا ہوا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ اسد جانتا تھا کہ اسے محتاط رہنا ہے اگر وہ ذرا بھی سختی سے پیش آیا تو وہ دوبارہ اپنا منہ بند کر لے گا۔

"اچھا تو پھر تم کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

"میں میڈم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہی میری بات سمجھ سکتی ہیں میں نے پولیس والوں کو سمجھانا چاہا تھا مگر وہ کچھ نہیں سمجھ سکے......"

"مگر تم نے مجھے تو نہیں سمجھایا...... دیکھو تیمور میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ میں عالیہ سلمان کو یہاں لے آؤں گا مگر پہلے مجھے بھی کچھ کر کے دکھانا ہوگا۔ کیا تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو؟"

تیمور چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا پھر بالآخر بولا۔

"ہزاروں لوگوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔"

"کہاں...... اور کون لوگ ہیں یہ......؟" اسد نے پوچھا۔

"کہیں بھی پورے ملک میں، اسپتالوں میں، سڑکوں پر......" وہ بولا۔

"کیا تم اس بات کی تھوڑی سی وضاحت کر سکتے ہو؟" اس نے سنجیدگی سے اس کی جانب جھکتے ہوئے پوچھا۔

"زندگی کا انجام تو موت ہے ہی سڑکوں پر، گھروں میں، اسپتالوں میں روز لوگ مرتے ہیں۔"

"نہیں، نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" تیمور سر ہلا

کر بولا۔ ''ان کی موت طبعی نہیں ہوگی۔''

''یعنی قتل......؟ اگر ایسا ہے بھی تو اس سب میں عالیہ سلمان کہاں فٹ آتی ہے؟'' اسد نے پوچھا۔

''پاور......'' تیمور بولا۔ ''پاور اس وقت خطے کی سب سے بڑی ڈیٹا کمپنی ہے۔ ان کی تیار کردہ مصنوعی ذہانت موت پیدا کرسکتی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو......؟ تمہارا مطلب ہے کہ عالیہ سلمان یہ کررہی ہے؟''

''نہیں، نہیں بالکل نہیں...... دراصل ''پاور'' میں سیکڑوں ہزاروں پروگرام اور ڈیٹا کے ماہرین نیٹ ورک کے طور پر کام کرتے ہیں میں بھی ان میں سے ایک ہوں...... جو کچھ ہونے جارہا ہے اس کا تعلق ''پاور'' سے ہے اور ''پاور'' میں جو کچھ ہے اسے عالیہ سلمان سے زیادہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اسی لیے...... اسی لیے میرا ان تک پہنچنا ضروری ہے۔ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ہی میں نے وہ سب کیا تھا۔'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

اس سے قبل کہ اسد کچھ کہہ پاتا، کمرے کا دروازہ ایک تیز آواز کے ساتھ کھل گیا اور ڈی آئی جی کے ساتھ کئی پولیس افسران کمرے میں داخل ہوگئے، جمشید ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اسد ان سب کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں اس چھاپے کا مقصد نہیں آیا تھا۔

''تمہارا شکریہ اسد...... میرا خیال ہے اتنا کافی ہے آگے کی تفتیش ہم خود کرلیں گے۔'' ڈی آئی جی احمد بخش نے کہا۔

''مگر میں صرف ان سے بات کروں گا۔'' تیمور خوف زدہ انداز میں بولا۔

''تم ہر اس شخص سے بات کرو گے جس سے ہم کہیں گے اور جب ہم کہیں گے سمجھے......؟'' احمد بخش، تیمور کو گھور کر بولا۔

''مگر......'' اسد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر بند کرلیا۔

''تم جاسکتے ہو اسد۔'' احمد بخش اس کی جانب مڑ کر بولا۔

اسد کے لیے اس کے بعد وہاں رکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ غصے میں بھنایا ہوا کمرے سے باہر آیا، باہر جمشید اس کا منتظر تھا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں اسد نہ جانے اس ڈی آئی جی کا اس چکر میں کیا معاملہ ہے، تم جانتے ہی ہو نا کہ اوپر سے حکم آنے کے بعد کچھ کرنا ممکن نہیں رہتا۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''جانتا ہوں تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتے ہو نا کہ میں نے ڈپارٹمنٹ کیوں چھوڑ دیا، آج تمہیں اس کا جواب مل گیا ہوگا۔ کیونکہ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں سیدھا باہر نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

عالیہ ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں موجود بزنس روم کے ایک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں اس نوجوان کا جملہ گونج رہا تھا۔ وہ جملہ ہی اسے یہاں لایا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ سکتی تھی کہ اس نے اسے اس کو تھنک شاپ پر ڈھونڈنے کے لیے کیوں کہا تھا۔ ''تھنک شاپ'' پاور کے لیے آزادانہ بنیادوں پر کام کرنے والے ڈولپرز اور پروگرامرز کے لیے بنایا گیا ورچوئل (آن لائن) پلیٹ فارم تھا جہاں ہزاروں کی تعداد میں ڈولپرز اپنے پروجیکٹ بناتے اور شامل کرتے رہتے تھے جس کا پروجیکٹ اچھا ہوتا اسے ''پاور'' خرید لیا کرتا۔ یقیناً وہ اس سے متعلق تھا۔ عالیہ کو اسے وہاں سے ڈھونڈ نکالنا تھا جو آسان کام ہرگز نہیں تھا۔

اس کے لیے اسے سب سے پہلے ایک کمپیوٹر اور سکون کی ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے اس نے پولیس کے معاملات سے فراغت کے بعد گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں ''پاور'' کے لوگوں سے لے کر رپورٹر اور پولیس کوئی بھی اسے کسی بھی وقت ڈسٹرب کرسکتا تھا جبکہ اسے اس لڑکے کے لیے اس معاملے پر فوکس کرنا تھا۔ اس نے صرف عالیہ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اپنی جان اور ساکھ کو داؤ پر لگا دیا تھا اور اب وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیا کیوں تھا۔ چونکہ اب تک وہ باضابطہ طور پر پاور کی چیف آفیسر تھی اس لیے اس کے پاس ''پاور'' کے سپر کمپیوٹر اور اس کے سارے سسٹم میں جانے، دیکھنے، تبدیلی کرنے کے تمام اختیارات بدستور موجود تھے۔

تھنک شاپ کے سسٹم کے مطابق وہاں 60 ہزار ڈولپر کا کام اور تفصیلات موجود تھیں مگر ان میں کافی نے اب تک اپنا پہلا پروجیکٹ مکمل نہیں کیا تھا یا پہلی ایپلی کیشن نہیں بنائی تھی یوں یہ لسٹ پہلے مرحلے میں بیس ہزار افراد تک آگئی تھی۔

عالیہ کو یقین تھا کہ وہ پاور کے ملازمین میں شامل نہیں تھا لہٰذا کمپنی ملازمین اور کلائنٹس سے متعلقہ اکاؤنٹس کو ہٹانے

کے بعد اسے دس ہزار اکاؤنٹس کو کھنگالنا تھا۔ اگر اس وقت اس کے پاس اپنا لیپ ٹاپ ہوتا تو وہ ایک پروگرام بنا کر تلاش کے اس کام کو زیادہ تیزی سے کرسکتی تھی مگر یہاں یہ ممکن نہیں تھا۔ اس نے سر جھٹک کر سوچا۔ وہ کام کر ہی رہی تھی کہ اس کے کمپیوٹر سے کلک کی ہلکی سی آواز آئی۔ سسٹم پر کام کے دوران ڈولپرز آپس میں اور کمپنی اسٹاف سے چیٹ (بات چیت) کرسکتے تھے جیسے کہ عموماً نیٹ ورکنگ سائٹس پر کی جاسکتی ہے۔ عالیہ نے غور سے چیٹ باکس کو دیکھا۔ شجاعت احمد آن لائن تھا۔

''تم کہاں ہو عالیہ......؟'' شجاعت کی تصویر کے ساتھ جملہ چمکا۔

''ایک ہوٹل میں چھپی ہوں۔'' اس نے اسمائلی (مسکراتا چہرہ) کے نشان کے ساتھ لکھا۔

''تم ٹھیک ہونا......؟''

''ہاں تھوڑی خوف زدہ ہوں مگر ٹھیک ہوں۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ بابر نے کمپنی کے اختیارات لے لیے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''کیا مطلب؟ یہ کیسے ممکن ہے؟''

''کچھ دیر پہلے ایک ہنگامی بورڈ میٹنگ میں اس نے خود کو عارضی سی ای او منتخب کرالیا ہے۔ سعید خرم اس کی پشت پر کھڑا ہے۔''

''اوہ......''

''اس نے مجھے تمہارے سسٹم میں داخل ہونے والے اختیارات بند کرنے کو کہا ہے۔''

''کیوں......؟'' عالیہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''اس کا کہنا ہے کہ وہ کارپوریٹ سیکیورٹی کے لیے یہ کر رہا ہے۔''

''اوہ...... شجاعت، کیا تم کچھ دیر کے لیے اس کام میں تاخیر کرسکتے ہو...... میرا مطلب ہے کہ میں کچھ کام کر رہی ہوں۔''

''میں ابھی تمہیں یہی بتانے والا تھا۔ اصل میں شاید میری طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے اس لیے میں کل تک یہ کام نہیں کر پاؤں گا۔''

''اوہ شجاعت شکریہ تم بہت اچھے ہو'' عالیہ مسکرائی۔

''اپنا خیال رکھنا......''

''تم بھی......'' عالیہ نے آخری جملہ ٹائپ کیا۔ اب اسے جلد از جلد کام نمٹانا تھا۔ شجاعت کمپنی کا چیف آپریٹنگ افسر تھا اور عالیہ کی غیر موجودگی میں وہی کمپنی چلاتا تھا۔ وہ اور عالیہ اچھے دوست تھے۔ عمر میں کافی زیادہ ہونے اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے وہ اس سے اکثر ہر معاملے میں مشورہ لیا کرتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ہمدردی میں شجاعت کسی مشکل میں پھنس جائے۔

وہ اس کام کو مزید تیزی سے کس طرح کرسکتی ہے، اس نے ذہن پر زور ڈالا، عمر...... اس کے ذہن میں ایک لفظ گونجا۔ اس نے ٹک شاپ میں داخلے کے فارم میں عمر کا کالم رکھا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس لڑکے کی عمر بیس سے پچیس سال کے درمیان تھی۔ عمر کے ٹیگ سے تلاش کی لسٹ ایک ہزار تک آ گئی تھی۔ عمر کے ٹیگ کو مزید تنگ کرنے سے تعداد چھ سو تک پہنچ گئی۔ اب اسے ان میں سے ایک نوجوان کی تفصیلات ڈھونڈنی تھیں اور اسے ہر قیمت پر یہ کام آج ہی کرنا تھا۔

☆☆☆

اسٹیشن سے گھر کی جانب واپسی کے دوران میں اسد سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تیمور کے جملے اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ ہزاروں لوگوں کی جان خطرے میں ہے۔ وہ سب بے وجہ مرنے والے ہیں۔ آخر ایسا کیا ہونے والا تھا؟ یہ کیسے ممکن تھا؟ اگر دہشت گردی کا کوئی بڑا نیٹ ورک مصروف عمل تھا بھی تو ہر کوئی اس سے ناواقف کس طرح ہوسکتا تھا؟ اور آخر وہ لڑکا تیمور اس معاملے میں صرف اور صرف عالیہ سلمان سے ہی بات کیوں کرنا چاہ رہا تھا؟ اس کا اس سب سے کیا تعلق ہوسکتا تھا؟

اگر وہ احمد بخش نہ آجاتا تو وہ ان میں سے کئی کے جواب حاصل کرسکتا تھا۔ اس نے غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔ اب اس معمے کا حل صرف عالیہ سلمان کی تلاش سے ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کو اس نتیجے تک آنے اور کوئی عملی قدم اٹھاتے کافی وقت لگنے والا تھا اور اب جس طرح ڈی آئی جی احمد بخش نے اس کیس میں انٹری ماری تھی یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مشکل طریقے سے حل کیا جانے والا تھا اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ لڑکا تیمور اگلے ایک دو روز میں کسی پولیس مقابلے میں مار ڈالا جاتا۔ اسد نے گہری سانس لی۔ ''سب سے بڑا سوال تو ایک اور بھی ہے میاں'' وہ گویا اپنے آپ سے بولا۔ ''آپ آخر اس کیس میں کیوں کود رہے ہیں۔ اب آپ پولیس والے تو ہیں نہیں۔'' اس نے خود کو یاد دلایا۔ وہ تو نہ جانے کیوں جمشید نے اسے بُلا لیا اور اس کے سامنے یہ کیس آ گیا مگر اس لڑکے تیمور کے لہجے اور چہرے پر کچھ ایسی بات تھی کہ اسد اسے بھول نہیں پا رہا تھا

آج کل یوں بھی اس کے پاس کوئی کیس نہیں تھا پھر اگر وہ سچ کہہ رہا تھا تو علم ہونے کے بعد بھی بے گناہ انسانوں کو بچانے کی کوشش نہ کرنا اس کی نظر میں خود ایک گناہ تھا۔

''یعنی کل ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے عالیہ سلمان کو تلاش کرنا ہوگا۔'' اس نے سوچا۔

''وہ کہاں جا سکتی تھی۔'' اس نے ذہن دوڑانا شروع کیا اگر وہ اس کی جگہ ہوتا تو کہاں ہوتا...... اس طرح کے مسئلے کے بعد اس کے اس طرح غائب ہونے کی وجوہات کیا ہو سکتی تھیں...... اسے یاد آیا کہ جمشید نے اسے بتایا تھا کہ تیمور گرفتاری سے قبل عالیہ تک پہنچ گیا تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے ہی اسے پکڑا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ تیمور نے کچھ نہ کچھ اسے بتایا ہوگا اگر وہ مکمل بات کر چکے ہوتے تو تیمور اسے بلانے پر مصر نہ ہوتا۔ ''یعنی عالیہ کو اس وقت کسی کمپیوٹر کے سامنے ہونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑایا۔ اگر وہ گھر نہیں گئی تو شام کے اس پہر اس جیسی خاتون کہاں بیٹھ کر کمپیوٹر استعمال کر سکتی تھی۔ لمحہ بھر بعد وہ مسکرایا اور یوٹرن لے کر گاڑی موڑ لی۔

☆☆☆

عالیہ بالآخر اس تک پہنچ گئی تھی۔ عالیہ کے سامنے اسکرین پر اسی لڑکے کی تصویر جگمگا رہی تھی۔ اس کا نام تیمور خالد تھا۔ وہ ڈویلپر اور پروگرامر بھی تھا اور اس کا طالب علم بھی۔ وہ اسے کافی دنوں سے پیغامات بھیجنے کی کوشش کر رہا تھا مگر پچھلے دو ماہ سے وہ خود دفتری الجھنوں میں اس بری طرح پھنسی ہوئی تھی کہ اس نے ''ٹک شاپ'' سے آنے والے پیغامات کا آپشن ہی بند کر رکھا تھا۔

عالیہ نے تیمور کے بنائے ہوئے ایپلی کیشنز کو بغور دیکھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے کام میں مہارت رکھنے والا جینئس تھا۔ یقیناً وہ ''پاور'' کے لیے ایک اثاثہ ثابت ہونے والا تھا۔ اس نے جس طرح کوڈز کو استعمال کیا تھا وہ واقعی بہت زبردست تھا مگر وہ عالیہ سے کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ اسے اب تک سمجھ نہیں آ پایا تھا۔ 'کچھ تو یقیناً تھا۔' اس نے سوچا۔ جو تیمور کے مطابق اس قدر اہم تھا جس کے لیے اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی مگر وہ کیا تھا...... جو ابھی تک اس کی نظروں سے اوجھل تھا؟

''عالیہ سلمان......'' کسی کی دھیمی سی آواز نے عالیہ کو چونکا دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس کی شخصیت بہت پُراثر اور اسمارٹ تھی۔ چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔ اس نے اس کا نام کچھ ایسے انداز سے لیا تھا جیسے صرف اس کے بابا اس وقت لیا کرتے تھے جب وہ کچھ گڑبڑ کر دیتی تھی۔

''آپ کون ہیں؟'' عالیہ نے بے اختیار پوچھا۔

''میرا نام اسد علی خان ہے مگر میں غالب نہیں ہوں۔'' وہ بولا۔ ''میں ایک سال قبل تک ڈی ایس پی تھا اور اب اپنا ایک ادارہ چلا رہا ہوں۔''

''اوکے...... مگر آپ نے مجھے یہاں کیسے ڈھونڈ نکالا؟''

''میں عرصے سے یہی کام کر رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے اور وہ بہت ضروری ہے۔ کیا آپ کافی پینا پسند کریں گی؟''

''جی...... میں کافی منگوا لیتی ہوں۔''

''نہیں یہاں نہیں، اس ہوٹل کے باہر ایک کافی شاپ ہے اس کی کافی یہاں کی کافی سے بہت بہتر ہے۔'' وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔

''اوکے۔'' عالیہ نے سر ہلایا اور ''ٹک شاپ'' سے لاگ آؤٹ ہوتے ہوئے کمپیوٹر پر اپنے کام کی ہسٹری صاف کی اور کھڑی ہو گئی۔

''پولیس کی جگہ آپ مجھ تک پہنچے، اس کی کیا وجہ ہے؟'' کافی کا پہلا سپ لیتے ہوئے عالیہ نے پوچھا۔

''پولیس بھی آئے گی مگر انہیں یہ سب کرنے میں وقت لگتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''مجھے اصل میں اس لڑکے سے گفتگو کرنے یا صاف لفظوں میں اس کا منہ کھلوانے کے لیے بلوایا گیا تھا وہ آپ کے سوا کسی سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے عالیہ اور ایک بات طے ہے کہ وہ مجرم یا خطرناک نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ ایسی کیا بات ہے جو وہ صرف آپ کے علم میں لانا چاہتا ہے۔''

''آپ سے اس کی کچھ بات ہوئی ہے؟''

''جی مختصر سی، اس کا کہنا ہے کہ کوئی ایسی گڑبڑ کی جا رہی ہے جس سے ہزاروں لوگ مر سکتے ہیں۔ شاید وہ اور کچھ بھی بتا دیتا مگر اس دوران پولیس کا لائحہ عمل بدل گیا اور میں اس سے مزید بات نہیں کر پایا۔''

''آپ کو اس کی بات کا یقین ہے؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''میں اس حوالے سے واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا مگر کوئی اس قدر مشکل میں اسی وقت پڑتا ہے جب اسے اپنی بات اور اس کی اہمیت کا یقین ہو۔''

''میں...... میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

"گڈ، یہی میں چاہ رہا تھا۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "ہمیں چلنا چاہیے ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت بالکل نہیں ہے۔"

جب وہ دونوں پولیس اسٹیشن پہنچے تو وہاں معمول سے کچھ زیادہ رش موجود تھا۔ اسد عالیہ کو سیدھا ڈی ایس پی کے کمرے میں لے گیا۔

"جمشید یہ عالیہ سلمان ہیں۔"

"اوہ، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" وہ رسمی انداز میں بولا اور عالیہ کا جواب سننے سے قبل ہی وہ پھر اسد کی جانب متوجہ ہوگیا۔ "تم انہیں یہاں کیوں لائے ہو؟"

"کیا مطلب......؟" اسد نے اسے گھورا۔ "کیا وہ لڑکا صرف ان سے ہی بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا؟"

"ہاں مگر تمہیں ان کو یہاں لانے میں دیر ہوگئی۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے تمہارے جانے کے بعد ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ احمد بخش کی کوشش کے باوجود لہٰذا اسے فی الحال حوالات کی خاص جیل میں منتقل کردیا گیا ہے۔"

"یار...... تم جانتے ہو..... وہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے۔ وہ نہیں برداشت کرپائے گا۔"

"میرے جاننے سے کچھ نہیں ہوتا خاص طور پر اس وقت جب اوپر سے کسی شخص کو مجھ پر مسلط کردیا گیا ہو۔" وہ تلخی سے بولا۔

"اس وقت تو وہ تاخیر سے وہاں بھیجا گیا ہے اور احمد بخش صبح اس سے تفتیش کرے گا۔"

☆☆☆

عالیہ گھر پہنچ کر لاؤنج میں رکھے صوفے پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اسد اسے گھر تک چھوڑ کر لوٹ گیا تھا۔ صبح وہ دونوں تیمور سے ملنے جانے والے تھے اور اسد کا کہنا یہ تھا کہ انہیں احمد بخش نامی پولیس افسر کی آمد سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

وہ سوچے جارہی تھی۔ وہ سب کیا شروع ہوگیا تھا۔ تیمور کے پاس ایسا کیا راز تھا، یہ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف سا ہوا جارہا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے کھڑی ہوئی اور کمرے میں جاکر لیپ ٹاپ نکال کر ایک بار پھر "پاور" میں لاگ ان ہوگئی۔ شجاعت زیادہ دیر تک بابر کے احکامات کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا اس لیے جو کوشش وہ کرسکتی تھی وہ اسی وقت ممکن تھی۔ اس نے دوبارہ "ٹک شاپ" میں جاکر تیمور کے اکاؤنٹ کو دیکھا۔ وہاں اسی طرح اس کی تیار کردہ ایپلی کیشنز پڑی تھیں۔ عالیہ نے اپنے خصوصی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے "پاور" کے پورے سیٹ اپ پر تیمور کی تمام ایکٹیویٹیز (سرگرمیوں) کو چیک کیا، چند لمحوں بعد وہ چونک اٹھی تھی۔ تیمور کے اکاؤنٹ میں ایک اور خاص پروگرام بھی موجود تھا جسے اس طرح رکھا گیا تھا کہ پاور کی جانب سے بھی وہ آسانی سے دیکھا نہ جاسکے۔ اس پروگرام میں اس نے چند ایپلی کیشنز کے لیے کوڈز کو اس خوب صورتی سے بنایا تھا کہ عالیہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ کوڈز نہ صرف دوسرے کوڈز کو خود ہی بنا رہے تھے بلکہ ہدایات بھی جاری کررہے تھے۔ یہ گویا مصنوعی ذہانت کی تحقیق میں ایک بڑا قدم تھا۔ جوں جوں وہ اس کے پروگرام کو دیکھتی جارہی تھی، اس کی آنکھیں حیرت اور دلچسپی سے پھیلتی جارہی تھیں۔ اگر اس سب کو پاور جیسے بڑے سیٹ اپ کے ساتھ ملالیا جاتا تو یہ ایک بہت بڑی ناقابلِ قیاس طاقت بن سکتی تھی۔ ایک خاص حد پر آکر سب کچھ لاک سا ہوگیا تھا۔ اس لاک کی وجہ سے آگے کچھ دیکھنا یا اس سے کچھ کر پانا ناممکن تھا۔ عالیہ کو یقین تھا کہ وہ اس لاک کو کھول سکتی تھی۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسکرین یک دم تاریک ہوگئی۔

"اوہ یہ کیا ہوگیا؟" وہ چونک پڑی پھر اسے خیال آیا کہ لیپ ٹاپ کی بیٹری جواب دے گئی ہوگی۔ اس نے لیپ ٹاپ کو بند کرکے چارج پر لگایا اور خود تازہ دم ہوکر نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے آج کافی کام کرنا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے دوبارہ لیپ ٹاپ کھولنے کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ اچانک اسے بیرونی کمرے میں ہلکی سی آواز سنائی دی پہلے تو اس نے اسے اپنا وہم سمجھا مگر دوسری آواز پر وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسی وقت گھر اچانک اندھیرے میں ڈوب گیا۔

"اوہ...... یہ کیا ہورہا ہے۔" عالیہ کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔ "کون ہے یہاں کون ہے؟" اس کے الفاظ..... ہونٹوں پر ہی دم توڑ گئے تھے اچانک ہی کسی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ دیا تھا۔ کپڑے سے عجیب سی بو آرہی تھی۔ عالیہ نے چیخنا چاہا مگر اس رومال کے نیچے اس کی چیخ دب گئی تھی۔ آخری بات جو اس کے شعور نے ریکارڈ کی وہ اس کی اپنے حملہ آور کو دھکا دینے کی ناکام کوشش تھی پھر اس کے چاروں جانب اندھیرا چھا گیا۔

اسے ہوش آیا تو وہ اپنے ہی کمرے میں اور اپنے ہی بستر پر تھی۔ وہ اچھل کر اٹھ بیٹھی اس کے کمرے میں سب کچھ ٹھیک تھا پھر اس کی نگاہ زمین پر پڑی۔ ایک شخص زمین پر

پڑا تھا۔

''اوہ...... یہ کیا ہے؟'' وہ یک دم چیخ مار کر بستر سے نیچے اُتری۔ زمین پر پڑا شخص عجیب سے انداز میں پڑا تھا اور وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ عالیہ کو یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے۔ وہ مسلسل چلّائے جا رہی تھی۔

''ارے...... پلیز...... رکو...... خاموش ہو جاؤ۔'' پیچھے سے آنے والی بھاری آواز نے اسے مزید بوکھلا دیا۔ وہ تیزی سے مڑی اس کے سامنے اسد کھڑا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر عالیہ کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے پلیز خوف زدہ نہ ہوں۔ ہوش میں آئیں۔''

عالیہ یک دم خاموش ہو گئی۔ ''یہ سب کیا ہے؟ یہاں کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک لمحے کے بعد بولی۔ ''اسے کس نے مارا ہے؟ اور...... آپ...... آپ یہاں اس وقت کیا کر رہے ہیں؟''

''میں نے پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے اسی لیے میں ان کا منتظر تھا پھر بھی مجھے چند لمحوں کی تاخیر ہو ہی گئی۔'' اسد نے قدرے افسوس سے کہا۔

''اور تم نے اس تعاقب وغیرہ کے معاملے میں مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔'' عالیہ غصے میں بولی۔

''میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟'' اسد اس کے غصے میں آپ جناب بھول جانے پر مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔'' عالیہ نے ایک لحہ سوچ کر کہا۔

''کمال ہے تم سمجھ گئیں۔'' اسد مسکرایا۔ ''بہرحال یہ تو اب ہم جان ہی چکے ہیں سوال یہ ہے کہ کیوں؟ تم اس بارے میں کچھ مدد کر سکتی ہو؟''

''نہیں۔'' عالیہ نے سر ہلایا۔ اسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ تیمور کے اس خاص پروگرام سے متعلق ہو سکتا ہے مگر ابھی وہ خود بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ دوسری بات جو اسی لمحے اس کے ذہن میں آئی تھی وہ یہ تھی کہ ٹھیک سے تو وہ اسد کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی اس لیے فی الحال اس نے خاموش ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔

''تمہیں اس بات کا یقین ہے؟'' اسد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہاں اور آپ مجھے آپ کہیں تو مناسب ہے فی الحال

اصل بات

دفتر جاتے وقت وقار نے دیکھا ایک شخص زمین سے کان لگائے لیٹا تھا۔ وقار تجسس کے مارے اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص بڑبڑایا۔ ''ہرے رنگ کی ہنڈا اکارڈ...... ادھیڑ عمر شخص چلا رہا ہے...... کراچی کی نمبر پلیٹ ہے...... اگلا بمپر پچکا ہوا ہے۔''

''کمال ہے۔'' وقار حیرت سے بولا۔ ''آپ زمین سے صرف کان لگا کر بتا سکتے ہیں کہ ایسی کوئی کار اس طرف آ رہی ہے؟''

وہ شخص کراہ کر بولا۔ ''آ نہیں رہی بے وقوف آدمی! میں تو تمہیں اس کار کے بارے میں بتا رہا ہوں جو ابھی ابھی مجھے کچلتی ہوئی گزری ہے۔''

جوابِ آں غزل

ڈاکٹر صاحب نے اپنے جوتے موچی کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے...... انہیں مرمت کی ضرورت ہے؟''

موچی نے جوتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔ ''جی نہیں...... انہیں مرمت کی کوئی ضرورت نہیں...... لائیے بیس روپے عنایت فرما دیجیے۔''

''بیس روپے؟ مگر کس بات کے؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' ڈاکٹر صاحب حیرت سے بولے۔

''ڈاکٹر صاحب پچھلے ہفتے آپ نے میرا ایک ڈیڑھ منٹ معائنہ کر کے بتایا تھا کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ اس بات کے آپ نے چار سو روپے لیے تھے۔ میں اس کام کے صرف بیس روپے مانگ رہا ہوں تو آپ گھبرا گئے۔''

پشاور سے نوید احمد کا بدلہ

ہم ایک دوسرے سے اتنے واقف یا بے تکلف ہرگز نہیں ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اوہ یس...... میں معذرت خواہ ہوں عالیہ صاحبہ۔'' اسد نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا اور دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''آئی ایم سوری (میں شرمندہ ہوں)۔'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد بالآخر عالیہ نے کہا۔ ''اصل میں سب کچھ اتنی تیز رفتاری سے ہو رہا ہے کہ میں پریشان ہو گئی ہوں۔'' وہ واقعی اپنے لہجے کی درشتی پر شرمندہ تھی۔ اسد نے ابھی ابھی اس کی جان بچائی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔'' اسد مسکرایا۔ ''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔''

''پلیز شرمندہ نہ کرو...... ناؤ اپ بزنس......'' عالیہ بھی مسکرائی۔ ''تیمور سے فوری ملاقات ضروری ہے۔''

''ہاں مگر صبح ہونے میں ابھی کچھ گھنٹے باقی ہیں۔'' اسد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''تم اس گھر میں تنہا رہتی ہو؟''

''ہاں فی الحال۔''

''فی الحال۔'' اس کے جملے کو دہرایا۔

''میرے والدین کینیڈا گئے ہیں میری بڑی بہن کے پاس، اس کے گھر نیا مہمان آنے والا ہے۔'' وہ بولی۔

''میرے ساتھ یہاں ہماری انا اور دو ملازم موجود ہیں۔ گیٹ پر چوکیدار بھی ہے مگر اس کے باوجود ایک شخص اندر میرے کمرے تک گھسا چلا آتا ہے آخر یہ کمال خان کر کیا رہا ہے؟'' عالیہ کو جیسے یاد آ گیا۔ ''میں اسے بلاتی ہوں۔''

''ایک نہیں دو دو......'' اسد مسکرایا۔ ''میں جب اندر گھسا تو وہ کیبن کی زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اس کے سر پر وار کیا تھا ویسے سب سے پہلے تو تمہیں پولیس کو مطلع کرنا چاہیے اور اس کو ان کے حوالے کرنا......'' اسد نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور اچانک گڑبڑا سا گیا۔ ''یہ...... یہ کہاں چلا گیا؟''

زمین پر پڑا شخص اب وہاں نہیں تھا۔ اسد ایک لمحے کو ٹھٹکا اور پھر دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ عالیہ دم بخود سی بیٹھی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''خدا جانے کہاں غائب ہو گیا۔'' اسد تھوڑی دیر میں پلٹا تو اس کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے تیس پینتیس سال کا مضبوط کاٹھی اور درمیانی قامت کا ایک شخص بھی تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

''کمال خان...... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' عالیہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ام کو ذرا بھی معلوم نہیں ہے میڈم، ام تو اپنی ڈیوٹی کر رہا تھا کہ ایک دم سے کسی بزدل نے پیچھے سے امارے سر پر وار کیا اور ام بے ہوش ہو گیا یہ دیکھو کتنا بڑا گومڑا بن گیا ہے، یہ تو اماری ماں کی دعا نے ام کو بچا لیا ہے۔'' وہ بولا۔

''صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کو دکھا لینا۔'' عالیہ گہرا سانس لے کر بولی۔ ''تم جاؤ اور باقیوں کو جگا دو...... بوا کو چھوڑ کر......'' وہ ایک ابرو اٹھا کر بولی۔ ''دیکھو وہ گیا کہاں اور کیسے؟ شاید کوئی نشان مل جائے۔''

''ٹھیک ہے میڈم۔'' وہ تابعداری سے سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

عالیہ اب قدرے پُرسکون ہو چکی تھی۔ حالات عجیب تھے اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کیوں اور کس لیے ہو رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے واقعات کی یلغار...... اور یہ اسد...... اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا، پھر چند لمحے سوچنے کے بعد سر جھٹکا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

تیمور کو حوالات سے ملحقہ جیل میں ایک کوٹھری میں بند کیا گیا تھا۔ اس کوٹھری میں ایک لڑکا پہلے سے موجود تھا۔

''تم سے صبح بات ہو گی۔'' بڑی بڑی مونچھوں والے کانسٹیبل نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔ ''صرف آدھا گھنٹا پھر فر فر بولنا شروع ہو جاؤ گے۔ تم، یہاں آ کر بڑی بڑی توپ چیزیں منہ کھول دیتی ہیں تم کیا ہو...... پدی کیا پدی کا شوربہ۔'' اس کے ساتھ موجود دوسرے سپاہی نے اس کے اس جملے پر قہقہہ بلند کیا جیسے اس نے سال کا بہترین لطیفہ سن لیا ہو۔ ''وہ تو تیری خوش قسمتی ہے کہ احمد بخش صاحب خود آ کر بات کرنا چاہتے ہیں تجھ سے۔''

تیمور اس کی لن ترانیوں کے جواب میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''نیچے دیکھ، گھور کیا رہا ہے؟'' اس بار وہ غرایا۔ ''آنکھیں نکال کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔'' تیمور نے اس کے اس طرح کہنے پر گھبرا کر زمین کی جانب نظریں گھما لیں۔ وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر باہر نکل گیا۔

ان کے جانے کے بعد کوٹھری میں موجود لڑکا لپک کے اس کے پاس آ گیا۔ وہ بیس اکیس سال کا نوجوان تھا۔ حلیے سے ہی سڑک چھاپ لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی بے فکری تھی جیسے وہ تھانے یا جیل میں نہیں اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہو۔

''ابے کیا کیا ہے تو نے......؟'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

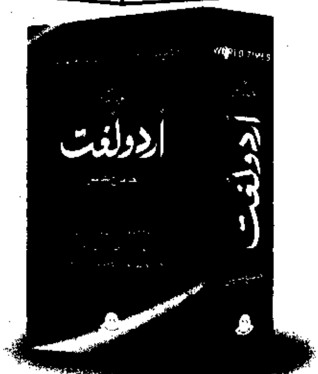
''کک کچھ بھی نہیں۔'' تیمور بولا۔

''ابے چل...... ایسے تو نہیں لے آئے تجھے یہاں...... نام کیا ہے تیرا؟ اپن کو سکندر بولتے ہیں ''مقدر کا سکندر'' دیکھی تھی نا وہ ہی سکندر۔'' وہ ہنسا۔

''میرا نام تیمور ہے۔'' تیمور ایک لمحے بعد بولا۔

''خوشی ہوئی تم سے مل کر۔''





اردو لغت

"ابے یہ تھانہ ہے تیرا دفتر نہیں ہے جو یہ بول رہا ہے۔" اس بار وہ کھل کر ہنسا تھا۔ "پہلی بار آیا ہے نا......؟"

تیمور نے سر ہلایا۔ سکندر کے اصرار پر اس نے اسے اپنی گرفتاری کی وجہ بتائی مگر اصل قصہ گول کر گیا تھا۔

"اچھا...... مجھے تو لگتا ہے کہ لمبا پھنسا ہے تو۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "تجھے کیا تکلیف تھی اس چکر میں خوار ہونے کی...... خیر فکر نہ کر...... ہم یاروں کے یار ہیں۔" وہ بولا۔ پھر باہر کانسٹیبل کے قدموں کی آواز سن کر دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔

تیمور گھٹنوں پر سر رکھے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے پیر کے زخم میں بھی ہلکی سی تکلیف ہو رہی تھی مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اُس کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ شاید اس نے غلط کیا ہے اس کا مقصد عالیہ کو سب کچھ بتانا تھا وہ سب جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا مگر وہ اس سے بات بھی نہیں کر سکا اور یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ کیا خبر ان کو اس کے حال کا علم بھی تھا یا نہیں...... اس نے افسوس کے عالم میں سر ہلایا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ مت گھبرا...... ذرا ان سالوں کو سو جانے دے...... پھر تجھے کچھ بتاتا ہوں کل کی صبح سے مت ڈر تو یہاں ہوگا ہی نہیں صبح...... قسمت کا دھنی ہے...... بڑے صحیح دن آیا ہے تو یہاں......" سکندر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"کیا......؟ کیا مطلب؟" اس کی بات سُن کر تیمور یک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ابے آہستہ بول۔ مروائے گا کیا......؟" سکندر نے اسے گھورا تو وہ بالکل چپ ہو گیا.... اس کے ذہن میں سوچوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ اسے اس حالت میں بیٹھے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ حوالات کے اردگرد لوگوں کی تعداد اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ شور شرابے میں بھی کمی آ گئی تھی۔ تیمور نے زخمی پیر کو پھیلا کر دیوار سے کمر لگا لی۔ ایک ہی پوز میں بیٹھے بیٹھے اس کا جسم اکڑ سا گیا تھا۔

"بس تھوڑی دیر باقی ہے......" سکندر اس کے قریب کھسکتے ہوئے بولا۔

"کس چیز میں......؟"

"یہاں سے باہر نکلنے میں۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے جہاز اڑاتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"اپنی پوری سیٹنگ ہے، فجر کے بعد صفائی والے اندر آئیں گے، ہم ان کے ساتھ باہر نکل جائیں گے۔" وہ آنکھ مار کر بولا۔

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہوگا۔" تیمور بولا۔ "ایک تو یہ ایک اور جرم ہو جائے گا اور ہم بھاگ بھی نہیں سکیں گے۔" تیمور بولا۔

"ابے چل...... جیسے پہلے تو ہمیں یہاں آرتی اتارنے کے لیے لائے ہیں، اور ہم بھاگ جائیں گے...... ویسے بھی ہم نے کون سے بندے مارے ہیں جو پولیس ہمارے پیچھے لگ جائے گی، دو دن میں کیس بند......" سکندر بولا۔ "پھر تیری مرضی ہے۔ تو جانتا نہیں ہے ان کے طریقے...... تجھ سے وہ سب اعتراف کرا لیں گے جس کا تجھے پتا بھی نہیں ہوگا اور پھر ان کاؤنٹر میں کر ج......" وہ گردن پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "اگلے دن خبر لگی ہوگی دہشت گرد مارا گیا۔"

"نہیں...... نہیں۔" تیمور لرز گیا۔

"تو اسی لیے تو کہہ رہا ہوں...... تیرے آگے پیچھے کوئی نظر نہیں آ رہا...... نکل لے میرے ساتھ۔"

"اگر پکڑے گئے......؟"

"بس عورتوں والی باتیں مت کر...... یہ تم پڑھے لکھے لوگوں کو یہ اگر، مگر ہی لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ بس اب چپ چاپ انتظار کر...... ہو سکے تو ایک نیند لے لے۔" سکندر کھسک کر اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا۔ تیمور اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے ہی ان کی کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ ایک نیا سپاہی اور ایک اورنج رنگ کی وردی میں ملبوس شخص اندر داخل ہوئے۔

"چل بے سکندر......" انہوں نے سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے اشارہ کیا اور پھر کوٹھری سے باہر نکل گئے۔ تیمور نے دیکھا کہ انہوں نے باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔

سکندر ان کو دیکھ کر پھرتی سے کھڑا ہو گیا تھا پھر اس نے تیمور کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہم مگر......" تیمور نے کچھ کہنا چاہا مگر سکندر نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھری سے باہر نکل گیا۔ وہ سپاہی ان کے آگے چل رہا تھا۔ بیرونی راستے کی جانب جانے کے بجائے وہ انہیں ایک کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کی دوسری جانب ایک اور دروازہ موجود تھا۔ ان کے ساتھ آنے والے سپاہی نے ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

''میں یہ دروازہ کھولوں گا......'' وہ سرگوشی میں سکندر سے بولا۔ ''باہر ایک پتلے سی کوریڈور کے بعد ذیلی سڑک آجاتی ہے وہیں ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی وین موجود ہوگی، یہ تمہیں اس تک لے جائے گا۔'' وہ اورنج وردی والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''تیزی سے کام کرنا۔ میں یہ دروازہ ایک منٹ سے زیادہ کھلا نہیں رکھ سکتا۔''

اس سے پہلے کہ تیمور کچھ کہہ پاتا، سپاہی نے دروازہ کھول دیا تھا۔ سکندر اور اس اورنج وردی والے نے تیمور کے ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔ کوریڈور کے سامنے ایک کالی وین موجود تھی۔ انہیں دیکھ کر دروازہ کھل گیا تھا اور کسی نے تیمور کو اندر کھینچ لیا تھا۔

''اوہ......'' تیمور کی ٹانگ اس زور آزمائی سے متاثر ہوئی تھی۔

''سنبھل کے......'' کسی نے کہا اور وین تیزی سے سڑکوں پر پھسلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

عالیہ اور اسد جب تھانے سے متصل اس حوالات پر پہنچے تو وہاں ایمرجنسی کا عالم نظر آرہا تھا۔ پولیس کار اور سائرن فضا میں گونج رہے تھے۔

''کیا یہاں ہمیشہ اتنی ہی گڑبڑ رہتی ہے؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''نہیں، شاید کچھ ہوا ہے تم یہاں بیٹھو میں معلوم کر کے آتا ہوں۔'' اسد گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔

اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' عالیہ نے اس کے عجیب سے تاثرات پر اس کی جانب دیکھا۔

''تیمور فرار ہوگیا ہے۔''

''کیا......؟''

''تم نے سنا نہیں، تیمور فرار ہوگیا ہے اس نے اگنیشن میں لگی چابی کو گھمایا اور گیئر لگانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''رکو......تم کیا کررہے ہو؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''واپس جارہا ہوں، ظاہر ہے کہ اب ہم کیا کرسکتے ہیں۔''

''کیا ہمیں اسے ڈھونڈنا نہیں چاہیے؟'' عالیہ کے اس سوال پر وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

''عالیہ بی بی! میں نے کبھی کسی مجرم کے لیے کام نہیں کیا اور بے گناہ لوگ اس طرح فرار نہیں ہوتے۔ اس طرح فرار ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے نیٹ ورک کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاید میں نے اس لڑکے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

تیمور مجرم نہیں تھا، یہ عالیہ جانتی تھی۔ اسد بھی اپنی جگہ درست کہہ رہا تھا۔ اسے پوری حقیقت کا علم نہیں تھا۔

''اسد میں نے تمہیں کچھ باتیں نہیں بتائی ہیں۔'' عالیہ بولی۔

''وہ کیا......؟'' اس نے اس کی جانب دیکھا۔

''تیمور نے ایک کمپیوٹر پروگرام تخلیق کیا ہے جو خود نہ صرف چیزیں سمجھ سکتا ہے بلکہ خود آگے کوڈز بنا سکتا ہے۔ وہ میرے بنائے ہوئے سپر کمپیوٹر ''پاور'' کے ساتھ مل کر تہلکہ مچا سکتا ہے۔''

''اور......؟''

''کیا اور؟ تم شاید سمجھے نہیں...... اس سے سب کچھ بدل سکتا ہے۔'' عالیہ نے اسے گھورا۔

''تمہارے اس طرح گھورنے اور مجھے احمق سمجھنے کے باوجود میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔'' اسد بولا۔

''دیکھو جب انسان کوڈ بناتے ہیں اور کمپیوٹر پر اسے چڑھایا جاتا ہے تو اسے میٹا پروگرامنگ کہتے ہیں۔ اس کے تحت اس قدر کوڈز ہی بنائے جاسکتے ہیں جہاں تک انسان کی سوچ جاتی ہو۔ تیمور کا پروگرام کمپیوٹر کے آرڈر کو سمجھ کر اسے آگے بڑھا سکتا ہے۔''

''یعنی تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کمپیوٹر خود سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔'' اسد نے پوچھا۔

''بالکل۔ ذرا سوچو کہ اگر ایک کمپیوٹر اپنے کوڈز خود بنا اور بہتر کرسکتا ہے تو وہ ناقابلِ یقین رفتار سے حیرت ناک کمالات دکھا سکتا ہے۔ صحت، ریسرچ ہر شعبے میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔'' عالیہ جوش میں کہے جارہی تھی۔

''مگر اس سے لوگوں کے مرنے کا کیا تعلق ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ مجھے معلوم نہیں ہے اسی لیے میرا اس سے ملنا ضروری ہے۔'' عالیہ بولی۔

''شاید اسی لیے اس نے یہ سارا ڈراما کیا تھا۔'' اسد بولا۔

اس سے پہلے کہ عالیہ کچھ کہتی، اس کی جانب کے دروازے کی کھڑکی کے شیشے کو کسی نے تھپتھپایا۔ شیشے کی

دوسری جانب وردی میں ایک اے ایس آئی موجود تھا جو اسے گاڑی سے باہر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' عالیہ نے اسد سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' اسد نے کندھے اچکائے۔ ''شیشہ اُتارو۔''

''جی آفیسر......'' عالیہ نے شیشہ اتارتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں؟''

''کیا آپ عالیہ سلمان ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''گاڑی سے باہر آجائیں۔'' اس کا لہجہ یکلخت بدل گیا۔

''مسئلہ کیا ہے؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''گاڑی سے باہر آجائیں، کیا آپ نے سنا نہیں۔''

اس کے جواب پر عالیہ نے مڑ کر اسد کو دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی اس نے ہاتھ مار کر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔

عالیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسد گاڑی سے باہر آ گیا۔

''کیا مسئلہ ہے تمہارا......؟''

''آپ گاڑی میں بیٹھ جائیں سر۔'' اے ایس آئی بولا۔ ''ہم میڈم کو گرفتار کر رہے ہیں۔''

''کس الزام میں......؟'' اسد نے حیرت سے پوچھا۔

''قانون سے کھلواڑ اور ایک مجرم کو فرار ہونے میں مدد دینے کے الزام میں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

عالیہ آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''عالیہ کے بارے میں کوئی خبر ملی؟'' خرم سعید نے پوچھا۔ یہ اس کی ایک ہی دن میں آنے والی دوسری کال تھی۔

''نہیں۔'' بابر سہیل بے پروائی سے بولا۔ ''اب اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے؟''

''ہر چیز سے فرق پڑتا ہے۔''

''مجھے اُمید ہے کہ وہ جلدی سامنے آجائے گی۔'' بابر سہیل اس وقت ''پاور'' کی عمارت میں موجود بڑے بورڈ روم میں بیٹھا تھا۔ دس سال پہلے جب عالیہ نے ''پاور'' کو شروع کیا تھا تب کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک دن وہ خطے کا بڑا نام بن جائے گا۔ اس وقت پاور کا دفتر ایک کرائے کی عمارت میں تھا مگر چار سال بعد یہ عمارت خرید لی گئی تھی۔

اس پوری عمارت کی تعمیر اور تزئین و آرائش عالیہ کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔

''اور تیمور......؟'' خرم نے پھر پوچھا۔

''میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔'' بابر نے جواب دیا۔

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے حساب سے عالیہ نے اس بورڈ روم میں بہت کھڑکیاں بنوائی تھیں۔

''اُمید ہے کہ تم نے صحیح لوگوں کے سپرد یہ کام کیا ہو گا۔'' سعید خرم نے تحمل سے پوچھا۔ ''اور وہ پروگرام؟ اس لڑکے نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟''

''نینو......'' بابر مسکرایا۔ ''ہماری ٹیم اس پر کام کر رہی ہے مگر انہیں اس میں کچھ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے۔''

''ہوں۔'' خرم نے کہا۔ ''ہمیں عالیہ اور تیمور دونوں کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر ہم ''پاور'' اور ''نینو'' کو یکجا نہیں کر سکتے اور اگر یہ سب جلد ہی نہ ہوا تو میرا سارا کام ٹھپ ہو جائے گا۔ میں نے یہ ساری محنت ناکام ہونے یا ناکامی کی خبریں سننے کے لیے نہیں کی ہے مسٹر بابر...... یاد رکھو تمہیں میں نے سی ای او بنایا ہے اور میں اسی طرح ایک لمحے میں تمہیں اس عہدے سے ہٹا بھی سکتا ہوں۔'' اس کے الفاظ غراہٹ میں بدل گئے اور پھر لائن بے جان ہو گئی۔

☆☆☆

وین ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

باہر نکل کر تیمور نے گہری سانس لی اس کے اندازے کے مطابق وہ ''پاور'' کے پارکنگ لاٹ میں ہی موجود تھے۔

وین میں موجود دونوں مسلح گارڈز اس کے ساتھ باہر آئے تھے ان میں سے ایک اس وقت فون پر کسی سے سرگوشیوں میں بات کر رہا تھا جبکہ دوسرا چوکنی نظروں سے تیمور کو دیکھ رہا تھا۔ سکندر راستے میں ہی وین سے اُتر گیا تھا۔ اترنے سے قبل ایک گارڈ نے چند نوٹ اس کی طرف بڑھائے تھے اور وہ تیمور کو آنکھ مارتا ہوا گاڑی سے اُتر گیا تھا۔

''چلو......'' گارڈ فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ لمبے کاریڈور اور پھر لفٹ سے ہوتے ہوئے ان کا سفر بابر سہیل کے دفتر پر ختم ہوا تھا۔

''آؤ تیمور...... میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ میرے

باصلاحیت نوجوان۔" بابر نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"بیٹھو۔" وہ کرسی کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "تیمور تم نے جو کام شروع کیا تھا، ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہی اسے ختم کرو۔"

"مگر میں کیوں کروں گا، تم تو مجھے مار ہی ڈالو گے نا۔" تیمور زہریلے لہجے میں بولا۔

"ہاں، ہم نے کوشش کروائی تھی مگر تمہاری قسمت اچھی تھی۔" بابر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "لیکن جو ہوا اچھا ہوا، گولی تمہارے سر یا سینے میں لگنے کے بجائے پیر کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ نینو تقریباً ٹوٹ گیا ہے اور تمہیں اسے ٹھیک کرنے میں میری ٹیم کی مدد کرنی ہے شاید یہ کام تمہارا منتظر تھا۔"

"تم لوگ اس سے جو کام لینے جا رہے ہو، وہ غلط ہے۔ میں نے اسے اس کے لیے نہیں بنایا تھا۔" تیمور کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"بڑے مقاصد کے لیے کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، تیمور تمہیں "نینو" کو ٹھیک کرنا ہوگا ورنہ دوسری صورت میں صرف تم ہی نہیں ہم "نینو" کو ٹھیک کرنے کے بعد اس کے ذریعے تمہارے ہر عزیز کو موت کی نیند سلا دیں گے۔" بابر نے سفاکی سے کہا۔ "تمہارے فرار کے بعد ہماری ٹیم نے نینو کو ڈی این اے کو سمجھنے اور تلاش کرنے کی ٹپس بھی سکھا دی ہیں اور تم اس کا مطلب سمجھتے ہو۔"

تیمور سکتے کے سے عالم میں بابر کو دیکھ رہا تھا۔

"خاموشی رضامندی ہوتی ہے۔ ہے نا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارا کام کرو گے۔" بابر مسکرایا۔

☆☆☆

شجاعت احمد انتہائی غصے میں بابر سہیل کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔ بابر اس وقت تنہا تھا۔ "تم یہ نہیں کر سکتے۔" شجاعت نے اس کی میز کے پاس پہنچتے ہی کہا۔

"کیا......؟ میں کیا نہیں کر سکتا اور تم کھڑے کیوں ہو، بیٹھ جاؤ شجاعت۔" بابر نے مسکرا کر کہا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تم نے "پاور" پر کام کرنے کی میری آئی ڈی بند کر دی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہوگا؟" وہ غرایا۔

"اوہ...... مجھے افسوس ہے اسے اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔" بابر مصنوعی دکھ سے بولا۔

"اسے ہونا ہی نہیں چاہیے تھا...... عالیہ تمہیں اس کے لیے معاف نہیں کرے گی۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو شجاعت، ہاں میں نے تمہیں چیف آپریٹنگ آفیسر کے عہدے سے الگ کر دیا ہے مگر میں تم سے بیٹھ کر بات کرنا چاہتا تھا مگر ہوا یہ کہ میں صبح سے بہت بزی رہا اور ٹیم نے اپنا کام شروع کر دیا۔"

"میں بورڈ کا ممبر بھی ہوں تم اتنی آسانی سے مجھ سے جان نہیں چھڑا سکتے۔" شجاعت، بابر کی میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "تمہیں اس کے لیے ووٹ کرانا پڑے گا۔"

"ووٹنگ ہو چکی ہے۔ تمہیں اس ٹیلی فونک اجلاس میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ نئے چیف ایگزیکٹو کی پہلی درخواست کو رد نہیں کیا جاتا شجاعت۔" بابر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "اور ہاں ہم نے ابھی تمہاری ریٹائرمنٹ کا اعلان نہیں کیا ہے لہٰذا سکون سے اپنا کام سمیٹ لو۔ ایک بات سمجھ لو میں اب یہاں تمہارا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔" جملے کے اختتام پر بابر کا لہجہ نہایت سرد ہو گیا تھا۔ شجاعت احمد چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر مڑ کر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا، اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ آگے بڑھاتا دروازہ یکلخت کھل گیا۔

"اوہ، سوری مجھے معلوم نہیں تھا کہ اندر کوئی ہے۔" بابر سہیل کی سیکریٹری اسے سامنے دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

"میں بس جا ہی رہا تھا۔" شجاعت بولا۔

"سر باہر تیمور خالد آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے اسے اندر بھیجو۔"

شجاعت باہر نکلا تو اسے سیکیورٹی گارڈ اور ایک بیس بائیس سال کا نوجوان اندر داخل ہوتے نظر آئے۔ شجاعت کو شک سا ہوا کہ نوجوان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ٹائپ کوئی چیز موجود ہے مگر سیکریٹری نے اسے اس سے زیادہ دیکھنے کا موقع نہیں دیا۔

☆☆☆

"میڈم تکلیف کی معذرت مگر آپ جانتی ہیں کہ یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔" انسپکٹر نے عالیہ کا پرس اور موبائل وغیرہ اسے لوٹاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ابھی آپ کا بیان لینا ہے۔"

یہ چند گھنٹے اس کے لیے بہت مشکل تھے۔ وہ اصولاً اب تک "پاور" کی چیف ایگزیکٹو تھی لہٰذا ان کے وکیلوں کی ٹیم نے معاملے کو سنبھال لیا تھا۔ چونکہ ایف آئی آر کاٹی جا چکی تھی اس لیے اسے پانچ لاکھ روپے کی زرضمانت پر رہائی مل گئی تھی۔

"جی بالکل! اور آپ نے جس طرح عرق ریزی کے ساتھ اپنی ڈیوٹی نبھائی ہے، وہ واقعی قابلِ داد ہے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "بجائے اس کے کہ آپ اس لڑکے کو تلاش کریں آپ نے مجھے گرفتار کر ڈالا اور ایک لمحے

میں ایف آئی آر بھی کاٹ دی۔ آپ کی اس مستعدی پر واقعی بات ہونی چاہیے۔ بیان میں ضرور ریکارڈ کراؤں گی مگر میرے وکیل کو واپس آجانے دیجیے۔''

انسپکٹر جواب میں خاموش رہا تھا۔ عالیہ اسٹیشن سے باہر نکل کر چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ ایک جانی پہچانی سی سیاہ سوک اس کے قریب آکر رکی۔

''بیٹھیں محترمہ......'' یہ اسد تھا۔

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' وہ کار میں بیٹھتے ہی بولی۔ ''میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم میری بیل کرواؤ گے۔''

''کمال کرتی ہیں بھائی، آپ کے ان سوٹڈ بوٹڈ وکیلوں کے جتھے کے بعد میری کیا ضرورت تھی آپ کو...... یہ مجھے اندازہ تھا کہ باہر نکلتے ہوئے آپ اکیلی ہوں گی اور بھوکی بھی...... لہٰذا میں نے یہ برگرز خریدے اور یہیں گاڑی میں بیٹھ کر سوچ بچار میں مصروف ہو گیا۔'' وہ اس کی جانب کاغذ کا ایک تھیلا بڑھاتے ہوئے بولا۔

اس کی اس بات سے عالیہ کو یاد آیا کہ واقعی اس نے صبح سے ایک کافی کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ''بہت شکریہ...... کیا سوچ وبچار کی؟''

''اسی سارے معاملے کے بارے میں...... کمپیوٹر اور اس سے متعلق ساری پیچیدگیاں تو میری سمجھ سے باہر ہیں مگر ایک بات جو سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس کا تیار کردہ پروگرام اتنا اسمارٹ ہے کہ وہ کمپیوٹر کو مصنوعی ذہانت سے لیس کر کے اچھے کاموں میں انقلابی تبدیلیاں لا سکتا ہے تو یقیناً اس سے الٹا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ اگر یہ پروگرام کسی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے شخص یا دہشت گرد کے ہاتھ لگ جائے تو کیا ہو سکتا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

عالیہ بھونچکی سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس طرح سوچا ہی نہیں تھا۔

''عالیہ میں نے اس معاملے پر کافی دیر سوچا ہے، اس لڑکے کی پریشانی اب میری سمجھ میں کسی حد تک آرہی ہے۔ تم اس کمپنی کی چیف ہو، تم یہ دیکھ سکتی ہو کہ کہیں اس کا غلط استعمال تو نہیں کیا جارہا اور اسے روک بھی سکتی ہو، شاید اسی لیے وہ تم تک پہنچنے کے لیے اس قدر بے تاب تھا۔''

''ہاں۔'' عالیہ ایک لمحے بعد بولی۔ ''یہ ہو سکتا ہے بلکہ شاید یہی معاملہ ہے اب میں اس فیصلے کی وجہ کو بھی شاید سمجھ رہی ہوں۔''

''کیا مطلب......؟ کیا کہہ رہی ہو تم پلیز آسان زبان میں بات کرو۔''

''اصل مسئلہ یہ ہے اسد کہ اب میں پاور کی چیف ایگزیکٹو نہیں رہی ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ کمپنی کے اس بورڈ نے جسے میں نے اپنی کمپنی کا حصہ بنایا تھا، مجھے میرے عہدے سے ہٹا کر ''بابر سہیل'' کو نیا سی ای او بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سب کے بعد بابر نے بورڈ کا ہنگامی اجلاس بلا کر میرے دستخطوں کے بغیر ہی خود کو عارضی طور پر سی ای او منتخب کرا لیا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اوہ، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گڑبڑ بہت بڑی ہے اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں تیمور کی ضرورت ہے۔'' اسد نے سر ہلایا۔

اس سے پہلے کہ عالیہ کچھ کہہ پاتی، اس کے بیگ نے بجنا شروع کر دیا۔ اسے پرس میں فون کو تلاش کرنے میں چند لمحے لگ گئے تھے، اتنے میں کال کٹ گئی۔ فون کی چارجنگ یوں بھی اپنے اختتام پر تھی۔ عالیہ نے کال چیک کی، اسکرین پر شجاعت کا نام چمکنے لگا تھا۔ اس نے جوابی کال کی مگر اب کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اب کال نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ چارجنگ کی کمی کی بنا پر فون ایمرجنسی موڈ پر آگیا تھا۔ اس نے چارجر کی تلاش کے لیے پرس کھولا۔ ایک ہلکی سی کلک نے اسے متوجہ کیا۔ شجاعت نے واٹس ایپ میسج بھیجا تھا۔ عالیہ نے اسپیکر کھول کر بٹن دبا دیا۔

''عالیہ میں شجاعت...... آخر تم کہاں ہو؟ یہاں سب کچھ گڑبڑ ہے۔ بابر تمہارے دفتر میں ہے۔ وہاں گارڈ ایک بیس بائیس سال کے لڑکے کو لائے ہیں جو لنگڑا رہا تھا۔ مجھے تو یہ بھی لگا ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس کا نام......'' اس کے بعد عالیہ کا فون بند ہو گیا تھا۔ عالیہ اور اسد دونوں فون کو گھورتے رہ گئے تھے۔ ان کے ذہنوں میں ایک ہی خیال بیک وقت آیا تھا۔ وہ تیمور ہی ہو سکتا تھا۔

''یعنی تمہارا نیا سی ای او اس بارے میں جانتا ہے۔'' اسد ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یہ لگ رہا ہے کہ وہ کافی کچھ جانتا ہے کم از کم ہم دونوں سے زیادہ۔''

''ہاں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تیمور کو جیل سے اسی نے فرار کرایا ہے۔''

''فرار یا اغوا...... ان حالات میں تو یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے، شاید وہ اس حوالے سے اس سے

معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں۔“

”یہ معاملہ الجھتا ہی جا رہا ہے۔“ عالیہ نے کہا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے ابھی تیمور کے پروگرام کا پورا علم نہیں تھا۔ مگر وہ اسد سے گفتگو کے بعد یہ سمجھ سکتی تھی کہ اگر اس پروگرام کو ”پاور“ کے سپر کمپیوٹر سے جوڑ دیا گیا تو کیا کیا ہو سکتا ہے۔“

”مجھے وہاں جانا ہوگا۔“ وہ چند لمحے بعد فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

”وہاں جا کر تم کیا کر پاؤ گی؟“

”مجھے تیمور کو ڈھونڈنا ہے اور یہ سمجھنا ہے کہ بابر کیا کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے ”پاور“ کو تباہ کرنے نہیں دوں گی اسد..... گزشتہ دس سال میں نے صرف ”پاور“ کو جیا ہے۔“

”مگر کیسے......؟“ اسد نے پھر پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم، مگر کوئی راستہ نکل آئے گا۔“ عالیہ نے کہا۔ ”تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے پولیس کو چھوڑنے کے بعد سراغ رسانی کا ایک ادارہ کھولا ہے اور پولیس بھی تمہاری مدد لیتی رہتی ہے۔ کیا تم میرا کیس لینا پسند کرو گے؟“ وہ یکلخت بولی۔

”کیا......؟“ اسد نے اسے دیکھا۔

”دیکھو تم نے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میری اتنی مدد کر دی مگر مجھے اس کام میں تمہاری ضرورت ہے۔ فی الحال میں کسی اور پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ لہٰذا میں تمہاری خدمات لینا چاہتی ہوں۔ جو بھی تمہاری فیس ہو، وہ میں دوں گی، تمام اخراجات میرے ہوں گے۔“ وہ اسے بڑی امید سے دیکھ رہی تھی۔

”ہوں...... بزنس ٹاک۔“ اسد مسکرایا۔ ”او کے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”شکریہ......“ عالیہ بھی مسکرائی۔

وہ ”پاور“ کو تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی اور اس کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔

☆☆☆

سعید خرم پاکستان پہنچ گیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ میں موجود تھا۔ شہر کے پوش علاقے میں موجود اس پُرتعیش ہائی رائز بلڈنگ کے ٹاپ فلور پر واقع لاؤنج کی لمبی فرانسیسی طرز کی کھڑکی سے حدِ نگاہ تک نظر آنے والے شہر کو خود سے اتنا نیچے دیکھنا اسے بہت پسند تھا۔ امپورٹڈ ٹنٹڈ شیشے سے باہر کا موسم ہمیشہ بدلوں سے ڈھکا اور خوب صورت نظر آتا تھا۔

’دولت کیا نہیں خرید سکتی۔‘ وہ مسکرایا۔ ’موسم، منظر، طاقت سب کچھ تو خرید سکتی ہے۔‘ اس نے سوچا۔ دولت اس کی کمزوری تھی اور اس کے حصول کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور اس نے کیا بھی تھا۔

پاور میں سرمایہ لگانے سے قبل وہ رئیل اسٹیٹ کے کاروبار سے برسوں منسلک رہا تھا۔ الٹے طریقے سے پیسا کس طرح کمایا جا سکتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ آج اس کے پاس بے تحاشا دولت تھی۔ ایک دوست کے توسط سے وہ پاور تک پہنچا تھا۔ پہلی ملاقات میں اس کا زیرک ذہن اس سودے کے فائدے سمجھ گیا تھا۔ عالیہ کو اس وقت پاور کے سپر کمپیوٹر کے سسٹم کو مختلف شعبوں کے لیے مصنوعی ذہانت کا شاہکار بنانے کے لیے کافی روپیہ درکار تھا اس نے سعید خرم کے ساتھ آتے پیسے کو ایک بہترین موقع سمجھا اور اسے نہ صرف بورڈ کا چیئرمین بنانے پر حامی بھر لی بلکہ اسے بورڈ ممبران کے انتخاب میں اہم اختیارات بھی سونپ دیے اور پھر اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ ”پاور“ کے بورڈ میں سعید خرم کے وفادار کس طرح داخل ہوتے چلے گئے۔ وہ اپنے سسٹم اور کمپنی کو مضبوط اور بہترین بنانے کی دھن میں کام کرتی رہی۔ سعید خرم نے اسے پیسے کی کمی نہیں ہونے دی مگر ہر بار بڑی رقم کے ساتھ ایک نئے ڈائریکٹر نے کمپنی میں قدم رکھا۔ بابر بھی اسی طرح آیا تھا۔ آج ”پاور“ اس مقام پر تھی کہ ملک بھر میں اور اب تو خطے میں بھی ہر شعبے میں پاور کا سسٹم کام کر رہا تھا اور یہی وہ وقت تھا جس کا سعید خرم کو انتظار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عالیہ اس کے منصوبے کا حصہ کبھی نہیں بن سکتی لہٰذا بورڈ نے اس کے ایما پر بابر سہیل کو نیا سی ای او چنا...... فون کی گھنٹی نے اچانک اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

”سعید صاحب یہ میں ہوں بابر...... ویلکم ٹو دی ہوم۔“

”ہاں بولو بابر...... سب ٹھیک ہے؟“

”سب ٹھیک ہے بس یہ تیمور والا معاملہ آپ کی توجہ مانگ رہا ہے۔“ وہ تھوڑا ہچکچایا۔ ”ہم نے اس پر کافی محنت کی ہے مگر کوئی رزلٹ سامنے نہیں آ رہا۔“

”محنت......؟ کمال ہے تم سے وہ اتنا سا لڑکا ہینڈل نہیں ہو پا رہا۔ خیر میں آ رہا ہوں اب تم کچھ نہیں کرو گے۔ میں آ کر اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔“ اس نے فون کاٹنے سے قبل کہا۔

☆☆☆

عالیہ اور اسد ''پاور'' کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔
پاور کا دفتر شہر سے قدرے باہر واقع تھا۔ یہ علاقہ اب خود ایک جدید شہر کا روپ دھار چکا تھا۔
''تم نے یہ نہیں بتایا کہ ضمانت کے بعد پولیس اسٹیشن میں کیا ہوا؟ تمہارے بیان میں کیا سوالات لیے گئے؟'' اسد نے ہائی وے پر گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں بیان کی بات تو ہوئی تھی۔'' عالیہ نے کہا۔ ''مگر وہاں میرا دم گھٹ رہا تھا اس لیے میں کچھ دیر کے لیے باہر آئی وہاں تم مل گئے اور آگے کا معاملہ تمہارے علم میں ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔
''اوہ۔'' اسد سر پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''کیا تم اس کا مطلب سمجھتی ہو؟''
''نہیں۔'' عالیہ نے اسے گھورا۔
''عالیہ...... تمہارا کیس ختم نہیں ہوصرف ضمانت ہوئی ہے اور ہمیں یہ بھی شک ہے کہ اس معاملے میں کوئی بڑا شخص دلچسپی لے رہا ہے۔ ان کے لیے ہماری یہ غلطی تمہارے خلاف کارروائی کا نادر موقع بن سکتی ہے۔''
''اوہ تو اب کیا کیا جائے؟'' عالیہ نے پوچھا۔ ''ہمارا اس وقت پاور پہنچنا بھی ضروری ہے۔''
''ہاں، دیکھتے ہیں، کیا ہو سکتا ہے۔'' اسد سوچتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں اور کتنا آگے جانا ہے؟''
''بس اس ڈائی ورژن سے کچھ ہی دور ہے یوں سمجھوں دس منٹ کی ڈرائیو اور ہے۔'' عالیہ نے جواب دیا۔ ''اگر یہ سڑک ویسی ہی بن جائے جس کا دعویٰ کیا جا رہا ہے تو یہ سفر خاصا آسان ہو سکتا ہے مگر یہ کام ختم ہو کر نہیں دے رہا؟''
''ہاں۔'' اسد کچھ کہنا چاہ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار ڈبل کیبن کی وجہ سے اسے گاڑی کو کچے میں اتارنا پڑا۔
''یہ کس طرح چلا رہے ہیں گاڑی۔'' عالیہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔
وہ سیاہ ڈبل کیبن ان کی گاڑی سے آگے نکلی تھی اور پھر تھوڑا آگے بڑھ کر سڑک پر ترچھے انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔
''اسد گاڑی مت روکنا، مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔'' عالیہ اضطراری انداز میں بولی۔
اسد بھی خطرہ محسوس کر رہا تھا مگر ڈبل کیبن نے جس طرح سڑک کو بلاک کیا تھا، اس کے بعد گاڑی کو روکنے کے علاوہ دوسرا آپشن اس گاڑی سے ٹکرا دینا ہی بچتا تھا۔ گاڑی کے رکتے ہی ڈبل کیبن سے دو افراد کود کر باہر نکلے۔ وہ چہرے مُہرے، جسامت اور حلیے سے ہی بدمعاش نظر آرہے تھے۔ گاڑی کے قریب آتے ہی ان دونوں نے ریوالور نکال لیے تھے۔ ان میں سے ایک لپک کر اسد کی جانب آگیا تھا۔
''ہاتھ سر پر رکھو اور باہر آجاؤ۔'' وہ ریوالور کی نال سے اشارہ کرتے ہوئے غرایا۔
''مسئلہ کیا ہے؟ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟'' اسد نے پوچھا۔
''ہم جو چاہتے ہیں، وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم باہر نکل رہے ہو یا میں گولی چلاؤں؟'' اس کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی کہ اسد کو گاڑی سے نکلنا ہی پڑا۔
دوسرا شخص اس دوران میں عالیہ کی سائڈ والا دروازہ کھول چکا تھا۔
''چلیے میڈم......'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''آپ کے لیے ہی یہ گاڑی بھیجی گئی ہے۔''
''کیا مطلب ہے؟ کس نے بھیجی ہے؟'' عالیہ نے پوچھا۔
''میڈم ہمارا کام سوال جواب کرنا نہیں ہے۔ ہمارا کام آپ کو ساتھ لے جانا ہے، آپ اگر خود تعاون کریں تو بہتر ہے۔''
''تم ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟'' اسد غرایا۔
''تمہیں نہیں...... صرف میڈم کو ہمارے ساتھ جانا ہے لیکن اگر تم نے ہیرو بننے کی کوشش کی تو گولی تمہارے سر میں اترے گی جانتے ہو کیسے؟'' وہ ڈرامائی انداز میں بولا پھر یک دم اس نے گولی چلا دی۔ عالیہ چیخ پڑی۔ اسد اپنی جگہ کھڑا اسے گھورتا رہا۔ گولی نے اس کی گاڑی کا اگلا ٹائر ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔
''میں چلنے کو تیار ہوں، تم اسد کو جانے دو۔'' عالیہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
''تمہارا موبائل کدھر ہے؟'' اسد کی جانب ریوالور تھامے کھڑا بدمعاش عالیہ کے گاڑی میں چڑھتے ہی اس کو دیکھ کر غرایا۔
اسد چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت کسی بھی کارروائی کا نقصان عالیہ کو پہنچ سکتا تھا۔ اس نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ اس نے سیل فون لیتے ہی مہارت سے اس کی سم نکالی اور دو ٹکڑوں


1987 سے خدمت میں مصروف
LEUCODERMA-VITILIGO
سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے
پھلبہری
STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT
ایوارڈز ہولڈر
اجمل زیدی
ASIAN EXCELLENCE PERFORMANCE AWARD
AWARD OF BEST ACHIEVEMENT
AWARD PILLAR OF LEUCODERMA
اسلام آباد
9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری
فون (051)32331725
موبائل 0300-8566188
فیکس 2261636
لاہور
ہوٹل عامر
14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون
14-اکتوبر تا 27-اکتوبر
فون (042) 7115015-19
موبائل 0300-8566188
پشاور
کیم فروری تا 11 فروری
کیم جون تا 11 جون
کیم اکتوبر تا 11-اکتوبر
فون (091) 2218215-9
موبائل 0300-8566188
ملتان
28 مارچ تا 6-اپریل
28 جولائی تا 6-اگست
28 نومبر تا 7 دسمبر
فون (061) 4518061-62
4562803 (0300-8566188)
کراچی
13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی
13-نومبر تا 27 نومبر
K.F.C
فون 021-7012068-9
موبائل 0300-8566188
www.leucodermatologist.com

میں توڑ کر ہوا میں اڑا دیا۔ اس کے بعد اس نے موبائل دوبارہ اسد کے ہاتھ میں تھمایا اور ڈبل کیبن کی جانب بڑھ گیا۔

اسد خاموشی سے اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔ اس کی سلگتی نظریں لحہ بہ لحہ دور ہوتی ڈبل کیبن پر جمی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

''اوہ تم لوگوں نے اس کا کیا حال کر دیا ہے۔'' سعید خرم، بابر کے کمرے میں داخل ہو کر ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ کمرے کے اندرونی جانب بابر کی میز کی دوسری طرف تیمور زمین پر پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ نیل پڑے ہوئے تھے، ہونٹ درمیان سے پھٹا ہوا تھا جس سے خون رس رہا تھا۔ جسم بھی چوٹوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے اور پیر کا زخم بھی تازہ ہو گیا تھا۔

بابر نے اسے بتایا تھا کہ لڑکا کچھ ماننے کو تیار نہیں ہے مگر انہوں نے اس کا یہ حال کیا ہوگا، یہ وہ نہیں سوچ سکتا تھا۔ ان احمقوں کو اس کی اہمیت کا ذرہ بھر بھی احساس نہیں تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ تیمور دنیا میں موجود ان دو افراد میں سے ایک تھا جو اس کی دنیا پر حکمرانی کے خواب کو تعبیر بخش سکتے تھے۔ بابر اور اس کے آدمیوں نے تو اسے تقریباً مار ہی ڈالا تھا۔

''تیمور...... تیمور...... کیا تم ٹھیک ہو؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ تیمور نے جنبش نہیں کی۔ ''مجھے بہت افسوس ہے تیمور ان لوگوں نے تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ تمہیں پیاس یا بھوک تو نہیں لگی۔'' وہ اس کے ہاتھوں پر بندھی رسی کو کھولتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ رسی نہایت سختی سے بندھی ہوئی تھی۔ کھلنے کے باوجود اس کے ہاتھوں پر خون کی لکیریں سی بن گئی تھیں۔ رسی کھلنے کی تکلیف تیمور کو ہوش کی دنیا میں گھسیٹ لائی تھی۔ وہ سسک رہا تھا۔

''مت رو تیمور...... مجھے دیر سے آنے پر افسوس ہے، اب کوئی تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکے گا۔ میں آگیا ہوں۔''

''تم نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا۔'' تیمور بمشکل بولا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ ہم ''نینو'' سے اچھا کام لیں گے۔''

''ہم اس پر بات کر سکتے ہیں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم جو چاہتے ہو، وہ میں نہیں کر سکتا...... میں نے کوشش بھی کی ہے۔''

''مجھے تم پر یقین ہے تیمور...... تم کر لو گے۔ بس تمہاری ذہنی کیفیت تھوڑی ٹھیک ہو جائے، تم کچھ کھا پی لو، پھر تم سب کر لو گے۔'' سعید خرم اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

''وہ مجھ سے نہیں ہو پائے گا، ایک تو میں اسے ٹھیک نہیں کر پا رہا اور...... اور اگر کر بھی سکتا تب بھی نہیں کرتا۔'' تیمور سخت لہجے میں بولا۔

''اس بارے میں اتنے پُریقین مت بنو۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہ کرو گے۔'' اس بار سعید خرم کا لہجہ بھی سخت تھا۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر سب کچھ اس طرح ہو گیا تو اس کے بعد بھی تم نے مجھے قتل ہی کر دینا ہے۔''

''نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم زندہ رہو گے۔'' سعید خرم نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''تمہارا وعدہ......'' تیمور دھیرے سے ہنسا اور پھر اس نے سعید خرم کے چہرے پر تھوک دیا۔

سعید خرم نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا اور پھر غور سے تیمور کی جانب دیکھا۔

''سر یہ اس طرح ماننے والا نہیں ہے۔'' بابر غرایا۔

''تیمور...... میں چاہتا ہوں کہ تم ہوش و حواس سے کام لو، ذرا سوچو کہ تم کہاں ہو؟ کس حال میں ہو؟ اور کیا چیز تمہیں بچا سکتی ہے۔ میں...... صرف میں تمہیں بچا سکتا ہوں۔'' سعید خرم اس کے سینے پر انگلی کا دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ہم پھر بات کریں گے۔''

اس کے اشارے پر گارڈ نے لڑکے کو زمین سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

''اسے پانی اور کھانا دو، ہاتھ منہ دھلواؤ۔ ہم دو گھنٹے بعد پھر ملیں گے۔ تب تک اس کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں ہونی چاہیے۔'' سعید خرم بولا اور دروازے کی جانب مڑا۔

''اور اگر...... اگر تب بھی میرا یہی فیصلہ ہوا تو......؟'' تیمور نے پوچھا۔

''تو...... تمہارے اس فیصلے پر مجھے اور تمہیں دونوں کو افسوس ہوگا جینئس......'' سعید خرم ایک لحہ رک کر بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اسد اس وقت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں عالیہ کا سیل فون تھا۔

ڈبل کیبن میں سوار لوگوں کے جانے کے بعد اس نے کار کا ٹائر تبدیل کر لیا تھا۔ اس کے پاس دو آپشن تھے یا تو

وہ پولیس کے پاس جا کر عالیہ کے اغوا کی رپورٹ درج کراتا لیکن وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ یہ کام عالیہ کے لیے مددگار ثابت بھی ہوگا یا نہیں۔ یہ اس کا یقین تھا کہ عالیہ کے اس اغوا کے پیچھے پاور میں بیٹھے لوگوں کا ہاتھ تھا مگر اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ پولیس کو اگر وہاں سے کچھ نہ ملتا جس کا امکان تھا تو یہ سارا معاملہ ٹھنڈا پڑ جاتا اور وہ لوگ محتاط بھی ہو جاتے۔ دوسرا آپشن عالیہ خود اسے دے کر گئی تھی۔ وہ اس سب کے درمیان نہ جانے کس وقت اپنا سیل فون اس کے کور میں ڈال گئی تھی۔ اس وقت فون چارج نہیں تھا۔ اب وہ اسے مکمل چارج کر چکا تھا۔ اسے یاد تھا کہ فون بند ہونے سے قبل اس پر عالیہ کے ایک ہمدرد کی کال اور پھر پیغام بھی آیا تھا۔ یقیناً عالیہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اس کے لوگوں سے رابطہ کرے مگر اب ایک اور بڑا مسئلہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ فون لاک تھا اور وہ اس کا پاس ورڈ نہیں جانتا تھا۔

وہ مختلف پاس ورڈ لگا کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کی ہر کوشش ناکام ہوتی جا رہی تھی۔ زیادہ کوششوں سے فون بالکل بند بھی ہو سکتا تھا۔ وہ سوچ میں گم ہی تھا کہ اچانک عالیہ کا فون بج اٹھا۔

اسد نے تیزی سے فون اٹھایا۔

''ہیلو......''

''کیا یہ عالیہ کا فون نہیں ہے؟'' دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔ ''میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟''

''یہ عالیہ کا فون ہے مگر وہ اس وقت موجود نہیں ہے، کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟''

''ہاں...... میں ذیشان خالد ہوں ان کے وکیلوں میں سے ایک...... تم کون ہو؟''

''میرا نام اسد علی خان ہے میں عالیہ کے ساتھ کام کرتا ہوں۔''

''اوکے...... عالیہ کہاں ہے؟ میرا اس سے ملنا اور بات کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ ایک مسئلے میں ہے، میں پہلے بھی کال کرتا رہا ہوں مگر اس کا فون بند آرہا تھا۔''

''جی ہاں، میں نے ابھی فون چارج کیا ہے۔ عالیہ کو ایک ڈیڑھ گھنٹا قبل اغوا کر لیا گیا ہے۔''

''اوہ میرے خیال میں ہمیں فوراً ملنا ہوگا تم اپنا ایڈریس دو، میں آرہا ہوں۔'' ذیشان خالد نے کہا۔

☆☆☆

ڈبل کیبن کی منزل عالیہ کی امید کے عین مطابق بابر کا آفس ہی تھا۔ گاڑی پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں لفٹ کے عین سامنے بابر سہیل دو گارڈز کے ہمراہ اس کا منتظر تھا۔

''یہ کیا تماشا ہے بابر! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟'' گاڑی رکتے ہی عالیہ اس سے اتر کر اس کی جانب بڑھی تھی۔ اس کے ساتھ موجود گارڈز نے بھی فوری حرکت کی تھی اور تیزی سے آگے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا تھا۔

''کیا ہوا؟ تم اتنی ناراض کیوں ہو؟'' بابر نے حیرت سے پوچھا۔ ''اور تم...... تم لوگ کیا کر رہے ہو، چھوڑو میڈم کو۔'' وہ گارڈز پر پلٹ پڑا۔

''تمہارے یہ غنڈے گن پوائنٹ پر مجھے اٹھا کر لائے ہیں۔'' وہ غرائی۔

''کیا؟'' بابر چلایا۔ اس کے چہرے پر حیرت کا اتنا گہرا تاثر تھا کہ ایک لمحے کو عالیہ بھی گڑبڑا گئی۔ ''یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔'' وہ ڈبل کیبن سے اُترنے والے غنڈوں کو

غلطی

ایک ڈاکٹر (دوسرے ڈاکٹر سے) ''تم نے کبھی کسی مرض کی تشخیص میں غلطی کی؟''

دوسرا ڈاکٹر۔ ''ہاں، ایک مرتبہ میں نے ایک مریض کا صرف بدہضمی کا علاج کر کے اسے ٹھیک کر دیا حالانکہ وہ آسانی سے اپنڈکس کے آپریشن کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا۔''

صحت یابی

ذہنی امراض کے اسپتال سے ایک مریض کو رخصت کرتے وقت ڈاکٹر نے کہا۔ ''آپ ہمارے علاج سے صحت یاب ہو گئے ہیں۔ امید ہے اب تو آپ ہمارا بل آسانی سے ادا کر دیں گے۔''

مریض شاہانہ لہجے میں بولا۔ ''کیوں نہیں...... کیوں نہیں...... اگر ہم نے تمہارا یہ چند لاکھ کا بل ادا نہ کیا تو ہمیں شہنشاہ اکبر کون کہے گا۔''

حسنین عباس، کمیل عباس، بگیانہ روڈ کھاریاں

گھور کر بولا۔

"سر ہمیں صرف انہیں لانے کا حکم تھا ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا...... اس وجہ سے یہ کرنا پڑا۔" وہ بولا۔

"آدمی...... کون آدمی؟" بابر نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"احمق......" بابر بولا۔ "عالیہ میں بہت معذرت خواہ ہوں۔ یہ صرف ایک غلط فہمی ہے، تم بتاؤ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟"

"جو کچھ اس روز ہوا تھا، میں اس سے گھبرا گئی تھی۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں...... آؤ اوپر چلتے ہیں۔"

"بابر میں اس وقت بہت تھکی ہوئی ہوں۔ اس سب نے میرے اعصاب پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔" عالیہ بولی۔ "میں اس وقت اسٹوڈیو میں جا کر تھوڑا ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ دفتر میں بہت مصروف رہتی تھی۔ اس لیے اس نے اسی علاقے میں قدرے فاصلے پر واقع ایک پوش رہائشی علاقے میں اسٹوڈیو اپارٹمنٹ لے لیا تھا۔ یوں وہ ہر بار گھر جانے کے بجائے مصروف دنوں میں وہیں قیام کرتی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں مگر مجھے صرف تھوڑا سا وقت درکار ہے۔" وہ لجاجت سے بولا۔ عالیہ نے جواب میں سر ہلایا اور وہ دونوں لفٹ میں داخل ہو گئے۔

"تمہارے جانے کے بعد سے یہاں کیا کیا ہوا ہے کیا تمہیں اس کا کچھ علم ہے؟"

"نہیں......" عالیہ نے مختصر جواب دیا۔

"تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ بورڈ نے مجھے عارضی طور پر چیف ایگزیکٹو بنا دیا ہے اور میں بینکرز اور انویسٹرز کے ساتھ مل کر رات دن کام کر رہا ہوں تا کہ اگلے ہی ہفتے میں آئی پی او دوبارہ ہو سکے۔"

"میری زندگی گزارنا مبارک ہو۔" وہ زہرخند لہجے میں بولی۔

"تمہاری سابقہ زندگی۔" بابر نے اس کی تصحیح کی۔

"اور وہ اہم بات کیا ہے جس کے لیے تم مجھ سے فوراً بات کرنا چاہتے ہو؟" عالیہ نے پوچھا۔

"اصل میں ہم ایک پروگرام میں پھنس گئے ہیں اگر اس میں آئی رکاوٹ فوراً دور نہ ہوئی تو پاور کو بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لیے وہ ایک چٹکی جیسا معاملہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں اس قسم کے کاموں کے لیے ماہرین کی ایک پوری ٹیم موجود ہے یا تم نے انہیں فارغ کر دیا ہے؟" عالیہ نے پوچھا۔

"وہ موجود ہیں مگر پاور کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے عالیہ...... مجھے یقین ہے کہ تم "نینو" کو چند لمحوں میں فعال کر کے پاور سے جوڑ سکتی ہو۔" اس کے الفاظ کسی طاقتور بم کی طرح عالیہ کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔

☆☆☆

جب تک ذیشان خالد، اسد کے گھر پہنچا، وہ عالیہ کے فون کے پاس ورڈ کی تلاش میں ہتھیار ڈال چکا تھا۔

"نہ جانے کون سا پاس ورڈ لگایا ہے میں تو تمام تر کمبی نیشن لگا کر دیکھ چکا۔"

"پھر اب......؟" ذیشان اس کی ساری تفصیل سننے کے بعد بولا۔ "مجھے پولیس اسٹیشن سے فون آیا تھا۔ وہ لوگ میڈم کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر انہوں نے جلد ان سے رابطہ نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ ان کی ضمانت منسوخ نہ کر دی جائے۔ میں نے انہیں ان کا نمبر نہیں دیا مگر خود مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ اسی طرح تم سے رابطہ ہوا، اب ہم کیا کریں؟ کیا ہمیں بابر سہیل سے بات کرنی چاہیے؟"

"میں نہیں سمجھتا اس کا کوئی فائدہ ہو گا۔" اسد نے سوچتے ہوئے کہا۔ "عالیہ نے یہ فون میرے لیے اسی وجہ سے چھوڑا ہو گا تا کہ میں اس کے لوگوں سے رابطے میں رہ سکوں۔ پاور کے جس شخص کا فون میرے سامنے عالیہ کو آیا تھا، اس کا نام شجاعت تھا۔ پورا نام اس نے نہیں لیا تھا کیا آپ وہاں کسی اس نام کے شخص سے واقف ہیں؟"

ذیشان کے انکار پر اسد نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا۔ چند لمحے کی سرچ کے بعد پاور کی ویب سائٹ پر شجاعت احمد کی تصویر اس کے سامنے تھی۔ وہ پاور کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ ویب سائٹ پر اس کا ذاتی فون نمبر موجود نہیں تھا مگر ای میل ایڈریس دستیاب تھا۔

"ہم دفتر کے فون پر کال کر کے اس سے رابطہ کر سکتے ہیں۔" ذیشان اسے ای میل ٹائپ کرتا دیکھ کر بولا۔

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کا فون ٹیپ نہ ہو رہا ہو اس صورت میں اس سے رابطے کی صورت میں نقصان زیادہ ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس لیول کے لوگ اپنی ای میلو پر نظر رکھتے ہیں۔ میں نے اس میں اپنا نمبر لکھ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میل دیکھتے ہی کال کرے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا تھا۔ پندرہ منٹ میں شجاعت احمد کی کال آ گئی تھی۔ اسد نے اپنے فون کا اسپیکر کھول دیا تھا۔

"ہیلو کیا تم مجھے سن سکتے ہو، میں شجاعت بول رہا

www.urdusoftbooks.com

ہوں۔ تمہاری میل مجھے مل گئی ہے۔ عالیہ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''شجاعت صاحب، ہمیں میڈم عالیہ کے حوالے سے ہی آپ سے اہم باتیں کرنی ہیں مگر وہ فون پر کرنا مناسب نہیں ہے، کیا آپ آج ہم سے مل سکتے ہیں میرے ساتھ عالیہ کے وکیل ذیشان بھی موجود ہیں۔''

''میں آج کیا ابھی تم سے مل سکتا ہوں۔ بس تم مجھے جگہ بتاؤ میں پہنچ جاتا ہوں۔'' انہوں نے چند لمحوں میں قریبی تعیم پارک میں آدھے گھنٹے میں ملنے کا وقت طے کرلیا۔

اسد اور ذیشان، شجاعت سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چند لمحوں بعد وہ بھی طے شدہ جگہ پر آپہنچا۔

''اسد.....'' اسد نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا۔

''اور یہ ذیشان، آپ کا فوری وقت دینے کا شکریہ۔''

''اب میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' شجاعت مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''بابر نے مجھے ملازمت سے فارغ کردیا ہے۔''

''افسوس ہوا۔''

''افسوس مت کرو، مجھے بتاؤ میں عالیہ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''عالیہ کو اس وقت مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے لگتا ہے......'' اسد کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اچانک تڑتڑ کی تیز آواز سے فضا گونج اٹھی تھی۔ اردگرد چند ہی افراد موجود تھے جو فائرنگ کی آواز سے خوف زدہ ہوکر بھاگنا شروع ہوگئے تھے۔

اسد نے خود کو ذیشان پر گرالیا تھا جو ہکا بکا کھڑا ہوا میں گھور رہا تھا۔ اسے شجاعت احمد کو خود ہی نیچے جھکتے دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ عموماً اس کے لیول کے لوگ ان چیزوں یا حالات کے عادی نہیں ہوتے مگر اگلے ہی لمحے اس کی خوش فہمی دور ہوگئی۔ شجاعت احمد فائرنگ سے بچنے کے لیے نہیں جھکا تھا بلکہ زمین پر گرگیا تھا، اسے گولی لگ گئی تھی۔

☆☆☆

سعید خرم آندھی طوفان کے مانند بابر سہیل کے دفتر میں داخل ہوا۔ ''تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ بابر سہیل کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر غرایا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ مجھے شجاعت احمد پر شروع سے شک تھا۔ میں اس کے فون اور ای میل پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا جیسے ہی وہ ای میل آئی، ہم نے اس کی کال سنی۔ وہ وکیل اور وہ شخص نہ جانے اسے کیا بتانے والے تھے۔ ایسے میں، میں نے وہی کیا جس کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنے لوگوں کو شجاعت کے خاتمے کے لیے اس کے گھر بھیجا مگر وہ نکل چکا تھا۔ انہوں نے تعیم پارک تک اس کا پیچھا کیا۔ اگرچہ اس جگہ پر لوگ تھے اور خطرہ بھی زیادہ تھا مگر ان لوگوں کی گفتگو سے قبل شجاعت کو ختم کرنا ضروری تھا۔''

''تم پاگل ہوگئے ہو، دن کی روشنی میں ایک پارک میں جہاں بچے بھی ہوتے ہیں اور پھر تمہارے لوگ اتنے ماہر ہیں کہ کام ختم کیے بغیر نکل بھاگے۔'' سعید خرم نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''مجھے معلوم ہوگیا ہے اور میں اس گڑبڑ کو ٹھیک کر لوں گا۔'' بابر بولا۔

''کیسے؟ احمقوں کی ایک اور ٹیم اسپتال بھیج کر......؟''

''نہیں، مجھے یہ معاملہ اب خود دیکھنا ہوگا۔ میرا چیف آپریٹنگ آفیسر اسپتال میں ہے، میں اس کی عیادت کو جاؤں گا۔'' وہ مکاری سے مسکرایا۔ سعید خرم بھی جواباً مسکرا دیا۔

☆☆☆

اسد اسپتال کی انتظار گاہ میں بیٹھا کافی کے سپ لے رہا تھا۔ موت اس کے بالکل برابر سے گزری تھی۔ شجاعت احمد کے سینے سے لگ کر گزرنے والی گولی کی بنا پر اسے فوری علاج کے بعد بے ہوش رکھا گیا تھا۔ پولیس فوراً ہی جائے وقوعہ پر پہنچ گئی تھی مگر اسد اور ذیشان اس سے قبل ہی شجاعت کو اسپتال لے آئے تھے۔ پولیس کو ان دونوں کا بیان درکار تھا۔ ذیشان چونکہ کچھ دیکھ نہیں پایا تھا اس لیے اسے مختصر بیان کے بعد روانہ کردیا گیا تھا۔ اسد نے سابقہ پولیس والا ہونے کے ناتے پولیس سے ہر ممکن تعاون کیا تھا۔ فراغت کے بعد وہ انتظار گاہ میں آبیٹھا تھا کم از کم اس طرح وہ شجاعت اور اس کے حوالے سے یہاں آنے والوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جو شجاعت کو قتل کرنا چاہتے تھے، اصل میں وہ اسے کسی وکیل سے عالیہ کے بارے میں بات کرنے سے روکنا چاہتے تھے۔

ان کا وار نا کام رہا تھا اور وہ اسے کامیاب کرنے کے لیے اب اسپتال کا رخ کرسکتے تھے۔ اس کی نظر کوریڈور پر تھی جس سے گزرے بغیر کوئی بھی شجاعت کے کمرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا پھر اس نے ایک اچھی قدوقامت کے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو کوریڈور میں داخل ہوتے دیکھا۔ چند لمحے بعد وہ

شجاعت کے کمرے پر تعینات پولیس گارڈز سے الجھ رہا تھا۔
''تم نہیں جانتے، میں کون ہوں؟'' وہ غرایا۔ ''مجھے شجاعت کی خیریت معلوم کرنی ہے۔''
''آپ درست کہہ رہے ہیں صاحب مگر ہمیں فی الحال کسی بھی شخص کو ان سے ملنے دینے کی اجازت نہیں ہے۔'' گارڈ اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔
''میرا نام بابر سہیل ہے اور میں شجاعت کا باس ہوں۔'' وہ اسی حاکمانہ لہجے میں بولا۔ ''تم مجھے اندر جانے سے نہیں روک سکتے۔'' اس دوران میں غالباً دوسرے گارڈ نے اپنے انچارج کو کال کردی تھی۔
''سر...... آپ کی بات بجا ہے۔'' انچارج نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ ''اصل میں یہ پابندی ڈاکٹرز کی طرف سے لگائی گئی ہے۔ وہ اس وقت کوما میں ہیں اس لیے ان سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ اپنا نمبر دے دیں جیسے ہی ان کو ہوش آئے گا، میں سب سے پہلے آپ کو مطلع کروں گا۔'' اسد نے بابر کو تھوڑا ہچکتے اور پھر جیب سے کارڈ نکال کردیتے دیکھا۔
''ٹھیک ہے تم مجھے کال کردینا۔'' وہ بولا۔ اور پھر بڑے بڑے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔ اسد اسے جاتا دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے اپنے اگلے قدم کے لیے ابتدائی راستہ مل گیا تھا۔

☆☆☆

عالیہ سکتے کے سے عالم میں کمپیوٹر کی اسکرین کو تک رہی تھی۔ اس کے سامنے تیمور خالد کی کمٹ ہسٹری موجود تھی جہاں کوڈز میں اس کے کام اور ''نینو'' کے بارے میں پہلے دن سے آخری دن تک کے کمنٹس موجود تھے۔ ان کمنٹس کو ڈی کوڈ کرنا آسان کام نہیں تھا مگر عالیہ بالآخر اس میں کامیاب ہوگئی تھی۔
''نینو'' پاور کے سُپر کمپیوٹر کو الگورتھم سکھا رہا تھا جس سے وہ خود کوڈز بنانے اور ڈی کوڈ کرنے کے قابل ہوجاتا۔ اس سُپر کمپیوٹر میں ملک اور خطے کا بے شمار ڈیٹا موجود تھا۔ ''نینو'' اسے اس قابل بنا سکتا تھا کہ اس پر ڈالے جانے والے شخص کا صرف نام ڈال کر اس کی زندگی کا فیصلہ کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر اگر اسپتال میں کوئی مریض موجود ہے جہاں پاور کا سپر کمپیوٹر مرض کی تشخیص، مریض کی حالت اور دواؤں کا تعین کرتے تھے۔ ''نینو'' وہاں سارا ریکارڈ بدل سکتا تھا۔ اگر کسی کو دل کا دورہ پڑا ہے تو کمپیوٹر اس کے بالکل ٹھیک ہونے کا اعلان کرسکتا تھا یا دواؤں اور طریقۂ علاج میں تبدیلی کرسکتا تھا یوں مریض کی موت واقع ہوسکتی تھی جو بظاہر طبعی ہی لگتی۔ ایسا ہی کچھ ہر اس مشین، طیارے، ریل گاڑی میں کیا جاسکتا ہے جہاں کمپیوٹر کام کررہے تھے۔ تیمور کی شکل عالیہ کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اس نے انسانوں کو اس قدر بڑے خطرے سے بچانے کے لیے اپنی جان دی تھی۔ اگر نینو اس طرح فعال ہوجاتا تو یہ بم سے بڑا اور تباہ کن ہتھیار ثابت ہوسکتا تھا۔
دروازے کے کھلنے کی آواز پر عالیہ چونکی اور اس نے کمپیوٹر بند کردیا۔
''کچھ مسئلہ حل ہوا؟'' بابر اسے دیکھ کر مسکرایا۔
''فی الحال نہیں مگر میں اس پر کام کررہی ہوں۔'' عالیہ خود کو سنبھال کر بولی۔ ''اصل میں، میں اس وقت خود کو ٹھیک محسوس نہیں کررہی ہوں، اگر میں اسٹوڈیو جاکر کچھ آرام کرلوں تو شام میں تازہ دم ہوکر کام آگے بڑھا سکتی ہوں۔'' وہ متانت سے بولی۔
''ہوں...... اگر تم واقعی تھکن محسوس کررہی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' بابر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ عالیہ اس کے جواب پر لمحہ بھر کے لیے حیران رہ گئی۔ اسے اس بات کی امید نہیں تھی کہ بابر اسے آسانی سے دفتر سے نکلنے دے گا۔
''شکریہ بابر پھر میں چلتی ہوں، شام کو تم سے ملاقات ہوگی۔''
''کیا تمہیں کار کی ضرورت ہے اگر چاہو تو میرا ڈرائیور تمہیں ڈراپ کردے گا۔''
''نہیں میں گاڑی منگوالوں گی۔'' وہ بمشکل مسکرائی اور تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی لفٹ کی جانب جارہی تھی جیسے اسے خوف ہو کہ کہیں بابر اپنا ارادہ نہ بدل ڈالے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
لفٹ ایریا کے قریب پہنچ کر اس نے بٹن دبایا۔ عین اسی وقت اسے ''شش شش'' کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ پہلے تو اس نے اس آواز کو نظرانداز کیا مگر جب کسی نے دبی دبی آواز میں اس کا نام لیا تو وہ پلٹ گئی۔ لفٹ ایریا میں سیڑھیوں والے راستے کے سامنے اسد کھڑا تھا۔ وہ بے اختیار دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔
''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم مجھے اس قدر مس کررہی ہو ورنہ میں پہلے ہی آجاتا......'' وہ چند لمحے بعد مسخرانہ انداز میں بولا۔
''فضول باتیں نہیں......'' اتنی دیر میں عالیہ خود کو

سنبھال چکی تھی۔

''کیا بابر نے تمہیں جانے کی اجازت دے دی ہے؟'' اسد نے پوچھا۔

''ہاں مگر تم یہاں کیسے آئے؟ سیکیورٹی نے تمہیں اندر آنے دیا؟''

''اب اس قدر کام تو آپ کا یہ جاسوس کر ہی سکتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا تمہیں تیمور کے بارے میں کوئی خبر ملی؟'' عالیہ نے پوچھا۔ ''ہمیں اسے ڈھونڈنا چاہیے کیا شجاعت نے تم سے کوئی رابطہ کیا؟''

''شجاعت اسپتال میں ہے۔''

''کیا؟'' عالیہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''اسے آج دوپہر میں گولی مار دی گئی ہے اور اس وقت اسپتال میں بے ہوش پڑا ہے۔ عالیہ ہم یہ باتیں بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔ فی الحال ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا چاہیے۔ میں بابر کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ شجاعت کا قصہ تمام کرنے وہاں آیا تھا، تم یہاں محفوظ نہیں ہو۔''

''نہیں اسد، ہم تیمور کو یہاں نہیں چھوڑ سکتے۔''

''فی الحال مجبوری ہے عالیہ.....''

''اسد یہ میرا دفتر ہے، اس عمارت کو میں نے خود بنوایا ہے۔'' عالیہ مسکرائی۔

''کیا صدمے کا تمہارے دماغ پر اثر ہو گیا ہے یا تم ایسے موقعوں پر ہمیشہ ایسی الٹی الٹی باتیں کرتی ہو؟'' اسد نے متانت سے پوچھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' عالیہ اس کے سوال کو نظرانداز کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ کوریڈور میں مڑتے ہوئے اس نے ایک محتاط نظر ڈالی، وہاں کوئی نہیں تھا۔ عالیہ تیزی سے لپک کر باتھ روم کے نشان بنے کمرے میں گھس گئی۔ یہ ایک انتہائی صاف واش روم تھا جس میں قطار میں دو باتھ روم بھی بنے تھے۔ یہ واش روم خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ آخری باتھ روم کے ساتھ ایک الماری بنی ہوئی تھی جس میں روزمرہ کی صفائی کی چیزیں وغیرہ رکھی جاتی تھیں۔ عالیہ نے الماری کے درمیان سے سامان ہٹا کر دیوار کی ایک جانب مخصوص دباؤ ڈالا جس کے ایک لمحے بعد کلک کی ہلکی سی آواز سے ایک دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک نیم اندھیری سی راہداری نما سرنگ تھی۔

''یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟'' اسد نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے کمرے میرا مطلب ہے کہ بابر کے کمرے کی الماری تک۔ یہ میرا چھوٹا سا راز ہے جو میں نے آج تک صرف تمہیں بتایا ہے یہ خفیہ راستہ......'' عالیہ مسکرائی۔

''میں اس کی داد دیتا ہوں۔'' اسد بھی مسکرایا۔ ''مگر ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟''

''شاید تیمور کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے، ہم کچھ سن سکیں کیونکہ شجاعت نے اسے آخری بار وہیں دیکھا تھا۔''

چند لمحے بعد وہ ایک اور دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ عالیہ نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ کھل نہیں پایا۔

''کیا ہوا؟'' اسد نے اشارے سے پوچھا۔

''شاید بابر نے الماری میں سامان ڈال رکھا ہے۔ میں اسے ہلا نہیں پا رہی۔''

''تم ہٹو۔'' اسد نے دروازے کو دھکا دیا، وہ کسی حد تک کھل گیا مگر اب بھی وہاں کچھ پھنسا ہوا تھا۔ دروازہ.... اس قدر ضرور کھل گیا تھا کہ وہ ہاتھ ڈال کر پھنسنے والے سامان کو ہلا سکتا تھا یا باہر نکال لیتا۔ عالیہ نے اس کے فون کی ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ اسد نے ہاتھ ڈال کر اندر موجود سامان کو باہر کی جانب کھینچا۔ اس کو محسوس کر کے اور پھر اس پر نظر پڑتے ہی اسد کے منہ سے یکلخت ہلکی سی کراہ برآمد ہوئی تھی۔ اس نے مڑ کر ساکت رہ جانے والی عالیہ کو دیکھا جو کسی معمول کے مانند زمین کو گھورے جا رہی تھی۔ پھر اس کے ہاتھ سے فون گرا، اس سے قبل کہ وہ اسے سنبھال پاتا، وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ اسد نے بمشکل اسے زمین پر گرنے سے بچایا جہاں تیمور کی خون آلود لاش پڑی تھی۔

☆☆☆

''سر ایک صاحب آئے ہیں ذیشان خالد، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کا اپائنٹ منٹ تو نہیں ہے مگر وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ میڈم عالیہ سلمان کے وکیل ہیں اور ان کا آپ سے ملنا ضروری ہے۔'' بابر کی سیکریٹری نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''اوکے، اسے اندر بھیجو اور اسے بتا دو کہ میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔'' بابر کے ماتھے پر بل سا پڑ گیا تھا۔

''مسٹر بابر میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف انسان ہیں۔'' ذیشان خالد اندر آکر معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''آپ کے علم میں ہے نا کہ ہماری فرم آپ کے

لیے کام کرتی ہے۔''
''بالکل اور میں سرپرائز وزٹ بھی پسند نہیں کرتا۔''
''میں معذرت خواہ ہوں۔''
''اگر یہ عالیہ کی ضمانت کے حوالے سے ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''
''نہیں سر یہ کل کی فائرنگ کے متعلق ہے۔'' ذیشان نے دھیمے انداز میں کہا۔
''مگر اس سے میرا کیا تعلق ہے؟'' بابر نے اسے گھورا۔
''سر آپ کے چیف آپریٹنگ آفیسر پر فائرنگ ہوئی ہے اور وہ بھی اس وقت جب وہ اپنی جبری سبکدوشی کو عدالت میں لے جانے والا تھا۔''
''بہت تیز ہو تم۔'' بابر نے قہقہہ لگایا۔
''سر! ہم آپ کے لیے کام کرتے ہیں اس لیے ہر زاویے پر نظر رکھتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر کہیں سے کوئی مسئلہ اٹھتا نظر آرہا ہو تو اسے بڑا بننے سے قبل ہی ختم کر دینا چاہیے۔ کسی مقدمے کو جیتنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے درج ہی نہ ہونے دیا جائے۔''
''تم نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟'' بابر نے پوچھا۔
''ذیشان خالد......'' اس کے جواب پر بابر نے سامنے رکھے صفحے پر کچھ لکھا پھر بولا۔
''تم مجھے پسند آئے ہو، اصولی طور پر میں ہمارے لیے کام کرنے والی لا فرم کے کسی ملازم کو نوکری آفر نہیں کر سکتا مگر تم اپنی ملازمت چھوڑ کر میرے پاس آتے ہو تو میں تمہیں یہ آفر کر سکتا ہوں۔'' اس نے صفحے پر کچھ نمبر لکھ کر ذیشان کی جانب بڑھائے جس نے اسے غور سے پڑھا۔ پھر دونوں ہی ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆☆☆

عالیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تیمور مر چکا تھا، شجاعت کومے میں تھا اور وہ خود قانون کی مفرور تھی۔ سب کچھ گویا الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ اسد اسے کسی طرح ہوش میں لے آیا تھا جس کے بعد وہ دونوں سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اُتر کر پچھلے دروازوں میں سے ایک سے باہر نکل گئے تھے۔ عالیہ کو اندازہ تھا کہ انہیں کیمروں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے سیڑھی اترنے کے بعد وہ دونوں الگ ہو گئے تھے۔ باہر جا کر اسد نے اسے پک کر لیا تھا اور اب وہ اس کے اسٹوڈیو فلیٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسد نے اس سے پہلے اندر جا کر چھوٹے سے خوب صورت فلیٹ کی تلاشی لے لی تھی۔ عالیہ کے تصور میں بار بار تیمور کا خون آلود چہرہ آجاتا تھا۔
''ہمیں ایک پلان کے طور پر کام کرنا ہوگا۔'' وہ بالآخر بولی۔ ''بابر ہر جگہ ہم سے ایک قدم آگے جا رہا ہے۔ اس سے قبل کہ ہم تیمور سے بات کر پاتے، اسے اغوا کر لیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں آرہی ہوں اور اس نے مجھے اغوا کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ ذیشان شجاعت سے بات کرنے والا ہے اور اس نے اسے گولی ماردی۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''اس بھیانک خواب سے باہر نکلنے کے لیے ہمیں اس سے آگے نکلنا ہوگا۔''
''تمہارے خیال میں یہ کیسے ممکن ہے؟'' اسد نے پوچھا۔
''اسے صرف ایک چیز درکار ہے، نینو۔''
''تیمور والا پروگرام؟''
''ہاں۔'' عالیہ نے سر ہلایا۔
''تو پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟''
''میں ''نینو'' کو آن کر دوں گی۔''
''مگر کیسے؟ کیا تم اس مسئلے کو حل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو؟''
''ہاں تیمور نے وہاں کمنٹس ہسٹری کو کوڈ کر کے رکھا تھا جسے ڈی کوڈ کیا جا سکتا ہے جس کے بعد ''نینو'' آن ہو جائے گا۔'' عالیہ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ''تیمور ایک جینئس تھا اس نے اسے اس طرح لکھ رکھا تھا جسے سمجھنا سب کے لیے آسان نہیں ہے۔ یہ میرا طریقہ ہے اس لیے میں اس تک پہنچ گئی۔'' عالیہ افسردگی سے بولی۔
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ کہ ان کمنٹس میں تحریر کردہ کوڈز کی ہر لائن کا پہلا لفظ اٹھا کر تحریر بنانے سے پروگرام کھلنے کا کوڈ ملتا ہے۔'' وہ بولی۔
''کیا اسے آن کرنا مناسب ہوگا؟''
''شاید نہیں، کیونکہ وہ یہی چاہتے ہیں مگر ہمیں اگر سب کو ختم کرنا ہے تو اس کے لیے یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔ ہمارے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے۔ کیا اس صورتِ حال میں پولیس ہماری مدد کر سکتی ہے؟''
''شاید نہیں۔'' اسد نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''وہ لاش یقیناً انہوں نے چھپا دی ہوگی اور کسی بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔''
''ٹھیک ہے...... تو پھر میں یہ کام کر رہی ہوں۔''

عالیہ نے اپنا لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اسے کرنے میں دو منٹ لگیں گے۔''

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے نینو پر پہنچنے کے لیے الفاظ ٹائپ کیے مگر اسکرین پر کچھ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پھر سارے عمل کو دہرانے کے بعد بھی جب اسکرین اس کا منہ چڑاتی رہی تو عالیہ نے ڈائیگوسٹک اسکین (Diagnostic scan) کا آپشن دبایا۔

''اسد میں ''نینو'' کو شروع نہیں کر پا رہی۔'' وہ بالآخر بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ کسی نے اسے پہلے ہی آن کر دیا ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

☆☆☆

''کیا یہ سچ ہے؟'' سعید خرم ایک بار پھر بابر کے دفتر میں تھا۔ ''کیا تم نے ''نینو'' کو آن کر لیا ہے؟''

''بالکل۔'' بابر مسکرایا۔ ''جیسا کہ ہمیں توقع تھی کہ عالیہ ہم سے جھوٹ بول رہی تھی۔ میں نے اسے جانے کی اجازت اسی لیے دی تھی کہ اس کے اسٹوڈیو میں ہم اپنا پورا سسٹم بنا چکے تھے۔ اس نے وہاں اپنے اس ساتھی سے اس کے متعلق گفتگو کی اور یہاں اس کے کمپیوٹر کو ہاتھ لگانے سے قبل ہماری ٹیم نے اسے ''آن'' کر لیا۔'' اس کے لہجے میں طمانیت تھی۔

''زبردست، میں بہت خوش ہوں بابر، ہم اسے پاور کے سپر کمپیوٹر سے کب تک جوڑ پائیں گے؟''

''اس میں صرف چند دن لگیں گے۔'' وہ بولا۔ اور مسکرا دیا۔ سعید خرم کو دنیا پر حکمرانی کا خواب سچ ہوتا نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

اسد چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے ہونٹوں پر ایک انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور عالیہ کو بازو سے پکڑ کر باتھ روم میں لے گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے شاور کھول دیا۔

''اسد...... کیا مسئلہ ہے؟'' عالیہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''عالیہ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے فوراً۔'' وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''کیا ہوا ہے؟'' عالیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''تم نے کہا تھا نا کہ بابر ہم سے ایک قدم آگے رہتا ہے؟''

''ہاں تو......؟''

''اور اب نینو آن ہو چکا ہے۔''

''ہاں۔''

''یہ جگہ بگڈ ہے۔ وہ ہمیں سن یا شاید دیکھ بھی رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہوگا۔''

عالیہ چند لمحے بالکل خاموش رہی، اسد بالکل صحیح کہہ رہا تھا۔

''عالیہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا، اب تمہارا وجود ان کے لیے خطرہ ہے۔''

''وہ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔'' وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔

''احمق مت بنو، وہ یہ کرنے کی کوشش کریں گے، تم بہت کچھ جان چکی ہو۔ اگر تم خود زندہ نہیں رہو گی تو انہیں کیسے روک پاؤ گی؟''

''او کے مجھے صرف ایک چیز چیک کر لینے دو۔'' وہ لیپ ٹاپ پر جھکی۔

''او کے تمہارے پاس تیس سیکنڈز ہیں۔'' وہ بولا۔

''مجھے ایک منٹ لگے گا۔''

''عالیہ جلدی کرو۔'' وہ دوبارہ بولا۔ عین اسی وقت ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ کر گرا۔ فائر کی آواز کے بجائے صرف تھڈ جیسی ہلکی سی آواز آئی تھی۔

''چلو۔'' اسد اس کا بازو تھام کر باہر کی جانب لپکا۔

☆☆☆

''سر، ذیشان خالد آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی آپ سے آج کی اپائنٹ منٹ ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے کہو پانچ منٹ انتظار کرے۔'' بابر نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ دوسری جانب سعید خرم تھا۔

''میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے تمام چیزوں پر قابو پا لیا ہے مگر اب مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ عالیہ غائب ہو گئی ہے؟'' وہ غرایا۔

''ہاں، جب میری ٹیم وہاں پہنچی تو وہ گھر پر نہیں تھی۔ انہوں نے وہاں تلاشی لی، ریکارڈنگ سنی مگر یہ نہیں پتا چل سکا ہے کہ وہ کہاں گئی ہے مگر ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔''

''تم ہر کام غلط کرتے ہو تمہیں ہر قیمت پر اسے ڈھونڈنا ہے ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' سعید خرم چیخ کر بولا۔

''میں جانتا ہوں سعید صاحب۔'' بابر بھی اس بار تلخی

سے بولا۔ ''مجھے احمق سمجھنا بند کر دیں۔ میں نے آج تک ہر وہ کام کیا ہے جس کا وعدہ کیا تھا ہر بار جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے اسے کون حل کرتا ہے؟ میں...... لہٰذا آپ اطمینان سے آرام کریں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔ ہم اسے جلد ڈھونڈ لیں گے اور اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم بھی کر دیں گے۔''

سعید خرم کے لیے اس کا یہ انداز نیا تھا۔ وہ غصے میں کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر پھر رک گیا اور فون بند کر دیا۔ کلک کی آواز سن کر بابر نے فون میز پر اچھالا اور انٹرکام بجا کر ذیشان کو اندر بھیجنے کا حکم دیا۔

''آؤ ذیشان......'' وہ اسے آتے دیکھ کر بولا۔ ''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے یوں سمجھ لو کہ میں تمہیں پہلی ذمے داری دوں مگر اس سے قبل میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور۔''

''مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم عالیہ سلمان کو پسند کرتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ تم اس کے وکیل ہو وہ ایک خوب صورت خاتون ہے۔''

''نہیں سر ہمارے رمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''گڈ...... تمہارے لیے پہلا کام یہی ہے کہ تم اب میرے لیے عالیہ سلمان کو ڈھونڈو گے۔''

''اوکے سر۔''

☆☆☆

''ذیشان ہم سے ملنا چاہتا ہے۔'' اسد بولا۔ وہ دونوں اپارٹمنٹ سے نکل کر ایک قدرے چھوٹے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ گھر جانے کی صورت میں خطرہ زیادہ تھا۔ اسد نے عالیہ کا فون بند کر کے اس کی سم نکال لی تھی۔ تاکہ انہیں اس کے ذریعے ٹریک نہ کیا جا سکے۔ خود وہ ابھی تک کسی کے سامنے نہیں آیا تھا اس لیے اس نے اپنا فون آن رکھا تھا۔

''تم نے کیا کہا؟''

''یار سچ تو یہ ہے کہ میں اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہتا مگر اس فائرنگ کے وقت وہ بھی موجود تھا۔ وہ تمہاری مدد کرنا چاہتا ہے اور ہمیں کہیں سے تو آگے بڑھنا ہے اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تمہیں اس سے مل لینا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' عالیہ بولی۔

وہ ایک چھوٹے سے کافی شاپ پر اکٹھے ہوئے تھے۔

''ذیشان تم عالیہ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' رسمی باتوں کے بعد اسد نے پوچھا۔

''میں بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ عالیہ خیریت سے ہے۔''

''تو یہ تو تم فون پر بھی پوچھ سکتے تھے؟'' اسد کا ماتھا ٹھنکا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ عالیہ خطرے میں ہے۔''

''ہم یہ بھی جانتے ہیں۔'' اس بار عالیہ بولی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ چلو وہاں تم زیادہ محفوظ رہ سکو گے۔''

اس کی اس بات پر اسد نے ایک نظر عالیہ کو دیکھا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ ''یہ نہیں ہو سکے گا۔ میرا خیال ہے کہ ملاقات ختم ہو چکی ہے۔ عالیہ ہمیں چلنا چاہیے۔''

''میں ان کا وکیل ہوں اور تم عالیہ کی طرف سے فیصلے نہیں کر سکتے۔''

''تم میرے نہیں ''پاور'' کے وکیل ہو ذیشان۔'' عالیہ نے کہا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں غلط سمجھتی ہوں، تم میری مدد کرنا چاہتے ہو، یہ میں جانتی ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اور اسد تم کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے۔'' وہ بات ختم کر کے مسکرائی اور کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

''کیا اس وقت اسپتال جانا مناسب رہے گا؟'' ڈرائیونگ کے دوران اسد نے دوسری بار پوچھا۔

''شجاعت کا ہوش میں آنا ضروری ہے، اسد ہمیں کچھ تو کرنا ہوگا نا۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے مگر مجھے یہ کچھ خطرناک لگ رہا ہے۔'' وہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بولا۔ سڑک پر ایک گاڑی کچھ اس انداز میں کھڑی تھی کہ چھوٹا سا جیم بن گیا تھا۔ وہیں ایک نوجوان عورت گود میں بچہ لیے کھڑی تھی۔ گود والے بچے سے تھوڑا بڑا بچہ اس کے ساتھ کھڑی پام میں لیٹا ہوا تھا۔ عالیہ غور سے اس بچے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی کھڑکی کا شیشہ بکھر کر اس کی گود میں آ گرا۔ وہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔

''نیچے جھک جاؤ۔'' اسد کی چیختی ہوئی آواز اسے ہوش میں لے آئی اور وہ سیٹ سے نیچے جھک گئی۔ تھڈ تھڈ کی مزید دو آوازیں ان کے سروں پر سے گزری تھیں۔ اسد نے ہاتھ

بڑھا کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اچھل کر سیٹ پر بیٹھ کر تیزی سے فٹ پاتھ کی جانب سے کار کو آگے بڑھایا۔ اس کا ایک ہاتھ ہارن پر تھا۔ گاڑی کے آگے بڑھتے ہی عالیہ بھی سیٹ پر آ گئی۔

''انہوں نے ہمیں کیسے ڈھونڈ لیا؟'' بالآخر وہ بولی۔

''ذیشان...... وہ ان کے ساتھ مل گیا ہے۔'' اسد حتمی انداز میں بولا۔

ٹھڈ کی ایک اور آواز نے پچھلا شیشہ توڑ دیا تھا۔ اسد نے گاڑی کو ایک ذیلی سڑک پر موڑ لیا۔ ایک بوڑھی عورت سڑک کے عین درمیان تھی۔ اسد کا ہاتھ ہارن پر تھا اور وہ اسے چیخ چیخ کر ہٹنے کو بھی کہہ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا ایک بڑی سیاہ وین ان کے تعاقب میں تھی۔

''میں نے تم سے کہا ہے سر نیچے رکھو۔'' وہ اس پر چلایا۔ اس سے پہلے کہ عالیہ سر نیچے کرتی، سامنے سڑک پر نظر آنے والے منظر نے اسے سانس روک لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ خاندان جن میں پانچ بچے، دو عورتیں اور دو مرد شامل تھے۔ سڑک کو پار کر رہے تھے۔ وہ باقاعدہ ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنا کر چل رہے تھے۔

''اسد رفتار کم کرو...... سامنے بچے ہیں۔''

اسد نے مزید زور سے ہارن بجایا اس میں نے مڑ کر دیکھا سیاہ وین تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ بچے خوف کے عالم میں سڑک پر جم سے گئے تھے۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پر اسد نے گاڑی کا رخ موڑا، کار لڑکھڑاتی ہوئی فٹ پاتھ اور پھر ساتھ بنے گرین ایریا میں اتر گئی۔ سیاہ وین بھی قریب آ گئی تھی۔ دور سے پولیس سائرن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ اسد نے گاڑی کو دوبارہ سڑک کی جانب چڑھانا چاہا مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ گاڑی کی رفتار کافی تیز تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کار بے قابو ہو کر آگے بڑھی اور سامنے موجود درخت سے ٹکرا کر رک گئی۔ سیاہ وین، کار کے بالکل برابر آ کر رکی تھی اس میں سے ایک سیاہ لباس میں ملبوس طویل القامت شخص برآمد ہو۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا قدرے لمبا پسٹل تھا۔ وہ عالیہ پر نگاہیں جمائے آگے بڑھ رہا تھا۔

''اسد......'' عالیہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کا سر اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ ماتھے سے خون کی ہلکی سی لکیر چہرے تک آ رہی تھی۔ وہ بے ہوش تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر عالیہ کا دل ڈوب سا گیا۔ اتنی دیر میں سیاہ وین والا شخص اس کا دروازہ کھول چکا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ ایک لفظ بھی کہہ پاتی، اس نے اپنے پسٹل کی نال عالیہ کے سر پر رکھ دی۔ اس کا دوسرا ہاتھ عالیہ کے چہرے کی جانب بڑھا۔ اس میں کوئی نرم سی چیز تھی۔ عالیہ نے اپنا چہرہ موڑنا چاہا مگر اس سے قبل ہی اس کا ہاتھ اس کے چہرے پر جم چکا تھا۔ صرف ایک لمحے میں اس نے اپنا ذہن چکراتا ہوا محسوس کیا اور پھر تمام مناظر اس کی بینائی سے غائب ہو گئے۔

☆☆☆

''تو تمہارے خیال میں ہم کل تک ''نینو'' کو ''پاور'' کے سپر کمپیوٹر سے جوڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' سعید خرم نے پوچھا۔

''جی ہاں، ٹیم تقریباً کام ختم کر چکی ہے جو تھوڑا بہت کام باقی ہے، وہ کل تک مکمل ہو جائے گا۔ تب تک ہمیں عالیہ کی خبر بھی مل جائے گی پھر ہم یہ تاریخ ساز کام ''پاور'' کی بانی سی ای او عالیہ سلمان کے نیک ہاتھوں سے کروائیں گے۔'' بابر گویا لطف لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تب تک عالیہ یہاں ہوگی اور اس بار تمہارے بندے گڑبڑ کیے بغیر کام کو صحیح طور پر مکمل کر لیں گے؟'' سعید خرم کے لہجے میں شکوک و شبہات تھے۔

''سو فیصد یقین ہے۔'' بابر بولا۔ ''میں آپ سے ایک بات اور بھی کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا؟'' سعید خرم نے اسے گھورا۔

''یہی کہ اب ہمیں اس کام کو اگلے لیول تک لے جانا چاہیے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو بابر......؟''

''یہ کہ اب میری حیثیت تبدیل ہونی چاہیے۔''

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔'' سعید خرم نے کہا۔

''مگر میں سمجھتا ہوں کہ وقت آ گیا ہے۔''

''بابر شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ یہاں کس نے کس کو ملازمت دی ہے، تم وہ کرو گے جو میں کہوں گا اور تب جب میں کہوں گا...... سمجھ گئے۔'' سعید خرم نے سختی سے کہا۔

''میرا خیال یہ ہے کہ اب آپ کو مجھے اس پروجیکٹ میں اپنا پارٹنر تسلیم کر لینا چاہیے۔'' بابر نرمی سے بولا۔ ''اب جبکہ ''نینو'' کام کر رہا ہے، یہ سب اپنے ساتھ بہت پیسا لانے والا ہے جسے ہم دونوں آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔''

''تقسیم......؟''

''پلیز خرم صاحب آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ میرے بغیر کام نہیں کر سکیں گے تو کیوں نہ ہم اس تعلق کو مزید مضبوط کر لیں۔''

''اوکے بابر، ہم اس پر بعد میں بات کریں گے۔''
خرم سعید نے بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا۔
چند لمحوں بعد وہ اپنی لیموزین میں اپنے محل نما گھر کی جانب سفر کر رہا تھا۔ اس کا ذہن بابر کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ اسے اپنے اس انتخاب سے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اکثر معاملات سنبھال لیتا تھا مگر وہ لالچی تھا۔ لالچی اور خودغرض لوگ اعتماد کے زیادہ قابل نہیں ہوتے۔ یہ سعید خرم اچھی طرح جانتا تھا۔ یوں بھی طاقت اور حکمرانی کے اس خواب میں وہ اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر یہ بھی طے تھا کہ خواہشات کا سرپٹ گھوڑا جب دوڑنا شروع کرتا ہے تو پھر کوئی منزل اس کی آنکھوں میں نہیں جچتی۔
'اسے بابر کا انتظام کرنا تھا۔' اس نے سوچا۔ اس سے قبل کہ وہ اس سے پیچھا چھڑانے کے بارے میں سوچنے لگے، اسے ہی اس کو اس کی آخری منزل تک پہنچا دینا چاہیے۔ آج کل یوں بھی وہ اس وکیل ذیشان کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ ان دونوں کو آج ہی جاگنگ ایریا میں ملاقات کرنا تھی۔ یہ بہترین پوائنٹ ہے، اس نے سوچا اور جیب سے موبائل نکال کر چند نمبر دبائے۔

☆☆☆

عالیہ کو ہوش آیا تو وہ خود اپنے یعنی بابر کے موجودہ دفتر میں رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔
''ہیلو عالیہ، ویلکم ٹو پاور اگین۔ (پاور میں دوبارہ خوش آمدید)۔'' بابر اسے جاگتا دیکھ کر بولا۔ وہ اپنی بڑی سی میز کے پیچھے رکھی گھومنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔
''تم......'' اسے سنبھلنے میں اور سب کچھ یاد کرنے میں چند لمحات لگ گئے تھے۔ ''تم نے مجھے دوبارہ اغوا کروایا ہے، تم خود کو کیا سمجھ رہے ہو بابر، کیا کوئی فلمی ڈان ہو تم......؟'' وہ جس قدر ممکن ہو سکتا تھا اتنی زور سے چلائی۔
''آہستہ آہستہ، میں ڈان ہوں یا نہیں مگر تم نے فلمی ہیروئن کی طرح ہمیں خوب اپنے پیچھے دوڑایا ہے اور وہ تمہارا سابق پولیس آفیسر دوست...... اسے کہاں سے اس معاملے میں گھسیٹ لائیں تم...... اب اسے بھی خوامخواہ جان سے جانا پڑے گا۔''
''تم اپنی خیر مناؤ بابر میاں......'' عالیہ نے کہا۔ اسے اسد کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ آخری بار اس نے اسے زخمی اور بے ہوش دیکھا تھا۔ نہ جانے اب وہ کہاں اور کس حال میں تھا۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' چند لمحوں بعد اس نے پوچھا۔
''یہ تم نے پہلا قاعدے کا سوال کیا ہے، وہی جو تمہیں اچھی طرح آتا ہے۔ تمہیں تیمور کے بنائے ہوئے پروگرام کو پاور کے سپر کمپیوٹر سے جوڑنا ہے۔''
''اور تمہیں لگتا ہے کہ میں یہ کروں گی؟'' اس نے پوچھا۔
''مجھے یقین ہے کیونکہ تم جانتی ہو کہ مجھے جو کرنا ہوتا ہے میں ضرور کرتا ہوں۔ تیمور کا انجام تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔
''اس معصوم بچے کو تم نے قتل کیا ہے' اس کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔'' تیمور کا خیال آتے ہی اس کی آواز بھرا گئی۔
''دیکھو عالیہ...... اب ہم سنجیدگی سے کچھ بات کر لیتے ہیں۔ تمہیں اس کام کو سرانجام دینا ہے۔''
''تاکہ تم اس کے بعد مجھے مار دو؟''
''میں تمہیں نہیں ماروں گا اور ویسے بھی اگر تم یہ کام نہیں کرو گی تب تو لازمی ماری جاؤ گی، جانتی ہو نا تم...... مجھے اس وقت ایک گھنٹے کے لیے باہر جانا ہے۔ اس دوران میں تمہیں یہاں اس کمرے میں کمپیوٹر اور تمہارے تمام ایکسس دے دیے جائیں گے، تمہیں نیٹو کو کمپیوٹر سے جوڑنا ہے ہم اس کے بعد بیٹھ کر بات کریں گے اور یاد رکھنا میرے گارڈز تمہارے اردگرد رہیں گے۔ ذرا سی بھی غلطی تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے...... بہت مہنگی......'' وہ تنبیہی انداز میں بولا اور کمرے سے نکل گیا۔ عالیہ اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہیں دفتر میں عالیہ کے لیے الگ کمپیوٹر سیٹ کر دیا گیا تھا۔ کمرے میں کئی گارڈز موجود تھے۔ عالیہ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔
''مجھے کام شروع کرنے سے قبل ایک کپ کافی درکار ہے۔'' اس نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔ چند لمحے بعد ہی اس کے سامنے جھاگ اڑاتی کافی موجود تھی۔
''کیا میں چند لمحوں کے لیے ایک فون کر سکتی ہوں؟'' اس نے ایک گارڈ سے پوچھا۔
''میڈم اس کی اجازت نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''نہ ہی ہمیں آپ سے گفتگو کی اجازت ہے۔''
وہ دھیمے سے مسکرائی اور پھر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا پرانا پاس ورڈ دوبارہ کام کر رہا تھا۔ بابر نے خود ہی اسے اس کا سب سے بڑا ہتھیار لوٹا دیا تھا۔ وہ مسکرائی

اور پاور کے سیٹ اپ میں داخل ہوگئی۔

☆☆☆

بابر اس وقت اس پوش علاقے کے سب سے مشہور اور بڑے جاگنگ ایریا میں کھڑا تھا۔ سرخ اور پیلی چھوٹی اینٹوں سے بنا یہ جاگنگ اور واکنگ ایریا ایک گول دائرے کی شکل میں دو میل کے علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ درمیان میں مصنوعی پہاڑی علاقہ سا بنا کر پودے اور درخت لگائے گئے۔ دوسری جانب گھنا جنگل سا بنایا گیا تھا۔ ہر تھوڑے فاصلے پر آرام دہ بینچیں موجود تھیں۔ پارک کے ہر گیٹ پر گارڈز کی بڑی تعداد موجود رہتی تھی۔ بابر ہفتے میں دو یا تین بار یہاں ضرور آتا تھا۔ اس وقت وہ اپنی معمول کی رفتار سے کہیں آہستہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ وہ کسی کا منتظر لگ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کا انتظار ختم ہوگیا۔ ذیشان خالد اپنے دفتری سوٹ بوٹ میں پارک میں عجیب سا لگ رہا تھا۔ بابر کو اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ہنسی آ گئی۔ وہ اس جگہ کھڑا ذیشان کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ اس کے قریب نہ آ گیا۔

''بابر صاحب مجھے گھر جانے یا کپڑے تبدیل کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔'' وہ اس کی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں مگر میں اس وقت یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کو مجھ سے ایسی کیا ضروری بات کرنا تھی جس کے لیے تم کل تک کا انتظار نہیں کر سکتے تھے؟'' بابر نے اسے گھورا۔

''اصل میں وہ بات عالیہ سے متعلق ہے۔''

''عالیہ سے متعلق کیا بات ہے؟'' بابر ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔ ''کیا تم ڈرامائی تاثر دیے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتے؟''

''اصل میں بابر صاحب! میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ ان کا کام ختم ہونے کے بعد آپ ان کا بندوبست کر دیں گے...... کیا میں ٹھیک سمجھا ہوں نا؟''

''ہاں......تو پھر......؟'' بابر نے اسے گھورا۔

''بس اسی لیے ہمارا فوراً ملنا ضروری تھا۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ فوراً ہی پھنس جائیں گے کیونکہ اس وقت پولیس اس معاملے میں کافی سے زیادہ انوالو ہے۔''

''تو کیا میں اس کو چھوڑ دوں تا کہ وہ یہ کہانی سب کو سنا دے؟ نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں، وہ خوف زدہ یا لالچ کے زیرِ اثر خاموش رہنے والی خاتون نہیں ہے۔'' ذیشان بولا۔ ''مگر میرا

اصل حساب

ایک دوست: ''بھئی اس مرتبہ تو دو ہفتے کی چھٹیاں گزار کر بہت مزہ آیا۔''

دوسرا دوست: ''لیکن تم تو دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آ گئے تھے۔''

پہلا دوست: ''ہاں، وہ تو ٹھیک ہے لیکن جونہی میں ایک ہفتے کی چھٹی گزار کر واپس آیا تو باس ایک ہفتے کی چھٹی پر چلے گئے۔''

ایک وصیت

''میں چاہتا ہوں وہ چاروں افراد میرے جنازے کو ضرور کندھا دیں جنہوں نے مجھ سے بڑی رقمیں قرض لی تھیں۔ انہوں نے مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ میں چاہتا ہوں اب وہ کام مکمل کر کے ہی چھوڑیں۔''

کراچی سے حسین علی کا حساب کتاب

کام آپ کو بہترین مشورے دینا اور ان کو کارآمد بنانا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے گرفتار کر لیا جائے یا وہ پاگل بھی تو ہو سکتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اتنے زیادہ اسٹریس کی وجہ سے ان کے دماغ پر اثر ہو سکتا ہے، ایسا مریض ریکارڈ پر زندہ ہوتا ہے مگر اسے کسی پاگل خانے میں رہنا پڑتا ہے اور ''پاور'' اپنے بانی کے لیے بہترین انتظام نہیں کر سکتا؟'' وہ مکاری سے بولا۔

''شاندار......کیا زبردست آئیڈیا ہے، مجھے حیرت ہے کہ مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ ڈر ہے کہ مجھے تمہیں اسی مہینے اضافی بونس دینا پڑے گا۔'' بابر کھل کر ہنسا۔ اسے ذیشان کی یہ تجویز بہت پسند آئی تھی۔ وہ دونوں چلتے چلتے کافی آگے نکل آئے تھے۔ بابر، ذیشان کو اپنے مستقبل کے منصوبے بتا رہا تھا مگر اس وقت بھی وہ اتنا محتاط ضرور تھا کہ اس نے اپنے پسندیدہ شاطر وکیل سے اب تک ''نینو'' یا ''سپر کمپیوٹر'' کا ذکر نہیں کیا تھا۔

وہ منصوبے بنا رہے تھے مگر ایک منصوبہ کہیں اور بن چکا تھا جو آنے والے کسی بھی لمحے میں ان کے سارے

پروگراموں اور چالوں کو ان کے ہمراہ زمین کے اندر لے جانے والا تھا۔ وہ دونوں موڑ سے مڑے تو جنگل کے کنارے پر ایک بڑے درخت کے تنے کے پیچھے موجود دو افراد نے چوکنا ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی اور اس بار جس کا فیصلہ ہونا تھا، وہ دیگر نوعِ انسانی کے مانند اس سے بے خبر اپنے حال میں مست اور خود کو عقلِ کل سمجھے دوسروں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھے۔ درخت کے تنے کے پیچھے موجود دونوں افراد نے ماسک پہن رکھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسنائپرز گن موجود تھیں۔ ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی اپنی گن سیدھی کیں، آنکھ کو نشانے پر جمایا اور پھر شہادت کی انگلی پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

بابر چلتے چلتے یک دم رک سا گیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے سینے میں آگ سی اتر گئی ہو۔ اس نے مڑ کر بے یقینی کے عالم میں ذیشان کو دیکھنا چاہا۔ وہ زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ گولی اس کا دماغ چاٹ گئی تھی۔ بابر لڑکھڑایا اس کا ذہن اس آخری لمحے میں بازی کے اچانک الٹ جانے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یک دم موت ایک بے آواز گولی پر سوار ہو کر اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ زمین پر گرنے سے قبل ہی زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سعید خرم کو ''کام'' نمٹ جانے کی خبر فوراً ہی مل گئی تھی۔ اس خبر نے اس کا موڈ بحال کر دیا تھا۔ اب اس کی سلطنت کا کوئی اور دعوے دار نہیں بچا تھا۔ عالیہ کے ''نینو'' کو سپر کمپیوٹر سے جوڑ دینے کے بعد اس کا کام بھی تمام ہو جانا تھا اور پھر وہ سعید خرم اس ناقابلِ یقین اور عظیم طاقت کا تنہا مالک بن سکتا تھا۔ اب اسے ملکوں کے سربراہوں سے بات کرنا تھی۔ 'نہیں نہیں وہ کیوں......' اس نے سوچا وہ لوگ خود اس سے ملنے کے لیے وقت لیں گے۔ دولت کے خزانے اس کے قدموں میں ہوں گے۔ وہ کسی سپر پاور سے زیادہ بڑی طاقت بننے جا رہا تھا۔ وہ مسکرایا۔

اچانک میز پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعید خرم نے ریسیور اٹھایا۔

''سر ایک بہت بڑی پریشانی آ گئی ہے۔'' یہ پاور کا نیا آپریشنل ہیڈ تھا۔ اس وقت وہ خاصا گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

''کیسی پریشانی؟'' سعید خرم کے ماتھے پر بل آیا۔

''سر...... میں آپ کو کیسے بتاؤں......'' وہ ہکلایا۔

''شاہد احمد، میرے پاس کسی فضول تمہید کے لیے وقت نہیں ہے جو کہنا ہے صاف صاف کہو...... بلکہ فوراً میرے کمرے میں آؤ۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

شاہد احمد اگلے ہی لمحے اس کے کمرے میں موجود تھا۔

''اب بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟'' سعید خرم نے پوچھا۔

''سر! ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اسے سمجھ سکیں مگر کچھ کلیئر نہیں ہو رہا......''

''مسئلہ کیا ہے؟'' خرم سعید چلایا۔

''سپر پاور کے کمپیوٹر سمیت پورا سسٹم اچانک جام ہو گیا ہے سر اور ہماری ٹیم پوری کوشش کے باوجود اسے ٹھیک نہیں کر پا رہی۔'' شاہد احمد ایک سانس میں کہہ گیا۔

''کیا......؟'' سعید خرم حلق پھاڑ کر چلایا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، تمہارا مطلب ہے کہ پاور نے کام کرنا ہی بند کر دیا ہے۔''

''جی سر، ایسا ہی ہے۔ اس تھوڑی سی دیر میں کئی بڑے اسپتالوں، ائرلائنز سے فون آ چکے ہیں سر، تھوڑی دیر میں ہمارے سارے کلائنٹ ہمارے سر پر ہوں گے۔'' شاہد احمد بمشکل بول رہا تھا۔

''ایسا کیسے ہو گیا؟'' سعید خرم گویا خود سے باتیں کر رہا تھا پھر اچانک ایک خیال کسی دھماکے کے مانند اس کے ذہن پر گرا۔

''عالیہ......'' وہ بولا۔ ''عالیہ کہاں ہے؟ وہ کیا کر رہی ہے...... کہاں ہے وہ......؟''

''سر یہ میرے علم میں نہیں ہے۔'' شاہد احمد خوف زدہ انداز میں بولا۔

سعید خرم اسے گھورتا ہوا اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح بابر کے کمرے میں پہنچا کمرے کے باہر پانچ چھ گارڈ موجود تھے۔ جنہوں نے اسے آتا دیکھ کر ادب سے راستہ دے دیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔ عالیہ تھری سیٹر صوفے پر پُرسکون انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پیر سامنے رکھی میز پر دراز تھے۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا اور چہرے پر روشن مسکراہٹ۔ سعید خرم کو آتا دیکھ کر بھی اس کے پوز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

''یہ...... یہ تم نے کیا ہے نا......؟'' وہ اس کے قریب پہنچ کر غرایا۔

''کیا......؟ میں سمجھی نہیں تم کیا کہہ رہے ہو مگر ہاں تمہاری یہاں موجودگی سے میں یہاں ہونے والی اس تمام

گڑبڑ کی وجہ ضرور سمجھ گئی ہوں۔"

"عالیہ میرے ساتھ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے پاور کا سارا سسٹم بند کر دیا ہے اور تم ہی ابھی فوراً اسے ٹھیک بھی کرو گی۔"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ اب میں تمہاری سی ای او نہیں ہوں اس لیے اصولی طور پر نہ تو تم مجھ سے کسی کام کا جواب مانگ سکتے ہو اور نہ ہی کچھ کرنے کا حکم دے سکتے ہو۔"

"میں یہ ساری بکواس نہیں سننا چاہتا۔" وہ غرایا پھر عالیہ کے قریب آکر اس نے اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر زور سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"شاید تم یہ سب مذاق سمجھ رہی ہو۔ عالیہ! لمحے بھر میں تمہیں اپنی ساری غلطی درست کرنا ہوگی ورنہ میں تمہارے اس خوب صورت چہرے کو تیزاب سے پگھلادوں گا۔"

"جان پر کھیلنا مذاق نہیں ہوتا خرم......" عالیہ کو اپنی نسیں کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ "مگر جب معاملہ لاکھوں انسانی زندگیوں کو ہو تو پھر ایک جان کا سودا مہنگا ہرگز نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے مار ڈالو گے، پھر آسانی سے مارو یا تکلیف سے مگر سعید خرم میں نے "پاور" پر اپنی پوری زندگی لگائی ہے۔ اس کا مقصد آسانی پیدا کرنا، تحقیق سے فائدہ اٹھانا اور بہتر سہولت دینا تھا، تکلیف موت اور اذیت بانٹنا نہیں...... اس کے تم جیسے ہاتھوں میں جانے سے بہتر یہی ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے۔"

عالیہ کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی سعید خرم نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ اس تھپڑ کی وجہ سے عالیہ اچھل کر صوفے پر جا گری تھی۔

"کوئی میری محنت کو تباہ نہیں کر سکتا، کوئی مجھے دنیا کی حکمرانی سے نہیں روک سکتا۔ کوئی نہیں۔" سعید خرم پاگلوں کے مانند چلایا۔ "یہ کام تو تمہیں کرنا ہی ہوگا...... کرنا ہی ہوگا۔"

"سعید خرم تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ پاور کے رک جانے کا مطلب جانتے ہو۔ ابھی گھنٹا بھر میں یہ دفتر ہمارے کلائنٹس سے بھر جائے گا۔" عالیہ ہنستے ہوئے بولی۔ "پھر تم کچھ نہیں کر پاؤ گے...... کچھ بھی نہیں۔"

"تو اپنی بکواس بند کر......" وہ غرایا اور عالیہ کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں لے کر دبانے لگا۔ عالیہ کی سانس بند ہو رہی تھی۔

"سر...... سر یہ آپ کیا کر رہے ہیں اگر میڈم کو کچھ ہو گیا تو ہم پاور کو کبھی ٹھیک نہیں کر پائیں گے۔" شاہد احمد، سعید خرم کو کھینچتے ہوئے بولا۔ اس کی بات سنتے ہی سعید خرم کے دماغ میں بھی عقل کی بتی جل اٹھی تھی۔ اس نے عالیہ کو دھکیل دیا اور باہر کی کرسی پر جا بیٹھا۔ عالیہ دونوں ہاتھوں سے گردن تھامے کھانس رہی تھی مگر اس کی نگاہیں اب بھی سعید خرم کو چیلنج کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے عالیہ......" وہ چند لمحوں کے بعد کمپوز ہو کر سکون سے بولا۔ "یہ بجا ہے کہ میں تمہیں نہیں ماروں گا اور یہ بھی کہ تمہیں موت کا خوف نہیں ہے مگر اس کے باوجود تم میرا کام کرو گی۔"

"مجھے لگتا ہے کہ صدمے نے تمہارے دماغ کو نقصان پہنچایا ہے۔" وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم کرو گی عالیہ کیونکہ تمہیں دوسروں کی فکر ہے، اور دوسروں کی فکر انسان کو کمزور بنا دیتی ہے۔" وہ مسکرایا پھر شاہد کی طرف متوجہ ہوا۔ "اوپر آئی ٹی میں اس وقت کتنے لوگ ہیں؟"

"سر پندرہ سولہ لوگ موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے انہیں نیچے لے آؤ۔"

عالیہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہد احمد پانچ منٹ بعد واپس آگیا تھا۔ اس کے ساتھ پروگرامرز کی ٹیم تھی جس میں سے دس کو سعید خرم نے روک لیا تھا۔ باقیوں کے جانے کے بعد وہ عالیہ کی جانب مڑا۔

"عالیہ میں وقت برباد کرنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اب میری تمہاری ڈیل ہے تم اسی وقت پاور کو دوبارہ فعال کرو گی ورنہ میں ایک ایک کر کے یہاں تمہارے سامنے ان کی جان لے لوں گا۔" اس کے ان الفاظ پر عالیہ سکتے کی سی کیفیت میں آگئی تھی۔ کمرے میں ایک لمحے کو شور سا مچ گیا تھا جسے گارڈز نے کنٹرول کر لیا تھا۔

"بولو پھر کیا کہتی ہو؟"

"تم یہ نہیں کر سکتے۔" وہ ہکلائی۔

"اچھا یعنی تم ثبوت کے بغیر کوئی بات نہیں مانو گی۔" وہ مسکرایا پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے گارڈ کے ہاتھ سے گن لی اور سب سے آگے کھڑی لڑکی کے سر پر گولی ماردی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گری اور چند لمحے تڑپ کر موت کی وادی میں کھو گئی۔

عالیہ پھٹی پھٹی نظروں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ وہ

سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سعید خرم اس حد تک جا سکتا ہے۔

''جواب دو...... عالیہ۔'' وہ سفاکی سے بولا۔ ''تم یہ کررہی ہو یا نہیں......؟''

''میڈم ہماری جان بچالیں۔'' اسٹاف میں سے ایک نوجوان تیزی سے آگے بڑھ کر بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ عالیہ نے اس کی جانب دیکھا۔

''تم اب تک خاموش ہو؟'' سعید خرم بولا۔ ''نو میٹر (کوئی بات نہیں)۔'' اور ہاتھ گھما کر اس نوجوان پر گولی چلا دی، وہ اچھل کر زمین پر گرا تھا۔

''نہیں رک جاؤ۔'' عالیہ یکلخت چیخ پڑی۔ اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔

''میں...... میں یہ کروں گی، میں پاور کو ٹھیک کردوں گی۔ سعید خرم تم...... تم کسی کو مت مارو...... انہیں جانے دو پلیز۔'' میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' وہ مسلسل ہذیانی انداز میں کہے جارہی تھی۔

''آگیا دماغ ٹھکانے پر۔'' وہ فلک شگاف قہقہہ لگا کر بولا۔ ''اگر تم چاہو تو میں ایک تحفہ تو اور دے ہی سکتا ہوں۔''

''نہیں، میں کردوں گی میں پاور کو ٹھیک کردوں گی۔'' وہ پوری جان سے لرز رہی تھی۔

''تو پھر کرو...... یاد رکھو ذراسی غلطی یہاں تیسری لاش گرا دے گی اور یہ کام فوراً ہونا چاہیے۔'' سعید خرم غرایا۔

عالیہ نے کانپتے ہاتھوں سے کمپیوٹر آن کیا تھا۔ عین اسی لمحے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا تھا۔ سب سے پہلے کمرے میں داخل ہونے والا اسد تھا۔ سعید خرم نے ہاتھ میں پکڑی گن کا رخ اس کی طرف کیا تھا۔

''اسد بچو۔'' عالیہ چلائی اور پھر اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ لیا تھا۔ وہ یہ سب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اسد کے ساتھ ہی پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری اندر داخل ہوگئی تھی۔ سعید کو گولی چلانے کا موقع نہیں مل پایا تھا اسے لمحے بھر میں قابو میں کرلیا گیا تھا۔

''تم لوگ میرے ساتھ یہ نہیں کرسکتے، میرے ساتھ کوئی ایسا نہیں کرسکتا، میں اس دنیا کا نیا حاکم ہوں۔ نئی سپر پاور...... جاہلوں تم میری بات کیوں نہیں سن رہے۔'' وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

''عالیہ تم ٹھیک ہو؟'' اسد اس کی جانب لپکا۔ اس کے قریب آتے ہی وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

''عالیہ...... اب سب ٹھیک ہوگیا ہے۔ تم، ہم سب خطرے سے باہر ہیں اور تمہارا ''پاور'' بھی۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اگر اس کے باوجود تم میرے گلے پڑے ہی رہنا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے یوں بھی اصولی طور پر تم میری اس وقت باس ہو۔'' اس کے ان جملوں پر عالیہ جھینپ کر الگ ہوگئی تھی۔

''اس نے ان بے گناہوں کو میری آنکھوں کے سامنے مار ڈالا۔'' وہ بمشکل بولی۔

''اسے اس کی سزا ملے گی۔''

''تم کیسے آگئے اس طرح......؟'' اب وہ بہتر ہوتی جارہی تھی۔

''اس حادثے کے بعد مجھے حرکت میں آنا ہی تھا۔ میں نے اعلیٰ سطح پر پولیس اور رینجرز میں رابطے کیے۔ ان کے سامنے یہ پورا کیس بیان کیا اور پھر انہیں یہاں چھاپے پر آمادہ کیا۔ شکر ہے کہ تم محفوظ تھیں۔''

''اس کھیل کا بنیادی کردار سعید خرم تھا۔ بابر شاید صرف ایک مہرہ ہے۔'' وہ بولی۔

''ہے نہیں تھا۔ بابر کو بھی اس نے ختم کروا دیا ہے اور ذیشان کو بھی۔''

''اوہ......'' عالیہ بولی۔

''اب تم کچھ مت سوچو...... پُرسکون ہوجاؤ۔''

''ہاں مگر اس سے پہلے، مجھے ایک کام کرنا ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ کیا؟''

''مجھے پاور کو فعال کرنا ہے ورنہ ہمارے کلائنٹس کمپنی کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔'' وہ پہلی بار مسکرائی۔

ٹھیک چھ دن بعد عالیہ دوبارہ اسٹاک ایکسچینج کی عمارت کے ہال میں کھڑی تھی۔ اس دوران بورڈ کے باقی ماندہ ممبران کی درخواست پر اس نے ''پاور'' کی چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سنبھال لی تھی۔ اس کے برابر میں شجاعت احمد تھا جو قدرے کمزور مگر بہتر لگ رہا تھا۔ اسکرین کے سبز ہوتے ہی عالیہ نے مسکرا کر سبز بٹن دبایا۔ اس کی پشت پر لگی بڑی اسکرین پر ''پاور'' کے نام کے ساتھ تیمور خالد کی تصویر آگئی تھی۔ ''پاور'' نے اپنے سپر کمپیوٹر کا نام ''تیمور'' رکھ دیا تھا اور یہ اس کا باقاعدہ اعلان تھا۔